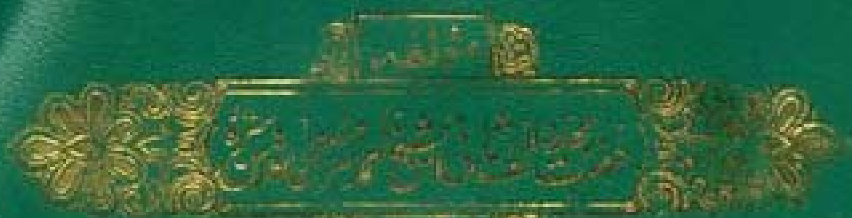
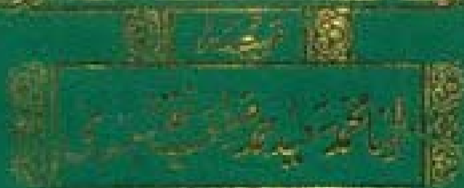

مکتوبات امام ربانی
اردو


حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی






مدینہ پبلشنگ کمپنی

صُحُفٌ مُّطَهَّرَةٌ فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ

للہ الحمد بر آں چیز کہ خاطر می خواست

آخر آمد ز پس پردۂ تقدیر پدید

یعنی

اُردو ترجمہ

مکتوباتِ امامِ ربانیؒ

حضرت مجدد الف ثانی الشیخ احمد سرہندی قدس سرہٗ

دفتر سوم — حصہ اول

تصحیح و حواشی و ترجمہ

مولانا محمد سعید احمد صاحب نقشبندی

خطیب امام مسجد حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ

ناشر:

مدینہ پبلشنگ کمپنی، بندر روڈ کراچی

طبع اول ——— آفسٹ ایڈیشن ——— ۱۹۶۲ء

طابع و ناشر ——— مدینہ پبلشنگ کمپنی
بندر روڈ۔ کراچی

مطبع ——— مشہور آفسٹ پریس کراچی

تعداد ——— دو ہزار (۲۰۰۰)

قیمت ——— حصہ ہفتم۔ ہشتم۔ نہم مجلد
معہ پلاسٹک کور

ملنے کا پتہ:۔

مدینہ پبلشنگ کمپنی بندر روڈ۔ لاہور

اردو ترجمہ فہرست مضامین مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی حصہ ہشتم دفتر سوم

تمت بالخیر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

اردو ترجمہ مکتوبات شریف

دفتر سوم حصہ اول

تمہید

یہ تیسری جلد معرفۃ الحقائق کے نام سے موسوم ہے خواجہ محمد ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ ان مکتوبات کے جامع ہیں:

اما بعد یہ کلمات طیبات اور بلند درجہ حروف جن کا ہر نقطہ بے قرار دلوں کی پرکار کا مرکز اور محبت ذاتیہ کی آگ تیز کرنے والا اور اغیار کی آنکھ کو بے نور کرتا ہے اور حقائق و معارف کی دلہنوں کے رخسار کو زینت بخشنے والا خال اور دور سے باریکیوں کو دیکھنے والی آنکھوں کی پتلی ہے احدیت کے موجزن دریا کا نہایت قیمتی مروارید ہے جسے ایک پاک ترین غوطہ زن کے باطنی لمبے ہاتھ ساحل پر نکال لائے ہیں اور جان بخشنے والا نافہ ہے جسے صحرائے ہویت کے ہرن کی ناف سے ایک سیاح کے بیان کے پورے محفل میں کھینچ لائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فقراء کو اس دُرِّ یتیم کے ذریعے بے نیاز کر دیا ہے اور اس خوشبو سے ان کی ارواح کے دل و دماغ کو معطر کرتا ہے

ز ہر یک نقطہ اش چوں نافۂ تر   نسیم وصل جاناں مے زند سر
ولے کز برودت ورز کام است   چہ داند نافہ اش گر در مشام است
سرایم مدح ان سیاح غواص   کنم خورشید را چوں ذرہ رقاص

ان مکتوبات کا ہر نقطہ نافہ کی طرح مہک رہا ہے۔ وصل معشوق کی خوشبوان سے پھیلتی ہے۔

لیکن وہ شخص جسے ٹھنڈک کے باعث زکام ہو چکا ہے وہ اس نافہ کو کیا جان سکتا ہے اگرچہ یہ نافہ اس کی ناک میں ہی رکھ دیا جائے۔

میں حقائق و معارف کے سمندر میں غوطہ زن سیاح کی مدح سرائی کرتا ہوں۔ میں آفتاب کو ذرہ کی طرح رقص میں لاتا ہوں۔

مبین فرزند فاروق است چوں اب — کنوں نطق از زبان او کند رب [1]
سراپا نسخۂ اخلاق فاروق — بزہر منقصت تریاق فاروق [2]
چراغ نقشبند ہفت محفل — نگاہش نقشبند غیر از دل [3]

آپ مخلوقات کے فریاد رس حقائق کے سمندر کے غوطہ زن ہیں۔ آپ وصول اللہ کی معراج اور قبول حق کا کھلا راستہ ہیں آپ خزینۂ رحمت اور دفینۂ حکمت ہیں۔ دلوں میں جھانکنے والے۔ علوم غیبیہ کے طلوع کا مقام ہیں۔ عاملین کے اکٹھا ہونے کی جگہ ہیں۔ کاملین کی حجت اور دلیل ہیں۔ پسندیدہ لوگوں کی آنکھ کی پتلی اور دانشمندوں کا باغ ہیں۔ آپ طریقت کے نور حقیقت کے پھول جہان والوں کے لئے زینت اور عالموں کی آنکھ ہیں۔ آرزوؤں کی کہان۔ امیدوں کا رشتہ۔ راہنمائی کا آئینہ محبت کی سیڑھی۔ رموز و اشارات کی جائے ظہور، خزانوں اور بشارتوں کا منبع ہیں۔ دریائے حسن ملاحت کے ناخدا اور خوبصورتی صباحت کے گھر کا چراغ ہیں۔ ولایت محمدی اور ولایت ابراہیمی کے دو دریاؤں کو ملانے والے ہیں۔ اور دو گروہوں کے درمیان صلح کرانے والے ہیں۔ آپ متکلمین کی جائے استشہاد اور موحدین کی دلیل ہیں۔ سلف کی برہان اور خلف کی حجت ہیں۔ ان وفود ارباب معرفت کا اعتماد مہدی موعود کی تشریف آوری کے پیغام رساں ہیں۔ اصل و فرع کے آفتاب اور دین و شرع کی رونق ہیں۔ سید البشر کے وارث۔ گیارھویں صدی کے روشن کرنے والے یعنی مجدد الف ثانی امام ربانی سے

١۔ کجا گر روز وصفش خامہ آگاہ — چہ نم دریا بدا ز دریا پر کاہ [4]
٢۔ ہماں بہتر کزیں پس گوش باشم — سراپم نغمہ و خاموش باشم [5]

آپ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس نام کے ہمنام ہیں جس کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بشارت دی یعنی الشیخ احمد بن الشیخ عبدالاحد نسب میں فاروقی مذہباً حنفی مسلک، ومشرب میں نقشبندی اللہ سبحانہ تعالیٰ اہل جہاں پر آپ کا سایہ حیات، دائم رکھے اور قیامت تک آپ کی برکتوں کے دریاؤں سے انہیں سیراب کرتا رہے۔

وقت اور حال کے لحاظ سے وہ لوگ کس قدر خوش نصیب ہیں۔ وہ مطالعہ کرنے والے سلیم القلب

---

[1] فاروق اعظم کے یہ حضرت ابنِ قدس سرہ العزیز باپ کی طرح تمام صورت و شرف میں اب خدا تعالیٰ حضرت ابنِ علیہ الرحمۃ کی زبان سے بات کرتا ہے۔

[2] آپ اخلاق فاروقی کا نسخۂ جامعہ ہیں۔ نقائص کے زہر کے لئے آپ فاروقی تریاق ہیں

[3] آپ سلسلہ نقشبندیہ کی ساتوں محفلوں کا چراغ ہیں۔ آپ کی نگاہ غیر حق کو دل میں آنے سے روک دیتی ہے۔

[4] قلم آپ کے وصف سے کیسے آگاہ ہو سکتا ہے۔ معمولی سی دریا سے ادنیٰ تنکے سے زیادہ کیا پا سکتی ہے

[5] تو یہی بہتر ہے کہ اس کے بعد کان بن جاؤں۔ آپ کی صفت و ثنا سنتا رہوں۔ نغمہ سرائی کروں اور خاموش ہو جاؤں۔

حضرات کہ جب ان کی نظر کی سیاہ پتلی ان اسرار اور حکمتوں کے ذخیرہ عظیم کی سیاہی پر کھلتی اور پڑتی ہے تو بعطائے ربانی اس سیاہی (مکتوبات شریف کے حروف) سے خدا تعالیٰ کے حضور کی امداد پاتے ہیں اور اس سیاہی سے اپنے دلوں کو پرنور کرتے ہیں اور کتنے ہی خوش مآب اور خوش مآل ہیں وہ مستقیم الاحوال پڑھنے والے کہ جب ان کی زباں اس عظیم دریا سے آشنا ہو جاتی ہے تو الہام سبحانی سے ان کی جان مٹھاس سے بھر جاتی ہے اور حلاوت وشرینی میں گم ہو جاتی ہے۔ ان پاک طبیعت ہم جنس اور ان نیک اعتقاد سعادتمندوں کو مرحبا کہ جب غایت باریکی اور خفا کے باعث ان نکات و رموز کا جو عقل کی سمجھ سے بالاتر ہیں پردہ نہیں اٹھتا تو اپنی عدم یافت اور قصور دریافت کو لے کر صد ثنا کے راستے پر دوڑ پڑتے ہیں۔

کے را از ایشاں جز ایشاں نہ داند [1]

گویا سب کچھ تسلیم کرتے ہیں اور اس طرح سعادت ابدیہ کے نقد پھلوں کو اپنے ہاتھ میں لاتے ہیں یہ سعادت اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے کو نصیب ہوتی ہے۔

لیکن مکتوبات شریف کے پڑھنے والے ان کج بین اور انہیں سننے والے عیب جو حضرات پر افسوس کہ ان غبی طبعوں سے جو کچھ ان کے فہم و سمجھ میں آتا ہے اور ان کی طبیعت کے مطابق ہوتا ہے۔ اسے اس صاحب کلام کی طرف سے گفتگو کی مہارت اور خیال کی اختراع کی طرف لوٹاتے ہیں اور جو کچھ رموز و کنایات میں سے اپنی طبع کے موافق نہیں پاتے کوتاہ نظری سے اپنی نقصان و عیب کی زبان دراز کرتے ہیں اور مطابق "انسان ہمیشہ اس چیز کا دشمن ہوتا ہے جسے نہیں جانتا" مخالفت کا نتیجہ نکال لیتے ہیں۔ نہیں جانتے کہ یہ بلند گروہ اپنے پوشیدہ اسرار کے اظہار میں درمیان میں نہیں ہوتا۔ سے

ایشاں نیند ایں ہمہ الحان زمطرب است [2]

اللہ سبحانہ ہمارے بھائیوں کو اپنے پوشیدہ عیوب اور صفا کیش پاک دلوالوں کے اسرار غیب سے بینا کرے اور ان دانائے سر سے کینہ کی پرفریب زنجیر و طوق سے نجات بخشے جو زنجیر و طوق اپنے دل اور گردن میں ڈالے رکھتے ہیں یعنی جھٹکنے سے اپنے آپ کو قابو میں رکھتے ہیں۔

اور وہ جو میں نے کہا کہ یہ حضرات، اسرار کے بیان وقت کے درمیان میں نہیں ہوتے اس کی دلیل خود ان اصحاب اسرار سے سن لیں۔ سے

بہر حال تو ہم حال تو برہان و دلیل [3]

---

[1] ان کے سوا انہیں کوئی نہیں جانتا۔

[2] وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے بلکہ یہ سب مطرب کی آواز ہے۔

[3] تیرے حال پر تیرا اپنا حال ہی برہان و دلیل ہے۔

جب فتوحات کی کان مکتوبات کی جلد اول جو درالمعرفت کے نام سے موسوم ہے، اتمام و اختتام کی تاریخ کو پہنچی تو گفتگو کے صاف اور میٹھے پانی کے بعض پیاسوں نے خدمت اقدس میں عرض کی کہ اگر اشارہ عالیہ ہو تو اسرار کی نہریں موتی بکھیرنے والے قلم کے چشمہ سے جو کچھ پھوٹ پھوٹ کر جمع ہو رہا ہے اس سے جلد ثانی کا دریا نمودار ہو جائے تو حضرت اقدس نے نہایت انکسار اور خدا تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے فرمایا یہ تمام علوم جو ظاہر ہوئے اور تحریر میں آئے ہیں ان کے بارے میں فکر و حیرت میں ہوں کہ بارگاہ ایزدی میں مقبول و پسندیدہ ہیں یا نہیں پھر خاموشی اختیار کر کے بشارت و الہام کے منتظر ہوئے۔ دوسرے دن فرمایا مجھے آواز آئی ہے اور ظاہر کیا ہے کہ یہ تمام مکتوبات تو نے لکھے ہیں بلکہ جو کچھ بھی تیری گفتگو میں آیا ہے مقبول و پسندیدہ ہے اور میرے لکھے ہوئے کی طرف اشارہ فرمایا کہ یہ سب کچھ ہم نے کہا اور ہمارا بیان ہے اور اسی وقت وہ تمام علوم میرے سامنے رکھے اور میں نے ایک ایک بات پر اجمالاً اور تفصیلاً نظر ڈالی خاص کر ان علوم میں جن میں مجھے کسی وقت تردد اور شک رہا تھا میں نے ان سب کو اس حکم میں داخل و شامل پایا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلیٰ اِحْسَانِہٖ تو قابل احترام قلم کو اسرار قدم کی تحریر میں جاری کیا اور جب وہ (جلد دوم) ۹۹ مکتوب تک پہنچی جو اسما حسنیٰ کے عدد کے مطابق ہے تو اسی عدد پر ختم کر دی۔ اور جلد اس سال میں اختتام پذیر ہوئی جس کی تاریخ نور الخلائق سے ظاہر ہے۔

بعض مکاتیب جو اس کے بعد منصب گزارش اور صحیفہ نگارش میں آئے ان کے بارے میں اعلیٰ نسب والے امیر عمدہ حسب والے سید قطب زمانہ دریگانہ ؎

۱	در تفرید را بحرے دکانے	تن تجرید را روحے وجانے
۲	دم از آئینہ سازد نور زائل	دم او صیقل آئینہ دل

ایقال و عرفان کی کان یعنی محمد النعمان بن شمس الدین یحییٰ مشہور بمیر بزرگ بدخشانی سلمہ اللہ والبقاہ جو حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کے بڑے خلفا میں سے کامل خلیفہ ہیں اور حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے حکم سے جانب دکن میں مخلوق کے راہنما اور اس بلند طریقہ کو رواج دینے والے ہیں نے التماس کیا کہ ان بکھرے ہوئے موتیوں کو جمع کر کے جلد ثالث کے لئے محفوظ رکھا جائے تاکہ وقت پر کام آئیں۔ اس التماس کو شرف قبولیت نصیب ہوا جب یہ مکتوبات تیس سے کچھ اوپر ہوئے تو سیادت و نقابت پناہ میر محمد نعمان اور اس درگاہ کے خادموں میں ظاہری اور ضروری جدائی حائل ہو گئی۔ اور حضرت مجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دل بے نظیر

لہ مروارید کے موتیوں کی معدن اور کان۔ تجرید کے جسم کے لئے روح اور جان۔

لہ سانس تو آئینے سے نور کو زائل کر دیتا ہے مگر آپ کا دم اور سانس دل کے آئینے کو صیقل اور صاف کرتا ہے۔

بھی مدت دراز تک تحریر معارف اور تقریر مکاشفات پر آمادہ نہ ہوا۔ یہاں تک کہ تائید و ہدایت خداوندی جل شانہ سے کئی سال بعد اس ضعیف کی آرزو کہ جس کا نام اس جلد کے مکتوب اول کے آخر میں مجدد صاحب کے قلم سے لکھا گیا ہے اس سنہ میں کہ جس کے عدد خاک نشین کے لفظ سے ظاہر ہیں۔ حضرت مجدد صاحب رضی اللہ عنہ کی دہلیز مبارک پر بیٹھنے کی سعادت حاصل ہوئی تو اس وقت زبان غیب کا دریا اور حضرت ایشاں کی انگلیوں کے پورے تقریر کے تموج اور جوش تحریر میں آئے اور اس غریب نواز نے اپنی انتہائی رحمت و شفقت سے اس کمترین کو ان مسودات کے جمع کرنے اور سوادے بیاض میں نقل کرنے کے لئے ممتاز فرمایا اور اسی سال میں کہ وہ لفظ ثالث سے معین ہے تیسری جلد مکمل کرنے میں کامیاب ہو گیا اور جب مکتوبات کا شمار ۱۱۳ تک پہنچا جو کہ حروف باقی ۱۱۳ کے عدد کے موافق ہے اور تین اعتبار سے اس کو یہیں پر ختم کرنا نہایت شایاں و زیبا تھا اس جلد کو اسی سال میں کہ جس کے اعداد کاس الراسخین سے بھی ظاہر ہیں ختم کر دیا اس کے بعد ایک مکتوب کو جو کہ علوم جدیدہ اور اسرار غریبہ کی تازگی سے ظاہر ہوا تھا اس کے متعلق حکم دیا کہ کستوری کی مہر اسے قرار دیا جائے اور ایسا ہوا کہ اس کو ملانے سے قرآن مجید کی سورتوں کے عدد کی مطابقت ہو گئی۔ سو اول و آخر۔ ظاہر و باطن اللہ تعالیٰ ہی کی سب تعریفیں ہیں۔ طالبان حق کو اس خوان پر مائدہ سے جان کی خوراک اور ایمان کی قوت خدا تعالیٰ کی مہربانی سے قیامت تک نصیب ہو۔ اور وہی سیدھے راستے کی طرف راہنمائی کرنے والا ہے۔

مکتوب نمبر ۱

سیادت و ارشاد پناہ میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا
خداوند تعالیٰ جل سلطانہ کی ذات وصفات وافعال کی اقربیت سے متعلق ان کے سوال کے جواب میں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

آپ کا مکتوب گرامی پہنچا آپ نے بہت تکلیف اٹھائی اللہ تعالیٰ آپ کی کوشش کو قبول فرمائے۔ آپ نے کئی بار خداوند جل سلطانہ کی ذات وصفات وافعال کی اقربیت کے متعلق سوال کیا ہے اور آپ اس بیان کے شائق ہیں تو ضرورت کے مطابق لکھا جاتا ہے

معلوم ہونا چاہیئے کہ ہر شے اپنی اصلی ماہیت کے ساتھ شے ہے اور اس شے کی ماہیت کے ثبوت کے طور پر کسی بنانے والے کا بنانا درکار نہیں ہے بلکہ ثبوت شے خود اس کے نفس کے لیے ضروری (بدیہی) ہے یہی وجہ ہے کہ فلاسفہ نے کہا ہے کہ نفس ماہیات میں جعل (بنانا) ثابت نہیں ہے۔ اور ماہیات مجعول (بنائی گئی) نہیں ہیں۔ بنانے والے کا بنانا ماہیات میں صفت پیدا کرنے کے لیے درکار ہے مثلاً ایک رنگریز کا کام یہ ہے کہ وہ کپڑے میں رنگ کی صفت پیدا کرے نہ یہ کہ کپڑے کو کپڑا بنائے یا رنگ کو رنگ بنائے کیونکہ وہ محال ہے اور تحصیل حاصل ہے۔

پس جعل (بنانا) نفس شے میں نہ ہوا بلکہ شے میں صفت پیدا کرنے کے لئے ہوا پس ثابت ہوا کہ شے اپنی ماہیت کے ساتھ شے ہے اور یہ بات کشفی نظر میں ظل (سایہ) شے اور عکس شے میں نہیں ہے کیونکہ کسی چیز کا ظل وعکس ہو ماہیت ظلی وعکسی کے ساتھ ظل اور عکس نہیں ہے بلکہ اپنے اصل کی ماہیت سے ظل وعکس ہوا ہے کیونکہ ظل کی کوئی حقیقت نہیں ہے بلکہ اس کے اصل کی ماہیت ہے جس نے ظل سے اپنے آپ کو ظاہر کیا ہے۔ پس ظل کے لئے اس کے اپنے وجود سے اس کا اصل زیادہ قریب ہوگا۔ کیونکہ ظل اپنے اصل سے ظل ہے نہ کہ بنفس خود۔

چونکہ تمام عالم افعال واجبی جل سلطانہ کے عکوس وظلال ہیں تو لازماً صفات عالم کے ساتھ عالم سے جو کہ افعال ہیں زیادہ قریب ہوں گی کیونکہ وہ ان کے اصل کا اصل ہیں اور جب صفات بھی

ظل تعالیٰ کی ذات کی ظلال ہیں اور اللہ جل سلطانہٗ کی ذات تمام اصول کی اصل ہے تو لازماً اللہ تعالیٰ کی ذات عالم کے ساتھ عالم سے اور افعال وصفات خداوندی سے زیادہ قریب ہوگی۔ یہ ہے اللہ تعالیٰ کی اقربیت کا بیان جو کہ تحریر بیان میں آسکتا ہے۔ عقلاء اگر انصاف کریں تو ہو سکتا ہے کہ اس معنی کو قبول کرلیں اور اگر قبول نہ کریں تو کوئی غم نہیں کیونکہ وہ بحث سے خارج ہیں۔

اور چونکہ اس بیان میں عقلی مقدمات بھی بیان ہوئے ہیں اگر سیادت پناہ میر شمس الدین علی کو بھی اس مکتوب کے مطالعہ میں شامل کرلیں تو گنجائش رکھتا ہے اور آپ نے لکھا تھا کہ مکتوبات کی تیسری جلد شروع کریں؟ تو آپ ایسا کرلیں کیونکہ اللہ والے جس چیز میں درستی دیکھتے ہیں ہو سکتا ہے کہ اس میں برکت ہو اور جب آپ میر مشار الیہ شمس الدین علی کو یہ کام سپرد کریں تو انہیں کہیں کہ متعدد نسخے تیار کریں اور ان کی ایک نقل سرہند میں بھی بھیج دیں اور مسودات کو محفوظ رکھیں شاید کسی وقت ضرورت پڑے۔

اور یہ فقیر آپ کے جانے اور رہنے میں حیران ہے آپ کی ملاقات کی خواہش بہت زیادہ ہے اور آپ کے جانے کے متعلق زبان نہیں کھول سکتا اور رہنے کے متعلق بھی نہیں کہہ سکتا ایسا نہ ہو کہ آپ کا رہنا بہت سی جماعت کی مصلحتوں کے خلاف ہو۔ اس قدر ضرور ہے کہ اگر آپ جائیں تو خواجہ محمد ہاشم کو بھیج دیں کہ چند روز صحبت میں رہے اور بعض علوم ومعارف سیکھ لے کہ وہ ایک نوجوان قابل آدمی معلوم ہوتا ہے۔ اور مشار الیہ چونکہ آپ کا پروردہ ہے اور آپ کے مذاق کو پہچانتا ہے اپنے سوالات اس کے حوالے کر دیں کہ وہ جواب لے کر ان کو آپ تک پہنچا دے والسلام۔

مکتوب نمبر ۲

حضرت جامع الاسرار والعلوم مخدوم زادگان گرامی خواجہ محمد سعید وخواجہ محمد معصوم سلمہما اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا۔

وعظ ونصیحت اور خلقت سے قطع تعلق کرنے اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی جناب سے متوسل ہونے کے بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

خوشی غمی آسانی اور تنگی، نعمت اور نقمت، رحمت اور زحمت، سختی اور نرمی، عطا اور بلا غرض ہر حال میں تمام تر تعریفیں اللہ رب العلمین کے لئے ہیں اور درود اور سلام ہو اس پر جس کی ایذا کی مثل کسی نبی کو ایذا

نہیں دی گئی اور ان کی آزمائش کی طرح کسی کی آزمائش نہیں کی گئی اور اسی لئے وہ تمام جہانوں کے لئے رحمت، اور پہلوں اور پچھلوں کے سردار ٹھہرے ہیں۔

معزز بیٹو اگرچہ مصیبت کا وقت تلخ اور بے مزہ ہے لیکن اگر فرصت مل جائے تو غنیمت ہے اس وقت میں جس طرح کی فرصت آپ کو ملی ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد بجا لائیں اور اپنے کام کی طرف متوجہ رہیں اور ایک لمحہ اور ایک لحظہ بھی اپنے لئے فراغت کا تجویز نہ کریں اور چاہیئے کہ تین چیزوں میں سے ایک میں بہر حال مشغول رہیں قرآن مجید کی تلاوت اور لمبی قراءت سے نماز کی ادائیگی اور کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ کا تکرار۔

چاہیئے کہ لا کے کلمہ کے ساتھ اپنے نفس کی خواہشوں کی نفی کی جائے اور اپنی مراد اور مقصد کو دور کریں اپنی مراد کو طلب کرنا اپنی خداوندی کا دعویٰ کرنا ہے۔ چاہیئے کہ سینہ کے میدان میں کسی مراد کی گنجائش نہ ہو اور خیال میں کوئی ہوس باقی رہے تاکہ بندگی کی حقیقت ثابت ہو اپنی مراد کا چاہنا اپنے آقا کی مراد کے رد کرنے کو مستلزم ہے اور اپنے مالک سے معارضہ کرنا ہے اور یہ بات اپنے مالک کی نفی کرنے کو مستلزم ہے اور اپنے مولا ہونے کا اثبات ہے۔ اس بات کی قباحت کو اچھی طرح سمجھیں اور اپنے دعوائے الوہیت کی نفی کریں یہاں تک کہ ہوا و ہوس سے پوری طرح پاک ہو جائیں اور اپنے مالک کی مراد کے سوا کوئی مراد نہ رکھیں۔

اور یہ بات اللہ کے فضل و کرم سے امید ہے کہ مصیبت کے دنوں اور امتحان کے اوقات میں آسانی سے میسر آجائے گی اور ان ایام کے علاوہ یہ ہوا و ہوس سد سکندری ہے۔ گوشہ میں بیٹھ کر اس امر میں مشغول رہیں کہ فرصت غنیمت ہے۔ فتنوں کے زمانہ میں تھوڑی خدمت کو بھی قبول کر لیتے ہیں اور فتنوں کے علاوہ دوسرے ایام میں مجاہدات و ریاضت شاقہ کی ضرورت ہے۔ خبر شرط ہے ملاقات خواہ ہو یا نہ ہو نصیحت یہی ہے کہ کوئی مراد اور کوئی ہوس باقی نہ رہے

اپنی والدہ کو بھی اس معنی سے مطلع کر دیں اور رہنمائی کریں۔ باقی اس دنیا کے حالات بہر حال گذر ہی جانے والے ہیں ان کو کیا بیان کیا جائے چھوٹوں پر شفقت رکھیں اور پڑھنے کی ترغیب دیں اور اہل حقوق کو جہاں تک ہو سکے ہماری طرف سے راضی کریں اور سلامتی ایمان کی دعا سے مدد و معاون رہیں مکرر مو کد لکھا جاتا ہے کہ اس وقت کو بے فائدہ کاموں میں صرف نہ کریں اور ذکر الہی جل سلطانہ کے بغیر کسی چیز میں مشغول نہ ہوں۔ اگرچہ وہ کتابوں کا مطالعہ اور طلباء کے ساتھ تکرار ہی کیوں نہ ہو یہ ذکر کا وقت ہے نفسانی خواہشات کو جو کہ معبودان باطل ہیں لا کے تحت میں لائیں تاکہ سب منتفی ہو جائیں اور کوئی مراد اور کوئی مقصود سینہ میں باقی نہ رہے۔

یہاں تک کہ میری رہائی بھی جو کہ بالفعل آپ کا سب سے بڑا مقصد ہے بھی مقصود نہ ہونا چاہیئے اور

اللہ تعالیٰ کے ارادہ وفعل پر راضی رہیں اور کلمہ طیبہ کے اثبات کی جانب میں سوائے اللہ تعالیٰ کی ذات کے جو کہ معلومات اور متخیلات سے وراء الوراء ہے کوئی چیز نہ ہو حویلی، سرائے، کنویں، باغ، کتابوں اور دوسری چیزوں کا غم بڑی آسان چیز ہے۔ ان میں سے کوئی چیز بھی آپ کے وقت میں مزاحم نہ ہونی چاہیئے۔ اور خداوند جل وعلا کی مرضیات کے علاوہ اور کوئی مراد نہ ہونی چاہیئے۔ اگر ہم مر جائیں تو یہ تمام چیزیں چلی ہی جائیں گی اور اگر یہ ہماری زندگی میں چلی جائیں تو کوئی فکر نہ کریں۔ اولیاء اللہ نے ان چیزوں کو اپنی مرضی سے چھوڑا ہے اور ہم ان چیزوں کو اللہ کے اختیار سے چھوڑیں گے اور اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لائیں گے اور امید ہے کہ مخلصین میں سے ہوں گے۔

جس جگہ آپ بیٹھے ہیں اسی کو وطن سمجھیں۔ چند روزہ زندگی جہاں بھی گزر جائے اللہ تعالیٰ کی یاد میں گزرے۔ دنیا کا معاملہ آسان ہے۔ آخرت کی طرف متوجہ رہیں۔ اپنی والدہ کو تسلی دیں اور آخرت کی ترغیب دلائیں۔ ہو سکتا ہے کہ اگر خدا تعالیٰ کو منظور ہو تو ملاقات میسر ہو جائے ورنہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر راضی رہیں اور دعا کریں کہ ہم جنت میں جمع ہوں اور اللہ کے فضل وکرم سے دنیا کی ملاقات کی تلافی آخرت میں کریں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ (ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی تعریف ہے)

مکتوب نمبر ۳

سیادت پناہ میر محب اللہ مانک پوری کی طرف صادر فرمایا

کلمہ طیبہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے معنی کے بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ کوئی بھی فرد ایسا نہیں ہے جو الوہیت ومعبودیت کا استحقاق رکھے مگر بے مثل خداوند تعالیٰ جو واجب الوجود ہے اور حدوث ونقص سے پاک وبری ہے کیونکہ عبادت کا مستحق جو کہ کمال تذلل وخضوع وانکساری سے عبارت ہے۔ وہی ہے جس کو تمام کمالات حاصل ہیں۔ اور تمام اشیاء اپنے وجود اور وجود کے توابع میں اس کی محتاج ہیں اور وہ کسی کام میں کسی کا محتاج نہیں ہے اور نافع اور ضار وہی ہے اور کوئی چیز بھی اس کی اجازت کے بغیر کسی کو ضرر اور نفع نہیں پہنچا سکتی۔ ایسی صفات کاملہ والا اور کوئی بھی اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں ہے اور نہ ہی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ غیر

ان صفاتِ کاملہ کے ساتھ بغیر نقصان و زیادتی کے اگر کوئی ثابت ہو جائے تو وہ غیر نہ ہوگا۔ اس لیے کہ آپس میں دو غیر الگ الگ ہوں گے۔ اور یہاں علیحدگی کا وجود ہی نہیں ہے۔

اور اگر تمیز کے اثبات کے ساتھ ہم غیر کا اثبات کریں تو اس کا نقص لازم آئے گا جو کہ الوہیت و معبودیت کے منافی ہے۔ کیونکہ اگر ہم تمام کمالات اس کے لیے ثابت نہیں کریں گے تاکہ ان میں فرق پیدا ہو تو اس کا نقص لازم آئے گا اور اسی طرح اگر تمام نقائص ہم اس سے دور نہ کریں گے تو بھی نقص لازم آئے گا۔ اور اگر اشیاء اس کی محتاج نہ ہوں تو وہ ان کی عبادت کا مستحق کیوں ہوگا۔ اور اگر وہ اشیاء میں سے کسی شے میں بھی یا کاموں میں سے کسی کام میں بھی کسی کا محتاج ہوگا تو وہ ناقص ہوگا۔ اور اسی طرح اگر وہ نافع و ضار نہ ہوگا تو چیزوں کو اس کی کیا احتیاج ہوگی اور وہ کیوں ان کی عبادت کا مستحق ہوگا اور اگر کوئی اس کی اجازت کے بغیر کسی چیز کو نفع یا نقصان پہنچا سکتا ہوگا تو وہ بیکار ہو جائے گا اور عبادت کا مستحق نہ رہے گا۔ تو ایسی صفاتِ کاملہ کا جامع صرف وہی اکیلا ہوگا اور اس کا کوئی شریک نہ ہوگا۔ اور عبادت کا مستحق وہی ایک زبردست ہوگا۔

سوال:۔ اگرچہ ان صفات میں تمیز ایسے طریقہ پر جو بیان ہوا ہے نقص کو مستلزم ہے جو کہ الوہیت و معبودیت کے منافی ہے لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ غیر کچھ اور ایسی صفات رکھتا ہو جو امتیاز کا باعث بھی ہوں اور کوئی نقص بھی لازم نہ آئے اگرچہ ہم ان صفات کو نہیں جانتے کہ وہ کونسی ہیں۔

جواب:۔ وہ صفات بھی دو حال سے خالی نہیں ہیں یا تو وہ صفاتِ کاملہ ہوں گی یا صفاتِ ناقصہ، بہر صورت، استحالہ مذکورہ لازم آئے گا۔ اگرچہ ہم ان صفات کو پوری طرح نہیں جانتے کہ وہ کونسی ہیں لیکن اتنا تو معلوم ہے کہ وہ کمال و نقصان کے دائرے سے باہر نہیں ہیں اور ہر صورت میں نقص دامن گیر ہے۔ جیسا کہ پہلے گزرا۔

اور اللہ تعالیٰ کے سوا غیر کے مستحق معبودیت نہ ہونے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر خداوند تعالیٰ تمام وجودی اور توابع وجودی ضروریات میں کافی ہوگا اور اشیاء کا نفع و نقصان اس سے وابستہ ہوگا تو دوسرا محض بیکار اور بے فائدہ ہوگا اور اشیاء کو اس کی کوئی احتیاج نہ ہوگی۔ بدکردار خداوند تعالیٰ کے سوا کی عبادت کرتے ہیں۔ اور اپنے تراشے ہوئے بتوں کو اپنا معبود بناتے ہیں اپنے اس فاسد خیال کی بنا پر کہ یہ خداوند تعالیٰ کے پاس ہمارے سفارشی ہوں گے اور ہم ان کے وسیلہ سے خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کریں گے۔

یہ لوگ کتنے بیوقوف ہیں۔ ان کو یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ ان کو شفاعت کا مرتبہ نصیب ہوگا اور خداوند تعالیٰ ان کو شفاعت کی اجازت دے دے گا محض وہم کی بنا پر کسی کو خداوند تعالیٰ کی عبادت میں شریک بنانا انتہا درجہ کی ذلت اور خسارہ ہے۔ عبادت کوئی آسان معاملہ نہیں ہے کہ ہر پتھر اور بے جان چیز کی عبادت کی جائے اور ہر عاجز کو بلکہ اپنے سے بھی عاجز تر کو مستحق عبادت تصور کیا جائے اور الوہیت کے معنی کے بغیر عبادت کا

تصور نہیں ہے جو الوہیت کی صلاحیت رکھتا ہے وہی مستحق عبادت ہے اور جس میں یہ صلاحیت نہیں ہے اس کو استحقاق نہیں ہے اور الوہیت کی صلاحیت، وجوب وجود سے وابستہ ہے اور جو وجوب وجود نہیں رکھتا وہ الوہیت کے لائق اور عبادت کا مستحق نہیں ہے۔

کتنے بیوقوف ہیں یہ لوگ کہ وجوب وجود میں تو خدا کا کسی کو شریک نہیں سمجھتے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ عبادت میں اس کا شریک ٹھہراتے ہیں یہ اتنا نہیں جانتے کہ وجوب وجود استحقاق عبادت کی شرط ہے اور جب وجوب وجود میں شریک نہیں ہیں تو عبادت میں بھی شریک نہ ہوں گے۔ استحقاق عبادت میں شریک ٹھہرانا وجوب وجود میں شریک ٹھہرانے کو بھی مستلزم ہے پس اس کلمہ طیبہ کی تکرار سے وجوب وجود کے شریک کی نفی بھی کریں اور استحقاق عبادت کے شریک کی نفی بھی۔ بلکہ بہت ضروری ہے اور نافع اور سودمند اس راہ میں استحقاق عبادت کے شریک کی نفی ہے جو کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی دعوت کے ساتھ خاص ہے۔

مخالف بھی جو کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ملت کا التزام کرنے والے نہیں ہیں عقلی دلائل سے وجوب وجود کے شریک کی نفی کرتے ہیں اور واجب الوجود صرف ایک ہی کو کہتے ہیں لیکن وہ استحقاق عبادت کے معاملہ میں غافل ہیں اور استحقاق عبادت کے شریک کی نفی سے فارغ ہیں۔ وہ غیر کی عبادت سے پرہیز نہیں کرتے اور بت خانوں کی تعمیر میں سستی نہیں کرتے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بت خانوں کو گراتے ہیں اور عبادت غیر کے استحقاق کو رد کرتے ہیں۔

ان بزرگواروں کی زبان میں مشرک وہ آدمی ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا غیر کی عبادت میں گرفتار ہے۔ اگرچہ وہ وجوب وجود کے شریک کی نفی کا قائل ہو کیونکہ ان کا اہتمام تو اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کی عبادت کی نفی ہے جو کہ عمل اور معاملہ سے تعلق رکھتی ہے اور وجوب وجود ہے۔ پس نفی شریک کو مستلزم ہے پس جب تک کوئی آدمی ان بزرگواروں علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شریعت کے ساتھ جو ماسوا کی عبادت کے استحقاق کی نفی کرتی ہیں متحقق نہ ہو شرک سے آزاد نہیں ہوتا۔ اور آفاقی و انفسی کی عبادت کے شرک کے شعبوں سے نجات نہیں پا سکتا کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شریعتیں اس معنی کی متکفل ہیں بلکہ ان کی بعثت کا مقصود اسی دولت کا حصول ہے اور ان بزرگواروں کی شریعت کے علاوہ اس شرک سے نجات میسر نہیں ہے اور ان علیہم الصلوٰۃ والسلام ملت کے التزام کے بغیر توحید ممکن نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ ۔ اللہ تعالیٰ معاف نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے

آیت کریمہ کا مطلب تو وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے اور احتمال ہے کہ اس کا معنی یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ معاف نہیں کرتا کہ اس کی شریعتوں کا التزام نہ کیا جائے کیونکہ شریعت کا التزام نہ کرنا شرک کو لازم ہے پس

ملزوم کا ذکر کر کے لازم کا ارادہ کیا۔ پس اب وہ اعتراض رفع ہو جائے گا۔ جو خیال میں آتا ہے کہ جیسے شرک نہیں بخشا جاتا ویسے ہی تمام شریعتوں کا انکار بھی نہیں بخشا جاتا تو پھر تخصیص کی کیا وجہ ہے اور ہو سکتا ہے کہ "اس کے ساتھ شرک کیا جائے" کا معنی یہ ہو کہ اس کی شریعت کا انکار کیا جائے۔ اس لئے کہ شریعت کا انکار اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر ہے تو وہ بھی نہیں بخشا جائے گا۔ اور شرک اور کفر میں نسبت عموم خصوص مطلق کی ہے پس شرک کفر میں سے ایک خاص قسم کا کفر ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے خاص کا ذکر کیا اور عام مراد لیا تو اب وہ اعتراض رفع ہو گیا جو وہم میں آتا تھا کہ جیسے شرک نہیں بخشا جاتا ویسے ہی ساری شریعتوں کا انکار بھی نہیں بخشا جاتا پھر تخصیص کی وجہ کیا ہے؟۔

جاننا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کی عبادت کا عدم استحقاق بالکل بدیہی ہے اور کم از کم حدس ہے کہ جو آدمی بھی عبادت کے معنی کو اچھی طرح سمجھ لے گا اور حق سبحانہ و تعالیٰ کے سوا اچھی طرح غور کرے گا تو وہ بے تامل غیر کے لئے عدم استحقاق عبادت کا حکم لگائے گا۔ وہ مقدمات جو اس معنی میں لائے جاتے ہیں بدیہیات پر تنبیہات کے قبیل سے ہیں۔ ان مقدمات پر نقض و مناقضہ و معارضہ کی گنجائش نہیں ہے۔ نور ایمانی چاہیئے تاکہ فراست کے ساتھ ان مقدمات کو سمجھ سکے۔ بہت سی بدیہی چیزیں ایسی ہیں جو بیوقوفوں اور کم عقلوں پر مخفی رہتی ہیں اور اسی طرح وہ جو مرض ظاہر اور بیماری باطن میں گرفتار ہیں ان پر جلی اور مخفی بدیہی باتیں بھی مخفی رہتی ہیں۔

سوال، مشائخ طریقت قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی عبارت میں واقع ہے کہ جو کچھ تیرا مقصود ہے تیرا معبود ہے۔ اس عبارت کا معنی کیا اور اس کا صحیح مطلب کیا ہے؟۔

جواب، کسی آدمی کا مقصود وہ ہے جس کی طرف اس کی توجہ ہے اور وہ شخص جب تک جان رکھتا ہے اس مقصود کے حاصل کرنے سے اپنے آپ کو معاف نہیں کرتا اور ہر قسم کی ذلت و انکساری جو اس کے حصول میں پیش آئے برداشت کرتا ہے اور سستی نہیں کرتا اور عبادت کا بھی یہی ماحاصل ہے جو کمال ذلت و انکساری کی خبر دیتی ہے۔ پس کسی چیز کا مقصود ہونا اس شے کے معبود ہونے کو مستلزم ہے پس اللہ تعالیٰ کے سوا کی معبودیت کی نفی اس وقت متحقق ہو گی جب اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مقصود نہ رہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسری چیز اس کی مراد نہ ہو۔ اس دولت کے حاصل کرنے میں سالک کے حال کے مناسب کلمہ لا الہ الا اللہ کا معنی لا مقصود الا اللہ ہے (اللہ کے سوا کے مقصود نہیں ہے)۔

اس کلمہ کی تکرار اتنی کرنا چاہیئے کہ غیر کی مقصودیت کا نام و نشاں باقی نہ رہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی چیز اس کی مراد نہ ہو تاکہ غیر کی معبودیت کی نفی میں سچا ہو اور زیادہ خداؤں کے انکار میں حق بجانب ہو۔

اور زیادہ خداؤں کی نفی اس طرح کرنا اور مقصودیت کی نفی سے غیر کی معبودیت کی نفی کرنا ایمان کے کمال کی شرط ہے جو ولایت سے وابستہ ہے اور خواہشات کے خداؤں کی نفی سے متعلق ہے۔ جب تک نفس مطمئنہ نہ ہو جائے اس معنی کی توقع نہیں ہے اور اطمینان نفس فنا و بقا کے کمال کے بعد متصور ہے۔

اور ظاہر شریعت غرّاء میں جو آسانی اور سہولت کی مخبر ہے اور بندوں کی تنگی رفع کرنے کی مشعر ہے کیونکہ وہ کمزور پیدا ہوئے ہیں۔ یہ ہے کہ اگر کسی مقصود کے حاصل کرنے میں معاذ اللہ شریعت کی رسی سے اپنی گردن آزاد کرائے اور اس کے حاصل کرنے میں حدود شرعیہ سے تجاوز کرے تو وہ مقصود اس کا معبود ہے اور اس کا خدا ہے اور اگر وہ مقصود ایسا نہیں اور اس کے حاصل کرنے میں شرعی منکرات کا ارتکاب نہ کرے تو وہ مقصود شرعی طور پر ناجائز و ممنوع نہیں ہے گویا کہ وہ مقصود اس کے مقاصد میں سے اور وہ مطلوب اس کے مطالب میں سے نہیں ہے بلکہ اصل میں اس کا مقصود خداوند تعالیٰ ہے اور اس کا مطلوب اللہ تعالیٰ کی شریعت کے اوامر و نواہی ہیں۔ اور اس مقصود شے میں میلان طبعی سے بڑھ کر اور کچھ نہیں ہے۔ اور اس کا تعلق دل سے نہیں ہے اور وہ بھی شرعی احکام کے ماتحت ہے۔

اور شریعت کی حقیقت میں جو کہ کمال ایمان پر دلالت کرتی ہے غیر کی مقصودیت کے مادہ کو قطع کرنا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا غیر کی مقصودیت بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ نفسانی ہوا و ہوس کے غلبہ کی مدد سے غیر کی مقصودیت حق سبحانہ و تعالیٰ کی مقصودیت سے مقابلہ کرتی ہے بلکہ اس کے حاصل کرنے کو اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے پر ترجیح دیتی ہے اور ہمیشہ کے نقصان تک پہنچا دیتی ہے۔ پس غیر کی مقصودیت کی نفی مطلق طور پر دین کی تکمیل میں ضروری ہے۔ تاکہ ایمان کے زائل ہونے اور پسپائی سے محفوظ و مامون رہے۔

ہاں بعض صاحب دولتوں کو نفی ارادہ و رفع اختیار کے بعد صاحب ارادہ و اختیار بنا دیتے ہیں اور جزئی ارادہ و اختیار کو اس سے چھین کر کلی اختیار و ارادہ کا مالک بنا دیتے ہیں۔ اس معنی کی تحقیق کسی اور مکتوب میں کی جائے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اے ہمارے رب ہمارے نور کو پورا کر اور ہمیں بخش دے یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى جَمِيْعِ الْأَنْبِيَاءِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّحِيَّاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ وَالْبَرَكَاتُ أَتَمُّهَا وَأَكْمَلُهَا۔

مکتوب نمبر ۴

سیادت وارشاد پناہ میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا
اس آیت کی تفسیر میں لَا یَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (اس کو پاک لوگ ہی چھوتے ہیں۔)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا۔

اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ لَّا يَمَسُّهٗ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۔ (یقیناً وہ بزرگ قرآن ہے۔ پوشیدہ کتاب میں۔ نہیں ہاتھ لگاتے مگر پاک لوگ)

آیت کا مطلب وہی ہے جو اللہ تعالیٰ چاہے اور وہ رمز جو اس مقام پر ذہن نارسا میں آئی ہے یہ ہے کہ قرآن کے پوشیدہ اسرار کا مساس وہی لوگ کر سکتے ہیں جو تعلقات بشریہ کی آلودگی سے پاک ہو چکے ہوں۔ اور جب اسرار قرآنی کا مساس پاک لوگوں کا حصہ ہے تو پھر دوسروں کو کیا مل سکتا ہے۔؟

اور دوسرا اشارہ یہ ہے کہ نہ پڑھیں قرآن مجید کو یعنی نہیں چاہیئے کہ پڑھیں قرآن مجید کو مگر وہ لوگ کہ ان کے نفوس ہوا و ہوس سے پاک ہو چکے ہوں اور شرک جلی و خفی اور آفاقی وانفسی خداؤں سے پاک ہو چکے ہوں۔ اس کا بیان یہ ہے کہ سلوک کے مبتدی کے حال کے مناسب ذکر ہے اور ماسوائے مذکور کے ہر چیز کی نفی ہے۔ اس حد تک کہ ماسوا میں سے کوئی چیز بھی اسے معلوم نہ رہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی چیز بھی اس کی مراد نہ ہو کہ اگر اس کو تکلف سے بھی اشیا یاد کرائیں تو یاد نہ آئیں اور اس کا مقصود نہ ہوں اور جب اسطرح کا ہو جائے گا تو شرک سے پاک ہو جائے گا۔ اور انفسی و آفاقی خداؤں سے آزاد ہو جائے گا۔

اس وقت میں بہتر ہے کہ ذکر کی بجائے قرآن مجید کی تلاوت کرے اور تلاوت کی دولت سے ترقی کرے۔ اس حالت کے حصول سے پہلے قرآن مجید کی تلاوت کرنا ابرار کے اعمال میں داخل ہے اور اس حالت کے حصول کے بعد قرآن مجید کی تلاوت مقربین کے اعمال میں سے ہے جب کہ اس نسبت کے حصول سے پہلے ذکر کرنا مقربین کے اعمال میں شمار تھا۔ ابرار کے اعمال عبادات میں سے ہیں اور مقربین کے اعمال تفکرات میں سے ایک گھڑی تفکر کرنا ایک سال یا ستر سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ آپ نے سنا ہوگا اور تفکرات کا مطلب یہ

۱؎ سورہ واقعہ پارہ ۲۷۔

۲؎ حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث شرح شمائل میں ذکر کی ہے۔

ہے کہ باطل سے نکل کر حق میں مستغرق ہو جائے جتنا فرق ابرار اور مقربین میں ہے اتنا ہی فرق ان کی عبادت اور تفکر میں ہے۔

جاننا چاہیئے کہ جنید ی کا وہ ذکر جو مقربین کے اعمال میں شمار ہوتا ہے وہ ہے جو اس نے شیخ کامل مکمل سے اخذ کیا ہو اور اس کا مقصود سلوک طریقت ہو ورنہ وہ ذکر بھی ابرار کے اعمال میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ ہی درست بات کی طرف راہنمائی کرنے والا ہے والسلام علی من اتبع الھدی والتزم متابعۃ المصطفیٰ علیہ وآلہ الصلوات والتسلیمات اتمھا واکملھا۔

مکتوب نمبر ۵

سیادت وارشاد پناہ میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا
آپ کے اپنے بعض احوال وواقعات کے بیان میں جو کہ بعض تکالیف
کے ذریعہ سے ظہور میں آئے۔ مدظلہ العالی۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

مخفی نہ رہے کہ اس وقت تک کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی عنایت سے کہ وہ عنایت اس بلند ذات کے جلال وغضب کی صورت میں ظاہر ہوئی تھی قید خانے کے تجربے میں جلدنہ ہوا۔ ایمان شہودی کی تنگ ناتے سے پوری طرح آزاد نہ ہوا۔ اور خیال و مثال کے ظلال کے کوچوں سے اس وقت تک پوری طرح باہر نہ آیا۔ اور مطلق العنان ایمان بالغیب کی شاہراہ پر چلنے کا فخر حاصل نہ کر سکا اور حضور سے غیب اور علم سے علم اور شہود سے استدلال تک پوری طرح نہ پہنچا اور میں وجدان باطن اور ذوق کامل سے دوسروں کے ہنر کو عیب اور عیب کو ہنر نہ سمجھ سکا۔ اور میں بے ننگ وناموس ہونے کا خوشگوار شربت اور خواری ورسوائی کے مزید مرتبہ جات کا مزہ نہ چکھ سکا اور خلقت کے طعن و ملامت کے جمال کا مزہ نہ چکھ سکا اور اچھی مصیبت اور آدمیوں کی جفا سے میں محظوظ نہ ہو سکا اور زندہ بدست مردہ کی طرح نہ ہو سکا اور پوری طرح ارادہ واختیار ترک نہ کر سکا اور آفاق وانفس کے تعلق کے رشتہ کو پوری طرح نہ توڑ سکا اور تضرع وابتہال وانابت واستغفار اور ذلت اور انکساری کی حقیقت نہ پا سکا اور خداوند تعالیٰ کی استغنا کے بلند مرتبہ ترازو کو جو کہ عظمت و کبریائی کے پردوں میں لپیٹا ہوا تھا مشاہدہ نہ کر سکا اور اپنے آپ کو پوری محتاجی اور فقیری کے باوجود ایک ذلیل و خوار اور بے اعتبار و بے ہنر اور بے اقتدار بندہ نہ سمجھ سکا۔

وما ابرئ نفسی ان النفس لامارة بالسوء الا ما رحم ربی ان ربی غفور الرحیم۔[1] اور میں اپنے نفس کو بری نہیں کرتا یقیناً نفس برائی کا حکم کرنے والا ہے مگر جس پر میرا رب رحم کرے بیشک میرا رب بخشنے والا مہربان ہے۔

اگر خداوند تعالیٰ کے محض فضل وکرم سے فیوض وواردات اور پے در پے عطیات اور اس کے نہ ختم ہونے والے انعامات اس محنت کدہ میں اس شکستہ بال کے شامل حال نہ ہوتے تو نزدیک تھا کہ معاملہ ناامیدی تک پہنچ جاتا اور امید کا رشتہ ٹوٹ جاتا اور تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے مجھے عین بلا میں عافیت بخشی اور نفس جفا میں میری عزت کی اور سختی کی حالت میں مجھ پر احسان فرمایا اور خوشی اور تکلیف میں شکر کی توفیق بخشی اور مجھے انبیاء کی تابعداری کرنے والوں اور اولیاء کے آثار کا پیچھا کرنے والوں اور علماء اور صلحاء سے محبت رکھنے والوں سے بنایا۔

صَلَوٰتُ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ وَتَسْلِیْمَاتُهٗ عَلَی الْاَنْبِیَاءِ اَوَّلًا وَعَلٰی مُصَدِّقِیْهِمْ ثَانِیًا۔

مکتوب نمبر ۶

معارف آگاہ شیخ بدیع الدین کی طرف صادر فرمایا

اس بیان میں کہ محبوب کی تکلیف اس کے انعام سے اور اس کا جلال اس کے اس کے جمال سے زیادہ محبوب ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔

گرامی نامہ جو شیخ فتح اللہ کے ہمراہ بھیجا تھا پہنچا۔ لوگوں کی جفا و ملامت کے متعلق لکھا تھا۔ وہ خود اس طائفہ کا جمال ہے اور ان کے زنگ کا صیقل ہے۔ باعث قبض وکدورت کیوں ہو۔ شروع حال میں جب فقیر اس قلعہ میں پہنچا تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ خلق کی ملامت کے انوار بستیوں اور شہروں سے نورانی بادلوں کی صورت میں پے در پے پہنچ رہے ہیں اور معاملہ پستی سے بلندی پر چلا گیا ہے۔

آپ نے کئی سال تک جمالی تربیت سے منزلیں طے کیں۔ اب جلالی تربیت سے قطع مسافرت کرو اور مقام صبر بلکہ مقام رضا میں رہو اور جمال اور جلال کو برابر سمجھو۔ آپ نے لکھا ہے کہ ظہور فتنہ کے وقت سے نہ ذوق رہا ہے نہ حال "چاہیئے تو یہ تھا کہ ذوق وحال دوگنا ہو جاتا کہ محبوب کی جفا اس کی

[1] سورۂ یوسف، پارہ ۱۳-۱۲۔

وفا سے زیادہ لذت بخش ہے کتنے تعجب کا مقام ہے کہ عوام کی طرح باتیں کرتے ہو اور محبت ذاتیہ سے دور چلے گئے ہو۔ اب پہلی حالت کے برخلاف جلال کو جمال سے زیادہ سمجھو اور درد کو انعام سے زیادہ جانو کیونکہ جمال و انعام میں محبوب کی مراد کے ساتھ اپنی مراد بھی شامل ہوتی ہے۔ اور درد و جلال میں خالص محبوب کی مراد ہوتی ہے اور اپنی مراد کے وہ خلاف ہوتا ہے۔ اس جگہ وقت اور حال پہلے حال اور وقت سے مختلف ہوتا ہے اور ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ آپ نے زیارۃ حرمین الشریفین کے متعلق لکھا ہے۔ اس میں کونسی رکاوٹ ہے۔ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ۔

مکتوب نمبر ۷

سیادت پناہ میر محب اللہ مانک پوری کی طرف صادر فرمایا

(خلقت کی ایذا کو برداشت کرنے کے بیان میں)

حمد و صلوٰۃ اور دعاگوئی کے بعد عرض ہے کہ میرے بھائی سید میر محب اللہ کا گرامی نامہ پہنچا۔ بڑی خوشی ہوئی۔ خلقت کی تکلیف برداشت کرنے سے چارہ نہیں ہے اور نہ اقارب کی جفا پر صبر کرنے سے گزر۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کو مخاطب کرتے ہوئے حکم فرمایا۔

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ۔ آپ اولوالعزم پیغمبروں کی طرح صبر کریں اور ان کے لئے جلدی نہ کریں۔

اس مقام کی سکونت میں اگر کوئی نمکینی ہے تو یہی ایذا و جفا ہے اور تم اس نمک سے بھاگ رہے ہو ہاں جو شکر کھا کر پلا بڑھا ہو وہ نمک کی تاب نہیں رکھتا۔ کیا کیا جائے۔ ؎

ہر چہ عاشق شد اگر چہ نازنین عالم است
نازکی راست آید بار می باید کشید [۱]

لکھا ہوا تھا کہ اگر اجازت ہو تو الہ باش میں سکونت اختیار کر لوں۔ کوئی مقام متعین کر لو تاکہ لوگوں کی بے حد جفا سے وہاں جا کر کچھ آرام کر سکو۔ اور یہ رخصت کا طریق ہے اور عزیمت کا طریقہ صبر اور ایذا برداشت کرنا ہے۔ اس موسم میں فقیر پر ضعف غالب آ جاتا ہے جیسا کہ آپ کو معلوم ہے اس لئے چند کلمات پر اقتصار کیا گیا ہے۔ والسلام۔

---

[۱] جو شخص بھی عاشق بنتا ہے چاہے نازنین جہاں ہو عشق کے بدلے ناز کے سوا بھی راس نہیں آتی بلکہ اب اسے خشونت برداشت کرنا ہوگی۔

مکتوب نمبر ۸

حقائق آگاہ محمد صدیق کی طرف صادر فرمایا

اس بیان میں کہ اصل غیب ہے اور ظلیت شہود

اے محبت شعار! غیب شہود کے مقابل ہے جو ظلیت کا شائبہ رکھتا ہے اور غیب اس آمیزش سے پاک ہے پس غیب شہود سے زیادہ کامل ہے۔ لیکن جب کہ سید البشر علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام معراج کی رات میں رویت کی دولت سے مشرف ہوئے جو کہ ظلال کے پردوں سے دور بہت دور ہے اور ظلیت کے شائبہ اور آمیزش سے پاک ہے تو ان کے حق میں غیب رویت سے کیوں کامل تر ہوگا۔ کیونکہ غیب پر اکتفا تو صرف ظلیت کو رفع کرنے کے لئے تھا اور جب پوری طرح ظلیت رفع ہو گئی اور عین میں حضور میسر ہوا تو پھر غیب کی کیا ضرورت ہے؟ یہ وہ دولت ہے جو صرف سید الکونین علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے مخصوص ہے اور آنحضرت کے کامل ترین تابعین کو بھی وراثت اور تبعیت کے طور پر اس سے حصہ ملتا ہے۔ علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات۔ لیکن چونکہ یہ مقام رویت نہیں ہے لہٰذا شہود اور مشاہدہ بھی نہیں ہے۔ اس مقام کو غیب سے تعبیر کرنا بہترین عبارت ہے اور اس مقام کی تفصیل گفتگو سے راست نہیں آسکتی۔ ہر آدمی اپنی ہمت کے مطابق اس کو دریافت کرے گا اور یہ مقام اس سے بہت بلند تر ہے اور اس میں بہت ہی کم لوگوں کو حصہ ملتا ہے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر ۹

سیادت وارشاد پناہ میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا

اس آیت کریمہ کے بیان میں مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ (جو

تمہیں رسول دے اسے لے لو)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا۔

مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ[1] جو تمہیں رسول دے اسے قبول کر لو اور جس سے روکے

[1] پارہ قد سمع اللہ سورہ حشر۔

عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ۔ اس سے باز آجاؤ اور اللہ سے ڈرو۔

اوامر کی تعمیل اور نواہی سے اجتناب کے تذکرہ کے بعد تقویٰ کا ذکر کیا ہے یہ "باز آجانے" کے معاملے کے اہتمام کی طرف اشارہ کیا ہے جو کہ تقویٰ کی حقیقت ہے اور یہی دین کا سرمایہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ "تمہارے دین کا سرمایہ پرہیز گاری ہے۔[1]"

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور مقام پر فرمایا ہے "پرہیز گاری کے برابر[2] کسی چیز کو نہ سمجھو" اور پرہیز گاری یہی تقویٰ ہے اور اس اہتمام کی وجہ یہ ہے اور اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں کہ "باز آجانا" وجود میں عام ہے اور اس کا نفع بہت زیادہ ہے کیونکہ یہ اوامر کی تعمیل میں بھی پایا جاتا ہے کیونکہ کسی حکم کی تعمیل میں اس کی ضد سے "باز آجانا" ہے اور وہ ظاہر ہے۔

اور "باز آجانے" کے نفع کی کثرت جہت عموم کے بغیر بھی ہے کیونکہ وہ خالص نفس کی مخالفت ہے پس میں نفس کا کوئی حصہ نہیں ہے برخلاف تعمیل ارشاد کے کہ اس میں بعض دفعہ نفس کو لذت حاصل ہوتی ہے اور وہ ہر چیز جس میں نفس کی زیادتی مخالفت ہو اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کا نفع زیادہ ہوگا اور وہ نجات کے لئے قریب ترین راستہ ہے۔ کیونکہ تکالیف شرعیہ کا اصل مقصد تو نفس کو مغلوب کرنا ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی دشمنی پر کھڑا ہے۔

حدیث قدسی میں آیا ہے "اپنے نفس سے دشمنی رکھ کہ یہ میری دشمنی پر کھڑا ہے" تو طرق مشائخ میں سے ہر وہ طریقہ جس میں احکام شرعیہ کی زیادہ رعایت ہوگی اللہ تعالیٰ کی طرف قریب ترین راستہ ہوگا۔ کیونکہ اس میں نفس کی مخالفت زیادہ ہے اور سن لو وہ ہے طریقہ نقشبندیہ یہی وجہ ہے کہ ہمارے سردار اور قبلہ شیخ اجل شیخ بہاء الدین مشہور بہ نقشبند فرمایا کرتے تھے "میں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سب طریقوں میں سے قریب ترین طریقہ پایا ہے کیونکہ اس میں نفس کی زیادہ مخالفت ہے۔"

باقی رہا معاملہ اس طریقہ میں شریعت کی زیادہ رعایت کا تو یہ ایک ایسی بات ہے جو کسی انصاف پسند ذہن اور طرق مشائخ میں غور کرنے والے آدمی پر مخفی نہیں ہے اور اس کے باوجود میں نے اس کو بعض رسائل میں بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی حقیقت حال کو خوب جانیں اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی مجھے کافی ہیں اور وہ بہترین کارساز ہے۔ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ وَبَارَكَ ذٰكِرًا وَّالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى۔

---

[1] بیہقی شریف بروایت عائشہ رضی اللہ عنہا

[2] ترمذی شریف بحوالہ مشکوٰۃ بروایت جابر رضی اللہ عنہ

مکتوب نمبر ۱۰

سیادت وارشاد پناہ میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا
اس آیت کی تفسیر میں وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ
اور جب آپ سے میرے بندے میرے متعلق سوال کریں تو میں قریب
ہوں۔

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ[1] اور جب آپ سے میرے بندے میرے متعلق پوچھیں تو میں قریب ہوں۔

حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ کا قرب اگرچہ بے چون و بے چگون ہے لیکن اس مقام تک وہم کی رسائی ہے اور اللہ تعالیٰ کی اقربیت ہے جو کہ وہم کے احاطہ سے خارج اور خیال کے دائرہ سے باہر ہے یہی وجہ ہے کہ قرب والے تو بہت ہیں اور اقربیت والے بہت ہی تھوڑے۔ قرب کی انتہا حصول اتحاد تک ہے اگرچہ اتحاد بھی صرف توہم ہے اور اقربیت، قرب کی جانب میں اتحاد سے بہت آگے ہے۔ اگرچہ عقل اپنے سے بھی نزدیک تر چیز کو بعید ہی تصور کرتی ہے اور یہ عقل کی تنگ نظری ہے کہ اس نے دور بینی کی عادت کر لی ہے اور اپنے سے نزدیک تر کو نہیں پایا ہے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر ۱۱

سیادت پناہ میر شمس الدین علی خلخالی کی طرف صادر فرمایا
اس بیان میں کہ انسان عالم امر اور عالم خلق کے اجزاء عشرہ سے مرکب ہے اور انسان کے دل کو عرش مجید پر ترجیح ہے۔

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی

[1] پارہ ۲۔ سورہ بقرہ ۱۲۔

آدمی ایک جامع نسخہ ہے جو کہ اجزائے عشرہ سے مرکب ہے۔ عناصر اربعہ اور نفس ناطقہ اور قلب اور روح اور سر اور خفی اور اخفیٰ اور ان کے علاوہ دوسرے قویٰ اور جوارح جو انسان میں ہیں۔ وہ انہی اجزا کی طرف راجع ہیں۔ اور یہ اجزا ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔ عناصر اربعہ کا ایک دوسرے کے خلاف ہونا ظاہر ہے اور اسی طرح عالم خلق اور عالم امر کا باہم ضد ہونا بھی ظاہر ہے اور عالم امر کے اجزائے پنجگانہ میں سے ہر ایک کسی امر سے مخصوص ہے اور کسی کمال سے منسوب ہے اور نفس ناطقہ خود اپنی خواہشات کا طالب ہے کہ کسی کے سامنے سر نہیں جھکاتا۔

اور اللہ جل سلطانہ کی عنایت نے اپنی کمال قدرت سے ہر ایک کی تیزی کو توڑ کر ان کو جمع کر دیا ہے اور ایک خاص مزاج اور ہیئت وحدانی عطا کی ہے۔ مزاج خاص اور ہیئت وحدانی کے حصول کے بعد اپنی حکمت بالغہ سے اس کو ایک صورت بخشی ہے تاکہ وہ ان متفرق اور متضاد اجزا کی حفاظت کرے اور اس مجموعہ کا نام اس نے انسان رکھا اور جامعیت اور حصول ہیئت، وحدانی کے اعتبار سے اسے استعداد خلافت کی بزرگی سے مشرف فرمایا اور یہ دولت انسان کے علاوہ کسی اور کو میسر نہیں ہوئی۔

عالم کبیر اگرچہ بزرگ ہے لیکن وہ جامعیت سے خالی ہے اور ہیئت وحدانی سے بے نصیب ہے اور یہ خوبی انسان کے تمام افراد میں برابر ثابت ہے اور عوام و خواص انسان اس معنی میں شرکت رکھتے ہیں۔

جاننا چاہیے کہ عالم کبیر میں سے بزرگ ترین جزو عرش مجید ہے اور اس کی مخصوص تجلی دیگر اجزا کی تجلیات سے بہت بلند ہے کیونکہ وہ تجلی جامع ہے اور وہ ظہور اسماء و صفات وجوبی جل شانہ کا مجمع ہے اور پھر وہ تجلی دائمی ہے۔ اس میں پوشیدگی کی گنجائش نہیں ہے اور انسان کامل کا دل جو کہ عرش سے مناسبت رکھتا ہے اور اسے عرش اللہ کہتے ہیں اس تجلی عرشی سے وافر حصہ اور کامل حظ رکھتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ وہ تجلی کامل ہے اور یہ تجلی اس (دل) کی نسبت سے جزئی ہے لیکن قلب کو ایک اور فضیلت حاصل ہے جو عرش کو نہیں ہے اور وہ تجلی کرنے والے (خدا تعالیٰ) کا شعور ہے اور پھر دل ایک ایسا مظہر ہے جو اپنے ظاہر میں گرفتاری رکھتا ہے برخلاف عرش کے کہ وہ اس گرفتاری سے خالی ہے تو لازماً دل کے لئے اس شعور و گرفتاری مقصود کی وجہ سے ترقی ممکن ہے بلکہ واقع ہے۔

اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (آدمی اس کے ساتھ ہے جس سے اس کی محبت ہے)

دل اس کے ساتھ ہے جس کی وہ گرفتاری رکھتا ہے اور اس کی محبت میں مفتون ہے اگر وہ اسماء و صفات کا محب ہے تو اسماء و صفات کے ساتھ ہے اور اگر محب ذات جل شانہ ہے تو اس کے ساتھ

مکتوب نمبر ۱۲

سیادت پناہ میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا
تضرع و نیاز مندی اور ذکر اور تلاوت قرآن مجید اور نماز میں طول قیام
کے بیان میں۔

الحمد للہ و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ
میرے بھائی سید کا گرامی نامہ موصول ہوا خوشی ہوئی۔ لکھا تھا کہ دعا و تضرع و زاری اور ہمیشہ کی دعا خداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں بہتر ہے یا ذکر کرنا بہتر ہے یا یہ چیزیں ذکر کے ساتھ ملا کر کرنا بہتر ہے؟ ذکر سے چارہ نہیں ہے پھر اس کے ساتھ جو چیز بھی جمع ہو جائے دولت ہے۔ وصول کا دارو مدار ذکر پر رکھا ہے اور دوسری چیزیں ذکر کے ثمرات و نتائج کی طرح ہیں۔ اور آپ نے یہ بھی پوچھا تھا کہ ان تین چیزوں میں سے کونسی بہتر ہے ذکر نفی و اثبات۔ تلاوت قرآن مجید اور لمبے قیام والی نماز؟ نفی و اثبات کا ذکر وضو کی طرح ہے جو کہ نماز کی شرط ہے۔ جب تک طہارت درست نہ ہو نماز میں شروع ہونا منع ہے۔ اسی طرح جب تک نفی انجام تک نہ پہنچے فرائض۔ واجبات اور سنن مؤکدہ کے علاوہ جو کچھ بھی نفلی عبادت کریں وہ داخل وبال ہے۔ پہلے اپنی بیماری کا علاج کرنا چاہیئے جو نفی و اثبات کے ذکر سے وابستہ ہے۔ اس کے بعد دوسری نیکیوں اور عبادتوں میں مشغول ہونا چاہیئے جو بیار کے غذا صالح کی طرح ہیں۔ بیماری دور ہونے سے پہلے جو غذا بھی کھائیں گے وہ فاسد اور نقصان دہ ہیں۔

مصرعہ ہر چہ گیرد علتی علت شود

اور اس معاملہ کا انجام کوئی ضروری نہیں ہے کرامت بیان کیا جائے کہ وہ حالت خود اپنی حالت بیان کرتی ہے۔ آپ نے لکھا تھا کہ جلد ثالث کس کے نام سے لکھی جائے؟ اس سے پہلے بھی یہ فقیر لکھ چکا ہے کہ وہ آپ کے نام سے لکھی جائے گی۔ آپ کے خط کے جواب میں اب پھر وہی بات ہے۔ آپ سے بہتر کون ہو گا؟ دل ہمیشہ آپ کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ آپ کے آگرہ میں قیام کرنے کی وجہ معلوم نہیں ہو سکی۔ اگرچہ وہ قریب ہے۔ لیکن چونکہ ملاقات سے خالی ہے لہذا بے اعتبار ہے۔ فقیر کے قریب اس جگہ نہ رہیں مجھے خداوند ارحم الراحمین کے سپرد کر کے اپنے وطن کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ اور اس جگہ

لہ بیمار جو کچھ بھی لیتا ہے وہ بیماری ہو جاتا ہے۔

کے مشتاق لوگوں کو خوش کریں۔ اور اگر یہاں رہنے کی کوئی خاص وجہ آپ نے دل میں تصور کر رکھی ہو تو اور بات ہے۔ والدہ محمد امین کو خداوند تعالیٰ توفیق دے اور عصمت و آبرو سے رہیں۔ وہ دو دراز کشف جو آپ نے لکھے تھے مطالعہ میں آئے۔ اگرچہ ان میں وحشت ناک اور پریشان کن چیزیں بہت ہیں لیکن پھر بھی اچھے ہیں کہ بالآخر ہر ایک کا انجام اچھا ہے۔ آپ انہیں کہیں کہ اس قسم کے واقعات سے متنبہ ہونا چاہیئے اور توبہ و استغفار سے تلافی کرنی چاہیئے۔ دنیوی فانی اور زوالی چیزیں محض لاشے ہیں۔ عاقل کو ان پر فریفتہ نہ ہونا چاہیئے۔ ہر وقت آخرت کے احوال پیش نظر رہنے چاہئیں اور ہمیشہ ذکر میں مشغول رہنا چاہیئے۔

یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ ذکر میں لذت پیدا ہو اور کچھ چیزیں نظر میں آئیں۔ یہ خود لہو و لعب میں داخل ہے۔ ذکر میں جتنی بھی مشقت ہو بہتر ہوتی ہے اور نماز پنج وقت ادا کر کے باقی اوقات کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے آباد کریں اور ذکر کی لذت میں بیکار نہ ہوں اور انہیں چاہیئے کہ آپ کی خدمت کو غنیمت سمجھیں اور آپ کی رضا جوئی کریں اور آپ بھی ان کی طرف بہت جھکیں اور ان کو نرمی سے اپنی جانب کھینچیں اور ان کو نیکی کی تلقین کریں۔ والسلام۔

مکتوب نمبر ۱۲

سیادت پناہ میر محب اللہ مانک پوری کی طرف صادر فرمایا
اس بیان میں کہ صاحب شریعت علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام اور اپنے
پیر طریقت کی متابعت میں مضبوط ہونا چاہیئے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

میرے بھائی سید میر محب اللہ کا خط آیا۔ ناامیدی کے مقدمات جو بے چینی اور اضطراب کی وجہ سے لکھے تھے اچھی طرح واضح ہوئے۔ ناامیدی کفر ہے۔ امیدوار رہو اگر ان دو امور میں پختہ ہو جاؤ تو پھر کوئی غم نہیں ہے ایک تو صاحب شریعت علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی متابعت اور دوسری شیخ طریقت سے محبت و اعتقاد۔

آگاہ رہیں اور التجا و تضرع کریں کہ ان دو دولتوں میں فتور نہ آنے پائے پھر جو کچھ بھی ہو آسان ہے اور اس کی تلافی ممکن ہے اور میں اس سے پہلے بھی لکھ چکا ہوں کہ اگر مانک پورہ کی سکونت سے دل برداشتہ

ہوں تو آگرہ باش میں قیام پذیر ہو جائیں کہ اسی میں برکت ہے۔ آپ اس کا مطلب الٹا سمجھے مبارک کے لفظ سے بھی آپ کو سمجھ نہ آئی۔ اور اب پھر وہی لکھتا ہوں۔

آج رات ایسا نظر آیا کہ گویا آپ کا سامان نانک پورہ سے لاکر آگرہ باش میں لے آئے ہیں۔ اس جگہ کوئی ویرانہ اختیار کریں اور اپنے اوقات ذکر الٰہی جل سلطانہٗ کے ذکر سے معمور رکھیں اور کسی سے کوئی کام نہ رکھیں اور نفی و اثبات کے ذکر کا لزوم رکھیں اور اس کلمہ طیبہ کی تکرار کے ساتھ اپنی تمام مرادات کو سینہ سے دور کر دیں تاکہ مقصود و مطلوب و محبوب سوائے ایک کے اور کوئی نہ ہو۔ اگر دل سے ذکر کرنے سے عاجز آجائے تو زبان سے ذکر کرو اور ذکر آہستہ کرو کیونکہ جہر اس طریقہ میں ممنوع ہے باقی آپ طریقہ کے اوضاع و روش سے واقف ہیں۔ جہاں تک ہو سکے تقلید کی راہ نہ چھوڑو کہ شیخ طریقت کی تقلید بہت پھل رکھتی ہے اور اس کے طریقہ کے خلاف میں بہت خطرے ہیں۔ زیادہ کیا لکھوں۔ والسلام علی من اتبع الہدیٰ والتزم متابعۃ المصطفیٰ علیہ و علیٰ آلہ واصحابہ الصلوات والتسلیمات اتمہا واکملہا۔

مکتوب نمبر ۱۴

میر شمس الدین علی کی طرف صادر فرمایا

ان کے سوال کے جواب میں جو انہوں نے وجود واجب تعالیٰ کے متعلق پوچھا تھا۔

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

گرامی نامہ موصول جو آپ نے ازراہ کرم و شفقت ارسال کیا تھا اس کے مطالعہ سے محظوظ اور لذت گیر ہوا۔ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔ لکھا تھا کہ جب حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی ذات اپنی ماہیت سے موجود ہے نہ کہ وجود سے۔ خواہ وہ عین ماہیت ہو یا اس سے زائد۔ پس تقابل درمیان واجب الوجود کہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی ذات بلا اعتبار وجوب و وجود ہے اور ممتنع الوجود کے درمیان کس طرح متحقق ہوگا۔ اور واجب الوجود کا اطلاق اس ذات پر جو وجوب و وجود سے معرا ہے کس وجہ سے ہو سکے گا۔ اور پھر استحقاق عبادت جو وجوب وجود سے وابستہ ہے کیونکر ہوگا اور وجوب واجب الوجود کا اطلاق عدیم الوجود والوجوب کی ذات پر کس طرح ہوگا

میرے مخدوم! ان سوالوں کے بالتفصیل جواب میں نے مکتوبات جلد ثانی کے ایک مکتوب میں لکھے ہیں جو ظاہر طور پر اس فقیر کے ایک لڑکے کے نام ہے۔ اگر ان کو مطالعہ کریں تو امید ہے کہ فائدہ پائیں گے۔ مختصر یہ کہ ہو سکتا ہے کہ ماہیت واجبی جل سلطانہٗ اپنی خودی کے ساتھ موجود ہے نہ کہ وجود و اثبات وجود کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ کے لئے وجوب کا اطلاق عقل کے منتزعات کے قبیل سے ہے۔ بَلْ لِلّٰہِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی۔

اور جس طرح وجوب وجود منتزعات کے قبیل سے ہے اسی طرح امتناع عدم بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں منتزعات سے ہے جہاں خالص اللہ تعالیٰ کی ذات ہے وہاں جس طرح وجوب وجود کی نسبت نہیں ہے اسی طرح امتناع عدم کی نسبت بھی نہیں ہے۔

اور جب وجوب وجود کی نسبت پیدا ہوئی تو امتناع عدم بھی جو اس کے بالمقابل ہے ظاہر ہوا۔ اور استحقاق عبادت کی نسبت جو نسبت وجوب وجود پر متفرع ہے وہ بھی ظہور میں آگئی۔ اللہ تعالیٰ تھا اور اس کے ساتھ کوئی چیز نہ تھی۔ اگرچہ وہ نسبتیں اور اعتبارات ہی کیوں نہ ہوں۔ پھر جب نسبتیں ظاہر ہو گئیں تو تقابل بھی ظاہر ہوا۔ والسلام اولاً و آخراً۔

مکتوب نمبر ۱۵

سیادت پناہ میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا

(اس بیان میں کہ محبوب کی تکلیف کی لذت محب کی نگاہ میں اس کے انعام سے بہت زیادہ اچھی ہے)

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

میرے بھائی سید میر محمد نعمان کو معلوم ہو چکا ہوگا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خیر اندیش دوست جتنی بھی اسباب کے ذریعہ میری خلاصی کی کوشش کرتے ہیں کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ بھلائی اسی میں ہے جو اللہ تعالیٰ کرے۔ بہ تقاضائے بشریت کچھ اس سے غم پیدا ہوا تھا اور سینہ میں تنگی ظاہر ہوئی تھی کچھ مدت کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے وہ تمام غم اور سینہ کی تنگی خوشی اور شرح صدر سے بدل گئی اور عین الیقین سے یہ معلوم ہوا کہ

اگر اس جماعت کی مراد جو تکلیف دینے کے درپے ہے خداوند تعالیٰ کی مراد کے موافق ہے تو رنج

اور سینہ کی تنگی بے معنی ہے اور دعوائے محبت کے منافی ہے۔ کیونکہ محبوب کی تکلیف بھی اس کے انعام کی طرح محب کو محبوب و مرغوب ہے۔ محب جس طرح محبوب کے انعام سے لذت پاتا ہے۔ اس کی تکلیف سے بھی لذت حاصل کرتا ہے بلکہ اس کی تکلیف سے زیادہ لذت پاتا ہے کہ نفس کی لذت کی آمیزش اور اس کی مراد سے پاک و مبرا ہے۔

اور جب حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے جو کہ جمیل مطلق ہے اس آدمی کی تکلیف چاہی ہے تو یقیناً اللہ تعالیٰ کا یہ ارادہ بھی اس آدمی کی نظر میں اللہ تعالیٰ کی عنایت سے جمیل ہے بلکہ لذت کا سبب ہے اور اگر اس جماعت کی مراد اللہ تعالیٰ کی مراد کے موافق ہے اور یہ مراد اس مراد کے ظہور کا دریچہ ہے تو لازمی طور پر ان کی مراد بھی نظر میں مستحسن اور موجب لذت ہے۔ اس آدمی کا فعل جو محبوب کے فعل کا مظہر ہو تو اس شخص کا فعل بھی محبوب کے فعل کی طرح محبوب ہے اور وہ فعل کرنے والا شخص اس نظریہ کے تعلق سے بھی محب کی نظر میں محبوب ہے۔ عجیب معاملہ ہے کہ جتنی اس شخص سے جفا زیادہ متصور ہوتی ہے اتنا ہی وہ محب کی نظر میں زیادہ اچھا معلوم ہوتا ہے کیونکہ وہ محبوب کے غضب کی نمائندگی اچھی طرح کرتا ہے۔ اس راہ کے دیوانوں کا کام الٹا ہے پس آدمی کی برائی چاہنا اور اس کے ساتھ برا سلوک کرنا محبوب کی محبت کے منافی ہے کیونکہ وہ شخص فعل محبوب کے آئینہ کی حیثیت سے زیادہ اور کچھ نہیں ہے جو لوگ درپے آزار ہیں بہ نسبت دوسری مخلوق کے نظر میں اچھے لگتے ہیں۔

دوستوں سے کہیں سینہ کی تنگی دور کریں اور جو جماعت درپے آزار ہے ان سے دشمنی نہ رکھیں بلکہ چاہیے کہ ان کے فعل سے لذت حاصل کریں۔

ہاں چونکہ ہم دعا کرنے کے مامور ہیں اور خداوند تعالیٰ کو دعا و التجا و تضرع و زاری پسند آتی ہے لہٰذا مصیبت دور ہونے کی دعا کریں اور عفو و عافیت کا سوال کریں اور وہ جو صورت "غضب" کا آئینہ کہا ہے" اس لیے کہ غضب کی حقیقت دشمنوں کا حصہ ہے اور دوستوں کے ساتھ غضب کی صورت ہے اور حقیقت میں عین رحمت ہے۔ اور اس غضب کی صورت میں محب کے لئے اتنے فائدے رکھے ہیں کہ ان کو کیا بیان کروں۔ اور پھر یہ بھی ہے کہ صورت غضب میں جو دشمنوں کو عطا فرماتے ہیں منکرین کی جماعت کی خرابی بھی ہے اور ان کے امتحان کا باعث ہے۔

اور شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہ کی عبارت کے معنی آپ نے پوچھے تھے کہ انہوں نے کہا ہے کہ عارف کے لئے دعا نہیں ہے"۔ یعنی وہ دعا جو مصیبت کو دور کرے وہ عارف سے مطلوب ہے کیونکہ عارف جب مصیبت کو محبوب کی طرف سے سمجھتا ہے اور محبوب کی مراد تصور کرتا ہے تو اس کے

دفعیہ کے لئے کس طرح دعا کرے گا اور کس طرح چاہے گا کہ یہ بلا دور ہو اگرچہ وہ ظاہر طور پر دفع بلا کی دعا زبان پر لائے گا اور وہ بھی تعمیل ارشاد کے طور پر لیکن وہ حقیقت میں کچھ نہیں چاہتا۔ اور جو کچھ اسے پہنچ رہا ہے اس سے وہ لذت حاصل کرتا ہے والسلام علی من اتبع الھدیٰ

مکتوب نمبر ۱۶

مولانا احمد دیبنی کی طرف صادر فرمایا

اس بیان میں کہ سالک کو اپنے احوال کی اطلاع نہ دینے اور ان کو مریدوں کے احوال کے آئینہ میں دکھانے میں کیا راز ہے؟

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

آپ کا گرامی نامہ پہنچا آپ نے لکھا تھا کہ میں اپنے اندر اس طائفہ علیہ کے علوم و معارف اور احوال و مواجید کچھ بھی نہیں پاتا لیکن اس کے باوجود اس راہ کے طالب دو آدمی جن کو میں نے طریقہ تلقین کیا تھا وہ بڑے متاثر ہوئے ہیں۔ اور ان میں عجیب احوال پیدا ہوئے ہیں اسکی کیا وجہ ہے؟

جاننا چاہیئے کہ وہ احوال جو ان دو شخصوں میں پیدا ہوئے ہیں وہ تمہارے احوال کا عکس ہیں جو ان کی استعداد کے آئینہ میں ظاہر ہوئے ہیں اور وہ دو شخص چونکہ صاحب علم تھے اپنے احوال کو انہوں نے معلوم کیا اور آپ کو بھی اس پوشیدہ حال کے حصول کے علم پر دلالت کی آئینہ کی طرح جو کہ کسی آدمی کے پوشیدہ کمالات کے حصول پر دلالت کرتا ہے اور اس کے پوشیدہ ہنروں کو ظاہر کرتا ہے مقصود حصول احوال ہے اور ان احوال کا علم ہونا ایک دوسری دولت ہے۔ کچھ لوگوں کو اس کا علم دیتے ہیں اور کچھ لوگوں کو نہیں دیتے اور اس کے باوجود دونوں ارباب ولایت سے ہیں اور قرب میں برابر ہیں پھر بھی ان میں سے کچھ علم والے ہیں اور کچھ بے علم ہیں "یہ قاعدہ اس طائفہ کا مقرر ہے۔

اپنے احوال کا علم نہ ہونے سے پریشان نہ ہوں کوشش کریں کہ احوال حاصل ہوں بلکہ احوال سے گذر کر احوال سے پھیرنے والے سے واصل ہوں۔ احوال کا علم اگر مریدوں کے واسطہ کے بغیر حاصل نہ ہو تو قناعت کریں کہ ان کے آئینہ میں آپ دیکھ لیں گے اور مظاہر کی راہ سے حصہ حاصل کر لیں گے احوال چاہئیں۔ ان احوال کا علم اگر بے واسطہ میسر نہ ہو تو امید ہے کہ توسط سے حاصل ہو جائے گا۔

اور آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ دوام آگاہی کا کیا مطلب ہے بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ دل کو بعض مشاغل میں اس آگاہی سے ذہول محسوس ہوتا ہے۔ آپ آگاہی کی تعیین کریں۔

جاننا چاہیئے کہ آگاہی خداوند تعالیٰ جل شانہٗ کی جناب قدس سے باطن کے حضور کا نام ہے جیسا کہ علم حضوری میں ہوتا ہے کہ اس کو دوام لازم ہے۔ کیا کبھی تم نے کسی آدمی کے متعلق سنا کہ وہ اپنے آپ سے کسی وقت غافل ہو جائے اور اپنی نسبت نسیان پیدا کرے۔ غفلت اور ذہول علم حصولی میں متصور ہیں کیونکہ ان میں مغایرت ہے اور علم حضوری میں سب حضور ہی حضور ہے اگرچہ بیوقوف آدمی اس حضور سے دور اور نفور ہے۔ اور حصول میں پیر غرور ہے۔ پس "آگاہی" کے لئے دوام لازم آیا اور جس میں دوام نہ ہو وہ مطلوب کو دیکھنا ہے جو آگاہی کے مشابہ ہے اور اس میں دوام مشکل ہے کہ علم حصولی سے مشابہت رکھتا ہے۔ جس کو دوام سے بہت تھوڑا حصہ ملا ہے۔

وَلِلّٰہِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی نسبت علم حصولی اور علم حضوری کا اطلاق بر سبیل تشبیہ و نظیر ہے کیونکہ جو اپنے آپ سے بھی زیادہ قریب ہو وہ علم حصولی اور علم حضوری کے احاطہ سے باہر ہوتا ہے۔ ارباب معقول اگرچہ اس کا تصور نہیں کر سکتے اور اپنے آپ سے بھی نزدیک تر کو معلوم نہیں کر سکتے۔ لیکن علم لدنی والوں کے نزدیک یہ بات واضح ہے اور خداوند تعالیٰ جل شانہٗ کی عنایت سے آسانی سے حاصل ہو جاتی ہے۔ اے ہمارے رب! ہمیں اپنی طرف سے رحمت عنایت فرما۔ اور ہمارے لئے ہمارے کام میں بھلائی پیدا کر۔

دوسری بات یہ ہے کہ سیادت پناہ میرے بھائی میر محمد نعمان کے آپ پر چونکہ بہت سے حقوق ہیں اور وہ تمہارے بے اجازت چلے آنے سے تکلیف میں ہیں۔ چاہیئے کہ بے توقف اپنے آپ کو ان کی خدمت میں پہنچاؤ اور اس تکلیف کی تلافی کرو اگر آپ ان کی اجازت سے آئے تو کوئی مضائقہ نہیں تھا اب چاہیئے کہ ان کی مرضی کے مطابق عمل کریں اور رخصت لے کر آئیں۔ زیادہ کیا لکھوں۔

مکتوب نمبر ۱۷

اپنی ایک نیک بخت ارادت مند خاتون کی طرف صادر فرمایا

(عقائد دینیہ کی تصحیح اور عبادات شرعیہ کی ترغیب کے بیان میں)

تمام تعریفیں اس تعالیٰ کے لیئے ہیں جس نے ہم پر انعام کیا اور ہمیں اسلام کی راہنمائی کی اور ہمیں سید الانام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے بنایا۔

جاننا چاہیئے کہ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ علی الاطلاق انعام کرنے والا ہے۔ اگر وجود ہے تو اللہ تعالیٰ ہی کی عنایت سے دیا ہوا ہے اور بقا ہے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے عطا ہے اور اگر صفات کاملہ ہیں تو اسی کی رحمت شاملہ سے ہیں۔ زندگی و دانائی و توانائی و بینائی و شنوائی اور گویائی سب اللہ ہی کی بارگاہ سے ملی ہیں اور طرح طرح کی نعمتیں اور قسم قسم کے کرم جو کہ حد اور گنتی سے باہر ہیں یہ بھی اسی کی جانب قدس سے فائض ہوئی ہیں۔ سختی اور تنگی کا ازالہ وہی فرماتا ہے اور دعاؤں کی قبولیت اور دفع بلا وہی کرتا ہے۔ وہ رزاق ہے کہ اپنی کمال مہربانی سے بندوں کے رزق کو گناہوں کے سبب سے روک نہیں رکھتا۔ وہ پردہ پوش ہے جو عفو اور تجاوز کی کثرت کے باعث گناہوں کے ارتکاب سے ان کی پردہ دری نہیں کرتا۔ وہ بردبار ہے کہ ان کی سزا و مواخذہ میں جلدی نہیں کرتا وہ کریم ہے کہ اپنے عام کرم کو دوست و دشمن سے روک نہیں رکھتا اور ان نعمتوں میں سے سب سے بڑی نعمت اسلام کی دعوت ہے۔ اور دار السلام کی راہنمائی اور سید الانام صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کہ ہمیشہ کی زندگی اور دائمی نعمتیں اسی سے وابستہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی ملاقات اس سے متعلق ہیں۔

مختصر یہ کہ اس کے انعام واکرام واحسان اظہر من الشمس ہیں اور چاند سے زیادہ روشن ہیں۔ دوسروں کا انعام اس کی قدرت دینے اور طاقت دینے سے ہے اور ان کا احسان استعارہ من المستعیر اور سوال من الفقیر کے قبیل سے ہے۔ بیوقوف بھی عقلمندوں کی طرح اس معنی کا اقرار کرتے ہیں اور غبی بھی ذہین کی طرح اس امر کے معترف ہیں ۔

گر بر تن من زبان شود ہر موئے
یک شکر ز ہزار نتوانم کرد

اور شک نہیں ہے کہ بداہت عقل منعم کے شکر کے وجوب کا حکم رکھتی ہے اور اس کی تعظیم و توقیر کو لازم جانتی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کا شکر جو کہ منعم حقیقی ہے۔ بداہت عقل سے واجب ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ کی تعظیم و توقیر لازم ٹھہری۔ چونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کمال درجہ کا پاک اور منزہ ہے اور بندے انتہائی درجہ کی گندگی اور آلودگی میں ہیں اپنی کمال بے مناسبتی سے وہ کیا معلوم کر سکیں گے کہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم و تکریم کس چیز میں ہے۔

بہت دفعہ ایسا ہو سکتا ہے کہ اس کی جناب اقدس کے شان میں بعض امور کو لوگ اچھا سمجھیں اور فی الحقیقت اس کے نزدیک وہ بُرے ہوں اور وہ تعظیم خیال کریں اور وہ توہین ہو وہ تکریم تصور کریں اور وہ تحقیر ہو پس جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم و تکریم اسی کی جناب قدس سے مستفاد نہ ہو شکر کے لائق نہ ہوگی۔ اور نہ اس کی عبادت کے قابل ہوگی۔ کیونکہ وہ حمد جو ان کی طرف سے ہوگی ہو سکتا ہے کہ ہجو اور مدح عیب ہو جائے اور وہ تعظیم و تکریم و توقیر جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے مستفاد ہوگی ہماری نسبت سے وہی شریعت حقہ ہے۔

علیٰ مصدرہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ۔

اگر دلی تعظیم ہے تو وہ بھی شریعت حقہ میں بیان کر دی گئی ہے اور اگر زبانی ثناء ہے تو وہ بھی اس جگہ بدل ہے۔ اعضاء کے اعمال و افعال کو بھی صاحب شریعت نے تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کا شکر اس کی شریعت کی پابندی میں منحصر ہے۔ دل اور جسم سے بھی اور اعتقاد اور عمل سے بھی۔

اور ہر قسم کی تعظیم اور اس کی عبادت جو شریعت کے علاوہ ادا کی جائے وہ اعتماد کے لائق نہیں ہے بلکہ بہت دفعہ ایسا ہو سکتا ہے کہ وہ اضداد کو حاصل کرنے والی ہو اور جسے نیکی خیال کیا جاتا ہے وہ فی الحقیقت برائی ہو پس بیان مذکور کو ملاحظہ کرنے کے بعد شریعت پر عمل کرنا عقل کی رو سے واجب ٹھہرا اور منعم تعالیٰ کے شکر کی ادائیگی شریعت کی ادائیگی کے بغیر محال ٹھہری اور شریعت کے دو حصے ہیں اعتقاد اور عمل۔ اعتقادی حصہ دین کے اصول ہیں اور عملی حصہ دین کے فروع ہیں۔ بدعقیدہ آدمی اہل نجات سے نہیں ہے اور عذاب آخرت سے خلاصی اس کے حق میں متصور نہیں ہے اور بدعمل آدمی کی نجات کا احتمال ہے بلکہ اس کا معاملہ خدا تعالیٰ کی مشیت کے سپرد ہے۔ اگر وہ چاہے تو معاف کر دے اور چاہے تو گناہ کے اندازہ کے مطابق اسے سزا دے۔ آگ میں ہمیشہ رہنا صرف بدعقیدہ کیلئے مخصوص ہے اور ضروریات دین کے منکر پر متصور ہے۔

عمل نہ کرنے والا اگرچہ سزا پائے گا لیکن اس کے لئے ہمیشہ آگ میں رہنا مفقود ہے اور چونکہ عقائد اصول دین سے ہیں اور اسلام کے ضروریات سے تو مجبوراً ان کو بیان کیا جاتا ہے اور عملیات میں باوجود ان کے فرع ہونے کے چونکہ تفصیل ہے تو ان کو فقہ کی کتابوں کے حوالے کرتے ہوئے کچھ تھوڑا سا حصہ بعض ضروری عملیات میں سے بیان کیا جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

اِعتقادیات

اللہ تعالیٰ اپنی ذات پاک کے ساتھ موجود ہے اور اور اللہ تعالیٰ کی ہستی اپنے آپ سے قائم ہے اور اللہ تعالیٰ جس طرح ہیں ہمیشہ سے ایسے ہی تھے اور ہمیشہ رہیں گے پہلے عدم اور پچھلے عدم کو اللہ تعالیٰ کی جناب قدس میں کوئی راہ نہیں ہے کیونکہ وجوب وجود اس بارگاہ مقدس کا کمینہ خادم ہے اور سلب عدم اس محترم بارگاہ کا کمینہ خاکروب ہے اور اللہ تعالیٰ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں نہ وجوب وجود میں اور نہ الوہیت میں اور نہ استحقاق عبادت میں کیونکہ شریک کی ضرورت اس وقت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کافی نہ ہو اور مستقل نہ ہو اور یہ نقص کی علامت ہے جو وجوب اور الوہیت کے منافی ہے اور جب وہ کافی ہوگا اور مستقل ہوگا تو شریک بیکار ہوگا۔ اور بے فائدہ ٹھہرے گا۔ اور یہ بھی نقص کی علامت ہے جو الوہیت اور وجوب کے منافی ہے۔

پس شریک کا اثبات دو شریکوں میں سے ایک کے نقص کو مستلزم ہے۔ جو منافی شرکت ہے پس اثبات شرکت مستلزم نفی شرکت ہوا اور وہ محال ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کا شریک محال ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی صفات کاملہ ہیں جیسے حیوٰۃ، علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر، کلام اور تکوین اور ان آٹھ صفات کو صفات حقیقیہ کہتے ہیں کیونکہ وہ قدیم ہیں اور خارج میں اللہ تعالیٰ کے وجود پر زائد وجود سے موجود ہیں جیسا کہ اہل حق شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کے علماء نے اس کو مقرر فرمایا ہے اور اہلسنت کے سوا مخالف فرقوں میں سے کوئی بھی صفات زائدہ کے وجود کا قائل نہیں ہے۔ یہاں تک کہ اس فرقہ میں سے متاخرین صوفیا بھی صفات کو عین ذات کہتے ہیں اور مخالفوں کے ساتھ موافق ہو گئے ہیں۔ اگرچہ وہ نفی صفات سے پرہیز کرتے ہیں لیکن ان کے اصول اور ان کی عبارتوں کے متبادر معنی سے صفات کی نفی کی لازم آتی ہے۔ مخالفوں نے کمال نفی صفات کا ملہ میں سمجھ رکھا ہے اور اپنی عقل سے قرآنی نصوص سے الگ ہو گئے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو سیدھے رستے کی رہنمائی کرے۔

اور دوسری صفتیں یا تو اعتباریہ ہیں یا سلبیہ جیسے قدم و ازلیت اور وجوب و الوہیت اور جیسا کہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جسم اور جسمانی نہیں ہے۔ عرض اور جوہر نہیں۔ زمانی اور مکانی نہیں۔ حال اور محل نہیں۔ محدود اور متناہی نہیں وہ جہت سے بے جہت ہے اور نسبت سے بے نسبت کفو اور مثل اس کی جناب قدس سے مسلوب ہے اور ضدیت اور ندیت اس جل سلطانہٗ کی بارگاہ

میں مفقود ہے وہ ماں، باپ، بیوی اور بچوں سے پاک و مبرا ہے۔ کہ یہ سب علامات حدوث ہیں اور نقص کو مستلزم اور تمام کمالات اس کی جناب قدس کے لئے ثابت ہیں اور تمام نقائص اس بارگاہ سے مسلوب ہیں۔

مختصر یہ کہ صفات امکان و حدوث جو سراسر نقص و شرارت ہے ان تمام کو اس کی جناب قدس سے دور رکھنا چاہیئے اور اللہ تعالیٰ جزئیات و کلیات کا عالم ہے۔ اور اسرار و خفیات کا جاننے والا ہے آسمانوں اور زمینوں میں ایک حقیر ذرے کی طرح بھی کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں ہے۔ کیوں نہیں جب کہ وہ تمام اشیاء کا خالق ہے تو ان تمام کو جاننے والا کیوں نہ ہوگا۔ کیونکہ خالق کو مخلوق کے علم سے چارہ نہیں ہے۔

کتنے بے دولت لوگ ہیں کہ خداوند تعالیٰ کو جزئیات کا عالم نہیں جانتے۔ اور اس کو اپنی ناقص عقل سے کمال سمجھتے ہیں جیسا کہ اپنی کمال بیوقوفی سے واجب الوجود سے ایک چیز سے زیادہ صادر نہیں سمجھتے اور وہ بھی ایجاب و اضطرار سے نہ کہ اپنے اختیار سے اور اس کو بھی کمال جانتے ہیں۔ عجیب جاہل ہیں کہ جہل کو کمال تصور کرتے ہیں اور اضطرار کو اختیار سے بہتر جانتے ہیں اور اپنی جہالت کی وجہ سے دوسری چیزوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ انہوں نے عقل فعال اپنی طرف سے تراش لی ہے اور محدثات کو اس کی طرف منسوب کرتے ہیں اور زمین اور آسمانوں کے پیدا کرنیوالے کو معطل اور بیکار جانتے ہیں۔

اس فقیر کے نزدیک کوئی بھی جماعت اس جماعت سے زیادہ بیوقوف دنیا بھر میں وجود میں نہیں آئی۔ سبحان اللہ مسلمانوں میں بھی ایک ایسی جماعت ہے جو ان پلیدوں کو ارباب معقول تصور کرتے ہیں۔ اور ان کو حکمت کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ شاید ان کے جھوٹے احکام کو نفس الامر کے مطابق سمجھتے ہیں۔ اے ہمارے رب ہمارے دلوں کو ہدایت دینے کے بعد ٹیڑھا نہ کر اور ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما۔ یقیناً تو ہی عنایت کرنے والا ہے۔

اور اللہ ازل سے لے کر ابد تک ایک کلام سے متکلم ہے اگر امر ہے تو اسی ایک کلام سے ہے۔ اور اگر نہی ہے تو بھی اسی سے ہے۔ اور اسی طرح خبر دینا اور خبر حاصل کرنا بھی اسی ایک کلام سے پیدا ہوا ہے اور اگر توریت و انجیل ہے تو اسی سخن پر دلیل ہے اور اگر زبور و قرآن مجید ہے تو اسی کلام کا نشان ہے اور اسی طرح تمام صحیفے اور کتابیں جو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات پر نازل ہوئی ہیں اسی سخن کی تفصیل ہے۔ ہر گاہ ازل و ابد اس وسعت اور لمبائی کے باوجود اس جگہ آن واحد

ہے بلکہ اس کی بھی گنجائش نہیں ہے کیونکہ آن کا اطلاق بھی اس جگہ تنگئ عبارت کی وجہ سے واقع ہے۔ پس وہ کلام جو اس آن میں صادر ہوگا۔ ایک کلمہ بلکہ ایک حرف بلکہ ایک نقطہ ہوگا۔ اور نقطہ کا اطلاق بھی اس جگہ آن کے اطلاق کی طرح ہے جو کہ عبارت کی تنگی کی بنا پر واقع ہے ورنہ نقطہ بھی گنجائش نہیں رکھتا اور اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات میں وسعت عالم بے چونی و بے چگونی سے ہے وہ اس وسعت اور تنگی سے جو امکان کی صفات ہیں پاک ہے۔

اور مومن اللہ تعالیٰ کو بہشت میں بے چون و بے چگون دیکھیں گے کیونکہ جو رویت بے چون سے متعلق ہوگی وہ خود بھی بے چون ہوگی بلکہ دیکھنے والا بھی بے چونی سے وافر حصہ پائے گا تاکہ بے چون کو دیکھ سکے۔ بادشاہ کے عطیات کو اس کی سواریاں ہی اٹھا سکتی ہیں۔ آج اس معمہ کو اپنے اولیاء میں سے اخص خاص پر حل کیا ہے اور منکشف ہو چکا ہے۔ یہ دقیق مسئلہ ان بزرگواروں کے نزدیک تحقیقی ہے اور دوسروں کے لیے تقلیدی اور اہل سنت کے علاوہ کوئی بھی دوسرے فرقوں میں سے خواہ وہ مومن ہوں یا کافر اس مسئلہ کا قائل نہیں ہے اور خداوند تعالیٰ کی رویت کو ان بزرگواروں کے علاوہ سب محال سمجھتے ہیں۔ اور مخالفوں کی دلیل غائب کا حاضر پر قیاس ہے جس کا فساد ظاہر ہے۔

ایسے باریک مسائل میں ایمان کا حصول سنت سنیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کے نور کے سوا محال ہے۔ ؎

لائق دولت نبود ہر سرے ؎
بار مسیحا نکشد ہر خرے

تعجب ہے کہ وہ لوگ جو رویت کی دولت پر ایمان نہیں رکھتے اس سعادت کے حصول سے کیسے بہرہ ور ہوں گے کیونکہ منکروں کی قسمت میں تو محرومی ہے اور یہ بھی عجیب بات ہے کہ بہشت میں ہوں اور نہ دیکھیں اور یہ تو کہیں بھی نہیں آیا ہے کہ بعض اہل بہشت اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے اور بعض نہ دیکھیں گے۔ ان کے لیے وہی جواب مناسب ہے جو حضرت موسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرعون کے سوال میں فرمایا تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کی حکایت کرتے ہوئے فرماتا ہے (فرعون) نے کہا "پہلے زمانوں کا کیا حال ہے تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ ان کا علم میرے رب کے پاس کتاب میں ہے۔ میرا رب نہ تو بھولتا ہے نہ بہکتا ہے۔ وہ اللہ جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا بنایا اور تمہارے لئے اس میں رستے چلائے اور آسمانوں سے پانی اتارا۔

؎ ہر سر دولت کے لائق نہیں ہوتا اور ہر گدھا مسیحا کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔

جاننا چاہیے کہ بہشت اور بہشت کے علاوہ باقی تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی نسبت سب برابر ہیں کہ سب اس کی مخلوق ہیں اور اللہ تعالیٰ کے لیے ان میں سے کسی میں بھی حلول اور تمکن نہیں ہے لیکن بعض مخلوقات میں خداوند تعالیٰ کے انوار کے ظہور کی قابلیت ہے اور بعض میں نہیں ہے۔ آئینہ صورتوں کے ظہور کی قابلیت رکھتا ہے اور پتھر اور اینٹ نہیں رکھتے پس فرق جو ہے صرف اس طرف سے ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ سب کی نسبت برابر ہے سے

ایں قاعدہ یاد دار کانجا کہ خداست
نے جزو نہ کل نہ ظرف نے مظروف است

دنیا میں رویت واقع نہیں ہے۔ یہ دنیا اس دولت کے ظہور کی قابلیت نہیں رکھتی اور جو دنیا میں رویت کا قائل نہیں ہے اور مفتری ہے۔ اس نے خدا تعالیٰ کے سوا کو خدا سمجھ لیا ہے۔ یہ دولت اگر اس دنیا میں میسر ہو سکتی ہے تو حضرت کلیم اللہ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام دوسروں کی نسبت اس کے بہت زیادہ حق دار تھے اور ہمارے پیغمبر علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام اگر اس دولت سے مشرف ہوئے ہیں تو اس کا وقوع دنیا میں نہیں ہوا ہے بلکہ آپ بہشت میں گئے اور وہاں دیکھا کہ وہ عالم آخرت سے ہے دنیا میں نہیں دیکھا بلکہ دنیا سے باہر آئے اور آخرت سے ملحق ہوئے۔ اور دیکھا

اور اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کا خالق ہے۔ پہاڑوں اور سمندروں کا خالق ہے۔ درختوں اور پھلوں کا خالق ہے۔ کانوں اور نباتات کا خالق ہے۔ جس طرح اس نے آسمانوں کو ستاروں سے زینت دی ہے۔ زمین کو انسان پیدا کر کے مزین کیا ہے۔ اگر بسیط ہے تو اللہ تعالیٰ کی ایجاد سے موجود ہوا ہے اور اگر مرکب ہے تو اسی کے پیدا کرنے سے پیدا ہوا ہے مختصر یہ کہ تمام اشیاء کو وہی عدم سے وجود میں لایا ہے اور حادث بنایا ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی چیز بھی قدیم نہیں ہے اور نہ ہی قدیم ہو سکتی ہے تمام اہل مذہب اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز کے حدوث پر اجماع رکھتے ہیں۔ اور بالاتفاق اس کے سوا کسی کو قدیم نہیں مانتے اور جو ان کے قدیم ہونے کا قائل ہے اسے گمراہ اور کافر کہتے ہیں۔

امام حجۃ الاسلام غزالی نے اپنے رسالہ "منقذ عن الضلال" میں اس معنی کی تصریح کی ہے اور ان لوگوں کو کافر کہا ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو بھی قدیم جانتے ہیں اور وہ لوگ جو آسمانوں اور ستاروں اور ان جیسی چیزوں کے قدیم ہونے کے قائل ہیں قرآن مجید ان کی تردید کرتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

ط۵ یہ قاعدہ یاد رکھو وہاں نہ جزو ہے نہ کل نہ ظرف نہ مظروف ۱۲۔

اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَہُمَا فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ۔ — اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین اور ان کے اندر کی مخلوقات کو چھ دنوں میں پیدا کیا اور پھر عرش کا ارادہ کیا۔

اور اس جیسی قرآن مجید کی آیات کافی ہیں، کوئی بیوقوف ہی ہوگا جو اپنی ناقص عقل سے قرآنی نصوص کے خلاف کرے۔ اور "جسے اللہ نور عطا نہ فرمائے اس کے لئے کوئی نور نہیں ہے"۔

اور جس طرح بندے اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں، بندوں کے افعال بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ کیونکہ پیدا کرنا اس کے سوا کو لائق نہیں ہے اور ممکن سے ممکن کی ایجاد نہیں ہو سکتی کیوں کہ قصور قدرت سے داغدار ہے اور نقص علم سے موصوف ہے جو کہ ایجاد اور خلق کے لائق نہیں ہے اور وہ جو بندہ اپنے اختیاری افعال میں دخل رکھتا ہے وہ اس کا کسب ہے جو بندہ کی قدرت وارادہ سے واقع ہے۔ فعل کا پیدا کرنا خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ کسب فعل بندہ کی طرف سے ہے۔ پس بندہ کا اختیاری فعل بندہ کے کسب اور اللہ تعالیٰ کی خلق کے مجموعہ سے واقع ہوتا ہے اور اگر بندہ کے کسب اور اختیار کو فعل میں بالکل دخل نہ ہو تو رعشہ کا حکم پیدا ہوگا۔ اور یہ خلاف محسوس ومشاہدہ ہے۔ ہم بداہت سے جانتے ہیں کہ رعشہ والے کا فعل اور ہے اور اختیار والے کا فعل اور ہوتا ہے اور اسی قدر فرق فعل میں بندے کے کسب کے دخل کے لئے کافی ہے اور خداوند تعالیٰ نے اپنی کمال مہربانی سے اپنی خلق کو بندہ کے فعل میں بندہ کے قصد کے تابع کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ بندہ کے قصد کے بعد بندہ میں فعل ایجاد کرتے ہیں تو پھر بندہ ممدوح یا ملوم ٹھہرتا ہے۔ اور اسی پر اسے عذاب یا ثواب ملتا ہے۔

اور قصد واختیار جو اللہ تعالیٰ نے بندہ کو دے رکھا ہے وہ فعل اور ترک فعل کی دونوں طرفیں رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی زبانی فعل اور ترک فعل کا حسن وقبح بہ تفصیل بیان کر دیا ہے اور اس کے باوجود یہ بندہ جو ایک جہت کو اختیار کرتا ہے۔ اسے چارہ کار نہیں کہ یا تو اسے ملامت کی جائے یا وہ ممدوح ٹھہرے اور اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بندہ کو وہ قدرت واختیار دیا ہے کہ شرعی اوامر ونواہی کے عہدہ سے باہر آ سکے اور یہ کوئی ضروری نہیں کہ پوری قدرت اور پورا اختیار دیں جتنا چاہیے تھا اتنا دے دیا۔ اور اس کا منکر بداہت کا معارضہ کرتا ہے اور بیمار دل والا ہے کہ شریعت کی تعمیل میں عاجز ہے۔ "مشرکوں پر وہ بات بڑی بھاری ہے جس کی طرف آپ ان کو بلاتے ہیں" یہ مسئلہ علم کلام کے دقیق مسائل میں سے ہے اس مسئلہ کی انتہائی شرح وبیان یہی ہے جو ان اوراق میں لکھی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔ جو کچھ علمائے اہل حق نے فرمایا ہے۔

وہ پورا کرنا چاہیئے۔ اور مقابلہ اور جنگ میں نہ پڑنا چاہیئے۔ بیت

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن [1]
کہ جاہا سپر باید انداختن

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام جہانوں کے لئے رحمت ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو لوگوں کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا ہے اور ان بزرگواروں کے ذریعہ بندوں کو اپنی جناب پاک میں بلایا ہے اور جنت کی طرف جو اس کی رضا کا مقام ہے دعوت دی ہے۔ وہ بڑا بدنصیب ہے جو کسی کی دعوت قبول نہ کرے اور اس کی دولت کے دسترخوان سے نفع نہ اٹھائے۔ ان بزرگواروں نے جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہنچایا ہے وہ سب کچھ حق اور سچ ہے اور اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔

عقل بھی اگرچہ حجت ہے لیکن وہ حجیت میں ناقص ہے۔ حجت بالغہ صرف انبیاء علیہم الصلوٰۃ و السلام کی بعثت سے حاصل ہوئی ہے کہ بندوں کے لئے کوئی عذر نہیں چھوڑا گیا ہے۔ سب سے پہلے پیغمبر حضرت آدم علیہ السلام اور آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ تمام انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات پر ایمان لانا چاہیئے اور سب کو معصوم اور راست باز سمجھنا چاہیئے۔ ان بزرگواروں میں سے کسی ایک کا بھی انکار کرنا سب کے انکار کرنے کو مستلزم ہے کیونکہ ان کی بات ایک ہی ہے اور ان کے دین کے اصول بھی ایک ہی ہیں اور حضرت عیسیٰ علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام جب آسمان سے نزول فرمائیں گے تو خاتم الرسل علیہ و علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شریعت کی پیروی کریں گے۔ حضرت خواجہ محمد پارسا جو کہ حضرت خواجہ نقشبند کے کامل خلفاء میں سے تھے اور ایک عالم اور محدث تھے بھی اپنی کتاب "فصول ستہ" میں معتمد روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام بعد از نزول امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے مذہب پر عمل کریں گے اور ان کے حلال کو حلال اور ان کے حرام کو حرام ٹھہرائیں گے۔

اور فرشتے اللہ تعالیٰ کے معزز بندے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رسالت اور تبلیغ کی دولت سے مشرف ہیں۔ ان کو جو حکم ہوتا ہے اس کی تعمیل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ان کے حق میں مفقود ہے اور وہ خوراک و پوشاک سے پاک ہیں اور میاں بیوی کے تعلق سے خالی ہیں اور توالد و تناسل سے مبرا ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی کتابیں اور صحیفے انہی کے ذریعہ سے نازل ہوئی ہیں اور انہی کی امانت سے محفوظ و مامون رہی ہیں۔ ان پر ایمان لانا بھی ضروریات دین میں سے ہے۔ اور ان کو سچا جاننا بھی اسلام کے واجبات سے ہے۔

---

[1] ہر جگہ گھوڑا نہیں دوڑایا جاسکتا بلکہ کسی جگہ ڈھال ڈال دینی پڑتی ہے۔ ۱۲

اور جمہور اہل حق کے نزدیک خواص بشر خواص ملک سے افضل ہیں کیونکہ خاص بندوں کا خدا تعالیٰ تک پہنچنا موانع اور تعلقات کے باوجود ہے۔ اور فرشتوں کا قرب بغیر کسی رکاوٹ و ممانعت کے حاصل ہے تسبیح و تقدیس اگرچہ فرشتوں کا کام ہے لیکن اس کام کے ساتھ جہاد کو جمع کرنا کامل انسان کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى۔[1]

اللہ تعالیٰ نے اپنی جانوں اور مالوں سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر کئی درجے فضیلت دے رکھی ہے اور ہر ایک سے اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ کیا ہے۔

اور جتنی چیزوں کی مخبر صادق علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام نے خبر دی ہے مثلاً احوال قبر واحوال قیامت اور حشر و نشر اور بہشت و دوزخ سب برحق اور سچ ہیں۔ قیامت پر ایمان لانا بھی اللہ تعالیٰ کی طرح ضروریاتِ اسلام میں سے ہے۔ قیامت کے منکر خدا تعالیٰ کے منکر کی طرح ہیں اور قطعاً کافر ہیں اور قبر کا عذاب اور اس کا تنگ ہونا برحق ہے۔ اور اس کا منکر اگرچہ کافر نہیں ہے لیکن بدعتی ضرور ہے کہ احادیث مشہورہ کا منکر ہے۔

اور چونکہ قبر دنیا اور آخرت کے درمیان برزخ ہے تو اس کا عذاب بھی ایک لحاظ سے دنیا کے عذاب سے مشابہت رکھتا ہے۔ کہ وہ ختم ہو جانے والا ہے اور ایک مشابہت آخرت کے عذاب سے رکھتا ہے کہ وہ آخرت کے عذاب کی جنس سے ہے اس عذاب کے اکثر مستحق وہ لوگ ہیں جو پیشاب سے پرہیز نہیں کرتے اور سخن چینی اور چغلخوری کی عادت رکھتے ہیں اور قبر میں منکر و نکیر کے سوال بھی حق ہیں۔ اور یہ ایک عظیم فتنہ و امتحان ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ قبر میں ثابت قدم رکھیں۔ آمین۔

اور قیامت کا دن برحق ہے اور یقیناً آنے والا ہے۔ اس دن آسمان اور زمین ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔ اور ستارے گر پڑیں گے اور زمین اور پہاڑ بھی ریزہ ریزہ اور معدوم ہو جائیں گے۔ جیسا کہ قرآنی نصوص اس کو صراحتاً بیان کرتی ہیں۔ اور تمام اسلامی فرقوں کا اس پر اجماع ہے کہ قیامت کا منکر کافر ہے۔ اگرچہ وہمی مقدمات سے اپنے کفر کو آراستہ کر کے دکھائے اور بیوقوفوں کو گمراہ کرے اور اس دن قبروں سے اٹھنا اور بوسیدہ اور گلی سڑی ہڈیوں کا زندہ ہونا حق ہے۔ اور اعمال کا حساب اور میزان کا رکھنا اور نامۂ اعمال کا اڑنا اور نیک لوگوں کے دائیں ہاتھ میں اور برے لوگوں کے بائیں ہاتھ میں پہنچنا بھی حق ہے اور پل صراط جس کو دوزخ کی پشت پر رکھیں گے اور جلد سے گزر کر جنتی جنت میں چلے جائیں گے اور دوزخی دوزخ میں

[1] سورہ نساء پارہ والمحصنات ۱۲۔

میں عذاب کا اور جنت میں ثواب کا ہمیشہ رہنا اور آسمانوں کا پھٹنا اور ستاروں کا جھڑنا اور زمین اور پہاڑوں کا کوٹا جانا وغیرہ پر ایمان لانا۔

اور اسی طرح پانچوں نمازوں کی فرضیت اور ان کی متعین رکعات پر اور مال کی زکوٰۃ کی فرضیت پر اور رمضان شریف کے روزوں اور بیت الحرام کے حج بشرط استطاعت راہ پر ایمان لانا فرض ہے۔ اور اسی طرح شراب پینے کی حرمت اور قتل نفس بغیر حق اور ماں باپ کی نافرمانی اور چوری اور زنا اور یتیم کا مال کھانا اور سود کھانا اور ان جیسی چیزوں کی حرمت پر ایمان لانا جو تواتر سے ثابت ہو چکی ہیں ضروریات دین سے ہے اور مومن کبیرہ گناہ کے ارتکاب سے ایمان سے خارج نہیں ہوتا اور نہ کافر ہوتا ہے۔ کبیرہ گناہ کو حلال سمجھنا کفر ہے اور کبیرہ کا ارتکاب فسق ہے اور اپنے آپ کو مومن برحق جاننا چاہئے یعنی اپنے ایمان کے ثبوت اور تحقق سے اقرار کرنا چاہئے اور استثناء کا کلمہ یعنی ایمان کے ساتھ انشاء اللہ نہیں کہنا چاہئے۔ کیونکہ اس سے شک کا وہم ہوتا ہے۔ اور ایمان ہونے کی صورت میں منافات کی شکل رکھتا ہے اور اگر استثناء کو خاتمہ کی طرف رجوع کریں جو مبہم ہے تو پھر بھی ثبوت حال کے اشتباہ سے خالی نہیں ہے۔ پس احتیاط یہی ہے کہ شک اور اشتباہ کی صورت کو ترک کر دیا جائے۔

اور حضرات خلفائے اربعہ کی افضلیت ان کی خلافت کی ترتیب کے مطابق ہے۔ کیونکہ اہل حق کا اجماع ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد افضل البشر حضرت صدیق اکبر ہیں رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد حضرت فاروق رضی اللہ عنہ اور ان کی فضیلت کی وجہ جو فقیر سمجھا ہے نہ کثرت فضائل ہے نہ کثرت مناقب بلکہ ایمان میں اسبقیت اور مال کے خرچ کرنے میں اقدمیت اور تائید دین اور ترویج ملت متین میں اپنی جان خرچ کرنے میں اولیت ہے۔ کیونکہ سابق گویا دین کے معاملہ میں لاحق کا استاد ہے۔ اور لاحق کو جو کچھ بھی ملتا ہے وہ سابق کے خوان دولت سے ملتا ہے اور ان تینوں صفات کاملہ کا مجموعہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ میں منحصر ہے۔ ایمان کی اسبقیت کے ساتھ جس نے مال کا خرچ اور اپنی جان قربان کرنے کو جمع کیا ہے وہ یہی حضرت صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور یہ دولت ان کے علاوہ اس امت میں اور کسی کو میسر نہیں ہوئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس بیماری میں فرمایا جس میں آپ کی وفات ہوئی۔

کوئی آدمی بھی اپنے نفس اور مال خرچ کرنے میں سب سے زیادہ مجھ پر احسان کرنے والا ابوبکر بن ابو قحافہ سے بڑھ کر کوئی نہیں ہے۔ اگر میں لوگوں میں سے کسی کو اپنا خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا لیکن اسلام کی اخوت افضل ہے۔ ابوبکر کے دریچے کے سوا سب دریچے اس مسجد کے بند کر دو۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا "اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری طرف بھیجا تو تم نے کہا" تم نے جھوٹ بولا اور ابو بکر نے کہا تو نے سچ کہا اور اس نے اپنے نفس اور مال سے میری موافقت کی کیا تم میرے لئے میرے اس ساتھی کو چھوڑ نہیں سکتے؟[۱]

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا۔ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو حضرت عمر بن خطابؓ ہوتے۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ ابو بکر و عمر دونوں اس امت کے افضل آدمی ہیں۔ اور جو شخص مجھ کو ان پر فضیلت دے وہ بہتان طراز ہے۔ میں اسے اسی طرح کوڑے لگاؤں گا جیسے مفتری کو لگاتا ہوں۔

اور وہ جھگڑے اور جنگیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں واقع ہوئیں ان کو نیک معانی پر محمول کرنا چاہیئے اور ان کو ہوا و ہوس کی بدگمانی یا مرتبہ اور ریاست کی محبت اور رفعت و منزلت کی طلب سے دور سمجھنا چاہیئے۔ کیونکہ یہ رذیل صفات نفس امارہ کی ہیں اور ان بزرگواروں کے نفوس خیر البشر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی صحبت سے پاک ہو چکے تھے۔ اتنا ضرور ہے کہ ان جھگڑوں اور جنگوں میں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں واقع ہوئیں ان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ حق بجانب تھے اور آپ کے مخالف اجتہادی غلطی پر تھے کہ اس میں طعن اور ملامت کی مجال نہیں ہے اور پھر کسی کو فاسق کہنے کی کیا گنجائش ہو سکتی ہے کہ سب صحابہ عدول ہیں اور تمام کی روایات مقبول ہیں۔ اور حضرت علی کے مخالفین اور موافقین دونوں کی احادیث صداقت اور وثوق میں برابر ہیں اور جھگڑے اور لڑائی علت کسی کے لئے باعث جرح نہیں ہے پس سب سے محبت رکھنی چاہیئے کہ ان کی دوستی پیغمبر کی دوستی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "جس نے ان سے محبت رکھی تو میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت رکھی" اور ان کی دشمنی اور بغض سے پرہیز رکھنا چاہیئے کہ ان کا بغض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ جس نے ان سے بغض رکھا تو میرے بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا۔"

---

[۱] بخاری و مسلم شریف۔

[۲] بخاری شریف بروایت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ۔

[۳] ترمذی شریف

اوران بزرگواروں کی تعظیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ہے اوران کی عدم تعظیم میں رسول اللہ کی عدم تعظیم۔ سب کی تعظیم و توقیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی وجہ سے کرنا چاہیے شیخ شبلی نے فرمایا ہے۔"جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی تعظیم نہیں کرتا اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی ایمان نہیں ہے"۔

عقائد کی درستی کے بعد اعمال بجالانے سے بھی چارہ نہیں ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اسلام کی بنیاد چند چیزوں پر ہے۔ پہلے تو اس چیز کی شہادت دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے اور حضرت محمد اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں یعنی اس چیز پر ایمان و اعتقاد ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ سے ثبوت کو پہنچا ہے۔جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ دوسرا پانچ نمازوں کا ادا کرنا جو دین کا ستون ہے۔ تیسرا مال کی زکوٰۃ ادا کرنا۔ چوتھا رمضان المبارک کے روزے رکھنا۔پانچواں بیت اللہ شریف کا حج کرنا۔

پس اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لانے کے بعد نماز بہترین عبادت ہے۔یہ ایمان کی طرح حسن لذاتہ ہے۔برخلاف دوسری عبادات کے کہ ان کا حسن ذاتی نہیں ہے طہارت کاملہ کے بعد جیسا کہ شریعت کی کتابوں میں بیان کیا گیا ہے اس کو اچھی طرح سے ادا کیا جائے اور اس میں سستی نہ کی جائے اور قراءت و رکوع و سجود و قومہ و جلسہ اور باقی سارے ارکان میں احتیاط چاہیے۔کہ پورے کمال کے ساتھ ادا ہوں اور رکوع و سجود و قومہ و جلسہ میں سکون و طمانیت لازم جاننا چاہیے اور نماز سستی سے نہ گزاریں۔اور نماز اول وقت میں ادا کریں۔اور تجاہل و تکاسل سے تاخیر کو بالکل راہ نہ دیں مقبول بندہ وہی ہے جو فرض ادا ہونے کا علم ملتے ہی اس کی تعمیل کرے کیونکہ حکم کی تعمیل میں تاخیر کرنا سرکشی اور سوء ادبی ہے اور فقہ کی کتابیں جو فارسی میں لکھی ہوئی ہیں۔مثلاً ترغیب الصلوٰۃ وتیسیر الاحکام اور ان جیسی کتابوں کو چاہیئے کہ ہر وقت اپنے پاس رکھیں اور مسائل شرعیہ کو ان سے اخذ کریں اور ان کے مطابق عمل کریں۔

کتاب گلستان اور اس جیسی کتابیں فقہ کی کتابوں کے مقابلہ میں فضولی میں داخل ہیں بلکہ ضروری امر کی نسبت بالکل بے فائدہ ہیں۔جن چیزوں کی دین میں ضرورت ہے ان کو لازم سمجھیں اوران کے سوا دوسری چیزوں کی طرف توجہ نہ کریں۔نماز تہجد بھی گویا اس راہ کی ضروریات سے ہے کوشش کریں کہ بے ضرورت ترک نہ ہو۔اور اگر ابتدا میں یہ بات مشکل ہو اور اس وقت بیداری میسر ہو تو اپنے خدمت گاروں کو اس کام کے لئے متعین کر دیں کہ اس وقت آپ کو خواہ آپ چاہیں یا

نہ چاہیں بیدار کر دیں اور اس وقت تک نہ چھوڑیں جب تک کہ آپ بیدار نہ ہو جائیں۔ چند روز کے بعد بیداری کی عادت ہو جائے گی اور تکلف کی ضرورت نہ رہے گی۔

جو آدمی آخر شب میں بیدار ہونا چاہے اسے چاہیے کہ اول شب میں نماز عشاء کے بعد فوراً سو جائے اور بے فائدہ امور میں بیدار نہ رہے۔ اور استغفار و توبہ و التجاء و تضرع و تذکر معاصی و ذنوب اور اپنے عیوب و نقائص کا تفکر اور عذابِ اخروی کا خوف اور دائمی عذاب کے ڈر کو اس وقت میں غنیمت سمجھیں اور اللہ تعالیٰ سے بخشش اور عفو کی درخواست کریں اور یہ کلمہ استغفار سو بار دل کی پوری توجہ کے ساتھ زبان پر لائیں۔

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَیْهِ۔	میں اس اللہ سے بخشش مانگتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ زندہ اور قائم ہے اور میں اس کی طرف توبہ کرتا ہوں۔

اور نماز عصر کے بعد بھی اس کلمہ استغفار کو سو بار پڑھیں اور خواہ طہارت ہو یا نہ ہو اس کلمہ استغفار کا ورد ترک نہ کریں، حدیث میں آیا ہے۔ مبارک ہے وہ آدمی جس کے نامہ اعمال میں استغفار زیادہ پایا جائے۔

اور چاشت کی نماز بھی اگر ادا کی جائے تو یہ بہت بڑی دولت ہے کوشش کریں کہ کم از کم دو رکعت ہمیشہ چاشت کی نماز ادا ہوتی جائے اور نماز چاشت کی زیادہ سے زیادہ رکعتیں نماز تہجد کی طرح بارہ رکعات ہیں۔ اور وقت و حال کے مطابق جتنی بھی ادا ہو جائیں غنیمت ہیں اور کوشش کریں کہ ہر فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھی جائے کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ جو آدمی ہر فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھے اسکو جنت میں داخل ہونے سے موت کے سوا اور کوئی چیز نہیں روک سکتی اور پنجگانہ نمازوں سے ہر فرض نماز کے بعد تینتیس مرتبہ کلمہ تنزیہ سُبْحَانَ اللّٰهِ کہیں اور تینتیس بار کلمہ تحمید اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اور تینتیس بار کلمہ تکبیر اَللّٰهُ اَکْبَرُ کہیں اور ایک بار یہ کلمہ پڑھیں

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ وَ

لہ بخاری شریف میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام عشاء سے قبل سونا اور عشاء کے بعد باتیں کرنا ناپسند جانتے تھے قسطلانی فرماتے ہیں کہ دینی بہتری کے لئے جو گفتگو ہو وہ مکروہ نہیں جیسے علمی گفتگو، صالحین کی حکایات، مہمان اور بیوی سے انس پیدا کرنا۔

لہ ابن ماجہ بروایت عبد اللہ بن بسر رضی اللہ عنہ۔

لہ نسائی۔ طبرانی۔ دار قطنی۔

هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔

اور ہر دن اور ہر رات میں سو بار سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ کہیں کہ اس کا بہت بڑا ثواب ہے اور صبح کے وقت ایک بار یہ کہا کریں۔

اَللّٰهُمَّ مَا اَصْبَحَ بِيْ مِنْ نِّعْمَةٍ اَوْ بِاَحَدٍ مِّنْ خَلْقِكَ فَمِنْكَ وَحْدَكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ فَلَكَ الْحَمْدُ وَلَكَ الشُّكْرُ	اے اللہ مجھے جو بھی نعمت ملی ہے یا تیری مخلوق کو ملی ہے سو تجھ اکیلے کی طرف سے ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔ سو تیری ہی تعریف ہے اور تیرا ہی شکر ہے۔

اور شام کے وقت اَللّٰهُمَّ مَا اَصْبَحَ کی جگہ مَا اَمْسٰى کہیں اور پوری دعا پڑھیں اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں آیا ہے کہ جو آدمی اس دعا کو صبح کے وقت پڑھے اس نے اس دن کا شکر ادا کیا اور جس نے رات کے وقت پڑھا اس نے رات کا شکر ادا کیا اور اس ورد کے لئے وضو شرط نہیں ہے بلکہ دن رات اوراد کو تمام اوقات میں بجالائیں اور مال کی زکوٰۃ کی ادائیگی بھی ضروریاتِ دین میں سے ہے۔ اس کو رغبت اور منت سے مصارف زکوٰۃ میں پہنچائیں۔ جب منعم حقیقی جل سلطانہٗ اپنے عطیہ وانعام سے خود فرمائیں کہ چالیس حصوں میں سے ایک حصہ فقراء و مساکین کو دے دیں اور میں اس کے معاوضہ میں تم کو اجر جزیل اور جزائے جمیل عطا کروں گا۔ کوئی بڑا ہی بے انصاف ہوگا بلکہ سرکش ہوگا کہ اس حقیر حصہ کی ادائیگی میں بھی توقف کرے اور اس کے دینے میں بخل کرے۔

اس قسم کا توقف جو امر شرعیہ کی تعمیل میں وجود میں آئے۔ ان کا منشا دل کی بیماری ہے اور آسمان سے نازل شدہ احکام پر ایمان نہیں ہے۔ صرف کلمہ شہادت پڑھ لینا ہی کافی نہیں ہے منافق بھی یہ کلمہ پڑھتے تھے۔ دل کے یقین کی علامت اوامر شرعیہ کی ادائیگی ہے۔ خوشی اور رغبت سے اگر ایک دمڑی ادائے زکوٰۃ کی نیت سے کسی فقیر کو دے دیں تو وہ ایسے کئی لاکھ روپیہ خرچ کرنے سے بہتر ہے جو اس نیت کے بغیر دیا جائے کیونکہ وہ ادائے فرض ہے اور یہ ادائے نفل ہے اور ادائے فرض کو ادائے نفل کی نسبت کچھ اعتبار اور شمار نہیں ہے۔ کاش کہ وہ دریائے محیط کے مقابلہ میں ایک قطرہ کا حکم ہی رکھتا۔

شیطان مردود کی آرائش میں سے یہ بھی ہے کہ وہ آدمیوں کو فرض سے روک کر نوافل میں مشغول کرتا ہے اور زکوٰۃ سے روک دیتا ہے اور رمضان شریف کے روزے بھی اسلام کے واجبات میں سے ہیں اور دین کی ضروریات سے ان کی ادائیگی میں بھی اہتمام کرنا چاہیئے۔ اور ناکارہ عذروں سے روزہ نہیں چھوڑنا چاہیئے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "روزہ آتش دوزخ سے ڈھال ہے"

اور اگر ضروری رکاوٹ کی وجہ سے مثلاً مرض وغیرہ سے روزہ قضا ہو جائے تو بلا تاخیر اس کی قضا دے دینی چاہیئے اور سستی اور کاہلی سے تاخیر نہ کرنا چاہیئے۔

یہ آدمی غلام ہے۔ خود مختار نہیں ہے۔ اس کا کوئی مالک ہے اور اسے خدا تعالیٰ کے اوامر و نواہی کے مطابق زندگی گذارنے سے چارہ نہیں ہے۔ تاکہ نجات کی امید متصور ہو اور اگر ایسا نہ کرے گا تو وہ سرکش بندہ ہے کہ جس کی سزا طرح طرح کے عذاب ہیں اور اسلام کا پانچواں رکن بیت الحرام کا حج ہے اور اس کی کچھ شرطیں ہیں جن کو کتب فقہ میں بیان کیا گیا ہے۔ شرطیں پوری ہو جانے کے بعد اس کی ادائیگی بھی ضروری ہے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "حج اپنے سے پہلے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔"

اور شرعی حرام حلال میں بہت احتیاط کرنی چاہیئے جس چیز سے بھی صاحب شریعت علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام نے منع فرمایا ہے اپنے آپ کو اس سے بچائے اور اگر سلامتی مطلوب ہے تو حدود شرعی کی حفاظت کرنی چاہیئے۔ خواب خرگوش کب تک رہے گی اور غفلت کی روئی کانوں میں کب تک پڑی رہے گی۔ آخر کار جگائیں گے اور غفلت کی روئی باہر نکالیں گے اس وقت سوائے ندامت وحسرت کے اور کچھ نصیب نہ ہوگا اور سوائے شرمندگی اور نقصان کے کچھ حاصل نہ ہوگا موت قریب ہے اور آخرت کے گوناگوں عذاب تیار اور آمادہ ہیں۔

مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهُ۔ (جو آدمی مرگیا اس کی قیامت قائم ہوگئی)

اس سے پہلے بیدار ہو جائیں جب وہ بیدار کریں گے تو کچھ فائدہ نہ ہوگا اور شریعت کے اوامر ونواہی کے مطابق کام کریں اور اپنے آپ کو آخرت کے طرح طرح کے عذابوں سے ڈرائیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ[1] اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن بندے اور پتھر ہیں۔

عقائد کی درستی اور شریعت حقہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے مطابق اعمال صالحہ کی ادائیگی کے بعد اپنے اوقات کو اللہ جل شانہ کے ذکر سے آباد رکھیں اور اس کی یاد سے غافل نہ رہیں۔ ظاہر کو اگر خلقت سے مشغول رکھیں تو باطن کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ رکھنا چاہیئے اور اس کی یاد سے لذت حاصل کرنا چاہیئے۔

---

[1] سورۃ تحریم پارہ قد سمع اللہ۔

یہ دولت ہمارے خواجگان قدس اللہ اسرارہم کے طریقہ میں مبتدی کو پہلے ہی قدم پر شیخ کامل مکمل کی صحبت میں خدا تعالیٰ کی عنایت سے میسر آجاتی ہے۔ شاید آپ کو بھی اس کا یقین ہو چکا ہوگا بلکہ کچھ حصہ بھی نصیب ہوا ہوگا۔ اگرچہ تھوڑا ہی ہو جو کچھ ہاتھ آجائے اسے تازہ رکھیں اور اس کا شکر ادا کریں اور زیادہ کی امید رکھیں۔ اور چونکہ طریقہ حضرات نقشبندیہ قدس اللہ اسرارہم میں ابتدا ہی میں انتہا کا اندراج ہے۔ اگر اس طریقہ میں تھوڑا بھی ملا ہو تو وہ بہت ہے کہ وہ ابتدا میں انتہا سے خبردار ہے۔

لیکن مبتدی کو چاہیئے کہ اسے جتنا بھی زیادہ ہاتھ آجائے۔ اس کی نگاہ میں تھوڑا معلوم ہو لیکن اس کے شکر سے فارغ نہ ہو۔ اس کا شکر بھی ادا کرے اور زیادہ کا طلب گار بھی ہو۔ ذکر قلبی سے اصلی مقصود خدا تعالیٰ کے سوا کی گرفتاری سے آزاد ہونا ہے کہ دل کی بیماری اسی کا نام ہے اور جب تک رہائی حاصل نہ ہو ایمان کی حقیقت نصیب نہیں ہوتی۔ اور شریعت کے اوامر و نواہی کی ادائیگی میں سہولت اور آسانی پیدا نہیں ہوتی۔

بیت۔

ذکر گو ذکر تا ترا جان است
پاکیٔ دل ز ذکر رحمان است

کھانا کھانے میں چاہیئے کہ نفس کی لذت مطلوب نہ ہو بلکہ عبادت کے لئے قوت و استطاعت حاصل کرنے کی نیت سے ہو اور اگر ابتدا میں یہ نیت میسر نہ آسکے تو تکلف سے اپنے آپ کو اس نیت پر لائیں اور التجا و زاری کریں کہ یہ نیت میسر ہو۔ اور اسی طرح لباس پہننے میں عبادت کے لئے اور نماز کی ادائیگی کے لئے زینت کی نیت ہو کہ قرآن مجید میں آیا ہے۔

خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ۔ (ہر نماز کے لئے اپنی زینت کرو۔)

نفیس لباس پہننے سے لوگوں کا دکھلاوا مقصود نہ ہو کہ وہ منع ہے اور اسی طرح کوشش کریں کہ تمام افعال و حرکات و سکنات میں اپنے مولا عزوجل کی رضامندی منظور ہو اور شریعت حقہ کے مطابق عمل کیا جائے۔ اس وقت ظاہر و باطن دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں گے۔ اور اللہ تعالیٰ کی یاد میں ہوں گے۔

مثلاً خواب (نیند) جو سراسر غفلت ہے۔ جب اطاعت کی ادائیگی میں سستی دور کرنے کی نیت سے

جب تک زندگی ہے ذکر کرتے جاؤ رحمان کے ذکر سے دل پاک ہو جاتا ہے۔

ہو تو وہ نیند بھی اس نیت سے عین عبادت ہو جائے گی۔ جب تک وہ نیند میں رہے گا گویا کہ وہ عبادت میں ہے۔ کیونکہ وہ عبادت کی نیت سے سویا ہے۔ حدیث میں آیا ہے۔ علماء کی نیند عبادت ہے۔ اگرچہ میں جانتا ہوں کہ آج اس معنی کا حصول آپ سے مشکل ہے کہ رکاوٹوں کا ہجوم ہے۔ اور عادات و رسومات کا التزام ہے اور ننگ و ناموس منظور ہے۔ یہ سب چیزیں شریعت غراء کی ضد ہیں۔ کیونکہ شریعت تو رسوم و عادات کو مٹانے کے لئے آئی ہے اور ننگ و ناموس کو ختم کرنے کے لئے کیونکہ یہ چیزیں نفس امارہ کی خواہش سے پیدا ہوتی ہیں۔

ہاں اگر اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ذکر قلبی پر ہمیشگی کریں گی۔ اور بغیر سستی کے پنج وقت نماز باشرائط ادا کریں گی۔ اور شریعت کے حلال و حرام میں حتی المقدور احتیاط کریں گی تو ہو سکتا ہے کہ اس معنی کا اجمال ظاہر ہو اور خود بخود راغب ہو جائیں اور اس قسم کی نصیحتیں لکھنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اگرچہ ان نصائح کے مطابق عمل حاصل نہ ہو سکے تو اپنے قصور و نقص کا اعتراف تو حاصل ہوگا اور وہ بھی ایک دولت ہے۔

ہر کس کہ بیافت دولتے یافت عظیم[۵۹]
و آن کس کہ نیافت درد نایافت بس است

اس سے خدا کی پناہ کہ نہ پائے اور اپنے نہ پانے سے زیر بار نہ ہو اور نہ کرے اور اپنے نہ کرنے پر پشیمان نہ ہو۔ شاید کوئی سرکش جاہل ایسا ہو جو غلامی کی رسی سے سر باہر لائے اور غلامی کی قید سے پاؤں کھینچے۔ اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما اور ہمارے معاملہ میں بھلائی پیدا کر۔

اگرچہ وقت و حال اور زمان و مکان تقاضا اس بات کا نہ کرتے تھے کہ میں کچھ لکھوں لیکن جب آپ کا شوق اور کمال درجہ کی رغبت دیکھی۔ تو اپنے آپ کو تکلف سے اس امر پر لایا کہ چند سطریں لکھوں اور ان کو کمال الدین حسین کے سپرد کیا۔ خداوند تعالیٰ اس کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

والسلام علی من اتبع الہدیٰ۔

---

[۵۹] جس نے پایا اس نے بڑی دولت پائی اور جس نے نہ پایا اسے نہ پانے کا درد ہی کافی ہے۔ ۱۲

مکتوب نمبر ۱۰۱

سیادت پناہ میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا

(ماسوائے بے تعلقی اور طالبان حق کی صحبت کی ترغیب کے بیان میں)

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے ہیں ہمیشہ اور ہر حال میں، ہر رنج اور راحت میں۔ آپ کا مکتوب گرامی اور ہدیہ جو سلیمان کے ہمراہ ارسال کیا تھا پہنچا۔ اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔ آپ نے لکھا ہے کہ اس سفر کا مقصد بعض مقاصد کا حصول ہے جن کا حصول مشکل معلوم ہوتا ہے۔

آپ امیدوار رہیں یقیناً تنگی کے ساتھ آسانی ہے بے شک تنگی کے ساتھ آسانی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ "ایک تنگی دو آسانیوں پر غالب نہیں آسکتی"۔ اپنے حالات پر احوال کے متعلق کیا لکھوں اور دوستوں کو کیا بے مزہ کروں۔ اس کے باوجود ہزار در ہزار شکر ہے کہ عین بلا میں عافیت ہے۔ پس پاک ہے وہ ذات جس نے دونوں ضدوں کو جمع کر دیا اور دو متنافی چیزوں کو ملا دیا۔ ایک دن فقیر قرآن مجید کی تلاوت کر رہا تھا کہ یہ آیت آئی۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ اِۨقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۔

آپ کہدیں اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور بیویاں اور قبیلہ اور وہ مال جس کو تم نے کمایا ہے۔ اور وہ تجارت جس کی کساد بازاری سے تم ڈرتے ہو اور وہ مکان جنہیں تم پسند کرتے ہو یہ چیزیں تمہیں اگر اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں تمہیں جہاد کرنے سے زیادہ پیاری ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ آجائے اور اللہ تعالیٰ فاسق قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔

تو اس آیت کریمہ کو پڑھنے سے رونا طبیعت پر غالب آیا اور خوف پیدا ہوا۔ اسی حال میں اپنے حال کا مطالعہ کیا تو نظر آیا کہ ان چیزوں میں سے کسی کی گرفتاری میں نہیں ہوں اگر وہ تمام تلف و برباد ہو جائیں تو شریعت کے ممنوع اور بے کام کو کبھی پسند نہ کروں اور ان امور کو شریعت کے احکام پر کبھی ترجیح نہ دوں۔

باقی مقصد یہ ہے کہ جب دوست ہمارے ساتھ خدا تعالیٰ کے لئے صحبت رکھتے ہیں تو ہمیں بھی چاہیئے کہ ان کو نازسے رکھیں اور ان کے ظاہر و باطن کے احوال سے خبردار رہیں۔ حدیث۔ "اے داؤد جب تو میرے طالب کو دیکھے تو اس کا خادم بن جا" مشہور ہے جتنی دوستوں پر پہلے توجہ رکھتے ہو اب اس سے زیادہ رکھو اور لاپرواہی اور تغافل کو جائز نہ رکھو۔ دوسری بات یہ ہے کہ اطلاع دیں کہ اقربیت کا مکتوب سمجھ میں آیا یا نہیں؟ اگر آیا ہے تو بہتر ورنہ شک کے مقام متعین کر کے لکھیں زیادہ کیا لکھوں۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے آپ کی سلامتی اور عافیت اور ثبات اور استقامت اور زیادہ توفیق اور اچھی عافیت کی دعا کرتا ہوں۔ والسلام۔

مکتوب نمبر ۱۹

سیادت پناہ میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا

رنج اور راحت اور عافیت اور بلا غرض ہر حال میں اللہ رب العالمین کی تعریفیں ہیں۔

حکیم جل سلطانہٗ کا کوئی فعل حکمت اور مصلحت سے خالی نہیں ہے۔ شاید اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اس سے درستی کا ارادہ رکھتا ہو۔

عَسٰی اَنْ تَکْرَهُوْا شَیْئًا وَّهُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ وَعَسٰی اَنْ تُحِبُّوْا شَیْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّکُمْ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔

قریب ہے کہ تم کسی چیز کو برا سمجھو اور وہ تمہارے لئے بہتر ہو اور قریب ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ تمہارے لئے بری ہو اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

تو اللہ تعالیٰ کی آزمائش پر صبر کرو اور اس کی قضا پر راضی رہو اور اس کی عبادت پر ثابت قدم رہو اور اس کی نافرمانی سے بچو۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

مَآ اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَةٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ وَیَعْفُوْا عَنْ کَثِیْرٍ۔

تمہیں جو بھی مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی ہے۔ اور وہ بہت سی باتیں معاف کر دیتا ہے۔

سو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف توبہ کرو اور اپنے ہاتھوں سے کئے ہوئے اعمال سے اپنے رب کے حضور بخشش مانگو اور اللہ تعالیٰ سے معافی اور عافیت کا سوال کرو یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا ہے معاف کرنے کو پسند کرتا ہے۔ سو جتنا ہو سکے بلا سے بچو کہ طاقت سے زیادہ بوجھ سے فرار انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سنت سے ہے اور ہم عین بلا میں عافیت سے ہیں۔ سو اللہ سبحانہ کے لئے حمد اور احسان ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلٰى سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ وَآلِهِ الصَّلَوٰةُ وَالتَّسْلِيمَاتُ الْعُلٰى۔

مکتوب نمبر ۲۰

مولانا امان اللہ کی طرف، جلدی ہمت اور تمام چیزوں کے وصول کو اپنے پیر کی طرف سے جاننے کے متعلق صادر فرمایا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى۔

میرے بھائی شیخ امان اللہ کا مکتوب وصول ہوا اپنے احوال و مواجید کے متعلق جو لکھا تھا اچھی طرح واضح ہوا۔

آپ کے متعلق اس سے زیادہ کی توقع ہے جو کچھ عطا فرمائیں اس کو ادب سے احسان سمجھ کر قبول کریں اور تضرع وزاری والتجا وانکساری سے

هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ (کیا کچھ اور بھی ہے)

کہتے ہوئے زیادتی کی طلب اور بلند مقام کا سوال کرنا چاہیے اور شریعت کے احکام کی ادائیگی میں اچھی طرح رعایت کریں کہ استقامت احوال کی صداقت شریعت پر ہے۔

اس واقعہ (کشف) کی تعبیر جو آپ نے عالم مثال کے متعلق لکھا تھا صواب کے قریب ہے اور حقیقۃ الامر اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔ چونکہ آ[illegible] صحبت میں زیادہ رہے ہیں۔ تو بحمد اللہ آپ کی نظر بہت بلند واقع ہوئی ہے۔ اخروٹ اور منقہ سے بچوں کی طرح احمق نہیں بن جاتے ہو۔ اللہ تعالیٰ عالی ہمت لوگوں کو پسند کرتا ہے۔

اور حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی تربیت کا واقعہ جو آپ نے بھائی حافظ

مہدی علی کے متعلق لکھا تھا۔ہاں حافظ ہمارے طریقہ سے بہت مناسبت رکھتا ہے۔لیکن یہ سمجھ لینا چاہیے کہ دولت اگرچہ ظاہری صورت میں کسی جگہ سے بھی پہنچے حقیقت میں اسے اپنے شیخ کی طرف سے سمجھنا چاہیے تاکہ قبلہ پراگندہ نہ ہو اور کارخانہ میں خلل نہ ڈالے جس جگہ سے بھی پہنچے اسے اپنے پیر کی طرف سے سمجھے کہ وہ جامع ہے۔جس صورت سے بھی اس کی تربیت ظہور پائے وہ فی الحقیقت اسی کی طرف سے ہے اور یہ مقام طالبوں کے قدم پھسلنے کا ہے۔اس سے واقف ہونا چاہیے تاکہ مردود دشمن راہ نہ پاسکے اور پراگندہ نہ کرے۔یہ تو آپ نے سنا ہو گا کہ جو ایک جگہ ہے وہ ہر جگہ ہے اور جو ہر جگہ ہے وہ کسی جگہ بھی نہیں ہے۔حافظ کو دعا پہنچاویں۔ والسلام

مکتوب نمبر ۲۱

میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا

ان کے سوالات کے جواب میں کہ ضمائر سے خدا تعالیٰ مراد ہیں اور زہاد کی فضیلت اور اللہ تعالیٰ جل سلطانہ و ہم اضافہ کی اپنی ذات کے ساتھ کیفیت کے بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

آپ نے پوچھا تھا کہ جب اشیاء ظلی اپنی ماہیت کے ساتھ اشیاء نہیں ہیں بلکہ اپنے اصل کی ماہیت کے ساتھ قائم ہیں تو پھر چاہیے کہ اشیاء کا مشار الیہ لفظ ھُوَ۔ اَنْتَ اور اَنَا سے وہی اصل مراد ہو۔ تو اس وقت بعض ایسی صفات کا اثبات جو اس اصل سے مناسبت نہیں رکھتا۔ان ضمیروں پر کس طرح صادق آئے گا۔مثلاً میں کھانے والا ہوں۔میں سونے والا ہوں وغیرہ وغیرہ؟

جاننا چاہیے کہ فی الحقیقت ظل اگرچہ اپنے اصل کے ساتھ قائم ہے لیکن اس کی ظلیت کا ثبوت اگرچہ مرتبہ حس و خیال میں ہے ہمیشہ اپنی جگہ قائم ہے اور اس کی ظلیت کے احکام کے لئے دوام اور بقا ہے۔

وَخُلِقْتُمْ لِلْاَبَدِ (تم ہمیشہ کے لئے پیدا کئے گئے ہو)

اس کا گواہ ہے اور ان نامناسب صفات کا ان ضمائر پر اطلاق باعتبار ظلیت جائز ہے اور وجود کے ہر مرتبہ کا حکم جدا ہے اور جو خدا میں گم ہے وہ خدا نہیں ہے۔

اور پھر آپ نے اس حدیث قدسی کا معنی پوچھا ہے جو زہاد کرام کے فضائل میں وارد ہوئی ہے الفاظ کے معانی تو ظاہر ہیں اور خداوند تعالیٰ کے فضل وکرم سے کیا بعید ہے کہ کچھ لوگوں کو فضائل وخصائص وکرامات سے مخصوص کر لیں اور درجات ومراتب عطا فرمائیں کہ دوسرے ان پر رشک کریں۔ اور ان کا حساب نہ ہونے میں جو آپ کو تردد ہے۔ اس تردد کی گنجائش نہیں ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے بہت سے لوگ بے حساب وکتاب جنت میں جائیں گے۔

اور ان میں سے وہ بھی ہے جو صحیح حدیث میں آیا ہے کہ ستر ہزار آدمی بغیر حساب کتاب کے میری امت میں سے جنت میں جائیں گے تو صحابہ نے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلَّذِیْنَ لَا یَکْتَوُوْنَ وَلَا یَسْتَرْقُوْنَ وَعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ۔ (وہ جو داغ نہیں لگواتے اور دم نہیں کراتے اور اپنے رب پر توکل رکھتے ہیں۔)

اس مقام میں ایک بہت بڑا راز ہے جس کا اظہار مصلحت سے دور ہے اور اکثر لوگوں کی سمجھ سے بالاتر ہے اگر کبھی ملاقات کی فرصت ہوئی تو یاد کروا دینا اس کو کچھ تھوڑا سا بالمشافہ بیان کر دوں گا۔ اس سر کی طرف کچھ اشارہ مکتوبات جلد ثانی کے کسی مکتوب میں درج ہو چکا ہے اگر وہ کتاب آپ پالیں تو شاید اس راز کو بھی پالیں۔

اور آپ نے پوچھا تھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا علم اپنی ذات کو محیط ہے یا نہیں؟ اگر محیط ہے۔ تو تناہی لازم آئے گی۔

جان لیں کہ علم دو قسم ہے حصولی اور حضوری۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کی کنہ کے لئے علم حصولی کا متعلق ہونا محال ہے کیونکہ یہ احاطہ اور تناہی کو مستلزم ہے لیکن یہ جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم حضوری اس کی کنہ سے متعلق ہو اور تناہی بھی لازم نہ آئے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر ۲۲

ملا مقصود علی تبریزی کی طرف صادر فرمایا

(اس بیان میں کہ مشرکوں کی نجاست سے مراد ان کا خبث باطن اور بد اعتقادی ہے نہ کہ ان کا نجس العین ہونا)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

میرے شفقت آثار مخدوم! معلوم نہ ہو سکا کہ تفسیر حسینی بھیجنے کا کیا مقصد تھا۔ صاحب تفسیر تو آیت کریمہ سے تفسیر امہ مذہب کے موافق کرتے ہیں اور مشرک کی نجاست سے مراد خبث باطن اور بد اعتقادی لیتے ہیں اور جو کچھ اس کے بعد کہا ہے کہ مشرک لوگ نجاست سے پرہیز نہیں کرتے تو یہ بات آج اکثر اہل اسلام میں بھی موجود ہے اور اس لحاظ سے عام مومنوں اور کافروں میں فرق ناپید ہے۔ اگر نجاست سے پرہیز نہ کرنا کسی آدمی کی نجاست کا سبب ہو تو معاملہ تنگ ہو جائے گا۔ اور اسلام میں تنگی نہیں ہے۔

اور وہ جو حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ مشرک کتوں کی طرح نجس العین ہیں تو اس قسم کے الفاظ شاذ ہیں اور بہت سے اکابرین دین سے منقول ہیں اور یہ توجیہ اور تاویل پر محمول ہیں مشرک نجس العین کس طرح ہو سکتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی کے گھر سے کھانا کھایا ہے اور ایک مشرکؒ کے برتنوں سے وضو کیا ہے اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی ایک عیسائی عورت کے مٹکے سے وضو کیا ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ آیت کریمہ میں ہے کہ

إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ — سوائے اس کے نہیں کہ مشرک نجس ہیں۔

اور ہو سکتا ہے کہ یہ آیت ان روایات سے بعد کی ہو اور ان کی ناسخ ہو تو یہ جواب تو ہو سکتا تھا لیکن اس جگہ صرف اتنا ہی کافی ہے کہ اس کا بعد میں ہونا ثابت کیا جائے تاکہ دعوائے نسخ میں صحت پیدا ہو کیونکہ منع تو منع سے باہر ہے۔ اور اگر اس کا متاخر ہونا تسلیم کر بھی لیا جائے تو پھر بھی چاہیئے کہ یہ حرمت ثابت نہ ہو اور نجاست سے مراد اندرونی خباثت ہو۔ کیونکہ منقول ہے کہ کوئی پیغمبر بھی کسی ایسے امر کا مرتکب نہیں ہوا ہے جس کا انجام اس کی شریعت میں یا کسی دوسرے نبی کی شریعت میں حرام ہونے تک پہنچے اور بالآخر حرام ہو جائے اگرچہ وہ کام ارتکاب کے وقت مباح ہو۔ شراب جو پہلے مباح تھی آخر میں حرام ہو گئی۔ اور کسی بھی پیغمبر نے شراب نہیں پی ہے۔ اور اگر مشرکین کا انجام بالآخر بھی ظاہری نجاست قرار پاتا اور وہ کتوں کی طرح نجس العین ہوتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو محبوب رب العالمین ہیں کبھی ان کے برتنوں کو ہاتھ نہ لگاتے چہ جائیکہ وہ ان کا کھانا اور پانی استعمال کرتے۔

اور پھر یہ بھی ہے کہ نجس العین ہر وقت نجس العین ہے اس میں اباحت سابق یا لاحق کی گنجائش

۱؎ جیسا کہ کتب صحاح میں موجود ہے۔ ۲؎ یہ واقعہ بھی حدیث کی صحیح کتابوں میں موجود ہے

۳؎ امام بخاری نے ترجمہ اس باب میں اس واقعہ کو ذکر کیا ہے۔

نہیں ہے۔ اگر مشرک نجس العین ہوتے تو چاہیئے تھا کہ ابتدا ہی سے ایسے ہوتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابتدا ہی سے ان کے ساتھ اندازہ سے وہی سلوک کرتے اور جب وہ نہیں ہے تو یہ بھی نہیں ہے۔

اور پھر یہ بھی ہے کہ "دین میں تنگی نہیں ہے" اور یہ آپ کو بھی معلوم ہے کہ ان پر نجاست کا حکم لگانا اور ان کو نجس العین سمجھنا مسلمانوں پر کتنی تنگی ڈالنا ہے اور ان کو کس قدر محنت میں مبتلا کرنا ہے۔ ائمہ حنفیہ رضی اللہ عنہم کا احسان سمجھنا چاہیئے کہ انہوں نے مسلمانوں کے لئے خلاصی کی صورت پیدا کی اور ارتکاب حرام سے بچایا۔ نہ کہ ان کو مطعون کریں اور ان کے ہنر کو عیب سمجھیں۔ اور مجتہد پر کیا اعتراض ہے کہ اس کی غلطی بھی ایک درجہ ثواب رکھتی ہے اور اگرچہ وہ خطا کر جائے پھر بھی اس کی تقلید نجات کا سبب ہے۔ وہ لوگ جو کافروں کے کھانے پانی کے حرام ہونے کے قائل ہیں یہ عادتاً محال ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس کے ارتکاب سے محفوظ رکھ سکیں بخصوصاً ہندوستان کے علاقہ میں کہ یہ مصیبت بہت زیادہ ہے اس مسئلہ میں جو عموم بلویٰ رکھتا ہے بہتر یہ ہے کہ فتویٰ آسان اور سہل کام پر دیا جائے اگرچہ اپنے مذہب کے موافق نہ ہو خواہ کسی مجتہد کے قول پر ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ — اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے اور تنگی و دشواری نہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے

یُرِیْدُ اللّٰہُ اَنْ یُّخَفِّفَ عَنْکُمْ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا۔ اللہ تعالیٰ تم سے بوجھ ہلکا کرنا چاہتا ہے اور انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔

مخلوق کو تنگ کرنا اور ان کو ناراض کرنا حرام ہے اور خدا تعالیٰ کی مرضی کے برخلاف ہے شافعیہ بعض مسائل میں جن میں امام شافعی نے تنگی پیدا کی ہے حنفی مذہب کے مطابق فتویٰ دیتے ہیں اور لوگوں کو آسانی مہیا کرتے ہیں۔ مثلاً مصارف زکوٰۃ میں امام شافعی زکوٰۃ کو مصارف زکوٰۃ کی تمام اقسام پر تقسیم کیا ہے کہ ان میں سے ایک مؤلفۃ القلوب بھی ہیں جو اس وقت میں مفقود ہیں علماء شافعیہ نے حنفی مذہب کے مطابق فتویٰ دیا ہے کہ ان اقسام میں اگر کسی ایک کو بھی زکوٰۃ دے دے تو کافی ہے۔ اور پھر یہ بھی ہے کہ مشرک اگر نجس العین ہوتے تو چاہیئے تو یہ تھا کہ ایمان لانے کے بعد بھی پاک نہ ہوتے پس معلوم ہوا کہ ان کی نجاست بد اعتقادی سے ہے جو زائل ہو سکتی ہے اور صرف باطن تک محدود ہے جو کہ اس اعتقاد کا محل ہے اور اندرونی نجاست بیرونی طہارت سے معارضہ نہیں رکھتی جیسا کہ ہر کسی کو معلوم ہے اور یہ کلام اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ

مشرکوں کے حال کی خبر ہے جو ناسخیت اور منسوخیت سے کوئی تعلق نہیں رکھتی کیونکہ نسخ شریعت کے احکام میں ہوتا ہے۔ نہ کسی چیز کی خبر میں۔ پس چاہیئے کہ مشرک ہر وقت نجس ہوں اور نجاست سے مراد نجاستِ اعتقاد ہے تاکہ دلائل متعارض نہ ہوں۔ اور ان کو چھونا کسی وقت بھی ممنوع نہ ہو جس دن اس فقیر نے اس بحث میں یہ آیت کریمہ پڑھی تھی۔

وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ۔ (اور اہل کتاب کا کھانا تم پر حلال ہے)

تو اس کے بالمقابل تم نے کہا تھا کہ اس جگہ طعام سے مراد گندم چنے اور مسور وغیرہ ہیں اگر اس توجیہ کو اہل عرف پسند کریں تو کیا مضائقہ ہے۔ لیکن انصاف درکار ہے۔

اس تکلیف اور اس طول کلامی کا اصل مقصد یہ ہے کہ خلقت پر رحم کریں کہ اس سے کوئی چارہ نہیں گریز نہیں ہے نجس نہ جانیں اور مسلمانوں کے کھانے پینے سے متوہم نجاست کے باعث پرہیز نہ کریں اور اس سبب سے تمام سے پرہیز نہ کریں اور اس کو احتیاط نہ سمجھیں کہ احتیاط اس احتیاط کے ترک کرنے میں ہے۔ زیادہ کیا تکلیف دوں۔ ؎

اندکے پیش تو گفتم غم دل ترسیدم
کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

والسلام۔

مکتوب نمبر ۲۲

خواجہ ابراہیم قبادیانی کی طرف صادر فرمایا

اس بیان میں کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ اپنی ذات اور صفات اور بندوں کو پسندیدہ اور ناپسندیدہ اعمال کی خبر دی ہے جس میں عقل کو کوئی دخل نہیں ہے۔

تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے ہم پر احسان کیا اور ہمیں اسلام کی راہنمائی کی اور ہمیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے بنایا۔

ف: میں نے تھوڑا سا دل کا غم بیان کیا ہے اور ڈرتا ہوں کہ تو دل آزردہ ہو جائے گا ورنہ باتیں تو بہت ہیں۔

انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات تمام جہانوں کے لئے رحمت ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان بزرگواروں کی بعثت کے ذریعہ اپنی ذات اور صفات کی ہم ناقص عقل اور قاصر فہم لوگوں کو خبر دی ہے اور ہمارے چھوٹے سے ذہن کے مطابق اپنی ذاتی وصفاتی کمال پر اطلاع بخشی ہے اور اپنے پسندیدہ اور ناپسندیدہ کاموں کو الگ الگ کر دیا ہے۔ اور ہمارے دنیوی اور اخروی منافع اور مضار کو جدا فرمایا ہے۔ اگر ان کے بزرگ وجود کا وسیلہ نہ ہوتا تو بشری عقول خدا تعالیٰ کے اثبات میں ناقص اور قاصر ہوتیں۔ قدیم فلاسفہ جو اپنے آپ کو اکابر اہل عقول سمجھتے تھے خدا تعالیٰ کے منکر تھے۔ اور اپنے عقل کی کمی کی وجہ سے چیزوں کو زمانہ کی طرف منسوب کرتے تھے۔ اور نمرود کا جھگڑا جو کہ ساری زمین کا بادشاہ تھا حضرت خلیل علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے کے اثبات میں مشہور ہے اور قرآن مجید میں بھی مذکور ہے اور فرعون بے سامان بھی کہا کرتا تھا۔

لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ۔ (اگر تو نے میرے سوا کسی اور کو خدا بنایا تو میں تجھے قید کر دوں گا۔)

اور اس بے دولت نے ہامان سے یہ بھی کہا تھا۔

يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا۔ اے ہامان میرے لئے ایک محل بنا تاکہ میں آسمانوں کے راستے تک پہنچوں اور موسیٰ کے خدا کو جھانک کر دیکھوں اور میں تو اسے جھوٹا خیال کرتا ہوں۔

مختصر یہ کہ عقل اس دولت عظمیٰ کے اثبات میں قاصر ہے اور ان بزرگوں کی ہدایت کے بغیر اس دولت سرا تک راہ نہیں پا سکتی اور جب تواتر سے انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی دعوت ان لوگوں کو خداوند تعالیٰ زمین وآسمان کے خالق کے متعلق پہنچی اور ان بزرگواروں کا کلمہ بلند ہوا تو ہر زمانہ کے بیوقوف لوگ جو صانع کے وجود میں تردد رکھتے تھے اپنی قباحت پر مطلع ہوئے۔ اور بے اختیار وجود صانع کے قائل ہوئے اور چیزوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے لگے۔

یہ وہ نور ہے جو انبیاء کے انوار سے حاصل ہوا ہے اور یہ وہ دولت ہے جو انبیاء کے دسترخوان سے ملی ہے ان پر قیامت تک بلکہ ہمیشہ ہمیشہ تک صلوٰۃ وسلام ہو اور اسی طرح وہ تمام سنی ہوئی باتیں جو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی تبلیغ کے ذریعہ ہم تک پہنچی ہیں۔ مثلاً خداوند تعالیٰ کی صفات کمال اور انبیاء کی بعثت اور ملائکہ کی عصمت علیہم الصلوات والتسلیمات والتحیات والبرکات اور حشر ونشر اور بہشت اور اس کی نعمتوں اور دوزخ اور اس کے عذابوں کا دائمی وجود اور ان جیسی

اور بھی چیزیں جن کو شریعت نے بیان کیا ہے عقل ان کے ادراک میں قاصر ہے اور ان بزرگواروں سے بغیر ان کے اثبات میں ناقص اور غیر مستقل ہے۔

جس طرح عقل کا طریقہ حس کے طریقہ سے بالا ہے کہ جس کا حس سے ادراک نہیں کیا جا سکتا۔ عقل اس کا ادراک کر لیتی ہے اور اسی طرح نبوت کا طریقہ عقل کے طریقہ سے بلند ہے کہ جو کچھ عقل کے طریقہ سے معلوم نہیں کیا جا سکتا وہ نبوت کے ذریعے حاصل ہو سکتا ہے اور جو آدمی عقل سے بڑھ کر کوئی طریقہ معرفت کے اثبات کے لیے تسلیم نہیں کرتا وہ حقیقت میں نبوت کے طریقہ کا منکر ہے اور بداہت کا مقابلہ کرنے والا ہے۔ پس انبیاء کو تسلیم کرنے سے چارہ نہیں ہے تاکہ خدا تعالیٰ کے شکریہ کی راہنمائی کریں جو کہ عقل سے بھی واجب ہے اور نعمتیں عطا کرنے والے خدا جل و علا کی تعظیم جو کہ علم اور عمل سے تعلق رکھتی ہے خدا تعالیٰ کی طرف سے معلوم کر کے ہم پر ظاہر کریں کیونکہ وہ تعظیم جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل نہ کی گئی ہو اس کے شکریہ کے لائق نہیں ہے کیونکہ انسانی قوت اس کے ادراک میں عاجز ہے بلکہ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ غیر تعظیم کو اس کی تعظیم سمجھتا ہے اور شکر سے ہجو میں چلا جاتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی تعظیم حاصل کرنے کا طریقہ صرف نبوت میں منحصر ہے اور انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی تبلیغ پر بس ہے اور الہام جو اولیاء کو ہوتا ہے وہ بھی نبوت کے انوار سے مقتبس ہے اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کے فیوض و برکات سے ہے۔

اور اگر عقل اس معاملہ میں کفایت کرتی تو یونان کے فلاسفہ جنہوں نے اپنا رہنما عقل کو سمجھا گمراہی کے بیابان میں نہ بھٹکتے پھرتے اور وہ خداوند تعالیٰ کو سب سے زیادہ پہچانتے۔ حالانکہ خداوند تعالیٰ کی ذات وصفات کے متعلق جاہل ترین آدمی وہی ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو بیکار و معطل سمجھا ہے اور ایک چیز کے سوا اور وہ بھی اضطراری طور پر نہ کہ اختیار سے اور کسی چیز کو اس کی طرف منسوب نہیں کرتے انہوں نے عقل فعال اپنے پاس سے تراشی اور حوادث کو زمین و آسمان پیدا کرنے والے خدا سے چھڑا کر اس کی طرف منسوب کر دیا اور اثر کو مؤثر حقیقی جل شانہٗ سے روک کر اپنا پیدا کردہ سمجھتے ہیں۔

کیونکہ ان کے نزدیک معلول اثر علت قریبہ ہے۔ علت بعیدہ کے لئے وہ معلول کے حصول میں تاثیر نہیں سمجھتے اور اپنی جہالت سے خدا تعالیٰ کی طرف ان چیزوں کی نسبت نہ کرنے کو اللہ تعالیٰ کا کمال تصور کرتے اور اس کو معطل کر دینے کو اس کی تعظیم سمجھتے ہیں حالانکہ خداوند تعالیٰ آسمانوں اور زمین کی پیدائش کے ساتھ اپنی تعریف بیان کرتا ہے۔ اور اپنے رب المشرق و رب المغرب ہونے سے

مدح فرماتا ہے۔ اور ان بیوقوفوں کو اپنے فاسد خیال سے خدا تعالیٰ کی کوئی حاجت نہیں ہے اور خدا تعالیٰ کے سامنے سرِ نیاز خم نہیں کرتے۔

پس ان کو چاہیئے کہ اپنی مجبوری اور حاجت کے قریب اپنی عقل فعال کی طرف رجوع کریں اور چونکہ وہ بھی ان کے خیال کے مطابق مجبور ہے نہ کہ مختار تو اپنی حاجتیں اس سے چاہنا بھی غیر معقول ہی ہے۔

اِنَّ الْكَافِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ (کافروں کا کوئی مولا نہیں ہے)

عقل فعال کیا ہے جو اشیاء کو سرانجام دے سکے اور حوادث کو اس کی طرف منسوب کریں خود اس کے اپنے وجود و ثبوت میں ہزاروں اعتراض ہیں کیونکہ اس کا اپنا تحقق و حصول فلاسفہ کے ملمع شدہ مقدمات پر مبنی ہے جو قواعد حقہ اسلامیہ کی رو سے ناتمام و نافرجام ہیں۔

کوئی بیوقوف ہی ہوگا جو چیزوں کو قادر مختار جل شانہ سے روک کر ایسے موہوم امر کی طرف منسوب کرے بلکہ اشیاء کو خود ہزاروں ننگ و عار ہیں کہ فلسفی کے تراشیدہ کی طرف منسوب ہوں۔ بلکہ اشیاء اپنے فنا ہو جانے پر راضی اور خوش ہیں اور اپنے ہونے کی طرف ان کا کوئی میلان نہیں ہے اس سے کہ ان کے وجود کو فلاسفہ کے تراشیدہ کی طرف منسوب کریں اور قادر مختار جل سلطانہ کی قدرت کی طرف منسوب ہونے کی سعادت سے محروم ہوں۔

كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا۔ بہت بڑی بات ہے جو ان کے موہوں سے نکلتی ہے وہ صرف جھوٹ کہتے ہیں۔

دار الحرب کے کافر بت پرست ہونے کے باوجود اس جماعت کی نسبت اچھی حالت میں ہیں جو خشیت کے وقت اللہ تعالیٰ سے التجا کرتے ہیں اور اپنے بتوں کو اللہ تعالیٰ کے سامنے وسیلہ شفاعت بناتے ہیں۔ اور پھر عجیب تر بات یہ ہے کہ کچھ لوگ ان بیوقوفوں کو حکماء کہتے ہیں اور حکمت کو ان سے منسوب کرتے ہیں۔ ان کے اکثر احکام خصوصاً الٰہیات جو سب سے روشن مقصد ہے جھوٹے ہیں اور کتاب و سنت کے مخالف ہیں ان کو حکماء کہنا کہ ان کی قسمت میں سراسر جہل مرکب ہے کس لحاظ سے درست ہو سکتا ہے۔ مگر بر سبیل تحکم و استہزاء اگر کہا جائے اور یا پھر جیسے اندھے کو بصیر کہتے ہیں۔

اور ان بیوقوفوں کی ایک جماعت نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے طریقہ کے التزام کے بغیر صوفیہ کی تقلید میں جو کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے متبعین میں سے تھے۔ ریاضت اور مجاہدہ کا طریق اختیار کیا ہے اور اپنے وقت کی صفائی پر مغرور ہوتے ہیں اور اپنے خواب و خیال

پر اعتماد کرتے ہیں اور اپنے خیالی کشوف کو اپنا مقتدا سمجھتے ہیں

ضَلُّوْا فَاَضَلُّوْا۔ (وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور وں کو بھی گمراہ کیا)

ان کو یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ صفائی نفس کی صفائی ہے جو گمراہی کی طرف راہ رکھتی ہے نہ کہ دل کی صفائی جو کہ ہدایت کا دریچہ ہے کیونکہ دل کی صفائی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی متابعت سے وابستہ ہے اور تزکیۂ نفس دل کی صفائی سے وابستہ ہے اور دل کی نفس پر حکومت ہے اور نفس جو دل کی کدورت کے باوجود کہ انوارِ قدم کے ظہور کا محل ہے اگر صفائی پیدا کرے تو اس کی مثال ایسی ہے کہ کینہ دشمن جو کہ ابلیس مردود ہے کی تاخت وتاراج کرنے کے لئے چراغ روشن کر دیا جائے۔

مختصر یہ کہ ریاضت ومجاہدہ کا طریقہ نظر واستدلال کی طرح اس وقت اعتماد واعتبار پیدا کرتا ہے جبکہ وہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تصدیق کے ساتھ ملا ہوا ہو جو خداوند تعالیٰ کی طرف سے تبلیغ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی تائید سے مؤید ہیں۔ ان بزرگواروں کا کارخانہ ملائکہ معصومین کے نزول کی وجہ سے دشمن لعین کے کید ومکر سے محفوظ ہے۔

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطَانٌ۔ (میرے بندوں پر تیرا کوئی غلبہ نہیں ہے)

ان کا حصہ ہے اور دوسروں کو یہ دولت نصیب نہیں ہوتی اور نہ انہیں دشمنِ لعین کے دام ناتمام سے رہائی ملتی ہے۔ ماسوائے اس صورت کے کہ ان بزرگواروں کی متابعت کریں اور ان کے قدموں کے نشانات پر چلیں۔

بَیْتٌ

محال است سعدی کہ راہ صفا
تواں رفت جز بر پئے مصطفیٰ[1]

سبحان اللہ افلاطون جو فلاسفر کا رئیس ہے حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کی دولت پاتا ہے اور اپنے آپ کو اپنی نادانی کی وجہ سے ان سے مستغنی سمجھتا ہے اور آنحضرت کا گرویدہ نہیں ہوتا اور برکات نبوت سے حصہ نہیں لیتا اور جس کو اللہ تعالیٰ نور عطا نہ فرمائے اس کے لئے کوئی نور نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

---

[1] اے سعدی مصطفیٰ کی پیروی کے بغیر صفائی کی راہ پر چلنا محال ہے۔

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُوْنَ[1]

اور یقیناً ہماری بات ہمارے پیغمبروں کے لئے گذر چکی کہ وہی مدد دیئے جائیں گے اور یقیناً ہمارا لشکر ہی غالب آنے والا ہے۔

عجب معاملہ ہے کہ فلاسفہ کی عقول ناقصہ نبوت کے طریق کے برخلاف واقع ہوئی ہیں مبدأ میں بھی اور معاد میں بھی اور ان کے احکام انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے احکام کے خلاف ہیں نہ ان کا اللہ پر ایمان درست ہے اور نہ آخرت پر۔ عالم کے قدیم ہونے کے قائل ہیں۔ حالانکہ تمام مذاہب کا اس پر اجماع ہے کہ عالم اپنے تمام اجزا کے ساتھ حادث ہے اور اسی طرح وہ آسمانوں کے پھٹنے اور ستاروں کے جھڑنے اور پہاڑوں کے ریزہ ریزہ ہونے اور سمندروں کے پھٹنے کے یعنی جو کہ قیامت کو واقع ہوں گے قائل نہیں ہیں۔ وہ اجسام کے حشر کے قائل نہیں ہیں اور قرآنی نصوص کا انکار کرتے ہیں۔

اور ان کے متاخرین جو اپنے آپ کو مسلمانوں کی جماعت سے سمجھتے ہیں اسی طرح وہ بھی فلاسفہ کے اصولوں پر ثابت قدم ہیں۔ اور آسمانوں اور ستاروں اور ان جیسی چیزوں کے قدیم ہونے کے قائل ہیں اور ان کا فیصلہ ہے کہ یہ چیزیں ہلاک نہیں ہوں گی۔ ان کی خوراک قرآنی نصوص کو جھٹلانا ہے اور ان کا رزق ضروریاتِ دین کا انکار ہے۔ یہ عجیب قسم کے مومن ہیں۔ کہ خدا اور رسول پر ایمان لاتے ہیں لیکن جو کچھ خدا اور رسول نے فرمایا ہے اسے قبول نہیں کرتے۔ اس سے بڑھ کر بیوقوفی اور کیا ہوگی۔

بیت۔

فلسفہ چوں اکثرش باشد سفہ پس کل آں
ہم سفہ باشد کہ حکم کل حکم اکثر است[2]

اس جماعت نے اپنی عمر کو علم آلی (منطق) کے سیکھنے سکھلانے میں صرف کر دیا جو کہ خطائے فکری سے بچانے والا ہے اور اس باب میں کئی موشگافیاں کیں۔

اور جب اپنے اعلیٰ مقصد یعنی خداوند تعالیٰ کی ذات و صفات و افعال تک پہنچے تو اپنے حواس گم کر دیئے اور بچانے والا آلہ ہاتھ سے چھوڑ دیا اور کئی دیوانگیاں دکھائیں اور گمراہی کے بیابان میں پڑے رہے۔ ان کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی شخص کئی سال تک آلاتِ جنگ کو تیار کرے اور لڑائی

---

[1] سورہ صافات پارہ ۲۳۔

[2] فلسفہ کا اکثر حصہ تو سفہ (بیوقوفی) ہے تو اس کا کل بھی بیوقوفی ہو گا کیونکہ اکثر کا حکم کل کا حکم ہوتا ہے ۱۲۔

کے وقت اس کے حواس جاتے رہیں اور کوئی کام نہ کر سکے۔

لوگ فلاسفہ کے علوم کو پورا اور منتظم جانتے ہیں اور غلطی اور خطا سے محفوظ سمجھتے ہیں۔ اگر بالفرض اس حکم کے ان علوم میں سچا بھی سمجھ لیا جائے جن میں عقل کو استقلال و دخل ہے تو وہ خارج از بحث ہیں اور بیکار کے دائرہ میں داخل ہیں اور آخرت سے جو کہ دائمی ہے کوئی کام نہیں رکھتے اور اخروی نجات ان سے وابستہ نہیں ہے۔ بات تو ان علوم کے متعلق ہے کہ جن کے ادراک میں عقل کو عجز و قصور ہے اور نبوت کے طریق سے وابستہ ہیں اور آخرت کی نجات ان سے تعلق رکھتی ہے۔

حجۃ الاسلام امام غزالی نے اپنے رسالہ منقذ عن الضلال میں فرمایا ہے کہ "فلاسفہ نے علم طب اور علم نجوم کو پہلے انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات کی کتابوں سے چرایا ہے اور ادویہ کے خواص وغیرہ کو کہ عقل ان کے ادراک سے قاصر ہے۔ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات پر منزل کتابوں اور صحیفوں سے حاصل کیا ہے اور علم تہذیب اخلاق کو صوفیہ الیہ کی کتابوں سے جو کہ ہر زمانہ میں ہر پیغمبر کی امت میں ہو گئے ہیں اپنی باطل چیزوں کے رائج کرنے کے لئے چوری کی ہے" پس ان کے تین معتبر علوم تو چوری کے ہوئے۔ اور وہ نا دانیاں جو انہوں نے علم الٰہی اور خداوند تعالیٰ کی ذات و صفات و افعال میں کی ہیں اور اللہ کے ساتھ ایمان لانے میں اور آخرت کو تسلیم کرنے میں قرآن مجید کی نصوص کی مخالفت کی ہے ان کا کچھ ذکر اوپر ہو چکا ہے۔

باقی رہا علم ہندسہ اور اس کی مثل دوسرے علوم کہ جن کے متعلق وہ خصوصیت رکھتے ہیں۔ اگر پورے اور منتظم بھی ہوں تو کس کام آئیں گے اور آخرت کا کونسا عذاب و وبال دور کر سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے بندہ سے اعراض کرنے کی علامت یہ ہے کہ وہ بے فائدہ کاموں میں مشغول ہو جائے اور جو چیز آخرت میں کام نہ آئے وہ لغو اور بے فائدہ ہے اور علم منطق جو کہ علم آلی ہے اور اس کو غلطی سے بچانے والا کہتے ہیں ان کے کام نہ آیا اور اعلیٰ مقصد میں اس نے ان کو غلطیوں سے نہ نکالا تو وہ دوسروں کے کیا کام آئے گا اور غلطی سے کیسے بچا سکے گا۔ اے ہمارے رب ہمارے دلوں کو ہدایت دینے کے بعد ٹیڑھا نہ کر دے اور ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما تو ہی عنایت کرنے والا ہے۔

اور بعض آدمی جو فلاسفہ کے علوم سے دلچسپی رکھتے ہیں اور فلاسفہ کی ملمع شدہ باتوں پر مفتون ہیں وہ ان لوگوں کو حکما سمجھ کر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے برابر جانتے ہیں بلکہ قریب ہے کہ ان کے جھوٹے علوم کو سچا سمجھ کر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شریعتوں پر مقدم جانیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان کے بُرے عقائد سے محفوظ رکھے۔ ہاں جب ان لوگوں کو حکما سمجھیں گے اور ان کے علوم کو حکمت کہیں

گے۔ تو لازماً اس بارہ میں گرفتار ہوں گے۔ کیونکہ حکمت تو اس علم سے عبارت ہے جو نفس الامر کے مطابق ہو تو پھر وہ علوم جو اس کے مخالف ہوں گے اور عدم مطابقت بہ نفس امر رکھتے ہوں گے وہ حکمت کیوں کر ہوں گے۔

مختصر یہ کہ ان کی اور ان کے علوم کی تصدیق انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اور ان کے علوم کی تکذیب کو مستلزم ہے کیونکہ یہ دونوں علم ایک دوسرے کے مخالف واقع ہوئے ہیں ایک کی تصدیق دوسرے کی تکذیب کو مستلزم ہے۔ اب جو چاہے وہ انبیاء کی ملت کو لازم پکڑے اور خدا کے لشکر میں شامل ہو جائے اور نجات پائے اور جو چاہے فلسفی ہو جائے اور شیطان کا گروہ بنے اور نامراد اور خسارہ اٹھانے والا بنے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے۔

فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ إِنَّآ أَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا أَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا وَإِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ بِئْسَ الشَّرَابُ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا

پھر جو شخص چاہے ایمان لائے اور جو شخص چاہے وہ کفر کرے یقیناً ہم نے ظالموں کے لئے آگ تیار کر رکھی ہے اس کے شعلے ان کو گھیر لیں گے اور اگر وہ پانی مانگیں گے تو ان کو گلے ہوئے تانبے کی طرح گرم پانی دیا جائے گا جو منہ کو جھلس دے گا۔ بہت برا پینا ہے اور بہت بری آرام کی جگہ ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى جَمِيْعِ إِخْوَانِهٖ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ الْكِرَامِ وَالْمَلَائِكَةِ الْعِظَامِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ أَتَمُّهَا وَأَكْمَلُهَا وَالسَّلَامُ۔

مکتوب نمبر ۲۴

ملا محمد مراد کشمی کی طرف جو میر محمد نعمان کے مریدوں میں سے تھا صادر فرمایا۔

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کی بزرگی اور ان کے آپس میں مہربان ہونے کے بیان میں)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

لے سورہ کہف پارہ ۱۵۔

[۱] مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَی الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا۔	محمد اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور وہ لوگ جو آپ کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے لئے بڑے سخت گیر ہیں۔ اور آپس میں بڑے مہربان ہیں تم ان کو رکوع اور سجدہ کی حالت میں دیکھو گے وہ اللہ کے فضل اور اس کی رضامندی کے طالب ہیں۔
(اِلٰی قَوْلِهٖ تَعَالٰی)	(اللہ تعالیٰ کے اس قول تک۔)
لِیَغِیْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا	تاکہ ان کے ساتھ کافروں کو غصہ دلائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور کام اچھے کئے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے۔

حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ کی اس کمال مہربانی کی وجہ سے جو وہ آپس میں رکھتے تھے مدح فرمائی ہے۔ کیونکہ رحیم جو کہ رحماء کا واحد ہے مہربانی میں مبالغہ کو متضمن ہے اور چونکہ صفت مشبہ استمرار پر بھی دلالت رکھتی ہے چاہیئے کہ ان کی آپس میں مہربانی اور استمرار اور دوام کی صفت پر جو کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اور کیا آپ کے انتقال کے بعد پس جو کچھ ایک دوسرے کے حق میں مہربانی کے منافی ہے۔ اس کی ان بزرگواروں سے ہمیشہ نفی کرنا چاہیئے اور ایک دوسرے کے ساتھ بغض و کینہ و حسد و عداوت کے احتمال کو ہمیشہ ہمیشہ ان سے منتفی ہونا چاہیئے۔

پھر جب تمام صحابہ کرام اس پسندیدہ صفت سے متصف ہوں جیسا کہ کلمہ

وَالَّذِیْنَ

کا مقتضا ہے جو کہ عموم اور استغراق کے صیغوں سے ہے تو پھر اکابر صحابہ کے متعلق کیا کہا جائے کہ ان میں تو یہ صفت اتم و اکمل ہوگی یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں سے میری امت پر سب سے زیادہ مہربان ابوبکر ہیں۔ اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا۔ "اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتے" یعنی وہ لوازم و کمالات جو نبوت میں درکار ہیں وہ تمام حضرت عمر رکھتے ہیں لیکن چونکہ منصب نبوت خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو چکا ہے لہٰذا منصب نبوت کی دولت سے مشرف نہ ہوئے۔

---

[۱] سورۂ فتح پارہ ۲۶۔

اور نبوت کے لوازمات میں سے ایک کمال درجہ کی مہربانی اور خلقت پر شفقت بھی ہے۔ اور یہ بھی ہے کہ رذیل اخلاق جو شفقت و مہربانی کے خلاف ہیں اور برے اخلاق ہیں جیسے مثلاً حسد بغض، کینہ، عداوت اس جماعت کے حق میں جو صحبت خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے شرف سے مشرف ہو چکی ہو کس طرح تصور کئے جا سکتے ہیں کہ اس امت کے جو بہترین امت ہے وہ بہترین آدمی ہیں۔ اور اس ملت کے جو تمام ملتوں کی ناسخ ہے سابق ترین آدمی بھی وہی ہیں کہ ان کا زمانہ بہترین زمانہ ہے اور ان کے ساتھی (پیغمبر) انبیاء و رسل میں بہترین رسول ہیں۔

اگر یہ لوگ بھی ان ردی صفات سے موصوف ہوں گے کہ اس امت مرحومہ کے کمینہ آدمی کو بھی ان برے اخلاق سے عار ہے تو پھر یہ لوگ کیوں اس امت کے بہترین آدمی ہوں گے اور یہ امت کس وجہ سے خیر الامم ہوگی۔ اور ایمان کی اسبقیت اور مال و جان خرچ کرنے کی اولیت کی کیا بزرگی و فضیلت رہے گی اور بہترین زمانہ کی کیا تاثیر ہوگی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا کیا اثر رہے گا۔؟

وہ لوگ جو اس امت کے اولیاء کی صحبت میں زندگانی گزارتے ہیں وہ بھی ان رذائل سے نجات پا جاتے ہیں اور وہ لوگ جنہوں نے افضل الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں اپنی عمر کو صرف کیا ہے۔ اور دین کی مدد اور تائید میں اپنی جانوں اور مالوں کو خرچ کیا ہے ان میں یہ احتمال کیسے ہو سکتا ہے کہ یہ برے اخلاق ان میں پیدا ہوئے ہوں گے۔ شاید ان کی نگاہوں سے خیر البشر علیہ و آلہ الصلوٰۃ والسلام کی عظمت و بزرگی ساقط ہو چکی ہے اس سے خدا تعالیٰ کی پناہ۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت ولی کے صحبت سے ناقص تر متصور ہوگی۔ اس سے اللہ کی پناہ۔

اور حال یہ ہے کہ کسی امت کا کوئی ولی بھی، اس امت کے صحابی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا پھر اس امت کے نبی کے درجہ کو کیسے پہنچے گا۔ شیخ شبلی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے "جو آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی تعظیم نہیں کرتا اس کا رسول اللہ پہ کوئی ایمان نہیں ہے"۔

کچھ لوگوں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ دو گروہ تھے۔ ایک گروہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مخالف تھا اور دوسرا گروہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے موافق تھا، اور دونوں گروہ آپس میں ایک دوسرے سے عداوت و بغض و کینہ رکھتے تھے اور ان میں سے بعض لوگ بعض مصلحتوں کی بنا پر ان صفات کو اپنے اندر پوشیدہ رکھتے تھے۔ اور تقیہ کرتے تھے اور یہ بھی خیال

کرتے ہیں کہ یہ بُرے اوصاف ان میں تقریباً ایک سو سال تک رہے یعنی جب تک رہے یہ اخلاق ان میں رہے اور اس وہم کی بنا پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مخالفین کو بُرے الفاظ سے یاد کرتے ہیں اور نامناسب چیزیں ان کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

انصاف کرنا چاہیے کہ اس طرح دونوں فریق موردِ طعن ہوں گے اور بُری صفات سے متصف ہوں گے اور اس امت کے بہترین آدمی بدترین آدمی ہوں گے بلکہ تمام امتوں کے بدترین آدمی ہوں گے اور اس زمانہ کی خیریت شریت میں بدل جائے گی۔ یہ کونسا انصاف ہے کہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کو اس وہم کی بنا پر برائی سے یاد کیا جائے اور ان اکابرین کی طرف نامناسب امور منسوب کئے جائیں اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ قرآنی نص کے فیصلے کے مطابق اس امت کے بہترین آدمی ہیں۔ ہیں۔ کیونکہ تمام مفسرین کا اجماع ہے کیا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور کیا دوسرے مفسر کہ یہ آیت کریمہ

وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى اور جہنم سے الگ رہے گا جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہے اور اَتقٰی سے مراد وہ ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

پس جس شخص کو خداوند تعالیٰ اس بہترین امت کا پرہیزگارترین آدمی فرمائے یہ خیال کرنا چاہیے کہ اس کو کافر، فاسق اور گمراہ کہنا کس حد تک برائی ہوگی۔ امام فخر الدین رازی نے اس آیت کریمہ سے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر استدلال کیا ہے کیوں کہ بحکم آیت کریمہ۔

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سے افضل ترین آدمی وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔

یعنی معززترین اس امت کا جو کہ مخاطب ہے خدا تعالیٰ کے نزدیک اس امت کا پرہیزگارترین آدمی ہے اور جب حضرت صدیق بحکم نص سابق اس امت کے پرہیزگارترین آدمی ہیں تو چاہیے کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک اس امت کے معززترین آدمی بھی وہی ہوں۔

اور اکابر ائمہ سلف کہ جن میں سے ایک امام شافعی بھی ہیں رضی اللہ عنہ نے حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی افضلیت پر صحابہ اور تابعین کا اجماع نقل کیا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی افضلیت کا فیصلہ کیا ہے امام ذہبی جو اکابر محدثین سے ہیں فرماتے ہیں کہ حضرت علی سے اس روایت کو اَسّی کے قریب آدمیوں نے روایت کیا ہے۔

اور عبد الرزاق جو کہ اکابر شیعہ سے ہے نے بھی اس روایت کے مطابق شیخین کی افضلیت کا فیصلہ کیا ہے اور یہ عبارت لکھی ہے۔

أُفَضِّلُ الشَّيْخَيْنِ بِتَفْضِيلِ عَلِيٍّ إِيَّاهُمَا عَلَى نَفْسِهِ وَإِلَّا لَمَا فَضَّلْتُهُمَا كَفَى بِي وِزْرًا أَنْ أُحِبَّهُ ثُمَّ أُخَالِفَهُ۔

حضرت علی نے چونکہ اپنے نفس پر شیخین کو فضیلت دی ہے لہٰذا میں بھی شیخین کو افضل کہتا ہوں ورنہ میں ان کو فضیلت نہ دیتا میرے لئے یہی بوجھ کافی ہے کہ میں حضرت علی سے محبت بھی رکھوں اور پھر ان کی مخالفت بھی کروں۔

پھر وہ لوگ جو کتاب و سنت کے فیصلہ اور اجماع صحابہ اور حضرت علی کے فیصلہ کے مطابق اس خیر الامم کے افضل ترین آدمی ہیں ان کی تنقیص اور تحقیر کرنا کونسا انصاف اور دیانت ہے۔ اور اس کے ضمن میں کونسی بھلائی ودیعت رکھی گئی ہے اگر کسی کو گالی دینے میں کوئی بھلائی اور عبادت ہوتی تو ابوجہل اور ابولہب کو گالی دینا جو نصوص قرآنی کے مطابق ملعون و مطرود آدمی ہیں اس امت کا وظیفہ ہوتا اور اس کے ضمن میں بہت سی نیکیاں حاصل ہوتیں۔ گالی دینے میں کونسی بھلائی ہے کہ جو کہ بے حیائی اور برائی کو شامل ہیں۔ خاص طور پر اس آدمی کے حق میں جو اس کا اہل اور مستحق نہ ہو۔ کسی چیز کو غیر موضع پر رکھنے کا نام ہی ظلم ہے اور پھر شے سے شے تک بڑا فرق ہے اور جگہ سے جگہ تک تفاوت ہے پس ظلم سے ظلم تک بھی بڑا فاصلہ ہوگا۔

اور حضرت عثمان ذو النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت اجماع صحابہ کرام سے ثابت ہوئی ہے اور اس پر اس بہترین زمانہ کے مردوں۔ عورتوں۔ چھوٹوں اور بڑوں سب نے اتفاق کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء نے فرمایا ہے۔ جس قدر اتفاق و اجماع حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت پر ہوا ہے اتنا اجماع و اتفاق دوسرے حضرات خلفائے ثلاثہ پر نہیں ہوا ہے۔ اس لیے کہ آپ کی خلافت کے ابتداء میں ایک طرح کا تردد تھا لہٰذا اس زمانہ والوں نے اس معاملہ میں بہت احتیاط ملحوظ رکھ کر قدم اٹھایا۔

جاننا چاہیئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کتاب و سنت کے مبلغ ہیں اور اجماع بھی انہی کے زمانہ سے وابستہ ہے۔ اگر یہ تمام یا ان میں سے بعض مطعون ہو جائیں اور ضلالت و فسق سے متصف ہو جائیں تو پورے دین سے یا بعض دین سے اعتماد اٹھ جائے گا اور خاتم الانبیاء افضل الرسل علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کا فائدہ کم رہ جائے گا۔ جامع القرآن حضرت عثمان ہیں بلکہ حضرت صدیق اور حضرت فاروق ہیں رضی اللہ عنہم۔ اگر یہ مطعون ہو جائیں یا ان کی عدالت ختم ہو جائے تو قرآن پر کیا

اعتماد باقی رہ جائے گا اور دین کس چیز سے برپا رہے گا۔ اس کام کی برائی کو معلوم کرنا چاہیے۔ اصحاب پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام سب عدول ہیں اور جو کچھ بھی ہمیں ان کی تبلیغ سے کتاب و سنت سے ملا ہے سب حق اور سچ ہے اور وہ جھگڑے اور تنازعات جو ان اکابرین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں واقع ہوئے ہیں۔ وہ ہوا و ہوس اور حب جاہ و ریاست کی وجہ سے نہ تھے بلکہ اجتہاد و استنباط کی بنا پر تھے۔ اگرچہ اجتہاد میں ایک فریق خطا پر تھا اور اس کا استنباط صواب سے دور تھا۔

اہل سنت وجماعت کے علماء رضی اللہ عنہم کا متفقہ عقیدہ ہے کہ ان جھگڑوں میں حق بجانب حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے اور حضرت امیر سے لڑنے والے خطا پر تھے لیکن یہ خطا جس کا منشا اجتہاد ہے طعن و ملامت سے دور ہے۔ مقصود حقیقت جانب امیر ہے اور خطا بجانب مخالف امیر۔ کہ اہل سنت اس کے قائل ہیں اور مخالف کو لعن طعن کرنا زیادتی ہے اور بے فائدہ ہے۔ بلکہ اس میں نقصان کا احتمال ہے کہ وہ پیغمبر کے اصحاب ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور بعض ان میں سے وہ ہیں جن کو جنت کی بشارت ملی ہے اور کچھ بدری ہیں جن کو بخش دیا گیا ہے اور عذاب اخروی ان سے مطلقاً مرفوع ہے۔ چنانچہ صحیح احادیث میں آیا ہے۔

اِطَّلَعَ اللّٰہُ عَلٰی اَھْلِ بَدْرٍ فَقَالَ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ فَاِنِّیْ قَدْ غَفَرْتُ لَکُمْ۔ (بخاری ومسلم)

اللہ تعالیٰ نے بدر والوں پر جھانکا اور کہا جو چاہو عمل کرو یقیناً میں نے تمہیں بخش دیا ہے۔ (بخاری ومسلم)

اور کچھ وہ ہیں جو بیعت رضوان سے مشرف ہوئے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کوئی بھی ان میں سے دوزخی نہیں ہے بلکہ علماء نے فرمایا ہے کہ قرآن مجید سے مفہوم ہوتا ہے کہ تمام صحابہ جنتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

لَا یَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ اُولٰٓئِکَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی وَاللّٰہُ بِمَا

برابر نہیں ہیں تم میں سے وہ آدمی جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے خرچ کیا اور لڑائی کی یہ لوگ بہت بڑے درجے والے ہیں بہ نسبت ان لوگوں کے جنہوں نے فتح مکہ کے بعد خرچ کیا اور لڑائی کی اور ہر ایک سے اللہ تعالیٰ نے حسنیٰ (بھلائی) کا وعدہ کیا ہے۔ اور اللہ

تَعْمَلُونَ خَبِیْرٌ — تمہارے اعمال سے خبردار ہے۔

اور حسنٰی جنت ہے پس تمام صحابؓ جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے مال خرچ کیا اور لڑائی کی یا بعد از فتح مکہ ان سب کو جنت کا وعدہ ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ انفاق اور قتال کی نسبت قید کے لئے نہیں ہے۔ بلکہ مدح کے لئے ہے کیونکہ تمام صحابہ ان دو صفات سے متصف تھے پس سب کو جنت کا وعدہ ہے۔ ملاحظہ کرنا چاہیئے کہ اس قسم کے بزرگواروں کو برائی سے یاد کرنا اور ان کے متعلق بدگمانی رکھنا انصاف اور دیانت سے کتنا دور ہے۔؟

سوال:۔

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ بعض صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اس خلوص پر نہ رہے: اور خلافت کی محبت اور جاہ و ریاست کی طلب کی وجہ سے حق کی راہ سے منحرف ہو گئے اور حضرت علی سے منصب خلافت کو چھین لیا بلکہ یہ گمان کرتے ہیں کہ ان کا انحراف کفر کی حد تک پہنچ گیا تھا اور ان کا انجام گمراہی پر ہوا پس ان کے خیال کے مطابق یہ جماعت ان وعدوں سے جو صحابہ کرام سے ہوئے تھے محروم ہے کیونکہ صحابیت کی فضیلت تو اسلام کی فرع ہے اور جب ان کا اسلام ہی مشکوک ہو تو صحبت کی کیا تاثیر ہوگی۔؟

جواب:۔

حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کو صحیح حدیثوں کے مطابق جو معنیً تواتر کی حد تک پہنچ چکی ہیں جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ کفر اور ضلالت کا احتمال ان سے اٹھ چکا ہے اور پھر حضرات شیخین اہل بدر سے بھی ہیں جو کہ صحیح حدیثوں کے مطابق بخشے ہوئے ہیں اور پھر بیعت رضوان سے بھی مشرف ہیں کہ اس بیعت والے تمام آدمی صحیح حدیثوں کے مطابق جنتی ہیں۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

اور حضرت عثمان جو بدر میں حاضر نہ تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اُن کی بیوی جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی تھی کی تیمارداری کے لئے مدینہ میں چھوڑ آئے تھے۔ آپ نے فرمایا تھا جو فضیلت بدریوں کو حاصل ہوگی وہ تم کو بھی حاصل ہوگی اور وہ جو حضرت عثمان بیعت رضوان میں حاضر نہ تھے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مکہ والوں کے پاس بھیجا۔ تھا اور ان کی طرف سے خود بیعت فرمائی تھی، چنانچہ یہ واقعہ مشہور ہے اور پھر قرآن مجید بھی ان حضرات کی بزرگی بیان فرماتا ہے اور ان کی بلندی درجات کی خبر دیتا ہے۔ اور جو آدمی کتاب و سنت سے آنکھیں

بند کر کے جھگڑنا شروع کرے وہ بحث سے خارج ہے۔ شیخ سعدی نے فرمایا ہے۔ [۱]

آنکس کہ بقرآن و خبر زو نرہی

آنست جوابش کہ جوابش ندہی

یہ کیا مصیبت ہوئی کہ اگر حضرت صدیق کفر و گمراہی کا احتمال رکھتے تو پیغمبر کے صحابہ اپنی عدالت اور کثرت کے باوجود ان کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین کبھی نہ بناتے اور حضرت صدیق کی خلافت کی تکذیب میں تینتیس ہزار اس بہترین زمانہ کے آدمیوں کی تکذیب بھی ہے اور اس بات کو کوئی ایسا آدمی جس میں ادنی سی بھی درایت ہو قبول نہ کرے گا۔ اور اس زمانہ میں کونسی خیریت باقی رہے گی جس زمانہ کے تینتیس ہزار آدمی باطل پر جمع ہو جائیں اور ایک ضال و مضل کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین بنا دیں۔

خدا تعالیٰ اس جماعت کو انصاف دے کہ اکابرین سے اپنی زبان روکیں اور پیغمبر کی صحبت کے حق کو ملحوظ رکھیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

اللہ اللہ فی اصحابی لا تتخذوھم غرضا من بعدی من احبھم فبحبی احبھم ومن ابغضھم فببغضی ابغضھم۔	میرے صحابہ کے متعلق اللہ سے ڈرو، میرے صحابہ کے متعلق اللہ سے ڈرو اور میرے بعد ان کو نشانہ نہ بنا لینا جس نے ان سے محبت رکھی تو میری محبت کی وجہ سے محبت رکھی اور جس نے ان سے بغض رکھا تو میرے بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا۔

زیادہ کیا لکھوں اور روشن ترین بدیہی بات کو اور کتنا روشن کروں کیونکہ حضرت صدیق کہ قرآن مجید ان کی مدح سے بھرا ہوا ہے ایک ہی سورۃ واللیل میں تین آیات کریمہ ان کی شان میں نازل ہوئیں۔ اور صحیح احادیث تو حساب و شمار سے زیادہ ہیں۔ جو ان کے فضائل میں مروی ہیں اور پہلے نبیوں کی کتابوں میں بھی ان کے اوصاف و شمائل بلکہ تمام صحابہ کا تذکرہ آیا ہے۔ جیسا کہ

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ	ان کی یہ مثال تو توراۃ میں تھی اور ان کی مثال انجیل میں یہ تھی (

[۱] جس سے تو قرآن و حدیث سے عہدہ برآ نہ ہو سکے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کو جواب نہ دے۔

اور اس امت مرحومہ جو کہ بہترین امت ہے کے سردار اور رئیس حضرت صدیق ہی ہیں جب ان کو ہی کافر و گمراہ جانیں تو دوسروں کے متعلق کیا عرض کروں اور کس راہ سے آ کر بات کروں۔ اے اللہ آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے والے۔ غیب اور حاضر کو جاننے والے تو ہی اپنے بندوں میں فیصلہ کرے گا جس میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے۔

والسلام علی من اتبع الھدیٰ والتزم متابعۃ المصطفیٰ علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات اتمہا واکملہا۔

مکتوب نمبر ۲۵

ملا طاہر کی طرف صادر فرمایا

اس بیان میں کہ ذکر کہنے اور قرآن مجید کی تلاوت کرنے اور نماز پڑھنے سے کیا نتائج اور ترقی مراتب حاصل ہوتی ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

اس راہ کے طالب مبتدی کو ذکر کہنے سے چارہ نہیں ہے کہ اس کی ترقی ذکر کے تکرار سے وابستہ ہے۔ بشرطیکہ اس نے شیخ کامل مکمل سے اس کو حاصل کیا ہو اور اگر یہ شرط نہ پائی جائے تو بہت دفعہ ایسا ہو سکتا ہے کہ اس کا ذکر نیک لوگوں کے اوراد میں سے ہو کہ اس کا نتیجہ ثواب ہے نہ کہ درجہ قرب جو کہ مقربین سے تعلق رکھتا ہے اور جو میں نے کہا ہے کہ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ وہ نیک لوگوں کے اوراد کے قبیل سے ہو' یہ اس لئے کہا ہے کہ جائز ہے کہ خداوند تعالیٰ کا فضل بغیر کسی شیخ کے ذریعہ کے طالب کی تربیت کرے اور اس کے تکرار ذکر کو مقربین سے بنا دے بلکہ جائز ہے کہ بے تکرار ذکر بھی اس کو قرب کے مراتب سے مشرف کرے اور اپنے اولیاء سے بنا لے۔

اور یہ شرط باعتبار اکثر ہے اور حکمت و عادت الٰہی کے مطابق اور جب اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے وہ معاملہ جو ذکر سے تعلق رکھتا ہے پورا ہو جاتا ہے اور خواہشات کے معبودوں کی گرفتاری سے خلاصی میسر ہو جاتی ہے اور نفس امارہ مطمئنہ ہو جاتا ہے تو اس وقت ذکر کہنے سے ترقی حاصل نہیں ہوتی اور اس وقت ذکر نیک لوگوں کے اوراد کی حیثیت رکھتا ہے پھر اس مقام میں قرب کے مراتب قرآن مجید کی تلاوت اور لمبی قرأت سے نماز ادا کرنے سے وابستہ ہیں۔ جو کچھ پہلے ذکر کہنے سے حاصل ہوتا تھا اس وقت وہ قرآن مجید کی تلاوت سے خصوصاً اس قرآن سے جو نماز میں پڑھا جائے حاصل ہوتا ہے

مختصر یہ کہ اس وقت ذکر تلاوت کا حکم پیدا کرتا ہے جو کہ شروع میں نیک لوگوں کے اوراد کے قبیل سے تھا اور تلاوت ذکر کا حکم پیدا کر لیتی ہے جو کہ ابتدا و توسط میں مقربات سے تھی۔

عجب معاملہ ہے کہ اس وقت اگر ذکر قرآن مجید کی قراءت کے عنوان سے تکرار کیا جائے۔ یعنی قرآن مجید کی کسی آیت کا ذکر کیا جائے اور استعاذہ سے شروع کیا جائے تو وہی فائدہ دیتا ہے۔ جو قرآن مجید کی تلاوت سے میسر ہے اور اگر قرأت سمجھ کر اس کی تکرار نہ کی جائے تو وہ نیک لوگوں کے اعمال سے ہے۔ ہر عمل کا ایک مقام اور ایک موسم ہوتا ہے اگر اس موسم میں بجا لایا جائے تو اس میں حسن و ملاحت پیدا کرتا ہے اور اگر اس موسم میں ادا نہ کیا جائے تو ہو سکتا ہے کہ خطا ہو۔ اگرچہ وہ نیکی ہی کیوں نہ ہو تشہد میں سورۃ فاتحہ کا پڑھنا غلط ہے اگرچہ وہ ام الکتاب ہے۔

پس اس راہ میں پیر ضروریات سے ہے اور اس کی تعلیم سب سے اہم کام ہے اور اس کے سوا مفت کی دردسری ہے"

ایک بزرگ نے کہا ہے ؎

ازاں روئے کہ چشم تست احول
معبودِ تو پیر تست اوّل[1]

والسلام علی من اتبع الھدیٰ

مکتوب نمبر ۲۶

سیادت پناہ میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا

(اس بیان میں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ بذاتِ خود موجود ہے نہ کہ وجود سے اسی طرح بذاتِ خود تمام عالم اور دوسری آٹھ صفات سے بھی موصوف ہے نہ کہ صفات زائدہ کے سبب سے اور اس کے متعلقات)

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ نفس وجود اور تمام کمالات میں جو کہ وجود کے توابع ہیں مثلاً حیوٰۃ۔ علم، قدرت، بصر، ارادہ، سمع، کلام۔ تکوین میں بذاتِ اقدس خود کافی ہے اور ان کمالات کے حصول میں وہ صفات زائدہ کا محتاج نہیں۔ اگرچہ صفات کاملہ زائدہ بھی اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہیں پس

[1] چونکہ تیری آنکھ بھینگی ہے لہٰذا ابتدا میں تیرا پیر تیرا معبود ہے۔

اللہ تعالیٰ جس طرح اپنی ذاتِ پاک سے خود موجود ہے نہ کہ وجود سے اسی طرح وہ اپنی ذات سے زندہ ہے نہ کہ حیوٰۃ سے جو اس کی صفت ہے اور اپنی ذات سے جاننے والا ہے نہ کہ علم صفت سے اور اپنی ذات سے دیکھنے والا ہے نہ کہ صفت بصر سے اور اپنی ذات سے سننے والا ہے نہ کہ صفت سمع سے اور اپنی ذات سے قادر ہے نہ کہ صفت قدرت سے اور اپنی ذات سے ارادہ کرنے والا ہے نہ کہ صفت ارادہ سے اور اپنی ذات سے متکلم ہے نہ کہ صفت کلام سے اور اپنی ذات سے ایجادِ کائنات کا موجد ہے نہ کہ صفت تکوین سے۔

اگرچہ عالم کا وجود تکوین اور باقی صفات کے واسطہ سے ہے چنانچہ اس معنی کی تحقیق عنقریب آئے گی۔ یہ تکوین قدرت کے سوا اور چیز ہے کیونکہ قدرت میں فعل اور ترکِ فعل دونوں برابر ہیں اور تکوین میں فعل کی جانب متعین ہے اور یہ فرق بھی ہے کہ قدرت ارادے پر مقدم ہوتی ہے اور تکوین ارادے کے بعد ہے۔ یہ تکوین بندہ کی اس استطاعت کے مشابہ ہے کہ علماءِ اہلِ حق نے اس کو بندہ کے فعل سے متصل رکھا ہے اور اسے قدرت و ارادہ کی صفت کے علاوہ سمجھا ہے۔ کیوں کہ قدرت فعل و ترکِ فعل کی دونوں طرفوں کو برابر قرار دیتی ہے اور ارادہ ایک طرف کو ترجیح دینے والا ہے۔ اور ایجاد ترجیح ارادہ کے بعد تکوین سے تعلق رکھتی ہے اور اگر قدرت کا اثبات نہ کیا جائے جو طرفین کی مصحح ہے تو جبر لازم آئے گا اور اگر تکوین کا اثبات نہ کیا جائے تو ایجاد بے سہارا رہ جاتی ہے کیونکہ قدرت ایجاد کی مصحح ہے اور تکوین ایجاد سے ملحق ہے پس تکوین کے اثبات سے چارہ نہیں ہے کہ علماءِ ماتریدیہ کو اس کی راہنمائی حاصل ہوئی ہے اور اشاعرہ نے جب اس کی نسبت اور تعلق کو بہت سی چیزوں کے ساتھ پایا تو اسے صفاتِ اضافیہ سے شمار کر لیا اور اللہ حق کو حق کرتا ہے۔ اور وہی رستے کی راہنمائی کرتا ہے۔

تخلیق۔ ترزیق۔ احیاء۔ اماتت اور ان جیسی اور صفات کو تکوین کی طرف راجع کرنا بہتر ہے۔ کیونکہ اگر ہر ایک کو مستقل طور پر صفتِ قدیمہ کہا جائے تو بے ضرورت بہت سی چیزوں کا قدیم ہونا ثابت کرنا ہوگا۔ پس واضح ہوا کہ جو کچھ دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی ایجاد سے صفات میسر ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ سبحانہ کو بذاتِ خود بے توسط صفات حاصل ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کسی دوسری چیز کے ملاحظہ اور اعتبار کے بغیر بھی تمام کمالات کی جامع ہے بلکہ ہر کمال کا عین ہے۔ کیونکہ بعض اور جزو ہونا اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے ناپید ہے وہ تمام علم ہے۔ وہ تمام سننا (سمع) ہے۔ وہ تمام دیکھنا (بصر) ہے اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کی دوسری صفات ہیں۔

اور اس کے باوجود خدا تعالیٰ کی ساتوں صفات بلکہ آٹھ صفات کہ جن کو وجود کے علمائے اہلِ حق شکر اللہ تعالیٰ سعیہم قائل ہیں وہ بھی ثابت ہیں۔ اور یہ صفاتِ کاملہ جو قدیم ہیں ان کمالات ذاتیہ کے ظلال ہیں اور ان کمالات کا مظہر ہیں اور کہا جا سکتا ہے کہ ان کمالات کا پردہ ہیں اور ان پوشیدہ انوار کا حجاب ہیں۔

سوال:-

اگر خداوند تعالیٰ کی ذات تمام کمالات کے حصول میں کافی ہے تو صفات کا اثبات کس لئے کیا جائے اور بہت سی چیزوں کے قدیم ہونے کا قول کیوں کہا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ فلاسفہ اور معتزلہ نے صرف ذات پر اکتفا کیا ہے اور بہت سی چیزوں کے قدیم ہونے کے قول سے فرار کر کے نفی صفات کے قائل ہوئے ہیں۔

جواب:-

اللہ تعالیٰ کی ذات اگرچہ حصولِ کمالات میں کافی ہے لیکن چیزوں کی تکوین و تخلیق میں صفات زائدہ سے چارہ نہیں ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کی ذات انتہا درجہ کی پاک اور مقدس ہے اور اس کی عظمت و جلال اور کبریائی کی کوئی انتہا نہیں ہے اور اسے کمال درجہ کا غنا حاصل ہے اور دوسری چیزوں کے ساتھ اس کی بے مناسبتی کمال درجہ کی ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ (یقیناً اللہ تعالیٰ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے۔)

اور اللہ تعالیٰ کی حکمت اور عادت کے مطابق فائدہ اور فیض پہنچانے اور فائدہ اور فیض حاصل کرنے میں مناسبت سے چارہ نہیں ہے۔ یہ صفات ہیں جنہوں نے ایک درجہ تنزل فرما کر ظلیت پیدا کر لی ہے اور چیزوں سے مناسبت پیدا کر لی ہے اور اگرچہ اشیاء نے بہت تھوڑا حاصل کیا ہے لیکن اگر صفات کا واسطہ نہ ہوتا تو اشیاء میں سے کسی چیز کا حصول بھی متصور نہ ہوتا۔ کیوں کہ اشیاء کو خدا تعالیٰ کے انوار کی شعاعوں کے غلبہ میں سوائے ہلاکت اور فنا اور انحراف اور انعدام کے اور کوئی چیز حاصل نہ ہوتی۔

وہ لوگ بے سمجھ ہیں جو خدا تعالیٰ کی صفات کا اثبات نہیں کرتے اور اشیاء کی ایجاد کو خالص ذات الٰہی جل سلطانہٗ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ صادر اول (عقل فعال) کی کیا حقیقت ہے کہ صفات کے پردہ کے بغیر خدا تعالیٰ کی ذات کے انوار میں مضمحل اور ناچیز نہ ہو جائے۔

:—:—:

سوال:-

فلاسفہ اور معتزلہ نے اگرچہ خارج میں صفات کا اثبات نہیں کیا ہے لیکن علمی اعتبارات سے اُن کے قائل ہیں اور کمالات ذاتیہ کے علم ہیں ان کو الگ سمجھتے ہیں تو اس صورت میں بھی اشیاء کی ایجاد خالص ذات کی طرف منسوب نہ ہوئی کہ درمیان میں اعتبارات کا توسط پیدا ہو گیا۔

جواب:-

ایجادِ عالم خارج میں ہے اور عالم خارج میں موجود ہے۔ پس خارجی حجابات سے چارہ نہیں ہے تاکہ وہ خارجی اشیاء کے وجود کا وسیلہ بن سکیں۔ اور خارج میں اشیاء کی ہلاکت اور پراگندگی سے ان کی حفاظت کر سکیں۔ علمی اعتبارات وجودات خارجی میں کام نہیں آسکتے اور علمی حجاب موجودات خارجی کی حفاظت میں کفایت نہیں کرتے بعض صوفیہ جو عالم کو صرف علمی طور پر موجود سمجھتے ہیں علمی اعتبارات ان کو شاید کچھ نفع دیں اور ان کے وجودات علمی کا وسیلہ بنیں۔ لیکن عالم خارج میں موجود ہے۔ اگرچہ خارج اس خارج کا ظل ہی ہو اور یہ وجود اس وجود کا ظل ہی ہو پس حجب خارجی سے جو کہ عالم وجودِ خارجی کا وسیلہ بن سکتے ہیں کوئی چارہ نہیں ہے۔ پس چاہیئے کہ صفاتِ حقیقیہ خارج میں موجود ہوں اور اشیاء کو ترتیب دیں اور اپنے ذاتی کمالات کو عالم کے آئینہ میں ظاہر کریں اور ظہور کے تخت پر لائیں۔ صفات اگرچہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے حجاب ہیں لیکن کمالات ذاتیہ کا ظہور انہی کے وجود سے وابستہ ہے۔ ان کا حجاب عینک کے حجاب کی طرح ہے جو دکھانے کا سبب ہے۔ یہ ظہور اور یہ نمائندگی اگرچہ ظلی ہے لیکن کیا کیا جائے کہ ہمارے وجود کو ظل سے وابستہ کیا گیا ہے اور "ہونے" کو حجاب کے سپرد کیا گیا ہے۔ جو چیز کسی کی ذات میں داخل ہو وہ ذات سے الگ نہیں ہو سکتی۔

مصرعہ[1] سیاہی از حبشی کہ رود کہ خود رنگ است

بیت
وَمِنْ بَعْدِ هٰذَا مَا يَدِقُّ صِفَاتُهٗ
وَمَا كَتْمُهٗ اَحْظٰى لَدَيَّ وَاَجْمَلُ[2]

بندہ خدا نہیں ہے لیکن اس کے فضل و کرم سے خدا سے الگ بھی نہیں ہے۔
اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ
(آدمی اس کے ساتھ ہے جس سے اس کی محبت ہو)

اگرچہ خداوند تعالیٰ کو اشیاء کے ساتھ معیت کی نسبت حاصل ہے لیکن وہ معیت جس کا منشا

---

[1] حبشی کی سیاہی کس طرح جا سکے گی وہ تو اس کا اصل رنگ ہے۔

[2] اور اس کے بعد وہ معاملہ ہے جس کا بیان نہایت دقیق ہے اور اس کا چھپانا میرے نزدیک کتنا لذت بخش اور اچھا ہے۔

محبت ہے وہ اور ہے۔ جب تک انسان محبت پیدا نہ کرے۔ اس کو معلوم نہیں کر سکتا اور چونکہ محبت میں مختلف مدارج ہیں تو انہی کے اندازہ کے مطابق اس معیت میں بھی فرق ہے۔ یہی معیت ہے۔ جو ظلیت سے خلاصی کا سبب ہے اور یہی معیت ہے جو کلیت کے فنا کا واسطہ ہے اور یہی معیت ہے جو غلامی کو ختم کرنے والی ہے اور عین بندگی میں آزادی کو بخشنے والی ہے اور یہی معیت ہے جو انانیت کو ختم کرنے والی ہے۔ بلکہ انانیت کمالیت کے درجہ تک بلند کرنے والی ہے۔

جاننا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے معیت عامہ میں اپنے آپ کو ان کے ساتھ فرمایا ہے۔

وَهُوَ مَعَكُمْ۔ (اور وہ تمہارے ساتھ ہے)

اور معیت خاصہ میں بحکم حدیث

اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (آدمی اس کے ساتھ ہے جس سے اس کی محبت ہو)

لوگ محبت کے تقاضے کے مطابق اس کے ساتھ ہیں اور ان دونوں معیتوں میں بہت بڑا فرق ہے کیونکہ معیت خاصہ میں طرفین سے اثبات معیت ہے اور معیت عامہ میں صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے پس اس کو عین وجدان میں بھی محرومی لازم ہے۔

يَا حَسْرَتَا عَلٰى مَا فَرَّطْتُ فِيْ جَنْبِ اللّٰهِ۔ (ہائے افسوس اس پر جو میں نے اللہ کے معاملہ میں کوتاہی کی۔)

عالم اگرچہ ظلال صفات ہے اور اس نے صفات کے ذریعہ وجود و بقا پیدا کیا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ سے محبت رکھنے والا محبت ذاتیہ کے ذریعے خداوند تعالیٰ کے ساتھ ہے اور صفات سے جو کہ اس کے اصول ہیں بے کیف عروج کے ساتھ اوپر چلا جاتا ہے اور اصول کو چھوڑ کر اصول کے اصل سے مل جاتا ہے۔ لیکن یہ ملنا بھی بے کیف ہے اور اگر اصل سے اوپر نہ جائے تو آنے کا کیا فائدہ ہے محبت کس کام کی اصل سے اتصال ہر وقت رکھتا ہے اور وصل ظلی اس کو ہر وقت میسر ہے۔ کام یہ ہے کہ اصل کو بھی ظل کی طرح زینہ بنانا چاہیئے اور محبت کے بازو سے اوپر اڑنا چاہیئے۔

اس عروج کی سمجھ ہر آدمی کے لائق نہیں ہے۔ اور اپنے آپ کو چھوڑ کر اوپر جانا ارباب فکر و نظر کی سمجھ میں آنے والی بات نہیں ہے بلکہ صوفیا میں سے بھی ہزاروں میں سے کوئی ایک اس دولت سے مشرف ہوتا ہے اور اس معمار کا راز اسی پر منکشف ہوتا ہے۔ ؎

ہزار نکتۂ باریک تر ز مو اینجا است

نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

(حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سوال:۔

یہ سیر انفسی ہے یا آفاقی؟

جواب:۔

نہ آفاقی ہے اور نہ انفسی کیونکہ آفاق و انفس باہر اور اندر کو چاہتے ہیں اور معاملہ دخول و خروج سے بہت بلند ہے۔ اگرچہ یہ ارباب نظر کے نزدیک ممنوع ہے۔ جب مطلوب دخول اور خروج سے پاک ہوگا تو وہ نسبت بھی جو اس سے پیدا ہوگی لازماً دخول اور خروج سے پاک ہوگی۔ اور یہ سیر اس اشکال اور اس وقت کے باوجود اس سیر والوں کے نزدیک جو اہل علم ہوں بالکل دہلی اور آگرہ کی سیر کی طرح ہے کہ معلوم و متمیز اور ایک منزل دوسری منزل سے جدا ہے۔

تنبیہ:۔

عالم اگرچہ صفات کا ظلال ہے اور صفات حضرت ذات کا ظلال ہیں لیکن اس ظلیت کے درجات اور مراتب ہیں کہ ہر ایک کو حجاب مطلوب ہے

اِنَّ لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ سَبْعِیْنَ اَلْفَ حِجَابٍ مِّنْ نُوْرٍ وَّظُلْمَۃٍ (اللہ تعالیٰ کے نور اور ظلمت کے ستر ہزار پردے ہیں)

آپ نے سنا ہوگا جبتک تمام حجاب دور نہ ہو جائیں ظلیت سے آزاد نہیں ہوتا اور اس جگہ حجاب کے پھٹنے سے مراد فرق شہودی ہے اور وہ جو اس حدیث کے آخر میں تمام حجابات کے پھٹنے کی نفی ہے تو اس فرق سے فرق وجودی مراد ہے جو ناممکن ہے۔ کیونکہ وہ صفات قدیمہ کے رفع کو مستلزم ہے جو محال ہے۔

لیکن چونکہ غیر متکیف معیت حاصل ہے لہٰذا وہ فرق وجودی کا حکم رکھتا ہے۔ وہ حجاب کے ہوتے ہوئے بھی بے حجاب ہے کیونکہ معیت نقد وقت ہے جو حائل کی طاقت نہیں رکھتی۔ اے ہمارے رب ہمارے نور کو پورا کر اور ہمیں بخش دے یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وعلیھم وعلیٰ آلہ الطاھرین اجمعین۔

لہ [illegible]

مکتوب نمبر ۷ ۲

ملا علی کشمی کی طرف صادر فرمایا

(اس بیان میں کہ بندہ کو چاہیئے کہ اپنی مرادات سے پوری طرح باہر آجائے اور اپنے مولا کی مرادات کے ساتھ ہو اور مرض ذاتی و عرضی کا بیان)

بندہ کو چاہیئے کہ اللہ عزوجل کے سوا اس کی کوئی مراد اور مطلب نہ ہو۔

اور اگر ایسا نہ ہو تو اس نے غلامی کی رسی سے سر باہر نکالا اور غلامی کی قید سے پاؤں باہر کھینچا۔ وہ بندہ جو اپنی مرادات اور ہوا و ہوس پر فریفتہ ہے وہ اپنے نفس کا بندہ ہے۔ اور شیطان مردود کی اطاعت میں ہے اور یہ دولت ولایت خاصہ کے حصول سے وابستہ ہے۔ جو پوری فنا و بقا کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔

سوال:۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کاملین سے بھی خواہش و مراد کا اظہار ہوتا ہے اور مختلف مطالب کے حصول کی آرزو ان بزرگواروں سے بھی محسوس ہوتی ہے۔ امام۔ انبیاء اور سلطان اولیاء صلی اللہ علیہ وسلم بھی ٹھنڈی اور میٹھی چیزوں کو پسند کرتے تھے اور وہ حرص جو وہ امت کی ہدایت کے متعلق رکھتے تھے قرآن مجید میں بھی بیان کی گئی ہے۔ ان بزرگواروں میں اس قسم کی خواہشات کے باقی رہنے کی کیا وجہ ہے۔؟

جواب:۔

بعض خواہشات ایسی ہیں کہ ان کا منشا طبیعت ہے۔ جب تک طبیعت کا عالم قائم ہے۔ وہ بھی قائم ہیں۔ گرمی کے وقت میں طبیعت بے اختیار سردی کی طرف مائل ہوتی ہے اور سردی کے وقت گرمی کی طرف راغب ہوتی ہے اس قسم کی خواہش عبودیت کے منافی نہیں ہے اور اپنے نفس کی خواہش کی گرفتاری کا سبب بھی نہیں ہے کیونکہ طبعی ضروریات تکلیف کے دائرہ سے خارج ہیں اور نفس امارہ کی خواہش سے باہر ہیں کیونکہ نفس کی خواہشات یا زائد مباح چیزیں ہیں یا مشتبہ و حرام اور وہ جو ضروری مباح ہیں اور وہ جو ضروری مباح ہیں نفس کو اس سے کوئی تعلق نہیں ہے پس گرفتاری

اور بدکرداری کا منشا فضول افعال ہیں اگرچہ وہ مباح کی قسم سے ہوں یا مشتبہ فضول مباح کو حرام سے ہمسائیگی کے قرب کی نسبت ہے کہ اگر دشمن لعین کے اغوا سے اس جگہ سے قدم اٹھائے تو بے اختیار حرام میں جا پڑے پس ضروری مباح امور پر اقتصار ہونا چاہیے کہ اگر اس سے لغزش واقع ہو تو فضول مباح میں گرے اور اگر فضول مباح میں اپنی سکونت رکھے گا تو پھسلنے کے بعد اگر قدم باہر پڑے گا تو لازماً حرام میں جا گرے گا۔

اور بعض خواہشات ایسی ہوتی ہیں کہ وہ خارج سے آتی ہیں۔ حالانکہ آدمی کا اپنا نفس مرادات سے خالی ہوتا ہے اور خارج ہیں یا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے واعظ ہوتا ہے جو نیکی کا القاء کرتا ہے۔

فَاِنَّ لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ وَاعِظًا فِیْ قَلْبِ کُلِّ مُؤْمِنٍ (ہر مومن کے دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک واعظ ہے۔)

اور یا پھر وہ شیطان ہوتا ہے اور اس کا القاء برائی اور عداوت ہے۔

یَعِدُھُمْ وَیُمَنِّیْھِمْ وَمَا یَعِدُھُمُ الشَّیْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا (ان کو وعدہ دیتا ہے اور خواہشوں میں مبتلا کرتا ہے اور شیطان ان کو صرف دھوکے کا وعدہ دیتا ہے۔)

ایک دن یہ فقیر صبح کی نماز کے بعد سکونت قلعہ کے ایام میں خاموشی سے جو کہ اس طریقہ علیہ کی روش ہے بیٹھا ہوا تھا کہ بے فائدہ آرزوؤں کے ایک ہجوم نے مجھے بے مزہ کر دیا۔ اور دل جمعی ختم ہو گئی۔ کچھ وقت کے بعد جب اللہ سبحانہٗ کی عنایت سے جمعیت حاصل ہوئی تو دیکھا کہ وہ تمام آرزوئیں بادل کے ٹکڑوں کی طرح باہر نکل گئیں اور القاء کرنے والے کے ہمراہ باہر نکل گئیں۔ اور مکان کو خالی کر دیا۔ اسوقت معلوم ہوا کہ یہ خواہشات باہر سے آئی تھیں اور اندر سے نہ اٹھی تھیں۔ جو بندگی کے منافی ہوتیں۔

مختصر یہ کہ ہر وہ فساد جس کا منشا نفس امارہ ہے وہ ذاتی مرض ہے اور سم قاتل ہے اور مقام بندگی کے منافی ہے اور ہر وہ فساد جو باہر سے آئے اگرچہ وہ شیطانی القاء ہی کیوں نہ ہو وہ امراض عارضہ سے ہے جس کا علاج آسانی سے ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

اِنَّ کَیْدَ الشَّیْطٰنِ کَانَ ضَعِیْفًا (یقیناً شیطان کی تدبیر کمزور ہے۔)

ہمارے لئے مصیبت ہمارا نفس ہے اور ہمارا دشمن جانی ہمارا اپنا ساتھی ہے۔ بیرونی دشمن اس کی مدد سے ہم پر غلبہ پاتا ہے اور اس کی امداد سے ہمارے پاؤں اکھاڑتا ہے۔ تمام اشیاء

میں سے جاہل ترین نفس امارہ ہے جو اپنا دشمن و بدخواہ ہے اور اس کی ہمت اپنے نفس کو ہلاک کرنے میں ہے اور اس کی خواہش خداوند تعالیٰ کی جو اس کا مالک بھی ہے اور اس کی نعمتوں کا مالک بھی نافرمانی کرنا ہے اور شیطان کی اطاعت جو اس کا جانی دشمن ہے۔

جاننا چاہیئے کہ مرض ذاتی و عارضی اور فساد داخلی و خارجی میں امتیاز کرنا بڑا مشکل ہے۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی ناقص اس خیال میں اپنے آپ کو کامل سمجھنے لگے اور اپنے ذاتی مرض کو عارضی مرض جانے اور نقصان اٹھائے۔ اسی ڈر سے اس راز کو لکھنے کی جراءت نہ کرتا تھا۔ اور اس بات کا اظہار اچھا نہ جانتا تھا۔ تقریباً سترہ سال گزرے ہیں کہ میں بھی اس شبہ میں تھا اور اپنے فساد ذاتی کو فساد عارضی سے ملا جلا پاتا تھا۔ تو پھر اس وقت اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے حق کو باطل سے جدا کر دیا اور مرض ذاتی کو مرض عارضی سے الگ کر دیا۔ اور اس نعمت اور دوسری تمام نعمتوں پر اللہ تعالیٰ ہی کی تعریف ہے اور اسی کا احسان ہے۔

اس قسم کے اسرار کو ظاہر کرنے کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ کوئی کوتاہ نظر آدمی[1] کسی کامل کو اس قسم کی بیرونی آرزوؤں کی وجہ سے ناقص خیال نہ کرے اور اس کی برکات سے محروم نہ رہے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تصدیق کی دولت سے کافروں کی محرومی کا باعث ان بزرگواروں میں اس قسم کی صفات کا وجود تھا۔

فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ یَّھْدُوْنَنَا فَکَفَرُوْا (سو کہنے لگے کیا آدمی ہم کو ہدایت دیں گے۔ سو انہوں نے انکار کر دیا۔)

اور وہ جو کہتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ عارف کو مرادات اور خواہشات کے زوال کے بعد پھر صاحب ارادہ بنا دیتے ہیں اور اس کے ہاتھ میں اختیار دے دیتے ہیں۔ اس معنی کی تفصیل انشاء اللہ کسی دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کی عنایت سے لکھی جائے گی، کہ یہ وقت اس کی موافقت نہیں کرتا۔

والسلام علی من اتبع الہدی والتزم متابعۃ المصطفیٰ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات اتمہا و اکملہا۔

---

[1] انبیاء کرام اور اولیائے عظام کی ظاہری ضروریات اور پریشانیوں کو دیکھ کر انہیں اپنی طرح سمجھنے والے حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کی اس عبارت کو غور سے پڑھیں اور اصل معاملہ سمجھنے کی کوشش کریں تاکہ بے ادبی کے وبال سے دوچار نہ ہوں۔

مکتوب نمبر ۲۸

ملا صالح ترک کی طرف صادر فرمایا

(ارواح موتی کو صدقہ کرنے کی کیفیت کے بیان میں)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

ایک دن فقیر کے دل میں خیال آیا کہ اپنے فوت شدہ بعض اقارب کی روح کو صدقہ کر کے بخشا جائے اس اثنا میں ظاہر ہوا کہ اس نیت سے اس میت مرحوم کو خوشی اور سرور حاصل ہوا اور خوش اور خرم نظر آیا۔ اور جب صدقہ دینے کا وقت آیا تو پہلے حضرت رسالت خاتمیت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کو اس صدقہ کی نیت کی جیسا کہ عادت تھی۔ اس کے بعد اس نیت کردہ میت کی روحانیت کو نیت کر کے دیا تو اس وقت اس میت میں ناخوشی اور اندوہ کا احساس ہوا اور اس میں کلفت و کدورت ظاہر ہوئی۔

اس حال سے بڑا تعجب ہوا اور ناخوشی اور کلفت کی وجہ معلوم نہ ہو سکی۔ باوجود اس کے کہ محسوس ہوا کہ اس صدقہ کرنے سے برکاتِ عظیمہ اس میت کو پہنچیں۔ لیکن وہ خوشی اور سرور اس میں ظاہر نہ ہوا۔

اور اسی طرح ایک روز کچھ پیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ثواب پہنچانے کی نیت سے دیئے اور دوسرے انبیائے کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کو بھی اس نذر میں داخل کیا۔ اور آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ان کو طفیل بنایا۔ تو اس امر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی معلوم نہ ہوئی۔

اور اسی طرح بعض اوقات میں درود پڑھا کرتا۔ اگرچہ ہر مرتبہ میں دوسرے انبیاء پر بھی درود بھیجتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس میں مرضی ظاہر نہ ہوتی۔ باوجود اس کے کہ معلوم ہوا ہے کہ اگر کسی آدمی کی روح کو صدقہ کر کے تمام مومنوں کو اس میں شریک کر دیں تو تمام کو پہنچ جاتا ہے اور اس شخص کا جس کی نیت سے دیا گیا تھا اس سے کچھ اجر کم نہیں ہوتا۔

اِنَّ رَبَّکَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَۃِ (تیرا رب وسیع بخشش والا ہے)

اس تقدیر پر ناخوشی اور عدمِ رضا کی وجہ کیا تھی۔ ایک مدت تک اس اشکال نے خدشہ میں رکھا۔

بالآخر فضل خداوندی جل شانہٗ ظاہر ہوا کہ ناخوشی اور کلفت کی وجہ یہ ہے کہ اگر بے شرکت غیرے کسی میّت کو صدقہ دیا جائے تو وہ میّت اپنی طرف سے تحفہ و ہدیہ اس صدقہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے جائے گا اور اس کے ذریعے سے بہت سی برکات اور فیوض حاصل کرے گا اور اگر صدقہ دینے والا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیّت کرے تو پھر اسے کیا ملیگا۔ شرکت کی صورت میں اگر صدقہ قبول ہو جائے تو میّت کو صرف اسی صدقہ کا ثواب ملے گا اور عدم شرکت کی صورت میں اگر صدقہ قبول ہو جائے۔ تو اسے صدقہ کا ثواب بھی ملے گا اور صدقہ کو تحفہ و ہدیہ دینے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے فیوض و برکات بھی حاصل ہوں گے۔

اور اسی طرح جس شخص کو بھی شریک کریں گے یہی نسبت ثابت ہے کہ شرکت میں ایک درجہ ثواب ہے کہ اس کو میت اپنی طرف سے ہدیہ کرتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی غریب کسی بزرگ کی خدمت میں کوئی ہدیہ بغیر کسی کی شرکت کے لے جائے اگرچہ وہ طفیلی ہی ہو۔ تو اس طرح تحفہ گزارنا بہتر ہے۔ یا شرکت سے ؟ تو شک نہیں ہے کہ بے شرکت بہتر ہے اور وہ بزرگ اپنے بھائیوں کو اپنی طرف سے دے تو بہتر ہے۔ اس لئے کہ یہ آدمی زائد طور پر دوسروں کو اس میں داخل کرتا ہے اور آل و اصحاب جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عیال کی طرح ہیں اگر ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہدیہ میں طفیلی طور پر شامل کریں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مقبول و پسندیدہ ہے۔

ہاں یہ بات تو معلوم ہے کہ معتاد تحائف میں اگر کسی بزرگ کے ساتھ اس کے برابر والوں کو شریک کریں تو اس کی رضامندی اور ادب سے دور معلوم ہوتا ہے اور اگر اس کے خادموں کو اس کا طفیلی بنا کر ہدیہ بھیجیں تو اسے پسند آتا ہے کیونکہ خادموں کی عزت کرنا حقیقت میں اس کی عزت کرنا ہے پس معلوم ہوا کہ مُردوں کی زیادہ رضامندی صدقہ تنہا دینے میں ہے نہ کہ اشتراک صدقہ میں۔

لیکن یہ چاہیے کہ جب بھی کسی میّت کو صدقہ دینے کی نیّت کرے تو چاہیئے کہ پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیّت سے کچھ ہدیہ الگ کرے اور بعد ازاں میّت کو صدقہ کرے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق دوسروں کے حقوق سے بڑھ کر ہیں اور یہ بھی ہے کہ اس صورت میں صدقہ کے قبول ہونے کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طفیل زیادہ احتمال ہے۔

یہ فقیر مُردوں کے بعض صدقات میں جب اپنے آپکو نیت کو درست کرنے میں عاجز پاتا ہے تو اس سے بہتر علاج نہیں پاتا کہ اس صدقہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیت سے متعین کرے اور اس میّت کو انکا طفیلی بنائے امید ہے کہ انکے واسطہ کی برکت سے قبول ہو جائیگا علماء کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اگرچہ زیادہ کر کے درود پڑھا جائے تو وہ مقبول ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ وصول ہو

جاتا ہے۔ اگرچہ اس درود بھیجنے والے کو اس کا کوئی ثواب نہیں ملتا۔ کیونکہ اعمال کا ثواب نیت کی درستی سے وابستہ ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبولیت کے لئے کہ مقبول و محبوب ہے صرف بہانہ کافی ہے۔

وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام وعلی جمیع اخوانہ الکرام من الانبیاء والملائکۃ العظام الی یوم القیٰمۃ

مکتوب نمبر ۲۹

سیادت پناہ میر محب اللہ کی طرف صادر فرمایا

(قرآن کے بعض کلمات قدسی آیات کے سمجھنے کے بیان میں)

ابتداء میں جب بعض کلمات قدسی آیات کے سمجھنے میں اپنے قصور فہم سے کوئی خدشہ اور قصور پیدا ہوتا اور اس کی تطبیق میں عاجز ہو جاتا تو وسوسہ کے رفع کرنے میں اللہ تعالیٰ کی عنایت سے اس سے بہتر علاج نہ پاتا کہ اپنے آپ سے کہتا کہ اس نظم قرآنی کو تو خدا تعالیٰ کا کلام تسلیم کرتا ہے اور اس پر ایمان لاتا ہے یا نہیں؟ اگر ایمان نہیں لاتا تو تو کافر ہے اور بحث سے خارج ہے اور اگر اس پر ایمان رکھتا ہے۔ تو تیرے سمجھنے میں قصور ہے نہ کہ نظم قرآنی میں جو زمین و آسمان کے پیدا کرنے والے کا کلام ہے اور عقول اور ادراکات کے موجد کا کلام ہے اور جب اللہ جل سلطانہٗ کے فضل سے کلام ربانی کے حق ہو جانے کا ایمان حاصل ہو جاتا تو اس تردید سے وہ وسوسہ مضمحل اور ناچیز ہو جاتا اور تردد سے نجات پا لیتا۔

اور اب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے نوبت یہاں تک پہنچی ہے کہ نظم قرآنی میں ہر وہ مقام جس میں قصور ادراک کی وجہ سے تردد اور خدشہ کی گنجائش ہے وہی مقام قرآن پر زیادہ ایمان ہونے کا باعث ہے اور وہی خدشہ قرآن کے معجزہ کے ظہور کا واسطہ ہے اور وہی اغلاق اعجاز کی شاخ نظر آتا ہے اور اس اشکال کو کمال بلاغت اور فصاحت پر محمول رکھتا ہے کہ آدمی اس کے سمجھنے سے قاصر ہے۔ جتنا ایمان قرآن نہ سمجھنے میں ہے اس کے سمجھنے میں نہیں ہے کہ نہ سمجھنے میں اعجاز کی طرف راہ کھلتا ہے جو سمجھنے میں نہیں ہے۔ سبحان اللہ یہی نہ سمجھنا ایک جماعت کو گمراہی کی طرف لے جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کے کلام کے

انکار تک پہنچا دیتا ہے اور بعض کو یہی نہ سمجھنا قرآن پر کمال ایمان کا سبب بنتا ہے اور ہدایت پر لے آتا ہے۔

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِىْ بِهٖ كَثِيْرًا۔ (اور اس کے ذریعہ بہت سے لوگوں کو ہدایت دیتا ہے اور بہت لوگوں کو گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے۔)

اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما اور ہمارے کام میں بھلائی پیدا کر والسلام۔

مکتوب نمبر ۳۰

سیادت و ارشاد پناہ میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا

(مراتب اصول اور مراتب عبادات کے عروج تک۔ بیان میں)

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین۔

بیت ؎[1]

پایہ آخر آدم است و آدمی
گشت محروم از مقام محرمی

؎[2]

گر نہ گردد باز مسکین زیں سفر
نیست از وے ہیچ کس محروم تر

جب اللہ تعالیٰ کی عنایت سے اس کو اپنے اصل سے جو کہ اوپر کے اصل کا ظل ہے۔ عروج حاصل ہوتا ہے تو ہر اصل میں اصول اول سے اس کو اس اصل میں فنا ہے اور اس کے بعد اس اصل کے ساتھ بقا ہے اور اس فنا اور بقا سے اس کی اَنا کا اطلاق زائل ہو کر اصل پر کہ اس کو اس میں فنا اور بقا حاصل ہوئی ہے اطلاق پائے گا اور اپنے آپ کو وہی اصل سمجھے گا اور اسی طرح جب اس اصل سے اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے اس کو عروج واقع ہوگا تو وہ اصل جو اس اصل کے اوپر ہے اور وہ اصل اس اصل کا ظل ہے تو اس پہلے اصل کی فنا و بقا کو اس اصل ثانی میں حاصل کرے گا۔ اور اَنا کا اطلاق اصل اول سے زائل ہو کر اصل ثانی سے مل جائے گا اور اپنے آپ کو وہی اصل ثانی پائے گا اور اصل

---

[1] انسان کا مرتبہ سب سے آخر پایا ہے لیکن انسان اسی محرم راز ہونے کے مقام سے محروم ہو چکا ہے۔

[2] اگر یہ مسکین محروی کے اس سفر سے واپس نہ لوٹا تو پھر اس سے محروم تر اور کوئی نہیں۔

ثانی کی اصل ثالث سے یہی نسبت ہوگی۔اگر عروج واقع ہوگا تو انا کا اطلاق اس اصل ثالث پر قرار پائے گا کہ اصل ثانی اس کا ظل ہے اور اسی طرح ہر نچلے اصل ہیں جو کہ اوپر کے اصل کے ظل کی طرح ہے۔یہی نسبت ثابت ہے اگر اس کو محض فضل خداوندی سے عروج واقع ہو اور ظل سے اصل پر لے جائیں۔ تو انا کا اطلاق اس اصل پر قرار پائے گا اور اپنے آپ کو وہی اصل سمجھے گا استعداد کے درجات کے مختلف ہونے پر جہاں تک اللہ تعالیٰ چاہے۔

اور یہ اصول اس کثرت اور اس رفعت کے باوجود اس کے اجزا ہو جائیں گے اور قطرہ کو دریا بنا دیں گے اور تنکے کو پہاڑ کر دیں گے اور جب یہ اصول اس کے اجزا ہوں گے تو لازماً ان کے کمالات و برکات بھی اس کا پورا حصہ ہو جائیں گے۔ اور اس کا کمال ان اجزا کا جامع کمالات ہوگا۔

اس جگہ سے انسان کامل اور باقی افراد انسانی کے درمیان فرق پہچانا جاتا ہے۔کہ وہ بحر محیط ہے اور یہ اس دریا کے حقیر قطروں کی طرح ہیں پس یہ اس کو کیا پہچان سکیں گے اور اس کے کمال کو کیا پا سکیں گے کسی نے کیا اچھا کہا ہے۔"الٰہی یہ کیا معاملہ ہے کہ تو نے اپنے اولیاء کو ایسا بنایا ہے کہ جس نے ان کو پہچانا ہے تجھ کو پا لیا اور جب تک تجھے نہ پایا ان کو نہ پہچانا۔

اور جس طرح انسان کامل اور انسان ناقص میں کثرت وقلت اجزا کا فرق ہے ان کی طاعات و حسنات میں بھی اسی اندازہ کے مطابق فرق ہے۔ایک آدمی جس کو سو زبان دے دیں اور وہ ہر زبان سے خدا تعالیٰ کی یاد کرے وہ اس شخص سے کیا نسبت رکھتا ہے جس کو ایک زبان دیں اور وہ ایک زبان سے خدا تعالیٰ کی یاد کرے۔ ایمان اور معرفت اور باقی تمام کمالات کو بھی اسی معنی پر قیاس کرنا چاہیئے۔اے ہمارے رب ہمارے نور کو پورا کر اور ہمیں بخش دے یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے

الحمد للّٰہ رب العالمین اولاً و آخراً والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ دائماً و علیٰ آلہ الکرام و صحبہ العظام الیٰ یوم القیام۔

مکتوب نمبر ۳۱

ملا بدر الدین کی طرف صادر فرمایا

(عالم ارواح و عالم مثال و عالم اجساد کے بیان میں)

الحمد للّٰہ و سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔

آپ نے لکھا ہے کہ "روح بدن کے تعلق سے پہلے عالم مثال میں تھی اور بدن سے علیحدگی کے بعد بھی عالم مثال میں چلی جائے گی پس عذاب قبر عالم مثال میں ہوگا اس درد کی طرح جو خواب میں عالم مثال میں محسوس ہوتا ہے" اور یہ بھی لکھا ہے کہ "یہ بات بہت سی شاخیں رکھتی ہے۔ اگر آپ منظور فرمائیں تو بہت سی فروعات اس بات پر متفرع کر سکتا ہوں"۔

جاننا چاہیے کہ اس قسم کے خیالات میں صداقت بہت کم ہے ایسا نہ ہو کہ تمہیں غیر معروف راہ پر ڈال دیں۔ ضرورت کی وجہ سے چند کلمے موانعات کے باوجود اس بحث میں لکھتا ہوں اور اللہ تعالیٰ ہی سیدھے رستے کی طرف راہنمائی کرنے والا ہے۔

اے بھائی! عالم ممکنات کو صوفیاء نے تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ عالم اروا‌ح و عالم مثال اور عالم اجسام۔ عالم مثال کو عالم ارواح و عالم اجساد کے درمیان برزخ (پردہ) کہا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ عالم مثال ان دونوں عالموں کے حقائق و معانی کے لئے آئینہ کی طرح ہے کہ ارواح و اجساد کے حقائق و معانی عالم مثال میں لطیفہ کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں کیونکہ اس جگہ ہر معنی و حقیقت کے مناسب دوسری صورت و ہیئت ہے اور وہ عالم (مثال) بذات خود صُوَر و ہیئات و اشکال کا متضمن نہیں ہے۔ صُوَر و اشکال اس میں دوسرے عالم سے منعکس ہو کر ظہور پاتے ہیں اس کی مثال آئینے کی طرح ہے جو بذات خود کسی صورت کا متضمن نہیں ہے اگر اس میں کوئی صورت موجود ہے تو وہ باہر سے آئی ہے۔ جب یہ بات معلوم ہو گئی تو اب

جاننا چاہیے کہ روح بدن کے تعلق سے پہلے اپنے عالم میں تھی جو عالم مثال سے اوپر ہے اور بدن سے تعلق کے بعد اگر اس نے نیچے اتر کر عالم اجساد سے تعلق قائم کیا ہے اور محبت کی وجہ سے نیچے آئی ہے تو اس کا عالم مثال سے کوئی کام نہیں ہے۔ نہ تعلق سے پہلے اور نہ تعلق کے بعد۔ اس سے زیادہ نہیں ہے کہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اپنے بعض حالات کو عالم مثال کے آئینہ میں مطالعہ کرتا ہے اور احوال کے حسن و قبح کو اس جگہ سے معلوم کر لیتا ہے۔ چنانچہ کشف اور خواب میں یہ معنی واضح ہو جاتے ہیں اور بعض اوقات تو ایسا ہوتا ہے کہ آدمی حس سے غائب بھی نہیں ہوتا اور اس معنی کا احساس کر لیتا ہے اور بدن سے علیحدگی کے بعد اگر روح علوی ہے تو اوپر کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے اور اگر سفلی ہے تو نیچے کی گرفتار ہے۔ عالم مثال سے اس کا کوئی کام نہیں ہے۔ اور عالم مثال دیکھنے کے لئے ہے نہ کہ بیٹھنے کے لئے۔ رہنے کی جگہ عالم ارواح ہے یا عالم اجساد۔ عالم مثال ان دونوں عوالم کے آئینہ کی حیثیت سے زیادہ نہیں رکھتا جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

اور وہ تکلیف جو خواب میں عالم مثال میں محسوس ہوتی ہیں وہ اس سزا کی صورت و شباہت ہے جس کا دیکھنے والا مستحق ہے اور تنبیہہ کے لئے اس پر اس معنی کو ظاہر کیا ہے اور عذاب قبر اس جنس سے نہیں ہے کہ وہ سزا کی حقیقت ہے نہ کہ اس کی صورت و شبیہ اور پھر یہ بھی ہے کہ وہ تکلیف جو خواب میں محسوس ہوتی ہے۔ اگر بالفرض وہ حقیقت بھی رکھتی ہو تو وہ دنیوی تکالیف کی قسم سے ہوگی۔ اور عذاب قبر عذاب اخروی ہے۔ ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ کیونکہ دنیوی عذاب کو اخروی عذاب سے (اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے بچائے) کچھ بھی نسبت نہیں اور اگر دوزخ کی آگ کا ایک شرارہ دنیا میں گر پڑے تو ساری دنیا کو جلا دے اور نیست و نابود کر دے۔ عذاب قبر کو خواب کے رنگ میں جاننا عذاب کی حقیقت اور عذاب کی صورت سے ناواقفی کی بنا پر ہے اور پھر یہ بھی ہے کہ اس شبہ کا منشاء یہ وہم ہے کہ دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب کا ہم جنس ہے اور یہ باطل ہے اور اس کا بطلان ظاہر ہے۔

سوال:۔

اس آیت کریمہ سے

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا الْاٰيَة

سے معلوم ہوتا ہے کہ

تَوَفِّيْ اَنْفُسْ (نفس کی موت)

جس طرح موت میں ہے خواب میں بھی ہے۔ پھر ایک کے عذاب کو دنیا کا عذاب کہنا اور دوسری کے عذاب کو آخرت کا عذاب کہنا کس وجہ سے ہے؟

جواب:۔

تَوَفِّيْ نَوْم (نیند کی موت)

اس جنس سے ہے کہ کوئی آدمی اپنے وطن مالوف سے اپنے شوق و رغبت سے سیر و تماشہ کے لئے باہر آئے تاکہ خوشی اور سرور حاصل کرے اور پھر خوش و خرم اپنے وطن کو واپس آئے اور اس کی سیر گاہ عالم مثال ہے کہ ملک و ملکوت کے عجائبات کا متضمن ہے

تَوَفِّيْ مَوْت (موت کی وفات)

اس طرح نہیں ہے کہ اس میں آباد مکان کو خراب کرنا اور وطن مالوف کو برباد کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ توفی نوم میں محنت اور کلفت حاصل نہیں ہے بلکہ وہ خوشی و سرور کی متضمن ہے اور توفی موت میں شدت و کلفت ہے پس نیند میں فوت ہونے والے کا وطن دنیا ہے اور اس کے ساتھ جو معاملہ

کرتے ہیں وہ دنیا کے معاملات سے ہے اور موت سے وفات پانے والا اپنے وطن مالوف کو خراب کرنے کے بعد آخرت میں انتقال کرتا ہے اور اس کا معاملہ آخرت کا معاملہ ہو چکا ہے۔

مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهٗ۔ (جو آدمی مرگیا اس کی قیامت قائم ہو گئی۔)

آپ نے سنا ہوگا

خبردار! مثالی صورتوں میں ظہور اور خیالی کشف کی بنا پر اہل سنت وجماعت کے مقررہ عقائد کو ہاتھ سے نہ دیں۔ اور اپنے خواب وخیال پر مغرور نہ ہوں کہ اس فرقہ ناجیہ کی متابعت کے بغیر نجات متصور نہیں ہے۔ خوش طبعی کو چھوڑو۔ اگر نجات کی آرزو رکھتے ہو تو دل وجان سے ان بزرگواروں کی [illegible] میں کوشش کرو خبر شرط ہے

مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَاغُ (رسول کے ذمہ صرف پہنچا دینا ہے)

آپ کی عبارت کے انبساط نے مجھے وہم میں ڈال دیا ہے کہ قریب ہے کہ یہ خیالات تم کو ان اکابر کی تقلید سے باہر نہ لے آئیں اور اپنے کشف کے تابع نہ کر دیں

نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْهَا وَمِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا (ہم اس سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں اور اپنے نفس کی شرارتوں اور اپنی بداعمالیوں سے بھی۔)

شیطان طاقتور دشمن ہے ہوشیار رہیں کہ صراط مستقیم سے ہٹا کر بھول بھلیوں میں نہ ڈال دے آپ کو مجھ سے الگ ہوئے ابھی ایک سال کی مدت بھی نہیں ہوئی کیا بلا پڑی کہ وہ تمام احتیاطیں جو اہل سنت کی متابعت میں کرتے تھے۔ اور نجات کا انحصار ان بزرگواروں کی تقلید میں سمجھتے تھے سب کچھ کیا ہوا۔ شائد سب کچھ بھول گئے۔ کہ اپنے خیالات کو اپنا مقتدا بنا کر اس پر کئی شاخیں قائم کر لیں ظاہری طور پر ہماری ملاقات کا احتمال بہت دور نظر آتا ہے۔ اس طرح زندگی گزارو کہ نجات کی امید کا رشتہ ٹوٹنے نہ پائے۔ اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما اور ہمارے کام میں بھلائی پیدا کر۔

وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى

مکتوب نمبر ۳۲

مقصود علی کی طرف صادر فرمایا

اس بیان میں کہ خطرات جن کو وصل کے اسباب سے کہا ہے۔ تجلی صوری کے اندازہ کے مطابق ہیں اور کثرت وہمیہ کی حقیقت کی تحقیق اور اس کے مناسبات ا

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔

آپ نے لکھا ہے کہ ایک مسافر نے کسی راستہ جاننے والے سے پوچھا کہ میں خطرات کے ہجوم سے پریشان ہوں تو اس نے کہا یہ تو

وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطٌ (وہ ہر چیز کو گھیرنے والا ہے)

کا مقتضا ہے۔ جب مطلوب کا شمول و احاطہ معلوم ہے تو خطرات کو اسباب وصل سے شمار کرنا چاہئے نہ کہ موجبات فصل سے اور مشاہدہ کے دروازے ہمیشہ کھلے رہنے چاہئیں اور غفلت کے سوراخ بند ہونے چاہئیں۔

یہ بات تجلی صوری کے اندازہ کے مطابق جو کہ اس راہ کے مقدمات میں سے ایک مقدمہ ہے صحیح ہے۔ اور اس مقام میں اگر وصل ہے اگرچہ وہ حقیقت میں فصل (جدائی) ہے تو باعتبار صورت ہے اور اگر مشاہدہ ہے اگرچہ فی الواقع وہ دوری ہے تو وہ بھی صورت کے ملاحظہ میں ثابت ہے۔ اور یہ تجلی اس راہ کے اکابرین کے نزدیک اعتبار کے لائق نہیں ہے۔ کیونکہ یہ سالک کے وجود کو فنا کرنے والی نہیں ہے اور حق اور باطل والے اس تجلی میں برابر کے شریک ہیں۔ ہندوستان کے جوگی اور یونان کے فلاسفہ بھی اس تجلی سے باخبر ہیں اور اس مقام کے معارف اور علوم سے بہرہ ور اور لذت پانے والے ہیں۔

مختصر مضمون یہ کہ اہل حق کو یہ دولت دل کی صفائی کی راہ سے حاصل ہوتی ہے اور اہل باطل کو نفس کی صفائی کی راہ سے تو لازماً وہ صفائی کی پلیت تک لے جاتی ہے اور یہ صفائی گمراہی میں لے آتی ہے۔ لیکن یہ دونوں صورت کے گرفتار ہیں اور معنی سے بے خبر ہیں۔

بیت۔

صورت پرست آخر معنی چہ داند آخر [1]
کو با جمال جاناں پنہاں چہ کار دارد

(حاشیہ اگلے صفحہ پر)

لیکن اہل حق کو صورت سے نجات کا احتمال ثابت ہے اور اہل باطل کو جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ملت کے التزام کے بغیر صورت میں منہمک ہے۔ اس کی صورت کی گرفتاری سے خلاصی محال ہے۔

اور پھر یہ بھی ہے کہ تجلی صورت علم کے دائرہ میں داخل ہے لیکن جب حال و ذوق اس پر پرتو ڈالتا ہے تو وہ علم پوری طرح حال ہو جاتا ہے۔

اور یہ بھی ہے کہ اس تجلی میں شہود کثرت ہے لیکن بعنوان مظہریت وحدت اور شہود کثرت جس صورت میں بھی ہو وبال در وبال ہے۔ چاہیئے کہ باطن کی نظر میں کثرت و شہود کثرت کا کوئی نام و نشان باقی نہ رہے۔ اور شہود واحد حقیقی کے بغیر اور کچھ نہ ہو تا کہ فنا جو اس راہ میں پہلا قدم ہے میسر ہو کیونکہ فنا اس سے عبارت ہے کہ حق تعالیٰ کے سوا باطن سے ہر چیز بھول جائے پس اس مقام میں کثرت کی کیا مجال ہے اور شہود کثرت کیا ہوتا ہے۔ اور خطرہ کو جو اسباب وصل اور ابواب مشاہدہ سے کہا ہے۔ اس وصل اور مشاہدہ سے مراد وصل و مشاہدہ صوری ہے جو کہ عین مفارقت اور دوری ہے۔ اس لئے کہ وصل جو اس طائفہ علیہ کے اکابرین کے نزدیک معتبر ہے وہ مقام بقا باللہ میں حاصل ہے جو کہ تمام ماسوا کے فنا و نسیان کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ خطرہ کا وجود اس دولت کے منافی ہے اور وسوسہ کا حصول اس مرتبہ کے لئے مانع ہے۔ مقام فنا میں جو کہ اس وصل کی دہلیز ہے منتفی ہو جاتا ہے کہ اگر تکلف سے لے اشیاء یاد دلائیں تو اسے یاد نہیں آتیں۔ اس نسیان کی وجہ سے جو اس کو ماسوا سے حاصل ہوا ہے۔

آپ نے لکھا ہے

وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ

احاطہ کا بیان اس عبارت سے نہیں آیا ہے۔ شاید یہ فقرہ مولدین کے کلام سے ہے کیونکہ کلام عجم میں احاطہ کو کلمہ علی سے متعدی کرنا اکثر آتا رہتا ہے اور عرب کی فصیح عبارتوں میں احاطہ کا تعدیہ کلمہ باء سے مشہور و متعارف ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا

وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا (اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو گھیرنے والا ہے)

اور دوسری جگہ فرمایا

لے حاشیہ بقیہ صفحہ صورت پرست اور معنی سے بے خبر آخر کیا جانے کہ وہ محبوب کے پوشیدہ جمال سے کیا کام رکھتا ہے ۱۲

اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ (خبردار! وہ ہر چیز کو گھیرنے والا ہے)

ظاہر طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اس عبارت کو قرآن مجید کی آیت سمجھ کر بطور دلیل پیش کیا ہے لیکن ایسا نہیں ہے اس معنی کا بیان قرآن مجید میں دوسری عبارتوں سے آیا ہے جیسا کہ گذر چکا ہے۔

اور آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ "وہمی کثرت اور اعتباری تعدد اس طرح تہ بہ تہ ہو گئے ہیں کہ اکثر علماء تعدد وجود کی وجہ سے غلطی میں پڑ گئے ہیں اور مغز چھوڑ کر پوست سے اور گودا چھوڑ کر چھلکے سے قناعت کر بیٹھے ہیں"۔

کثرت و تعدد اگرچہ وہمی و اعتباری ہے لیکن جب خداوند تعالیٰ کی صنعت و ایجاد سے پیدا ہوئی ہے تو مستحکم و مضبوط ہے اور دنیوی اور اخروی معاملات اس کے ساتھ وابستہ ہیں اور آثار خارجیہ اس پر مترتب ہیں۔ اگرچہ وہم اور اعتبار زائل ہو جائے اس کثرت و تعدد کا زوال ممنوع ہے۔ کیونکہ عذاب و ثواب دائمی اخروی جس کی خبر مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔ اس کا تعلق کثرت سے ہے۔ اور تعدد سے وابستہ ہے اور کثرت و تعدد کے ارتفاع کا حکم لگانا بے دینی اور الحاد میں داخل ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے بچائے۔

پس صوفیہ علیہ اور علمائے کرام دونوں اس کثرت اور تعدد کے ثبوت اور استمرار کے قائل ہیں اور آخرت کے دائمی معاملہ کو اس سے وابستہ جانتے ہیں لیکن یہ کثرت عروج کے وقت صوفیہ کے شہود سے مرتفع ہو جاتی ہے اور اس کو وہمی و اعتباری پاتے ہیں اور چونکہ نفس الامر میں وہ مرتفع نہیں ہوتی اگرچہ وہ شہود سے مرتفع ہو جاتی ہے۔ علماء اس کو موجود جانتے ہیں۔ پس دونوں کا جھگڑا صرف لفظی رہ گیا۔ اور معنی میں دونوں متفق ہو گئے۔ ہر آدمی نے اپنی دریافت کے مطابق حکم لگایا ہے۔ صوفیہ نے شہود کا اعتبار کیا اور ارتفاع شہودی کو ملاحظہ کیا تو اس پر وہمی اور اعتباری ہونے کا حکم لگا دیا اور علماء نے اس کے حقیقی ثبوت و استقرار کو ملاحظہ کیا۔ تو اس پر وجود کا حکم لگا دیا۔

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ (اور ہر ایک کے لئے ایک توجیہ ہے)

اس معنی کو فقیر نے اپنے کئی مکتوبات اور رسائل میں تفصیل سے بیان کیا ہے اور فریقین کے جھگڑے کو لفظی قرار دیا ہے۔ اگر کچھ پوشیدگی باقی رہی ہو تو ان کی طرف رجوع فرمائیں۔ علماء کا نظریہ زیادہ صحیح ہے کیونکہ وہ نفس الامر کے مطابق ہے اور صوفیہ کا نظریہ باعتبار سکر بغلبۂ حال ہے۔ ستارے دن کے وقت پوشیدہ ہوتے ہیں اور نفس الامر میں ثابت ہیں اور دیکھنے سے پوشیدہ ہیں

تو ستاروں کے ثبوت کا حکم لگانا اقرب بصواب ہے۔ بہ نسبت اس کے کہ عدم شہود کو ملاحظہ رکھتے ہوئے ستاروں کے نہ ہونے کا حکم لگایا جائے۔

علماء جو کثرت وجود کے قائل ہیں۔ ان کا مقصود شریعت کو باقی رکھنا ہے۔ جس کی بنیاد تعدد پر ہے اور صاحب شریعت کے وعدہ وعید کا اجراء بھی کثرت کے بغیر متصور نہیں ہے اور صوفیاء بھی اس بات کے معترف ہیں۔ اگرچہ وہ تکلف کے ساتھ اس کی شریعت کے ساتھ تطبیق کرتے ہیں اور جو کچھ علماء نے فرمایا ہے وہ بے تکلف صادق آتا ہے اور بے حیلہ مطابقت رکھتا ہے اور کوئی غبار اور کدورت نہیں رکھتا۔ علماء مستقل وجود کا اثبات نہیں کرتے کہ اس میں بات کرنے کی گنجائش ہو اور خداوند تعالیٰ کے ساتھ شرکت لازم آئے۔ بلکہ وہ ایک کمزور وجود کا اثبات کرتے ہیں۔ جو کہ دوسرے سے مستعار اور مطابق ہے۔ اب بتاؤ اس میں کیا غلطی ہے۔؟

علماء کی طرف جو کہ دین کے اکابر ہیں غلطی کی نسبت کرنا غلط محض اور محض غلطی ہے۔ ہم پیچھے رہ جانے والے کمزور لوگوں نے دین اور شریعت کو علماء سے حاصل کیا ہے۔ اور مذہب وملت کو ان کی برکات سے اخذ کیا ہے۔ اگر ان میں طعن کرنے کی گنجائش ہو تو شریعت وملت سے اعتماد اٹھ جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ سلف صالحین پر طعنہ کرنے والے کو گمراہ اور بدبخت کہا جائے گا۔ اور اس کے طعن کو گمراہی اور دین میں شکوک پیدا کرنے کے اسباب سے شمار کر کے اس کے بطلان کا حکم کیا ہے۔

آپ نے لکھا ہے کہ انہوں نے مغز چھوڑ کر پوست پر قناعت کر لی ہے شاید تم نے صُوَر کو مغز خیال کیا ہے اور تنزیہ کو پوست (چھلکا) کیونکہ علماء کی دعوت وگرفتاری تنزیہ کے ساتھ ہے اور تجلی صوری کا مطلوب وشہود صُوَر واشکال ہیں۔ انصاف کرنا چاہیئے کہ کون مغز میں گرفتار ہے۔ اور کون پوست میں اٹک کر رہ گیا ہے۔

اِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۔ (یقیناً ہم یا تم ہدایت پر ہیں یا ظاہر گمراہی میں)

اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما اور ہمارے معاملہ میں بھلائی پیدا کر۔ وَالسَّلَامُ اَوَّلًا وَّ آخِرًا۔

مکتوب نمبر ۲۳

ملا شمس کی طرف صادر فرمایا

(شیخ شرف الدین یحییٰ منیری کے اس قول کی تحقیق میں کہ انہوں نے کہا ہے کہ جب تک کافر نہ ہو اور اپنے بھائی کا سر نہ کاٹے اور اپنی ماں سے جفت نہ ہو مسلمان نہیں ہوتا۔)

ملا شمس استقامت سے رہیں۔ آپ نے پوچھا ہے کہ شیخ المشائخ شیخ شرف الدین یحییٰ منیری نے اپنے رسالہ ارشاد السالکین میں لکھا ہے کہ جب تک کافر نہ ہو مسلمان نہیں ہوتا اور جب تک اپنے بھائی کا سر نہ کاٹے مسلمان نہیں ہوتا اور جب تک اپنی ماں سے جفت نہیں ہوتا مسلمان نہیں ہوتا۔ ان کلمات کا کیا مطلب ہے۔؟

جاننا چاہیئے کہ کفر سے مراد کفر طریقت ہے جو کہ مرتبہ جمع سے عبارت ہے جو کہ پوشیدگی کا وطن اور اسلام کے حسن اور کفر کے قبح عدم امتیاز کا مقام ہے بلکہ جس طرح اسلام کو اچھا جانتا ہے۔ کفر کو بھی اس جگہ اچھا پاتا ہے۔ اور دونوں کو اسم ھادی اور اسم مُضل کا مظہر پاتا ہے اور دونوں سے حصہ لیتا ہے اور لذت حاصل کرتا ہے اور یہ وہ کفر ہے جس کی خبر منصور نے دی ہے اور وہ اسی کفر میں رہا اور اسی میں اس کی موت ہوئی۔ اس نے کہا ہے۔ ؎

لہ کَفَرْتُ بِدِیْنِ اللّٰہِ وَالْکُفْرُ وَاجِبٌ
لَدَیَّ وَعِنْدَ الْمُسْلِمِیْنَ قَبِیْحٌ

اور شطحیات مثلاً قول

اَنَا الْحَقُّ	میں خدا ہوں
سُبْحَانِیْ	میں پاک ہوں

اور

لَیْسَ فِیْ جُبَّتِیْ سِوَی اللّٰہِ	میرے جبہ میں اللہ کے سوا اور کچھ نہیں

یہ سب اسی جمع کے درخت کے پھل ہیں کہ ان کا سبب محبوب حقیقی کی محبت کا غلبہ ہے کہ محبوب کے علاوہ ہر چیز ان کی نظر سے پوشیدہ ہو چکی ہے اور محبوب کے علاوہ کوئی چیز مشہود نہیں رہی اور یہ

لہ میں نے اللہ کے دین سے کفر کیا اور میرے نزدیک کفر واجب ہے اور مسلمانوں کے نزدیک برا ہے۔

مقام جہالت اور حیرت کا مقام ہے ۔ لیکن یہ وہ جہالت ہے جو محمود ہے اور وہ حیرت ہے جو ممدوح ہے

اور جب اللہ تعالیٰ کی عنایت سے اس جمع کے مرتبہ سے بلند تر سیر واقع ہوتی ہے اور اس جہالت کے ساتھ علم جمع ہوتا ہے اور حیرت کے ساتھ معرفت شامل ہوتی ہے اور فرق اور تمیز پیدا ہوتی ہے اور شکر سے سہو میں آتا ہے تو حقیقی اسلام کی دولت ظاہر ہوتی ہے اور ایمان کی حقیقت میسر آتی ہے ۔ تو یہ اسلام و ایمان زوال سے محفوظ ہے اور کفر کی سرایت کرنے سے مامون ۔ منقول دعاؤں میں آیا ہے ۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ اِیْمَانًا لَیْسَ بَعْدَہٗ کُفْرٌ (اے اللہ میں تجھ سے وہ ایمان مانگتا ہوں جس کے بعد کفر نہیں ہے ۔)

اور یہی وہ ایمان ہے جو زوال سے محفوظ ہے ۔ آیت کریمہ

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ۔ (خبردار! اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی ڈر ہے اور نہ وہ غم کھائیں گے ۔)

میں ایمان والوں کے حال کا نشان ہے کیونکہ ولایت ایمان کے بغیر متصور نہیں ہے ۔ اگرچہ مقام جمع میں بھی ولایت کا نام لیا جا سکتا ہے لیکن نقص اور قصور ہر وقت اس مرتبہ کو دامن گیر ہے ۔ کیونکہ کمال ایمان اور معرفت میں ہے نہ کہ کفر و جہالت میں اگرچہ وہ کوئی سا کفر ہی کیوں نہ ہو پس جو بات شیخ نے کہی تھی وہ درست ہوئی کہ جب تک کفر طریقت سے متحقق نہ ہو حقیقت اسلام سے مشرف نہیں ہوتا ۔

اور وہ جو کہا ہے کہ جب تک اپنے بھائی کا سر نہ کاٹے مسلمان نہیں ہوتا ۔ اس بھائی سے مراد ہمزاد شیطان ہے جو اس کا ساتھی ہے اور ہمیشہ اس کو برائی اور فساد کی راہنمائی کرتا ہے حدیث میں آیا ہے ۔ علی قائلہ الصلوٰۃ والسلام کہ کوئی بھی آدم کا بیٹا ایسا نہیں ہے کہ جس کے ساتھ ایک جن ساتھی نہ ہو صحابہ کرام نے پوچھا اے اللہ کے رسول آپ کے ساتھ بھی جن ہے ۔ آپ نے فرمایا کہ میرے ساتھ بھی ہے ۔ لیکن خداوند تعالیٰ نے مجھ کو اس پر مدد دی ہے کہ میں اس کی برائی سے محفوظ رہتا ہوں ۔ یہ معنی اس صورت میں ہے کہ لفظ

فَاَسْلَمَ

جو حدیث میں واقع ہوا ہے صیغہ متکلم سے روایت کیا جائے اور اگر ماضی غائب کے صیغہ

سے روایت کیا جائے۔ تو معنی اس طرح ہوں گے کہ وہ میرا ساتھی مسلمان ہو چکا ہے اور یہ آخری معنی مشہور ہے اور اس ساتھی کے قتل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی اطاعت نہ کی جائے اور اس کو ذلیل و خوار رکھا جائے۔

سوال:۔

آدمی عقل و فراست کے باوجود اس شیطان سے کیوں مغلوب ہو جاتا ہے اور کیوں اس کی بری دلالت سے موافقت کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ناپسندیدہ چیزوں کا کیوں ارتکاب کرتا ہے۔؟

جواب:۔

شیطان فتنہ اور بلا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کو بندوں کے امتحان اور آزمائش کے لئے مسلط کیا ہے اور اس کو ان کی نظر سے پوشیدہ کر دیا ہے اور اس کے احوال پر ان کو اطلاع نہیں دی ہے اور اس کو ان کا حال دیکھنے کی طاقت دی ہے اور وہ بندوں کے رگ و پوست میں خون کی طرح گردش کرتا ہے۔ بڑا سعادت مند ہے وہ آدمی جو ایسی بلا کے کید و مکر سے خداوند تعالیٰ کی حفاظت سے محفوظ رہے۔ اس کے باوجود اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے کلام مجید میں اس کی تدبیر کو کمزور قرار دیا ہے۔ اور سعادت مندوں کو دلیر کیا ہے۔ ہاں خداوند تعالیٰ کی مدد سے شیطان اس تسلط کے باوجود لومڑی کا حکم رکھتا ہے۔ اور اس کے فضل کی امداد کے بغیر وہ پھاڑنے والا شیر ہے۔

ؔ تو مرا دل دہ و دلیری بیں
روبہ خویش خوان و شیری بیں

دوسرا جواب یہ ہے کہ شیطان آدمی کی خواہشات کی راہ سے آتا ہے اور اس کو مرغوب چیزوں کی راہنمائی کرتا ہے تو لازماً وہ نفس امارہ کی مدد سے جو کہ گھر کا دشمن ہے اس پر غلبہ پا لیتا ہے اور اس کو اپنا فرمانبردار بنا لیتا ہے۔ شیطانی تدبیر بذاتِ خود کمزور ہے۔ وہ گھر کے دشمن کی مدد سے اپنا کام کرتا ہے۔ اصل میں ہماری مصیبت ہمارا نفس امارہ ہے جو ہمارا جانی دشمن ہے۔ کوئی چیز بھی اپنی آپ دشمن نہیں ہوتی سوائے اس خسیس کے۔ بیرونی دشمن اسکی امداد سے اپنا کام کرتا ہے پس پہلے اپنے نفس کا سر کاٹنا چاہیئے اور اپنے نفس کی اطاعت سے نکلنا چاہیئے اور اس کو خوار ذلیل رکھنا چاہیئے۔ ساتھی کا سر اس جہاد کے ضمن میں خود بخود کٹ جائے گا۔ اور خوار و ذلیل ہو جائے گا۔

ؔ تو مجھے دل دہ اور دلیری دیکھ اپنی لومڑی کہہ اور شیری دیکھ۔ ۱۲

اس آدمی کی راہ کا حجاب اس آدمی کا اپنا نفس ہے اور بھائی خارج از بحث ہے جو کہ دوسرے برائی کی دعوت دیتا ہے۔ اور صراطِ مستقیم سے ہٹا کر ٹیڑھی راہوں کی طرف بلاتا ہے۔ نفس کی فرمانبرداری کے بعد خداوند تعالیٰ کی مدد سے اس خارجی دشمن کی مدافعت آسان طریقے سے متصور ہے۔

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْہِمْ سُلْطَانٌ (میرے بندوں پر تیرا کوئی غلبہ نہیں ہے)۔

ان بندوں کے لئے بشارت ہے جو نفس کی غلامی سے آزاد ہو چکے ہیں اور معبودِ حقیقی کی عبادت میں مشغول ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی مدد دینے والا ہے۔

اور وہ جو کہا ہے کہ جب تک اپنی ماں سے جفت نہ ہو مسلمان نہیں ہوتا" ہو سکتا ہے کہ اس کی ماں" سے مراد اس کا عین ثابتہ ہو کہ وہ خارج میں اس کے وجود کے ظہور کا سبب ہے اور صوفیاء کی اصطلاح میں عین ثابتہ کو "ماں" سے تعبیر کرنا آیا ہے۔ ایک بزرگ نے کہا ہے۔ شعر

وَلَدَتْ اُمِّیْ اَبَاھَا[1]
اِنَّ ذَا مِنْ عَجَبَاتٍ

ماں سے مراد اپنے عین ثابتہ کو لیا ہے اور اس ماں کے باپ سے مراد اللہ تعالیٰ کا اسم ہے۔ کہ عین ثابتہ اس اسم کا ظل و عکس اور پرتو ہے اور چونکہ اس اسم جل شانہٗ کا خارج میں ظہور اس عین ثابتہ کے ذریعے ہوا ہے لہٰذا اس کو تعین وجوبی کہتے ہیں۔ کیونکہ اس طائفہ علیہ کے نزدیک تعینات پانچ ہیں کہ ان کو تنزلات خمسہ کہتے ہیں اور حضرات خمس بھی کہتے ہیں۔ دو تعین تو مرتبۂ وجوب میں ثابت کرتے ہیں اور تین تعین مرتبۂ امکان میں اور دو تعین وجوبی تعین وحدت اور تعین واحدیت ہے کہ دونوں مرتبۂ علم میں ہیں فرق اجمال اور تفصیل علمی کا ہے۔

اور تین تعین جو مرتبۂ امکان میں ثابت کرتے ہیں۔ وہ تعین روحی اور تعین مثالی اور تعین جسدی ہے اور چونکہ عین ثابتہ جو مرتبۂ واحدیت میں ہے تو ضروری ہے کہ اس کا تعین وجوبی ہے اور چونکہ اس ممکن شخص کی حقیقت وہی عین ثابتہ ہے جو کہ تعین وجوبی رکھتا ہے اور یہ شخص اس عین کے لئے ظل کی طرح ہے۔ پس اس شخص کی ماں عالمِ وجوب سے ہوگی۔ کہ اس کو عالمِ ظہور میں امکان دیا ہے۔ اور ماں سے جفت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص کا تعین امکانی تعین وجوبی سے جو کہ اس کی حقیقت ہے متحد ہو جائے۔

[1] میری ماں نے میرے باپ کو جنا اور یہ عجیب چیزوں میں سے ہے۔

چوں ممکن گرد امکان بر فشاند[1]
بجز واجب در و چیزے نہ ماند

یعنی اس کا تعین امکانی اس کی نظر سے پوشیدہ ہو جاتا ہے اور اپنی انا کو تعین وجوبی پر اطلاق کرتا ہے لیکن اس معنی سے نہیں کہ تعین امکانی نفس الامر میں تعین وجوبی سے متحد ہو جاتا ہے۔ کہ وہ محال ہے اور الحاد اور بے دینی کو مستلزم ہے۔ اس لئے کہ اس جگہ معاملہ شہود کا ہے اگر تعین کا زوال ہے تو بھی شہود سے تعلق رکھتا ہے۔ اور اگر اتحاد ہے تو بھی شہود سے ہے۔

بیت۔ نہ آں ایں گرددو نے ایں شود آں[2]
ہمہ اشکال گردد بر تو آساں

اور جب وہ شخص اپنے اس تعین کو اس تعین سے متحد پاتا ہے تو اس کا امیدوار ہو جاتا ہے کہ امکانی آلودگیوں سے آزاد ہو جائے اور اسلام اور فرمانبرداری کی دولت سے مرتبۂ وجوب سے مشرف ہو جائے۔

جاننا چاہیئے کہ تنزلات خمس جو صوفیا نے کہے ہیں صرف اعتبارات ہیں وجود میں وہ شہود اور کشف سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ نہ یہ کہ فی الحقیقت تنزل اور تغیر و تبدل ہے۔ پس پاک ہے وہ ذات جو حدوث اکوان کے ساتھ اپنے اسماء اور صفات اور ذات میں متغیر نہیں ہوتا۔

صوفی اپنے اندازہ دید کے مطابق جو کہ غلبہ حال اور سکر کا متقضی ہے کچھ چیزیں زبان پر لے آتے ہیں۔ ان کو ظاہر پر محمول نہ کرنا چاہیئے اور ان کی تاویل اور توجیہ میں مشغول ہونا چاہیئے۔ کیونکہ مست لوگوں کا کلام ظاہر سے پھیر دینا چاہیئے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی تمام امور کے حقائق کو خوب جانتا ہے۔

جب یہ بیقراری پیدا کرنے والی باتیں تم نے ایک بزرگ سے حاصل کر لیں تو ضرورت کے لئے ان کے حل میں کچھ لکھا گیا ورنہ یہ فقیر اس طرح کی مخالفت نما باتوں میں اپنے آپ کو کبھی مشغول نہیں کرتا۔ اور ان کے رد و قبول کے متعلق لب نہیں کھولتا۔ اے ہمارے رب ہمیں ہمارے گناہ اور ہمارے کاموں میں ہماری زیادتیاں معاف کر دے اور ہمارے قدم مضبوط رکھ اور ہمیں کافروں کی قوم پر مدد دے۔

الحمد للہ رب العالمین اولاً و آخراً والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ دائماً و سرمداً و علیٰ آلہ الکرام و صحبہ العظام الی یوم القیام۔

---

[1] جب ممکن امکان کی گرد جھاڑ دیتا ہے تو اس میں سوائے واجب کے اور کوئی چیز نہیں رہتی۔ ۱۲

[2] نہ وہ یہ ہو جاتا ہے اور نہ یہ وہ ہی جاتا ہے۔ سب اشکال تجھ پر آسان ہو جائیں گے۔ ۱۲

مکتوب نمبر ۴۳

محمد امین کی والدہ کی طرف صادر فرمایا

(نصیحت اور ذکر الٰہی کی ترغیب اور دنیا کی محبت سے پرہیز کرنے کے بیان میں)

وہ نصیحت جو لکھی جاتی ہے سب سے پہلے علماء اہل سنت و جماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم جو کہ فرقہ ناجیہ ہے کی رائے کے مطابق عقائد کی درستی ہے اور عقائد کی درستی کے بعد احکام فقہیہ کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے۔ جن چیزوں کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے ان کی تعمیل سے چارہ نہیں ہے۔ اور وہ چیزیں جو منع ہیں ان سے پرہیز کرنے سے گزارہ نہیں ہے پنج وقت نماز بغیر سستی اور بغیر فتور کے اس کی شرائط کی رعایت اور تعدیل ارکان کے ساتھ ادا کرنا چاہیے اور اگر نصاب زکوٰۃ حاصل ہو جائے تو زکوٰۃ دینے سے بھی چارہ نہیں ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے عورتوں کے زیور میں بھی زکوٰۃ دینے کا حکم دیا ہے اور اپنے اوقات کو لہو و لعب میں صرف نہ کرنا چاہیے۔ اور بے کار کاموں میں اپنی قیمتی عمر کو تلف نہ کرنا چاہیے پھر اگر وہ امور منہیہ اور شرعی ممنوعات میں صرف ہو تو اس کا کیا حال ہے۔ اور سرود اور نغمہ کی رغبت نہ کریں اور ان کی لذت پر فریفتہ نہ ہوں کہ وہ شہد بلا زہر ہے اور شکر آلودہ سم ہے اور آدمیوں کی غیبت اور سخن چینی سے اپنے آپ کو محفوظ رکھیں کہ ان دو بد اخلاقیوں کے ارتکاب میں شرعی وعید وارد ہوئی ہیں۔ اور جھوٹ کہنے اور بہتان لگانے سے بھی پرہیز ضروری ہے کہ یہ دو اخلاق رذیلہ تمام دینوں میں حرام ہیں اور ان کے مرتکب کو وعید کا وعدہ سنایا گیا ہے۔

اور خلقت کے عیوب اور گناہوں اور ان کی لغزشوں سے درگزر کرنا اور ان کو معاف کر دینا ہمت کے کاموں میں سے ہے اور غلاموں اور نوکروں پر مشفق و مہربان رہنا چاہیے اور ان کی کوتاہیوں پر مواخذہ نہ کرنا چاہیے اور سبب اور بے سبب ان بدنصیبوں کو مارنا اور گالی دینا نامناسب اور نا ملائم ہے۔ اور اپنی کوتاہیوں پر نظر کرنا چاہیے جو کہ جناب قدس خداوندی جل سلطانہ کی نسبت ہر وقت ہم سے سرزد ہوتی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ان کے مواخذہ میں جلدی نہیں کرتا اور روزی نہیں روک رکھتا۔

اور عقیدہ کی درستی اور احکام فقہیہ کی ادائیگی کے بعد اپنے اوقات کو ذکر الٰہی جل شانہ میں مستغرق

رکھیں اور اس طریقہ کے مطابق کہ آپ نے ذکر کا طریقہ سیکھا ہے، عمل کرنا چاہیئے اور اس کے علاوہ جو چیز بھی ہو اس کو اپنا دشمن سمجھ کر اس سے پرہیز لازم جانیں۔

بیت :-

ہر چہ جز ذکر خدائے احسن است ؎
گر شکر خوردن بود جان کندن است

آپ کو بالمشافہ بھی کہا گیا ہے کہ امور شرعیہ میں جتنی احتیاط کی جائے گی اتنا ہی مشغولی میں اضافہ ہوگا۔ اور اگر احکام شرعیہ میں سستی کرو گے تو مشغولی کی لذت اور شیرینی برباد کرو گے۔ زیادہ کیا لکھوں۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ اَعْلَمُ۔

مکتوب نمبر ۳۵

مرزا منوچہر کی طرف صادر فرمایا

(تعزیت، نصیحت اور جوانی کو غنیمت سمجھنے کے بیان میں)

حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ برخوردار سعادت اطوار کو خوش اور جمعیت سے رکھے اور گزرے ہوئے غم و اندوہ کو ان کے حق میں اچھی طرح تلافی فرمائے۔

اے فرزند اقبال آثار! شروع جوانی کا زمانہ جس طرح ہوا و ہوس کا وقت ہے اسی طرح علم حاصل کرنے اور عمل کرنے کا بھی وقت ہے۔ ہر وہ عمل جو شریعت عزا کے مطابق اس وقت میں نفس کے غضبی و شہودی موانع کے غلبہ کے باوجود وجود میں آئے۔ وہ اس عمل کی نسبت کئی گناہ زیادہ فضیلت اور اعتبار اور شمار رکھتا ہے جو اس وقت کے علاوہ وقوع میں آئے کیونکہ روکنے والے کے وجود نے جو کہ رنج و محنت کا باعث ہے۔ اس کی شان کو آسمان پر پہنچا دیا ہے اور رکاوٹ پیدا کرنے والے کے نہ ہونے نے جو کہ محنت و مشقت و ناپسندیدگی کے عدم کو مستلزم ہے۔ اس کے معاملہ کو زمین پر پھینک دیا گیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ خواص بشر خواص فرشتگان سے بہتر ہیں کہ انسان کی اطاعت موانع کے ساتھ ملی ہوئی ہے اور فرشتے کی عبادت موانع کی مزاحمت کے بغیر ہے۔ سپاہیوں کے اعتبار اور اعتماد

؎ جو کچھ بھی اچھے خدا کے ذکر کے سوا ہے اگر وہ شکر کھانا بھی ہو تو بھی جان کندنی ہے۔

کا وقت دشمنوں کے غلبہ کا وقت ہے جو کہ حکومت کے موانع ہیں کہ ایسے وقت میں ان کا تھوڑا سا تردد بھی کئی گنا فضیلت و اعتبار رکھتا ہے۔ اس تردد کی نسبت جو اس وقت کے علاوہ وقوع میں لائیں۔ اور یہ تو معلوم ہے کہ ہوا و ہوس اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کی رضا ہے جو کہ نفس اور شیطان ہیں۔ اور شریعت غراء کے مطابق علم حاصل کرنا اور عمل کرنا حضرت رحمان جل سلطانہ، کی رضا ہے عقلمندی اور دانائی سے دور ہے کہ خدا تعالیٰ کے دشمنوں کو راضی کریں اور اللہ تعالیٰ جو نعمتوں کا عطا کرنے والا ہے۔ ناراضگی میں رہے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔

مکتوب نمبر ۳۶

میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا

عذاب قبر کے منکرین کے شبہات کے دور کرنے کے بیان میں

الحمد للہ و سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

کچھ لوگ عذاب قبر میں جو کہ صحیح و مشہور احادیث سے بلکہ قرآن کی آیتوں سے بھی ثابت ہے شک رکھتے ہیں۔ بلکہ قریب ہے کہ اس کے محال ہونے کا یقین کرتے ہیں اور انکار کرتے ہیں۔ ان کے اشتباہ کا پیشوا غیر مدفون مُردوں کے احوال کا احساس ہے کہ وہ ایک طریقے اور استقامت و دوام کے حال پر رہتے ہیں۔ جو کہ درد اور عذاب کے منافی ہے کہ حرکت اور بیقراری اس کے لوازم میں سے ہے۔

جواب:۔

اس اشکال کا حل یہ ہے کہ عالم برزخ کی زندگی جو کہ قبر کا مقام ہے۔ دنیوی زندگی کی جنس سے نہیں ہے کہ احساس اور ارادی حرکت اس کے لوازمات میں سے ہیں کہ اس دنیا کا انتظام ان دو امور سے وابستہ ہے اور برزخ کی زندگی میں کوئی حرکت درکار نہیں ہے بلکہ اس برزخی دنیا کے منافی ہے اس جگہ صرف احساس کافی ہے کہ عذاب و درد کو محسوس کرے۔ پس برزخی زندگی گویا کہ نصف دنیوی زندگی ہے اور بدن سے روح کا تعلق بھی اس جگہ اس تعلق سے نصف ہے جو کہ دنیوی زندگی میں ہے پس ہو سکتا ہے غیر مدفون مُردے بھی برزخی زندگی میں درد اور عذاب کا احساس کریں۔ اور کوئی حرکت و بیقراری برزخی زندگی میں ان سے وجود میں نہ آئے۔ اور وہ جو مخبر صادق صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا ہے۔ پرسچ ہو۔ باوجود اس کے ہم کہتے ہیں اور اس اشکال اور اس جیسے اشکالات کے مادہ کو کاٹتے ہیں کہ نبوت کا طریقہ عقل و فکر کے طریقہ سے بالا ہے۔ وہ امور جن کے ادراک میں عقل قاصر ہے ان امور کا اثبات بطور نبوت کیا جاتا ہے اور اگر عقل کافی ہوتی تو انبیاء صلوات اللہ وتسلیماتہ علیہم اجمعین کس لئے مبعوث ہوتے اور آخرت کے عذاب کو ان کی بعثت سے کیوں وابستہ کرتے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا۔

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (اور ہم نہیں ہیں عذاب کرنے والے یہاں تک کہ ہم بھیج لیں رسول)

عقل اگرچہ حجت ہے لیکن حجت بالغہ نہیں ہے اور نہ حجیت میں کامل ہے۔ حجت بالغہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی بعثت سے متحقق ہوئی ہے۔ اور

مکلفین

کے عذر کے بیان کو بند کیا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا۔

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا۔ (رسول خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے تاکہ نہ ہو لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ پر کوئی حجت رسولوں کے بعد اور ہے اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا۔)

اور جب بعض امور کے ادراک میں عقل کا قصور ثابت ہو گیا تو پھر تمام احکام شرعیہ کو عقل کی میزان میں تولنا اچھا نہ ہو گا۔ اور حقیقت میں اس حکم کی تطبیق کا التزام کرنے کا مطلب یہ ہو گا کہ عقل کو مستقل تسلیم کیا جائے اور نبوت کے طریقہ کا انکار کیا جائے۔ اللہ ہمیں اس سے بچائے۔

سب سے پہلے رسول پر ایمان لانے اور رسالت کی تصدیق کرنے کی فکر کرنا چاہیے تاکہ تمام احکام میں اس کو سچا سمجھا جائے اور اس کے وسیلہ سے شکوک وشبہات کے اندھیروں سے خلاصی میسر آئے اصل کو عقلی طور پر ثابت کرنا چاہیے تاکہ فروع بے تکلف سمجھ میں آئیں اور معلوم ہو جائیں۔ ہر شاخ کو اصل کے اعتبار کے بغیر عقلی طور پر ثابت کرنا بہت مشکل ہے اور اس تصدیق تک پہنچنے اور دل کا اطمینان حاصل کرنے کا قریب ترین راستہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا۔

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰی لَھُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ

خبردار اللہ کے ذکر سے دل مطمئن ہوتے ہیں۔ وہ جو ایمان لائے اور اچھے عمل کئے۔ ان کو خوشخبری ہے اور اچھا ٹھکانہ ہے۔

نظر و استدلال کی راہ سے اس مطلب بلند پر پہنچنا بہت ہی دور کی بات ہے۔

ﻟﮧ پائے استدلالیاں چوبیں بود
پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود

جاننا چاہیئے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تقلید کرنے والا ان کی نبوت کے اثبات اور ان کی رسالت کی تصدیق کے بعد استدلال کرنے والوں سے ہے اور اس وقت میں اس کا ان اکابرین کی باتوں کی تقلید کرنا عین استدلال ہے مثال کے طور پر ایک آدمی نے اصل کو استدلال سے ثابت کیا ہو تو اس وقت وہ تمام شاخیں جو اس اصل سے پیدا ہوں گی۔ سب اس استدلال سے مستند ہوں گی اور اصل کے استدلال سے تمام فروع کے اثبات میں استدلال کرنے والا ہوگا۔

الحمد للہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ لقد جاءت رسل ربنا بالحق۔ والسلام علی من اتبع الھدی۔

مکتوب نمبر ۳

محمد طاہر بدخشی کی طرف صادر فرمایا

(اس بیان میں کہ جو کچھ بھی اس جمیل مطلق کی طرف سے آئے جمیل ہوتا ہے)

الحمد للہ رب العالمین دائماً علی کل حال

پراگندہ خبروں سے پریشان اور دل تنگ نہ ہوں کہ جو کچھ بھی جمیل مطلق جل شانہٗ کی طرف سے آئے اچھا ہوتا ہے۔ اگرچہ وہ جلال کی صورت میں ظاہر کرے لیکن حقیقت میں وہ جمال ہوتا ہے۔ یہ بات تصنع اور تکلف پر محمول نہ سمجھیں بلکہ یہ بالکل حقیقت اور سراسر مغز ہے۔ یہ بات کہنے اور لکھنے سے درست نہ ہوگی۔ اگر دنیا میں ملاقات میسر ہوئی تو بہتر ورنہ آخرت کا معاملہ قریب ہے۔

ﻟﮧ استدلال کرنے والوں کے پاؤں لکڑی کے ہیں اور لکڑی کے پاؤں سخت کمزور ہوتے ہیں۔

اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (آدمی اس کے ساتھ ہو گا جس سے اس کی محبت ہو گی)

مہجوروں کے لئے تسلی بخش ہے۔

وہ گرامی نامہ جو آپ نے درویش محمد علی کشمیری کے ہاتھ بھیجا تھا، پہنچا۔ اور جو کچھ آپ نے لکھا تھا اس کی اطلاع ہوئی اس کے جواب میں وقت کے تقاضا کے مطابق جو کچھ ہو سکا لکھا۔ دوست اور فرزند سب تسلی سے رہیں اور اپنے مقام پر ثابت اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر راضی رہیں۔

مکتوب نمبر ۳۹

ملا ابراہیم کی طرف صادر فرمایا

ان کے اس سوال کے جواب میں کہ اس حدیث کا کیا مطلب ہے سَتَفْتَرِقُ اُمَّتِیْ الحدیث اور ارباب فرقہ ناجیہ کی تحقیق

جاننا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی مراد جو کہ حدیث میں اس امت کے بہتر فرقوں میں تقسیم ہو جانے کے متعلق ہے۔

كُلُّهُمْ فِي النَّارِ اِلَّا وَاحِدَةً (ایک کے علاوہ سب دوزخ میں جائیں گے)

ان فرقوں کا آگ میں داخل ہونا اور ان کا عذاب میں رہنا ہے نہ کہ آگ میں ہمیشہ کا رہنا اور ان کو ہمیشہ کا عذاب ہونا کیونکہ وہ ایمان کے منافی اور کافروں سے مخصوص ہے۔

خلاصہ کلام جب آگ میں ان کے داخل ہونے کا سبب ان کے برے عقائد ہیں تو لازماً ان فرقوں کا ہر ایک فرد آگ میں داخل ہو۔ اور اپنے عقیدہ کی گندگی کے مطابق اسے عذاب ہو گا۔ برخلاف اس ایک فرقہ کے کہ ان کے عقیدے آگ کے عذاب سے نجات بخشنے والے ہیں۔ اس قدر ضرور ہے کہ اگر ان میں سے بعض آدمی برے اعمال کے مرتکب ہوں گے اور وہ اعمال توبہ اور شفاعت سے معاف نہ ہوں تو ہو سکتا ہے کہ گناہ کے اندازے کے مطابق آگ کے عذاب میں مبتلا ہوں اور آگ میں داخل ہونا ان کے حق میں موجود ہو۔

پس دوسرے فرقوں میں آگ میں داخلہ ان کے تمام افراد کے لئے ثابت ہے۔ اگرچہ خلود نہ ہو اور اس فرقہ ناجیہ کے حق میں دخول نار بعض آدمیوں سے مخصوص ہے۔ جنہوں نے برے اعمال کئے ہیں۔ اور کلمہ

كُلُّهُمْ میں اس بیان کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ پوشیدہ نہیں ہے۔

اور چونکہ یہ بدعتی فرقے اہل قبلہ ہیں ان کو کافر کہنے کی جراءت نہیں کرنی چاہیئے جب تک کہ وہ ضروریات دینیہ کا انکار نہ کر دیں اور احکام شرعیہ میں سے متواترات کا رد نہ کریں اور جو چیز یقینی طور پر دین میں آئی ہے اس کو قبول نہ کریں۔ علماء نے فرمایا ہے اگر کسی میں ننانوے وجہ کفر ظاہر ہوں اور ایک وجہ اسلام کی پائی جائے تو اس ایک وجہ کی تصحیح کرنی چاہیئے اور کفر کا حکم نہ کرنا چاہیئے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ بہتر جانے اور اسی کی بات مضبوط ہے۔

اور یہ بھی جاننا چاہیئے کہ نصف یوم سے مراد کہ اس امت کے فقیر اغنیاء سے پہلے اتنی مدت جنت میں جائیں گے وہ دنیا کے پانچ سو سال ہیں اس لئے کہ اللہ جل وعلا کے نزدیک ایک دن ہزار سال کا ہے۔ اور یہ آیت کریمہ

وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ۔ (اور تیرے رب کے نزدیک ایک دن تمہاری گنتی کے مطابق ہزار سال کا ہے۔)

اس معنی پر دلیل ہے اور اس مدت کا اندازہ علم الٰہی جل شانہ کے سپرد ہے۔ بغیر اس کے کہ متعارف سال و ماہ اور شب و روز متحقق ہوں۔

اور فقیر سے مراد صبر کرنے والا فقیر ہے جو کہ شرعی احکام کی بجا آوری کرے اور شرعی ممنوعات سے پرہیز کرے۔ اور فقر میں درجات اور مراتب ہیں۔ ان میں سے بعض بعض سے بلند ہیں اور ان مراتب میں سے اعلیٰ ترین مرتبہ مقام فنا میں ظاہر ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے سوا سب کو ناچیز سمجھے اور فراموش کر دے۔ اور جو آدمی فقر کے تمام مراتب کا جامع ہے وہ افضل ہے۔ اس آدمی کی نسبت سے جو بعض مراتب رکھتا ہو اور بعض نہ رکھتا ہو۔ پس فنا کے باوجود جو ظاہری فقر بھی رکھتا ہے وہ افضل ہے اس آدمی کی نسبت سے جو فنا کے ساتھ ظاہری فقر نہیں رکھتا فافہم

مکتوب نمبر ۳۹

مولانا محمد صادق کشمیری کی طرف صادر فرمایا

(اس بیان میں کہ صوفیاء کے علم الیقین اور فلاسفہ کے علم الیقین میں کیا فرق ہے)

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

صوفیاء کے نزدیک علم الیقین اس یقین سے عبارت ہے جو کہ اثر سے موثر پر استدلال سے

حاصل ہو اور چونکہ یہ معنی اہل نظر اور اہل استدلال کو بھی میسر ہے تو صوفیہ کے علم الیقین میں کیا فرق ہوتا ہے اور صوفیاء کا علم الیقین کشف اور شہود میں کیوں داخل ہوتا ہے اور علماء کا علم الیقین کس وجہ سے فکر و نظر کی تنگی سے باہر نہیں آتا؟

جاننا چاہیے کہ دونوں جماعتوں کے علم الیقین میں اثر کا شہود لازم ہے تاکہ اس جگہ سے مؤثر کا سراغ لگایا جا سکے جو کہ غیر مشہود ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ وہ تعلق جو اثر اور مؤثر کے درمیان حاصل ہے اور اثر کے وجود سے مؤثر کے وجود تک پہنچنے کا سبب ہے۔ صوفیاء کے علم الیقین میں وہ تعلق بھی مشہود و مکشوف ہے۔ اور اہل استدلال کے علم الیقین میں وہ واسطہ نظری ہے جو کہ فکر و دلیل کا محتاج ہے تو لامحالہ اثر کے وجود سے مؤثر کے وجود تک انتقال صوفیاء کے لئے حدسی بلکہ بدیہی ہوتا ہے اور علماء کے لئے یہ انتقال نظری اور فکری ہوتا ہے۔

پس پہلی جماعت کا الیقین کشف اور شہود میں داخل ہوتا ہے اور دوسری جماعت الیقین استدلال کی تنگی سے باہر نہیں آتا۔ اور صوفیا کے علم الیقین میں استدلال کا اطلاق ظاہر اور صورت پر مبنی ہے جو کہ اثر سے مؤثر تک انتقال کو متضمن ہے اور حقیقت میں کشف و شہود ہے۔ برخلاف علماء کے علم الیقین کے کہ وہ حقیقتاً استدلال ہے۔ اور چونکہ یہ باریک فرق اکثر لوگوں پر پوشیدہ رہا ہے تو ناچار وہ مرتبۂ حیرت میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور ان میں سے کچھ لوگوں نے اپنی نارسائی کی وجہ سے بعض بزرگوں پر اعتراض کی زبان دراز کر لی ہے۔ جنہوں نے صوفیاء کے علم الیقین میں اثر سے مؤثر پر استدلال سے تفسیر کی ہے۔ یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ ان کو حقیقت الامر کی اطلاع نہیں ہے۔ اور اللہ حق کو حق کرتا ہے اور وہی رستے کی راہنمائی کرتا ہے۔

والسلام علی من اتبع الہدیٰ۔

مکتوب نمبر ۴

خواجہ حسام الدین احمد کی طرف صادر فرمایا

(انہوں نے آنجناب سے اپنے متعلقین سمیت سفر حج کے متعلق مشورہ طلب کیا تھا ان کے جواب میں)

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

اس علاقہ کے فقراء کے احوال و اطوار تعریف کے لائق ہیں اور اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ سے آپ کی سلامتی اور عافیت کی دعا ہے۔ جو گرامی نامہ آپ نے از روئے شفقت اس فقیر کے نام لکھا تھا اس کے مطالعہ سے مشرف ہوا، آپ نے شوق کا اظہار فرمایا ہے کہ "حرمین شریفین میں سے کسی ایک میں اپنے متعلقین کے ساتھ سکونت اختیار کروں اور وہیں دفن ہو جاؤں"۔

میرے مخدوم مکرم! متعلقین کا جانا نظر میں نہیں آتا۔ بلکہ نزدیک ہے کہ ان کو روکنا معلوم ہو جائے اگر آپ تنہا جائیں تو نظر میں اچھا معلوم ہوتا ہے اور امید ہے کہ سلامتی سے پہنچ جائیں گے اور معاملہ اللہ سبحانہٗ کے سپرد ہے۔

دوسرا آپ نے سیادت مآب کے پارہ کے متعلق کچھ لکھا ہے کہ اطباء اس کے مضر ہونے کا حکم لگاتے ہیں۔ شفقت آثار! جتنا بھی غور سے دیکھا جاتا ہے اس پارہ سے کوئی ضرر نظر میں نہیں آتا۔ سوائے اس کے کہ ایک تاریکی سی اس جگہ محسوس ہوتی ہے کہ یہ ضرر تاریکی کے سوا ہے۔ اس کی وجہ کیا ہو سکتی ہے۔

مختصر یہ کہ اطباء کا ضرر مفقود ہے۔ اور اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ ہی بہتر جانیں۔ والسلام۔

مکتوب نمبر ۱۴۱

ایک نیک خاتون کی طرف صادر فرمایا

(عورتوں کے متعلق ضروری نصائح اور اس آیت کریمہ کے مطلب میں یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ الْاٰیَة)

اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا۔

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ یُبَایِعْنَكَ عَلٰۤى اَنْ لَّا یُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَیْــٴًـا وَّ لَا یَسْرِقْنَ وَ لَا یَزْنِیْنَ وَ لَا یَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَ لَا یَاْتِیْنَ بِبُهْتَانٍ یَّفْتَرِیْنَهٗ بَیْنَ اَیْدِیْهِنَّ وَ اَرْجُلِهِنَّ وَ لَا یَعْصِیْنَكَ فِیْ مَعْرُوْفٍ فَبَایِعْهُنَّ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ

اے نبی! جب آپ کے پاس مومن عورتیں بیعت کرنے کے لئے آئیں اس بات پر کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گی اور چوری نہیں کریں گی۔ اور زنا نہ کریں گی اور اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گی اور کسی پر من گھڑت بہتان نہ لگائیں گی اور کسی اچھے کام میں آپ کی نافرمانی نہ کریں گی تو ان سے بیعت کر لو۔ اور ان کیلئے اللہ سے بخشش مانگ یقیناً اللہ تعالیٰ بخشنے

إِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ[1] والا مہربان ہے۔

یہ آیت کریمہ فتح مکہ کے روز نازل ہوئی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مردوں کی بیعت سے فارغ ہوئے تو عورتوں کی بیعت شروع کی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عورتوں سے بیعت صرف قول سے ہوئی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ ہرگز کسی بیعت کرنے والی عورت کے ہاتھ سے نہیں چھوا۔ اور برے اور ردی اخلاق عورتوں میں مردوں کی نسبت زیادہ ہیں۔ اس بنا پر عورتوں کی بیعت کے وقت مردوں کی بیعت سے کچھ زائد احکام درمیان میں لائے گئے۔ اور خداوند تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں اس وقت ان برے اخلاق سے نہی فرمائی گئی ہے۔

پہلی شرط یہ ہے کہ کسی چیز کو اللہ تبارک و تعالیٰ کے ساتھ شریک نہ بنانا چاہیے کیا وجوب وجود میں اور کیا استحقاق عبادت میں کیونکہ جس کے اعمال ریا اور سمعہ کی آمیزش سے پاک نہیں ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے سوا طلب اجر کے خیال سے اگرچہ وہ بات اچھے ذکر ہی سے کیوں نہ ہو۔ پاک نہ ہو وہ آدمی شرک کے دائرہ سے باہر نہیں ہوتا اور موحد اور مخلص نہیں ہوتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

اَلشِّرْكُ فِيْ اُمَّتِيْ اَخْفٰى مِنْ دَبِيْبِ النَّمْلِ الَّتِيْ تَدِبُّ فِيْ لَيْلَةٍ مُظْلِمَةٍ عَلٰى صَخْرَةٍ سَوْدَاءَ	میری امت میں شرک چیونٹی کے اندھیری رات میں سیاہ پتھر پر چلنے کے نشان سے بھی زیادہ مخفی ہے۔

بیت۔

لاف بے شرکی مزن کان از نشانِ پائے مور[2]
در شب تاریک بر سنگ سیاہ پنہاں تر است

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

اِتَّقُوا الشِّرْكَ الْاَصْغَرَ قَالُوْا مَا الشِّرْكُ الْاَصْغَرُ قَالَ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اَلرِّيَاءُ[3]	چھوٹے شرک سے بچو۔ صحابہ نے پوچھا چھوٹا شرک کیا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ریا۔ (دکھلاوا)

---

[2] بے شرکی کی لاف نہ مار کہ وہ سیاہ پتھر پر اندھیری رات میں چیونٹی کے پاؤں سے بھی زیادہ پوشیدہ ہے۔ ۱۲

[1] پارہ ۲۸۔ سورۃ

[3] ابن مردویہ۔ ترغیب ترہیب منذری۔ ۱۲

اور شرک کی رسومات کی تعظیم اور کفر کے مراسم کے احترام کو مشرک میں ایک منحوس طبیعیت پایا گیا ہے اور دو دینوں کی تصدیق کرنے والا بھی مشرک ہے اور اسلام اور کفر کے مجموعی احکام کی آمیزش کرنے والا بھی مشرک ہے۔ کفر سے بیزاری اسلام کی شرط ہے اور شرک کی آمیزش سے بیزاری توحید کی شرط ہے۔

اور بیماریوں اور مرضوں میں شیطانوں اور بتوں سے مدد طلب کرنا جو جاہل مسلمانوں میں عام ہو چکا ہے عین شرک اور گمراہی ہے۔ اور گھڑے ہوئے یا بن گھڑے پتھروں سے حاجتیں طلب کرنا نفس کفر اور واجب الوجود تعالیٰ وتقدس کا انکار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بعض گمراہوں کے حال کی حکایت کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْا اِلَى الطَّاغُوْتِ	وہ چاہتے ہیں کہ اپنا فیصلہ شیطانوں کے پاس لے جائیں
وَقَدْ اُمِرُوْا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ	حالانکہ انہیں حکم دیا گیا تھا کہ اس کا انکار کریں اور شیطان
وَيُرِيْدُ الشَّيْطَانُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ	چاہتا ہے کہ ان کو دور کی گمراہی میں پھینک دے۔
ضَلٰلًا بَعِيْدًا	

اکثر عورتیں اپنی کمال جہالت کی وجہ سے اس ممنوع استمداد میں مبتلا ہیں اور ان بے مسمیٰ اسمائے سے اپنی مصیبتیں دور کرنے کی درخواست کرتی ہیں اور شرک اور مشرکوں کی رسومات کی ادائیگی میں گرفتار ہیں، خصوصاً یہ بات ان کی نیک و بد سے چیچک کی وبا پھیلنے کے وقت جس کو ہندی زبان میں سیتلا کہتے ہیں مشہور و محسوس ہے کم ہی کوئی عورت ایسی ہوگی جو اس باریک شرک سے خالی ہوگی اور استمداد کی رسومات میں سے کسی رسم کا اقدام نہ کرتی ہو۔ مگر جسے اللہ تعالیٰ بچائے۔

اور ہندوؤں کے معظم دنوں کی تعظیم کرنا اور ان دنوں میں ہندوؤں کی متعارف رسوم کا بجالانا بھی شرک کو مستلزم اور کفر کا مستوجب ہے۔ جیسا کہ کافروں کی دیوالی کے دنوں میں جاہل مسلمان خصوصاً ان کی عورتیں کافروں کی رسوم بجالاتے اور ایسے اپنی عید بناتے ہیں۔ اور کافروں کے ہدیوں کی طرح اپنی بیٹیوں اور بہنوں کے گھروں میں تحفے تحائف بھیجتے ہیں اور اپنے برتنوں پر کافروں کی طرح اس موسم میں رنگ کرتے ہیں اور ان کو سرخ رنگ کے چاولوں سے بھر کر بھیجتے ہیں اور ان دنوں کا خاص اعتبار اور اہتمام کرتے ہیں۔ یہ سب شرک ہے اور دین اسلام سے کفر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ	اور ان میں سے اکثر لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاکر بھی

لہ سورۂ نساء پارہ ۵۔

مُشْرِکُوْنَ۔ مشرک رہتے ہیں۔

اور حیوانات کو مشائخ کی نذر کرتے ہیں اور ان کی قبروں پر جاکر ان کو ذبح کرتے ہیں فقہی روایات میں اس عمل کو داخل شرک[1] کیا ہے اور اس معاملہ میں بڑا مبالغہ کیا ہے اور اس ذبح کو جنوں کے ذبحوں کی جنس سے قرار دیا ہے جو کہ شریعت میں ممنوع ہے اور شرک کے دائرہ میں داخل ہے۔ اس عمل سے بھی پرہیز کرنا چاہیئے کہ اس میں شرک کی آمیزش ہے۔

نذر کی بہت سی اقسام ہیں۔ کیا ضروری ہے کہ کسی جانور کے ذبح کرنے کی نذر مانیں اور اس کے ذبح کرنے کا ارتکاب کریں۔ اور جنوں کے ذبحوں سے ملحق کریں اور شیطانوں کے پجاریوں سے تشبیہ پیدا کریں۔ اور اسی قسم کا عورتوں کا وہ روزہ بھی ہے جو کہ عورتیں بیبیوں اور پیروں کی نیت سے رکھتی ہیں اور ان کے اکثر نام اپنی طرف سے تراش کر اپنے روزوں کو ان کے نام نیت کرتی ہیں اور ہر روز کے روزہ کے افطار کے وقت ایک خاص طعام مخصوص طریقہ سے مقرر کرتی ہیں اور روزوں کے لئے دنوں کی تعیین بھی کرتی ہیں۔ اور اپنے مطالب و مقاصد کو ان روزوں سے وابستہ کرتی ہیں اور ان روزوں کے وسیلہ سے ان پیروں سے اپنی حاجتیں چاہتی ہیں اور اپنی حاجتوں کے پورا ہونے کو ان کی طرف سے جانتی ہیں۔ یہ عبادت میں شرک ہے۔ اور غیر کی عبادتوں کے ذریعہ اپنی حاجت کو چاہنا ہے۔ اس کام کی برائی کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے۔ حالانکہ حدیث قدسی میں آیا ہے کہ اللہ تعالے فرماتے ہیں۔

اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ[2] (کہ روزہ میرے ہی لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا)

یعنی روزہ صرف میرے لئے ہی خاص ہے اور میرے علاوہ روزے کی عبادت میں اور کوئی شریک نہیں ہے۔ اگرچہ کسی عبادت میں بھی اللہ تعالے کے ساتھ شرک جائز نہیں ہے۔ لیکن روزے کی تخصیص اس عبادت کے اہتمام اور اس عبادت کے شرک کی نفی کی تاکید کے لئے ہے۔

---

[1] فقہی روایات میں تقرب کی نیت سے ایسا کرنے کو شرک کہا ہے۔ تقرب کے معنی عبادت کے ہیں جو شخص مشائخ کو معبود جان کر ایسا کرے۔ بلاشبہ مشرک ہے اور اگر محض ایصال ثواب کی نیت سے ایسا کرتا ہے تو بالکل جائز اور روا ہے کما فی التفسیرات الاحمدیہ و ما اہل بہ لغیر اللہ۔ تقرب کی قید لگا کر مطلقاً شرک کا فتویٰ صادر کرتے ہیں یہ ان کی زیادتی ہے۔

[2] بخاری و مسلم شریف

اور بہانہ ہے وہ جو بعض عورتیں اس فعل کی برائی کے اظہار کے وقت کہتی ہیں کہ ہم یہ روزے خدا تعالیٰ کے لئے رکھتی ہیں اور ان کا ثواب پیروں کو بخشتی ہیں۔ اگر وہ اس معاملہ میں سچی ہیں تو روزوں کے لئے دنوں کی تعیین کس لئے ہے اور کھانے کی تخصیص اور افطاری میں مختلف برائیوں کے اوضاع واطوار کس لئے ہیں۔

بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ روزہ افطار کرتے وقت حرام امور کا ارتکاب کرتی ہیں۔ اور حرام چیزوں سے روزہ افطار کرتی ہیں اور بے ضرورت سوال اور گدا کرتی ہیں۔ اور اس سے روزہ کھولتی ہیں اور اپنی حاجتوں کے پورا ہونے کو ان محرمات کے ارتکاب سے مخصوص سمجھتی ہیں۔ یہ خود عین گمراہی ہے اور شیطان مردود کی تزیین ہے اور اللہ تعالیٰ ہی بچانے والے ہیں۔

اور دوسری شرط جو عورتوں کی بیعت کے وقت درمیان میں لائے ہیں وہ چوری کرنے سے ممانعت ہے کہ وہ کبیرہ گناہوں سے ہے اور چونکہ یہ بدخصلت عورتوں کے اکثر افراد میں پائی جاتی ہے اور کم ہی کوئی ایسی عورت ہوگی کہ اس برائی کی باریکیوں سے خالی ہو تو اس برائی سے ممانعت ان کی بیعت کے لئے "شرط قرار پائی"۔ وہ عورتیں جو اپنے شوہروں کے مال میں اُن کی اجازت کے بغیر تصرف کرتی ہیں اور بے باکی سے تلف اور خرچ کرتی ہیں۔ وہ چوری میں داخل ہے اور چوری کے کبیرہ گناہ سے متصف ہیں۔ یہ بات عام عورتوں کے متعلق ہی کہی جا سکتی ہے۔ کہ ان میں یہ عادت ثابت ہے اور یہ خیانت عورتوں کے تمام افراد میں قریباً قریباً موجود ہے مگر جسے اللہ تعالیٰ بچائیں۔

کاش! اس بات کو گناہ سمجھیں اور بُرا تصور کریں۔ اس برائی کو حلال کرنے کا ڈر ان کے حق میں غالب ہے اور اس حلال سمجھنے کی راہ سے اس معاملہ میں کفر کا خوف زیادہ ہے۔ حکیم مطلق جل شانہ نے عورتوں کو شرک سے روکنے کے بعد چوری کرنے سے ممانعت فرمائی کہ یہ برائی ان کے حق میں بذریعہ اس کو عام حلال سمجھنے کے ان کا کفر میں راسخ قدم ہونا ہے اور باقی تمام کبیرہ گناہوں کی نسبت ان کے حق میں بدتر ہے۔

اور چونکہ عورتوں کو اپنے شوہر کا مال بار بار لینے سے خیانت کا ملکہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اور دوسرے لوگوں کے مال میں تصرف کرنے کی قباحت ان کی نگاہ سے زائل ہو جاتی ہے۔ یہ کوئی بعید نہیں ہے۔ کہ شوہروں کے علاوہ دوسروں کے املاک میں بھی ظلم سے تصرف کریں اور دوسروں کے اموال میں

بے باکی سے خیانت اور چوری کریں۔ قریب ہے کہ یہ معنی تھوڑے سے غور سے واضح اور لائح ہو جائے گا۔ پس ثابت ہوا کہ عورتوں کو چوری سے منع کرنا اسلام کے اہم کاموں میں سے ہے اور شرک کے بعد ان کی نسبت اس بلاء کی قباحت متعین ہو گئی۔

ذیلی بحث

ایک دن ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے پوچھا کہ جانتے ہو کہ چوروں میں سے بدترین چور کون ہے۔ انہوں نے عرض کیا نہیں ہم نہیں جانتے۔ آپ ہی فرمائیں۔ تو رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چوروں میں سے بدترین چور وہ آدمی ہے جو اپنی نماز سے چوری کرے اور ارکان نماز کو پوری طرح مکمل ادا نہ کرے۔ اس چوری سے بھی پرہیز ضروری ہے تاکہ بدترین چوروں میں سے نہ ہو۔

حضور دل سے نماز کی نیت کرنی چاہیئے کہ نیت کے حصول کے بغیر عمل صحیح نہیں ہوتا اور قرأت درست پڑھنی چاہیئے اور رکوع سجود اطمینان سے بجا لانا چاہیئے اور قومہ جلسہ کو بھی اطمینان سے ادا کرنا چاہیئے۔ یعنی رکوع کے بعد اچھی طرح کھڑا ہونا چاہیئے۔ اور ایک تسبیح کی مقدار کھڑا ہونے میں دیر کرنی چاہیئے اور دو سجدوں کے درمیان بھی اچھی طرح بیٹھنا چاہیئے اور ایک تسبیح کی مقدار بیٹھنے میں دیر کرنا چاہیئے تاکہ قومہ اور جلسہ میں اطمینان میسر ہو اور جو اس طرح نہ کرے وہ اپنے آپ کو چوروں کی صف میں داخل سمجھے اور وعید کا مستحق جانے۔

عورتوں کی بیعت میں تیسری شرط جو منصوص ہے وہ زنا سے نہی ہے۔ عورتوں کی بیعت کی تخصیص اس شرط سے اس لئے مشروط ہے کہ زنا کا حصول اکثر عورتوں کی رضامندی کے حصول سے وابستہ ہے کہ وہ اس عمل کے لئے اپنے آپ کو مردوں پر پیش کرتی ہیں۔ پس عورتیں اس عمل میں سابق ہوتی ہیں۔ اور اس عمل میں ان کی رضا معتبر ہوتی ہے۔ پس عورتوں کے حق میں اس عمل سے ممانعت زیادہ مؤکد ہو گی اور مرد اس عمل میں عورتوں کے تابع ہیں۔

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ
زناکار عورت اور زناکار مرد ہر ایک کو ان دونوں میں سے سو کوڑے لگائیں۔[1]

---

[1] سورہ نور پارہ ۱۸-۲۔

اور یہ برائی دنیا و آخرت میں نقصان دینے والی ہے اور تمام دینوں میں بری اور منکر ہے ۔
حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ آنحضرت نے فرمایا
"اے آدمیوں کے گروہ زنا سے پرہیز کرو کہ اس میں چھ چیزیں ہیں تین دنیا میں اور تین آخرت میں۔ وہ
جو تین چیزیں دنیا میں ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ زنا کرنے والے سے نورانیت اور صفائی اور رونق
زائل ہو جاتی ہے۔ دوسری یہ کہ زنا فقر اور محتاجی کا باعث ہے۔ تیسری یہ کہ آدمی کی عمر کو کم کرتا
ہے اور وہ تین چیزیں جو زانیوں کے لئے آخرت میں ہیں۔ ان میں سے ایک خداوند تعالیٰ کی ناراضگی
اور غصہ ہے۔ دوسرا حساب میں سختی اور تیسرا آگ کا عذاب"[1]۔
جان لیں کہ حدیث نبوی میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ "آنکھوں
کا زنا محرمات کی طرف دیکھنا ہے۔ اور ہاتھوں کا زنا محرمات کو پکڑنا ہے اور پاؤں کا زنا محرمات کی
طرف چلنا ہے"[2]۔
اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ	آپ ایمان دار مردوں سے کہیں کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حرام سے حفاظت کریں یہ ان کے لئے بہت پاکیزہ ہے[3]۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ	اور آپ ایمان دار عورتوں سے کہیں کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حرام سے حفاظت کریں[4]۔

جاننا چاہیئے کہ دل آنکھ کے تابع ہے۔ جب تک آنکھ کو محرمات سے بند نہ کیا جائے دل کی
حفاظت مشکل ہے اور جب آنکھ گرفتار ہو جائے تو پھر دل کا بچنا مشکل ہے اور جب دل گرفتار
ہو جائے تو شرمگاہ کو بچانا دشوار ہے۔ پس آنکھ کو محرمات سے بند رکھنا ضروری ہوا تاکہ شرمگاہ کی

---

[1] ابو نعیم نے حلیہ اور بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کی اور امام سیوطی نے اسے جامع کبیر میں بھی ذکر کیا۔

[2] مسلم شریف۔

[3] سورہ نور پارہ ۱۸۔

[4] سورہ نور پارہ ۱۸ - ۴ -

ظلمت حاصل نہ ہو اور دینی اور دنیاوی خسارے تک نہ پہنچائے اور قرآن مجید میں اس سے بھی روکا ہے کہ عورتیں بیگانہ مردوں سے بدکار عورتوں کی طرح نرم اور ملائم کلام کریں۔ ایسے طریقہ پر کہ بدکار مردوں کو برے وہم میں ڈال دیں اور برا طمع ان کے دل میں پیدا ہو اور عورتیں مردوں سے اچھی بات ایسے انداز سے کریں جو اس وہم و طمع سے خالی ہو۔

اور اس سے بھی روکا گیا ہے کہ عورتیں اپنے محاسن اور زینت کا اظہار مردوں کے سامنے کریں اور مردوں کو خواہش میں ڈالیں

اور اس سے بھی روکا ہے کہ اپنے پاؤں کو زمین پر ماریں۔ تاکہ ان کی پوشیدہ زینت معلوم ہو جائے۔ جیسا کہ سونے چاندی کی کڑیاں وغیرہ کہ وہ حرکت میں آئیں اور آواز پیدا کریں کہ وہ عورتوں کی طرف مردوں کی رغبت کا باعث ہے۔

مختصر یہ کہ ہر وہ چیز جو فسق تک لے جائے ممنوع اور بری ہے اس سے احتیاط کرنا چاہیئے۔ کہ محرمات کے ذرائع اور اسباب کا ارتکاب نہ کیا جائے تاکہ اصل محرمات سے سلامتی میسر آئے اور اللہ تعالیٰ ہی بچانے والے ہیں اور نہیں ہے میری توفیق مگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ۔ میں نے اسی پر توکل کیا اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

پوشیدہ نہ رہے کہ اجنبی عورت بھی شہوت سے دیکھنے اور چھونے کے حق میں اجنبی مرد کی طرح ہے۔ جائز نہیں ہے کہ کوئی عورت اپنے آپ کو شوہر کے علاوہ کسی اور کے لئے آراستہ کرے۔ اور اپنے آپ کو زینت دے اور مزین کرے۔ شوہر کے علاوہ مرد ہو یا عورت جیسا کہ مردوں کو بے ریش لڑکوں کی طرف شہوت سے دیکھنا اور ان کو چھونا منع ہے۔ اسی طرح حرام عورتوں کی طرف شہوت کی نظر سے دیکھنا اور چھونا حرام ہے۔

اس نکتہ کی اچھی طرح رعایت کرنا چاہیئے کہ یہ شاہراہ دنیا اور آخرت کے خسارہ کی طرف جاتی ہے مردوں کا عورت تک پہنچنا صنف کی دوری کی وجہ سے مشکل ہے اور درمیان میں رکاوٹیں ہیں۔ برخلاف عورت کے عورت تک پہنچنے کے کہ صنف کے اتحاد کی وجہ سے اس میں کمال آسانی ہے۔ اس جگہ بہت زیادہ احتیاط کرنی چاہیئے۔ اور عورتوں کے عورتوں کو دیکھنے اور چھونے میں مردوں کے عورتوں کی طرف دیکھنے یا عورتوں کے مردوں کی طرف دیکھنے سے زیادہ بلیغ انداز اور مبالغہ مبین کرنا چاہیئے۔

چوتھی شرط جو عورتوں کی بیعت میں فرمائی ہے وہ اولاد کے قتل سے ممانعت ہے کہ عرب کی عورتیں

اپنی لڑکیوں کو غریبی کے ڈر سے مار ڈالتی تھیں۔ یہ بدعمل جس طرح بغیر حق کے جان کو مار ڈالنے کا متضمن ہے اسی طرح اس میں قطع رحمی بھی ہے اور پھر یہ کبیرہ گناہوں میں سے بھی ہے۔

اور پانچویں شرط جو عورتوں کی بیعت میں فرمائی ہے وہ بہتان اور افتراء سے ممانعت ہے۔ اور چونکہ یہ صفت اکثر عورتوں میں پائی جاتی ہے۔ اس لئے خصوصاً اس چیز سے انہیں روکا ہے۔ یہ صفت بُری صفات میں سے بدترین صفت ہے اور رذائل اخلاق میں سے بہت رذیل خصلت ہے جو جھوٹ کی متضمن ہے۔ جو کہ تمام دینوں میں گناہ اور حرام رہا ہے۔ اور اس میں اس مومن کی ایذا بھی ہے جس کی نسبت بہتان و افترا کیا ہے۔ اور مومن کو ایذا دینا حرام ہے اور فساد فی الارض کو مستلزم ہے جو کہ قرآن کی نص سے ممنوع و محظور و حرام و مستنکر ہے۔

اور چھٹی شرط پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی اور نافرمانبرداری کے گناہ سے بچنا۔ وہ جو کچھ بھی فرمائیں یہ شرط تمام اوامر کی تعمیل اور تمام شرعی نواہی سے باز آجانے کو شامل ہے۔ کیا نماز اور کیا زکوٰۃ اور کیا روزہ اور کیا حج کہ اسلام کی بنیاد اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور جو کچھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں اس کو ماننے کے بعد انہی چار رکنوں پر ہے۔ پنجگانہ نماز بغیر سستی اور بغیر فتور کے پوری کوشش اور محنت سے ادا کرنا چاہیئے اور مال کی زکوٰۃ رغبت اور منت سے مصارف زکوٰۃ میں ادا کرنا چاہیئے اور رمضان شریف کے روزے جو کہ سال بھر کے گناہوں کا کفارہ ہے ان کی نگہداشت کرنا چاہیئے اور بیت اللہ شریف کا حج جس کی شان میں مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

اَلْحَجُّ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهٗ (حج اپنے سے پہلے تمام گناہوں کو کاٹ دیتا ہے)

بھی ادا کرنا چاہیئے تاکہ اسلام کو قائم رکھا جائے۔

اور اسی طرح پرہیزگاری اور تقویٰ سے بھی چارہ نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

مِلَاكُ دِيْنِكُمُ الْوَرَعُ (تمہارے دین کا تمام کارخانہ پرہیزگاری پر قائم ہے)

اور وہ نام ہے شرعی منہیات کے چھوڑ دینے کا۔ اور نشہ اور مستی لانے والی چیزوں سے شراب ہی کی طرح پرہیز کرنا چاہیئے۔ اور انہیں حرام اور بُرا سمجھنا چاہیئے اور راگ رنگ سے بھی پرہیز ضروری ہے جو کہ لہو و لعب میں داخل ہے کہ حرام ہے اور آیا ہے کہ

اَلْغِنَاءُ رُقْيَةُ الزِّنَا (کہ راگ رنگ زنا کا تعویذ ہے)

اور غیبت کرنے اور سخن چینی کرنے سے بھی پرہیز ضروری ہے جو کہ شرعی ممنوع ہے۔

اور ٹھٹھا اور مذاق کرنا اور مومن کو ناحق تکلیف دینا جس صورت میں بھی ہو منع ہے اور اس سے پرہیز بھی ضروری ہے۔

اور بُرے شگون پر اعتبار نہ کریں کہ اس کا کوئی اثر نہیں ہے اور کسی بیماری کو متعدی نہ سمجھیں کہ وہ ایک کو دوسرے سے لگ جاتی ہے اور کسی مریض سے تندرست آدمی کو جالگتی ہے کہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں چیزوں سے منع فرمایا ہے۔

لَا طِیَرَۃَ وَلَا عَدْوٰی۔[۱] (نہ کوئی بد شگونی ہے اور نہ کوئی متعدی مرض)

یعنی شگونِ بد کا کوئی اصل نہیں ہے اور بیماری کا ایک سے دوسرے کو لگنا بھی مطلقاً ثابت نہیں ہے اور کاہن اور نجومی کی بات پر بالکل اعتبار نہ کریں اور غیبی خبریں ان سے نہ پوچھیں اور ان کو غیبی امور کا جاننے والا نہ سمجھیں کہ شریعت میں ان سے روکنے کے متعلق بڑا مبالغہ[۲] آیا ہے۔ اور جادو نہ کریں اور جادوگر کے پاس نہ جائیں کہ قطعی حرام ہے اور اس کا قدم کفر میں بڑا مضبوط ہے اور کوئی کبیرہ گناہ بھی جادو اور جادوگری سے زیادہ کفر کے نزدیک نہیں ہے۔ احتیاط کرنا چاہیئے کہ اس فعل کے دقائق میں سے کوئی دقیقہ بھی نہ کیا جائے کہ آیا ہے کہ مسلمان جب تک مسلمان ہے جادو اس سے وجود میں نہیں آسکتا۔ اور جب اس سے ایمان جدا ہو جائے (اللہ اس سے بچائے) تو اس وقت اس سے جادو سرزد ہو گا پس گویا کہ جادو اور ایمان ایک دوسرے کے نقیض ہیں۔ اگر جادو ہے تو ایمان نہیں ہے اس نقطہ کی اچھی طرح رعایت کرنی چاہیئے تاکہ ایمان کے کارخانہ میں خلل نہ پڑے اور اس عمل کی نحوست سے ایمان ہاتھ سے نہ جاتا رہے۔

مختصر یہ کہ جو کچھ بھی مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اور علماء نے کتب شرعیہ میں اس کو بیان فرمایا ہے دل وجان سے اس کی تعمیل میں کوشش کرنا چاہیئے اور اس کے خلاف کرنے کو زہر قاتل سمجھنا چاہیئے۔ جو کہ ہمیشہ کی موت تک پہنچا دیتا ہے اور طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا کر دیتا ہے۔

اور جب بیعت کرنے والی عورتوں نے ان تمام شرائط کو قبول کر لیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف قول سے ان سے بیعت فرمائی[۳] اور خداوند تعالیٰ کے حکم سے ان کے لئے بخشش مانگی وہ بخشش جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کے حکم سے کسی کے حق میں وقوع پذیر ہو پوری امید ہے کہ

---

۱ بخاری شریف۔

۲ ابو داؤد شریف، مشکوٰۃ

۳ معالم التنزیل۔

قبول ہو جائے گی اور وہ جماعت بخشی جائے گی۔

ہندہ ابوسفیان کی بیوی بھی اس بیعت میں داخل تھی بلکہ وہ ان عورتوں کی سردار تھی۔ عورتیں اسی کی زبان سے بات کر رہی تھیں۔ اور بیعت سے اور اس استغفار سے اس کے حق میں بہت بڑی امید ہے۔ پس عورتوں میں سے جو بھی ان شرائط کا اقرار کرے اور اس کے مطابق عمل کرے وہ حکماً اس بیعت میں داخل ہے اور اس استغفار کی برکات کی امیدوار ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ۔ یعنی خداوند تعالیٰ تم کو سزا دے کر کیا کرے گا اگر تم اس کا شکر بجالاؤ اور ایمان کو درست کرو۔

شکر بجالانا احکام شرعیہ کو قبول کرنے اور اس کے مطابق عمل کرنے سے عبارت ہے۔ نجات کا طریقہ اور خلاصی کی راہ یہی اعتقاد اور عمل میں صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہے۔ استاد اور پیر اسی غرض سے پکڑتے ہیں کہ شریعت کی راہنمائی کریں اور ان کی برکت سے اعتقاد اور شریعت کے مطابق عمل کرنے میں آسانی اور سہولت پیدا ہو نہ یہ کہ مرید جو کچھ چاہیں وہ کرتے پھریں اور جو کچھ چاہیں کھاتے رہیں اور پیر ان کی ڈھال بن جائیں اور ان کو عذاب سے بچائے رکھیں کہ یہ طلب محض ایک آرزو ہے۔ اس جگہ بے اجازت کوئی بھی سفارش نہیں کرے گا۔ جب تک کہ وہ پسندیدہ نہ ہو گا۔ کوئی بھی اس کی سفارش نہیں کرے گا۔ اور مرتضیٰ (پسندیدہ) اس وقت ہو گا جب کہ شریعت کے مطابق عمل کرے گا اور اگر بہ تقاضائے بشریت اس سے کوئی غلطی ہو جائے گی تو شفاعت سے اس کا تدارک ممکن ہو گا۔

سوال:۔

گنہگار کو کس اعتبار سے پسندیدہ کہا جا سکتا ہے۔؟

جواب:۔

جب اللہ تعالیٰ اس کی بخشش چاہیں گے تو اس کی بخشش کے لئے درمیان میں کوئی وسیلہ لائیں گے وہ شخص اصل میں پسندیدہ ہے اگرچہ بظاہر گنہگار ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والے ہیں۔ اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما اور ہمارے کام میں بھلائی پیدا کر والسلام"

ﻟﮯ پارہ ۵۔ سورہ نساء۔

مکتوب نمبر ۴۲

خواجہ محمد ہاشم کشمی کی طرف صادر فرمایا

(اس کو بشارت دینے کے متعلق)

حمد و صلوٰۃ اور دعا گوئی کے بعد عرض ہے کہ گرامی نامہ جو آپ نے ملا فتح اللہ کے ہمراہ بھیجا تھا۔ پہنچا۔ چونکہ اس میں محبت و اخلاص اور حرارت و اشتیاق تھا اس سے خوشی ہوئی۔ آپ کے خط کا مطالعہ کرتے وقت اس علاقہ میں آپ کی نورانیت بہت نظر آئی اور اس سے امید بندھی سو اس پر اللہ تعالیٰ ہی کی تعریف ہے اور اسی کا احسان ہے۔ زیادہ کیا لکھوں۔

محبت اطوار! معلوم نہیں ہو سکا کہ سیادت مآب میر محمد نعمان کے خط و کتابت چھوڑ دینے کا سبب کیا ہے۔ اگر اس طرف سے کدورت کا وہم ہو تو وہ وقوع میں نہیں آئے گی اور اس جانب سے کمال صفائی سمجھیں۔ فقیر میر کی حفاظت میں بہت ہی کوشش ملحوظ رکھتا ہے۔ تاکہ ایسا نہ ہو کہ طلبہ کے کام میں کوئی سستی پیدا ہو اور سالکین کی راہ میں رکاوٹ پیدا ہو۔ بالکل پرندے کی طرح جو اپنے بچوں کی حفاظت کرتا ہے۔ اور قریباً دو ماہ ہو رہے ہیں کہ فقیر بہت کمزور ہے۔ آپ کے بعض سوالات جو پہلے خط میں لکھے گئے تھے ان کا جواب اگر صحت ہو گئی تو انشاء اللہ لکھوں گا۔ ورنہ دوستوں سے فاتحہ اور دعا کی التماس رکھتا ہوں۔

ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔ تم پر اور تمام اللہ والوں پر سلام ہو۔ فرزندانِ گرامی برخوردار ہوں۔

مکتوب نمبر ۴۳

مخدوم زادگان کبار خواجہ محمد سعید و خواجہ محمد معصوم سلمہما اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا۔

(ان مکالمات کے بیان میں جو کہ بادشاہ وقت مذکور کی مجلس میں ہوئے تھے۔)

الحمد للہ و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

اس علاقہ کے طور طریقے قابل تعریف ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی مدد سے عجیب و غریب صحبتیں گزر رہی ہیں۔ امور دینیہ اور اصول اسلامیہ کے متعلق گفتگو میں سستی اور خوشامد راہ نہیں پاتی اور وہی الفاظ جو کہ خلوتوں میں اور اپنی خاص مجلسوں میں بیان کرتا تھا اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی مدد سے ان سلطانی مجلسوں میں بھی بیان کرتا ہوں۔ اگر یہ ایک مجلس کی گفتگو لکھوں تو دفتر چاہیے۔ خصوصاً آج کی رات جو کہ رمضان مبارک کی سترھویں رات تھی۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت اور عقل کے عدم استقلال اور آخرت پر ایمان اور اس میں عذاب و ثواب اور اثبات رویت باری تعالیٰ اور خاتم الرسل کی خاتمیت نبوت اور ہر صدی پر مجدد کے آنے اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اقتدا اور سنت تراویح اور تناسخ کے بطلان اور جن اور جنیوں کے احوال اور ان کے عذاب و ثواب اور ان جیسی باتوں کے متعلق بہت سی گفتگو ہوئی اور بادشاہ نے ان کو اچھی طرح سنا۔

اور اسی طرح ان باتوں کے ضمن میں دوسری چیزیں بھی بیان ہوتی رہیں۔ مثلاً اقطاب و ابدال و اوتاد کے حالات اور ان کی خصوصیات کا بیان۔ اللہ تعالیٰ کی تعریف ہے۔ کہ بادشاہ اپنی جگہ پر قائم رہتے ہیں اور مزاج میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ اور ان واقعات اور ان ملاقاتوں میں شاید اللہ تعالیٰ کی مصلحتیں اور راز پوشیدہ ہوں۔ تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کو ہیں جس نے ہمیں اس کی راہنمائی کی اور اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پا سکتے۔ ہمارے رب کے رسول حق لے کر آئے۔

ختم قرآن کو سورہ عنکبوت تک پہنچا لیا ہے۔ آج رات جو ہم اس مجلس سے واپس آئے ہیں۔ تو تراویح میں مشغول ہوئے اور یہ قرآن مجید کے یاد کرنے کی دولتِ عظمیٰ ان فرصات میں جو کہ عین جمعیت تھے حاصل ہوئی ہے۔

الحمد للہ اولاً و آخراً

مکتوب نمبر ۴۴

میر عبد الرحمٰن ولد میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا

دفع (نفی) رؤیت کے منکروں کے شبہات رفع کرنے کے بیان میں:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

وہ اعتراض جو رؤیت کے مسئلہ پر رکھتے ہیں بلکہ وہ دلیل جو نفی رویت پر لاتے ہیں یہ ہے۔ کہ آنکھ سے دیکھنا دیکھنے والے اور دیکھے گئے کا آپس میں مقابل و برابر ہونے کا تقاضا کرتا ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کے لئے ناممکن ہے کیونکہ وہ جہت کو مستلزم ہے جو کہ احاطہ اور تحدید اور نہایت تک لے جاتی ہے جو نقص کو مستلزم ہے۔

تَعَالَى اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِيْرًا

جواب:۔ یہ ہے کہ

یہ کمال پر قادر جل سلطانہ نے جب کہ اس کمزور اور فانی دنیوی زندگی میں آنکھ کو جو کہ دو بے حس و حرکت جوف دار چھوں کے ٹکڑوں سے عبارت ہے یہ طاقت دے رکھی ہے کہ وہ مقابل اور برابر ہونے کی صورت میں چیزوں کا احساس کرتی ہے اور ان کو دیکھتی ہے۔ وہ کیوں ایسا نہیں کر سکتا کہ عالم آخرت میں جو قوی اور باقی ہے۔ انہی دونوں چھوں کو ایسی قوت عطا فرمائے کہ بے شرط مقابلہ و برابری مرئی کو دیکھ سکیں وہ مرئی (دیکھا گیا) خواہ تمام جہات میں ہو یا بے جہت ہو اس جگہ استبعاد کیا ہے اور محال کونسی چیز ہے کیونکہ فاعل جل سلطانہ اقتدار کے اعلیٰ مرتبہ میں ہے۔ اور قبول کرنے والا دیکھنے اور احساس کرنے کے لئے مستعد ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ بعض جگہوں اور بعض زمانوں میں

حِکَم و مَصَالح

کی بنا پر محاذات (برابری) کی شرط اور آنکھوں کے دیکھنے میں جہت کے تعین کو ملحوظ رکھا ہے۔ اور بعض دوسرے امکنہ و ازمنہ میں اس شرط کا اعتبار نہیں فرمایا ہے اور اس شرط کے حصول کے بغیر آنکھوں کا دیکھنا مقرر کیا ہے۔ ایک مقام کو دوسرے مقام پر باوجود کمال درجہ کے اختلاف مواطن اور ان کے آثار کے قیاس کرنا انصاف سے دور ہے اور عالم ملک و شہادت کی ظاہری چیزوں پر نظر کو بند رکھنا ہے۔ اور عالم ملکوت سے عجائبات کا انکار ہے۔

سوال:۔

اگر حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ مرئی (دیکھا گیا) ہو تو چاہیے کہ وہ محاط (احاطہ کیا گیا) اور مدرک بصر (آنکھ سے ادراک کیا گیا) بھی ہو اور وہ حد اور نہایت کو مستلزم ہے

تَعَالَى اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِيْرًا (اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند ہے)

جواب:۔

میں کہتا ہوں کہ جائز ہے کہ وہ مرئی ہو اور محاط اور مدرک بصر نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ	آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں اور وہ آنکھوں
يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ	کا ادراک کرتا ہے اور وہ باریک بین ہے خبردار۔
اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ	

مومن آخرت میں اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے اور وجدانی یقین سے معلوم کریں گے کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہیں اور وہ لذت جو دیکھنے پر مترتب ہوتی ہے وہ بھی کمال درجہ کی اپنے اندر پائیں گے لیکن مرئی کچھ بھی ان کا

مُدْرَك (ادراک کیا گیا)

نہ ہوگا۔ اور مرئی سے انہیں کچھ بھی حاصل نہ ہوگا اور رویت کے وجدان کے سوا اور دیکھنے کی لذت کے بغیر کوئی چیز بھی مرئی سے ان کو حاصل نہ ہوگی۔

بیت:۔ [1] عنقا شکار کس نہ شود دام باز چیں
کاینجا ہمیشہ باد بدست است دام را

وہ نقصان جس کا رویت میں وہم ہے وہ مرئی کا ادراک واحاطہ ہے جو کہ اس مقام میں مفقود ہے اور صرف بے جہت رویت اور اس لذت سے جو دیکھنے والے کو دیکھنے سے حاصل ہوتی ہے کے ثبوت میں تو کوئی نقص اور قصور نہیں ہے بلکہ مرئی کا کمال انعام واحسان ہے کہ وہ اپنے جمال پر کمال کو محبت کی آگ میں جلنے والوں پر جلوہ کرے اور رویت کے وصال کے ٹھنڈے اور میٹھے پانی سے ان کو لذت یاب اور سیراب کرے تو اس سے کوئی نقص اور قصور اللہ تعالیٰ کی جانب قدس میں عائد نہیں ہوتا اور کوئی جہت اور احاطہ اس جگہ پیدا نہیں ہوتا۔

[2] ازاں طرف نہ پذیرد کمال او نقصان
وزیں طرف شرف روزگار من باشد

یا پھر میں کہتا ہوں کہ اگر حصول رویت میں محاذات ومقابلہ شرط ہے تو چاہیے کہ جس طرح

---

[1] عنقا کسی کا شکار نہیں ہوتا اپنا جال اٹھا لے کہ اس جگہ ہمیشہ جال خالی ہی رہتا ہے۔ ۱۲

[2] اس طرف تو اس کا کمال کوئی نقصان قبول نہیں کرتا اور اس طرف میرے روزگار کو شرف مل جائے گا۔ ۱۲

مرئی کی جانب شرط ہے۔ رائی (دیکھنے والے) کی جانب بھی شرط ہو کیونکہ مقابلہ ایک ایسی نسبت ہے جو

مُتَقَابِلَیْنِ

سے قائم ہے جو کہ رائی (دیکھنے والا) اور مرئی (دیکھا گیا) ہے۔ پس لازم آیا کہ خداوند تعالیٰ بھی اشیاء کو نہیں دیکھتا اور چیزوں کو دیکھنے کی صفت اس کے لئے ثابت نہیں اور یہ قرآنی نصوص کے برخلاف ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ (اللہ تمہارے عملوں کو دیکھنے والے ہیں)

وَھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ (اور وہ سننے والا ہے دیکھنے والا)

وَسَیَرَی اللّٰہُ عَمَلَکُمْ۔ (اور عنقریب اللہ تعالیٰ تمہارے عمل کو دیکھے گا۔)

اور پھر یہ نقص بھی ہے اور اللہ تعالیٰ سے صفتِ کاملہ کی نفی بھی ہے

سوال:۔

اگر یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ میں رویت اس کے اشیاء کے علم سے عبارت ہے اور علم کے سوا کوئی دوسری چیز جو جہت کو مستلزم ہو نہیں ہے۔

جواب:۔

تو میں کہتا ہوں کہ شک نہیں ہے کہ رویت صفاتِ کاملہ سے ہے اور مستقل طور پر خدا تعالیٰ کے لئے نصوص قرآنی سے ثابت ہے اس کو علم کی طرف راجع کرنا خلاف ظاہر ہے اور اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ رویت اقسام علم سے ہے اور اس میں شرط محاذات کا عدم لازم نہیں آتا تو گویا کہ اللہ تعالیٰ کا علم دو قسم کا ہے۔ ایک قسم وہ ہے کہ جس میں معلوم کا برابر ہونا شرط نہیں ہے۔ اور دوسری قسم وہ ہے جس میں محاذات کی شرط ہے۔ جس کا دوسرا نام رویت ہے اور وہ ممکنات میں علم کی سب سے اعلیٰ قسم ہے کیونکہ وہ اطمینانِ قلب کے مرتبہ میں ہے کیونکہ معقولات میں تو وہم کے مقابلہ سے امن حاصل نہیں ہے اور محسوس وہ چیز ہے جو معارضہ سے آزاد ہے اور اس رخنہ سے الگ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت خلیل الرحمان علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے باوجود مُردوں کے زندہ ہونے کے یقین اور ایمان کے مُردوں کے زندہ ہونے کی رویت کا سوال کیا تاکہ اس

سے اطمینان قلب حاصل ہو۔

جاننا چاہیئے کہ رؤیت صفاتِ کاملہ سے ہے اور جب وہ اللہ تعالیٰ میں موجود نہ ہوگی تو ممکن میں کہاں سے آجائے گی۔ کیونکہ ہر وہ کمال جو ممکن میں ظہور پذیر ہوا ہے وہ اس کمال کا عکس ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی ذات پاک میں موجود اور ثابت ہے۔ اللہ ایسا نہ کرے کہ کوئی کمال ممکن میں ہو۔ اور اللہ تعالیٰ میں نہ ہو۔ کیونکہ ممکن اپنی ذات میں شر اور نقص ہے اگر کوئی کمال ہے تو اس میں عاریتاً (مانگا ہوا) ہے جو اللہ تعالیٰ سے حاصل ہوا ہے جو کہ سب خیر و کمال ہے۔

بیت:
نیاوردم از خانہ چیزے نخست[ل]
تو دادی ہمہ چیز و من چیز تست

اور اصل سوال کا دوسرا جواب میں یہ دیتا ہوں کہ یہ اعتراض تو اللہ تعالیٰ کے وجود میں بھی جاری ہے جس طرح رؤیت کی نفی معلوم ہوتی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے وجود کی نفی بھی معلوم ہوتی ہے پس اعتراض یہ ہوگا کیونکہ وہ تمام جہات سے منزہ و معلوم

ہے۔ اس کا بیان یہ ہے اگر اللہ تعالیٰ موجود ہے تو اس عالم کی جہات میں سے کسی جہت میں ہوگا۔ خواہ وہ اوپر ہو یا نیچے خواہ آگے ہو یا پیچھے اور خواہ وہ دائیں ہو یا بائیں بہر حال وہ احاطہ اور تحدید کو لازم ہے جو مستوجب نقص ہے اور نقص الوہیت کے منافی ہے اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے۔

سوال:

ہو سکتا ہے کہ وہ عالم کی تمام جہات میں ہو اور احاطہ اور تحدید لازم نہ آئے۔

جواب:

میں کہتا ہوں کہ عالم کی تمام جہات میں ہونے سے بھی احاطہ اور تحدید کی نفی نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس صورت میں بھی وہ عالم سے علیحدہ ہوگا اور علیحدہ ہونا غیریت کو لازم ہے اور "دو چیزیں آپس میں متغایر ہوتی ہیں"۔ ارباب معقول کا مقررہ قضیہ ہے اور وہ تحدید کو مستلزم ہے۔

مخفی نہ رہے کہ اس قسم کے طبع شدہ غیر حق شبہات سے خلاصی کی صورت یہ ہے کہ احکام شہادت اور احکام غیب کے درمیان فرق کو ملحوظ رکھا جائے اور غائب کو حاضر پر قیاس نہ کیا جائے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ بعض احکام حاضر میں تو صادق ہوں اور غائب میں جھوٹے اور وہ حاضر میں کمال ہوں اور غائب میں نقص کیونکہ مقامات کا اختلاف احکام کے اختلاف کو مستلزم ہے۔ خاص طور پر اس صورت میں کہ مقامات میں بڑا دور کا فرق ہو۔ کہاں مٹی اور کہاں ربّ الارباب؟

ل میں اپنے گھر سے کچھ نہیں لایا آپ نے تمام چیزیں دیں اور میں خود بھی تیری چیز ہوں۔

اللہ تعالیٰ انصاف کی توفیق دے کہ ایسے مشتبہ تخیلات اور توہمات سے نصوص قرآنی کا انکار نہ کریں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح احادیث کو نہ جھٹلائیں۔ اس قسم کے احکام منزلہ پر ایمان لانا چاہیے اور ان کی کیفیت کو اللہ تعالیٰ کے علم کے سپرد کرنا چاہیے اور ان کی کیفیت کے ادراک کے قصور کو اپنی طرف راجع کرنا چاہیے نہ کہ اپنے ادراک کو راہنما بنا کر ان احکام کی نفی کرنا چاہیے۔ کیونکہ وہ سلامتی اور ثواب سے دور ہے۔ ہو سکتا ہے کہ بہت سی ایسی چیزیں جو حقیقت میں ثابت ہوں اور ہماری ناقص عقول کے ادراک سے بعید ہوں۔

عقل اگر کافی ہوتی تو بو علی سینا جیسا آدمی جو ارباب معقول کا پیشوا ہے تمام احکام عقلیہ میں حق پر ہوتا اور غلطی نہ کرتا۔ حالانکہ اس نے ایک ہی مسئلہ میں کہ

اَلْوَاحِدُ لَا یَصْدُرُ عَنْهُ اِلَّا (ایک سے صرف ایک ہی چیز صادر ہو سکتی ہے)
اَلْوَاحِدُ۔

اس قدر غلطی کھائی ہے کہ وہ منصف آدمی کے دل پر ادنیٰ تامل سے واضح ہو جاتی ہے۔ اس مقام میں امام فخر الدین رازی نے اس پر طعنہ کیا ہے اور یہ عبارت لائے ہیں۔

"اور تعجب ہے اس آدمی سے جو اپنی عمر فکر میں خطا سے بچانے والے آلہ کی تعلیم اور تعلم میں ضائع کر دے۔

پھر جب اشرف و اعلیٰ مطالب کی طرف آئے تو اس سے ایسی چیزیں ظاہر ہوں جس سے بچے بھی ہنسیں۔

علماء اہل سنت شکر اللہ سعیہم تمام شرعی احکام کا اثبات کرتے ہیں خواہ وہ احکام سمجھ میں آئیں یا نہ ان کی کیفیت معلوم نہ ہونے کی صورت میں ان احکام کا انکار نہیں کرتے۔ مثلاً عذاب قبر اور منکر نکیر کا سوال اور پلصراط اور اعمال کی میزان اور ان جیسی چیزیں کہ جن کے ادراک سے ہماری ناقص عقلیں قاصر ہیں۔ ان بزرگواروں نے اپنا پیشوا کتاب و سنت کو بنایا ہے۔ اور عقول کو ان کا تابع بنایا ہے۔ اگر وہ سمجھ میں آجائیں تو بہتر ورنہ احکام شرعیہ کو قبول کرتے ہیں اور اپنے عدم ادراک کو اپنے قصور فہم پر محمول کرتے ہیں۔ دوسروں کی طرح نہیں کہ جو کچھ ان کی سمجھ میں آتا ہے اور اس کو سمجھ سکتے ہیں قبول کرتے ہیں اور جو کچھ ان کی سمجھ میں نہیں آتا قبول نہیں کرتے۔ شاید یہ لوگ نہیں جانتے کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی بعثت ہی عقول کے قصور کی وجہ سے ہے کہ وہ اپنے مولائے بیچون و بے چگون کے بعض پسندیدہ مطالب کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔

عقل اگرچہ حجت ہے لیکن حجت کاملہ نہیں ہے۔ حجت کاملہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی بعثت سے ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۔ اور نہیں ہم سزا دینے والے یہاں تک کہ بھیج لیں ہم رسول۔

ہم اصل بات پر آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حاضر کی رؤیت میں اگرچہ مقابلہ و محاذات شرط ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ غائب میں یہ شرط نہ ہو جیسا کہ غائب موجود ہے۔ اور اس میں موجودات کی جہات میں سے کوئی جہت بھی نہیں ہے۔ مرئی۔ رائی کی رویت کے بغیر جہات سے پاک ہے اور رؤیت کے بعد کوئی رؤیت جہت بھی اس کے لئے ثابت نہیں ہے۔ اس جگہ صرف مقابلہ و محاذات ہے۔ اب بتاؤ اس جگہ کونسا استبعاد اور استحالہ ہے۔ بے چون کی رویت بھی بے چون ہے اس لئے کہ چون کو بے چون کی طرف کوئی راہ نہیں ہے۔ بادشاہ کے تحائف کو اسی کی سواریاں اٹھا سکتی ہیں، اس بے چون کی رویت کو چون کی رویت پر جو کہ چون کی مرئیات سے متعلق ہے۔ قیاس کرنا نامناسب ہے۔ اور انصاف سے دور ہے اور اللہ تعالیٰ ہی درست بات کی توفیق دینے والے ہیں۔

مکتوب نمبر ۴۵

مولانا سلطان سرہندی کی طرف صادر فرمایا

(مومن کے دل کی بلندی مرتبہ اور اس کو ایذا نہ دینے کے بیان میں)

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے ہیں اور درود اور سلام ہو اللہ تعالیٰ کے رسول حضرت محمد اور ان کی تمام آل پر۔

اس کے بعد جان لو کہ دل اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کا ہمسایہ ہے اور دل جتنا قریب اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے اور کوئی چیز نہیں ہے۔ سو تم اس کی ایذا سے بچو۔ خواہ وہ دل مومن ہو یا گنہگار۔ ہمسایہ اگرچہ گنہگار ہو اس کی حمایت کی جاتی ہے۔ سو تم اس سے بچ کر رہو بچ کر رہو کیونکہ کفر کے بعد جو کہ اللہ تعالیٰ کی ایذا کا سبب ہے کوئی گناہ دل کے ایذا دینے جیسا نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ سے واصل ہونے والی چیزوں میں سے کوئی بھی دل سے زیادہ قریب نہیں ہے اور جان لیں کہ تمام خلق اللہ تعالیٰ کی

غلام ہے اور معلوم ہے کہ غلام کو مارنا یا اس کی اہانت کرنا اس کے مالک کی ایذا کا سبب ہے۔ پس قیاس کرنا چاہیئے اللہ تعالیٰ کی شان کا کہ وہ مالک علی الاطلاق ہے پس چاہیئے کہ اس کی مخلوق میں تصرف نہ کرے۔ مگر اسی اندازے کے مطابق جس کا اسے حکم دیا گیا ہے کیونکہ وہ ایذا میں داخل نہیں ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل ہے۔ مثلاً کنوارا زانی کہ اس کی حد سو کوڑا ہے۔ پس اگر کوئی سو پر زیادہ کرے تو وہ ظلم ہوگا۔ اور ایذا میں داخل ہوگا۔

اور جان لو کہ دل تمام مخلوقات سے افضل اور اشرف ہے۔ جیسا کہ انسان اپنے اجمال اور جمعیت کی وجہ سے عالم کبیر کی تمام چیزوں سے افضل اور اشرف ہے۔ اسی طرح دل انسان کے اندر کی تمام چیزوں سے اپنے کمال بسیط ہونے اور اجمالیت اور شمولیت کی وجہ سے افضل ہے اور جب کوئی چیز اجمال میں زیادہ اور جمعیت میں اکثر ہوگی تو وہ اللہ تعالیٰ کی جناب سے اقرب ہوگی۔ اور انسان کے اندر جو کچھ ہے وہ یا تو عالم خلق سے ہے یا عالم امر سے اور دل برزخ ہے۔

اور مراتب عروج میں انسان کے لطائف اپنے اصل کی طرف عروج کرتے ہیں۔ مثلاً اس کا پہلا عروج پانی کے اصل کی طرف ہوتا ہے۔ پھر ہوا کے اصل کی طرف پھر آگ کے اصل کی طرف پھر لطائف کے اصول کی طرف پھر اسم جزئی کی طرف جو کہ اس کا رب ہے پھر کلی اسم کی طرف پھر جہاں تک اللہ تعالیٰ چاہے۔ برخلاف دل کے کہ اس کا کوئی اصل نہیں ہے جس کی طرف وہ عروج کرے بلکہ اس کا عروج ابتدا ہی سے اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف ہوتا ہے اور وہ ذات مجردہ کا دروازہ ہے لیکن اس تفصیل کے بغیر صرف دل کے طریق سے وصول بہت مشکل ہے بلکہ یہ وصول اس تفصیل کو پورا کرنے کے بعد میسر آتا ہے کیا تم اس پر غور نہیں کرتے کہ جامعیت اور وسعت کی صفت دل میں متحقق نہیں ہوتی۔ مگر ان تمام مراتب تفصیلیہ کو طے کرنے کے بعد اور اس مقام میں دل سے مراد وہی دل ہے جو جامع اور بسیط اور ابسط ہے نہ کہ گوشت کا ٹکڑا۔

مکتوب نمبر ۴۶

مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید مدظلہ العالی کی طرف صادر فرمایا

(عروج و نزول کے بیان میں)

ہم اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتے ہیں اور اسی سے مدد مانگتے ہیں اور اپنے سردار اور مولیٰ اور

اپنے گناہوں کے شفارشی حضرت محمد اور ان کی آل اور صحابہ پر درود بھیجتے ہیں۔

جان لو کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس فقیر پر منکشف فرمایا ہے کہ کائنات میں ایک نقطہ ہے جو عالم ظلی کا مرکز ہے اور وہ نقطہ تمام عالم کا اجمال ہے اور تمام عالم اس اجمال کی تفصیل ہے اور وہ نقطہ اپنی چمک دمک میں سورج کی طرح ہے اور آفاق کی ہر چیز اسی نقطہ سے روشن ہوتی ہے پس جس کسی کو بھی اللہ تعالیٰ سے کوئی فیض پہنچتا ہے وہ اسی نقطہ کے وسیلہ سے پہنچتا ہے اور وہ نقطہ ذات مجرد کے نقطہ کے برابر اور محاذ میں واقع ہے۔ اور وہ نقطہ مرتبہ نزول میں موجود ہے۔ پس جب تک کہ اس مرتبہ ہبوط و اسفلیت میں نزول متحقق نہیں ہوتا اس مرتبہ تک عروج میسر نہیں آتا کہ جس کا نام غیب ہویت (ذات بحت) ہے اور یہ نزول دعوت و تکمیل کے لئے ہوتا ہے اور اس نزول سے متصف ہونے کے وقت جو کہ اس نقطہ کے مرتبہ میں واقع ہے ایسا خیال ہوتا ہے۔ کہ منہ عالم کی طرف ہے اور پشت خدا کی طرف۔

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ عالم کی طرف توجہ اور خدا تعالیٰ سے انقطاع صرف موت کے وقت تک ہے۔ جب موت آتی ہے تو وصال کے وقت حال منعکس (الٹا) ہو جاتا ہے۔ پس اس دنیا میں فراق و اشتیاق طرفین سے ثابت ہے اور ملاقات اس وقت پوری نہیں ہو سکتی جب تک کہ موت نہ آئے اور اس حدیث قدسی کا معنی معلوم ہوا کہ آگاہ رہو کہ نیک لوگوں کا میری ملاقات کا شوق بڑا لمبا ہو گیا۔ اور میں ان کی طرف ان سے زیادہ شوق رکھتا ہوں"۔

اور جان لو کہ اس مرتبہ میں نزول کے تحقق کے باوجود سالک اور خدا تعالیٰ کے درمیان کسی قسم کا کوئی پردہ متحقق نہیں ہے بلکہ تمام پردے مرتفع ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ مفقود ہے بلکہ اس جگہ پوری توجہ خلق کی طرف ہے۔ کیونکہ یہ مقام مقام دعوت ہے۔

اور کبھی اس نقطہ سے جو کہ عالم ظلی کے دائرہ کا مرکز ہے۔ اس نقطہ کی طرف نزول واقع ہوتا ہے جو دائرہ عدم کا مرکز ہے۔ اور یہ مقام اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کا مقام ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے انبیاء صلی اللہ علیہم وبارک وسلم اور آیتوں سے انکار کا مقام ہے اور اس نقطہ (مرکز عالم ظلی) سے اس نقطہ کی طرف عروج واقع ہوتا ہے جو دائرہ اصل کا مرکز ہے جو کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات والتحیات وعلی آلہم واصحابہم اجمعین کے مقامات کا دائرہ ہے۔

اور یہ نقطہ (مرکز دائرہ عدم) جس کا ہم نے ذکر کیا ہے ظلمانی ہے نہایت ہی تاریک پس اس مقام میں نزول اس عظیم الشان امر کے روشن اور منور کرنے کے لئے ہے اور اس نقطہ کے مقابل اسلام

کا نقطہ ہے اور یہ وہ نقطہ ہے کہ اس ظلمانی نزول کے بعد اس نقطہ پر عروج ہوتا ہے اور اس ظلمانی نقطہ کا چراغ کلمۂ توحید ہے۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۔ والسلام مع الاکرام۔

مکتوب نمبر ۴۷

سلطان وقت مدظلہ کی طرف صادر فرمایا

(دعا کے اسرار اور علماء اور صلحا کی مدح کے بیان میں)

دعا کرنے والوں میں سے کمترین بندہ احمد خادمان والا بارگاہ اور درگاہ معلیٰ کے باریافتہ حضرات کی خدمت میں عرض کرتا ہے اور نیازمندی اور شکستگی کا اظہار کرتا ہے اور اس امن و امان کی نعمت کا شکریہ ادا کرتا ہے۔ جو کہ دولت و اقبال بندگانِ عوام اور خواص کے شامل حال ہے بجا لاتا ہے اور امید کے اوقات اور دعا کی قبولیت کے گمان اور اجتماع فقراء کے وقت لشکر ظفر قرین کی فتح و نصرت کے لئے دعا کرتا ہے۔ کیونکہ ؎

ہر کسے را بہر کارے ساختند[1]

کارخانہ خداوندی میں بے فائدہ (عبث) ممنوع ہے پس وہ کام جو مجاہدین کے لشکر اور جیوش سے وابستہ کیا ہے وہ پایہ دولت قاہرہ سلطنت کی تائید ہے اور تقویت ہے کہ روشن شریعت کی ترویج اس کے ساتھ وابستہ ہے کہ کہا ہے۔

اَلشَّرْعُ تَحْتَ السَّيْفِ (شریعت تلوار کے سایہ کے نیچے ہے)

اور یہی جلیل القدر کام دعا کے لشکر سے بھی وابستہ ہے جو کہ ارباب فقر اور اصحاب بلا ہیں۔ کیونکہ فتح و نصرت دو قسم ہے جو کہ ظاہری اسباب سے وابستہ ہے اور یہ فتح و نصرت کی ظاہری صورت ہے جو کہ مجاہدین کے لشکر سے تعلق رکھتی ہے اور دوسری قسم فتح و نصرت کی حقیقت ہے جو کہ مسبب الاسباب کی طرف سے ہے۔

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ (اور نہیں مدد مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے)

کا اشارہ اسی طرف ہے اور یہ دعا کے لشکر سے تعلق رکھتی ہے۔ اور بس۔ دعا کا لشکر اپنی

---

[1] ہر ایک کو کسی کام کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔

ذلت وانکساری کی وجہ سے جہاد کے لشکر سے سبقت لے جاتا ہے اور سبب سے مسبب کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ ع

بردند شکستگاں ازیں میدان گوئے۔[1]

اور یہ بھی ہے کہ دعا تقدیر کو روک دیتی ہے جیسا کہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ۔

لَا یَرُدُّ الْقَضَاءَ اِلَّا الدُّعَاءُ (تقدیر کو دعا کے سوا کوئی چیز نہیں روک سکتی)

اور تلوار اور جہاد یہ قدرت نہیں رکھتے کہ تقدیر کو رد کر سکیں۔ بس دعا کا لشکر باوجود کمزوری اور شکستگی کے لشکر مجاہدین سے زیادہ طاقت والا ہے اور پھر یہ بھی ہے کہ مجاہدین کے لشکر کے لیے دعا کا لشکر روح کی طرح ہے اور مجاہدین کا لشکر جسم کی طرح ہے۔ پس مجاہدین کے لشکر کو دعا کے لشکر سے چارہ نہیں ہوتا۔ کہ جسم روح کے بغیر تائید اور نصرت کے قابل نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ راویان حدیث نے کہا ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کہ[2] کَانَ یَسْتَفْتِحُ بِصَعَالِیْکِ الْمُهَاجِرِیْنَ آپ فقیر مہاجرین کے وسیلہ سے دعا مانگا کرتے تھے۔

یعنی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم فتح ونصرت کی طلب فقرا اور مہاجرین کے توسل سے فرماتے حالانکہ مجاہدین کا لشکر اور جنگ کرنے والوں کا غلبہ ہوتا پس فقرا کا لشکر جو کہ دعا کا لشکر ہیں اپنی خواری وزاری و بے اعتباری کے باوجود کہ

اَلْفَقْرُ سَوَادُ الْوَجْهِ فِی الدَّارَیْنِ (فقر دونوں جہانوں میں روسیاہی کا باعث ہے)[3]

کہا ہے کسی نہ کسی وقت کام آتے رہتے ہیں اور اس بے اعتباری کے باوجود اعتبار پیدا کر لیتے ہیں۔ اور اپنے ساتھیوں اور ہم کام لوگوں سے سبقت لے جاتے ہیں مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کل قیامت کے روز شہیدوں کے خون کو علماء کی سیاہی سے وزن کرینگے۔

---

[1] اس میدان سے شکستہ لوگ گیند لے گئے۔

[2] ترمذی وابن ماجہ وغیرہ۔

[3] شرح السنۃ مشکوٰۃ ۱۲

اور اس سیاہی کا پلہ وزنی ہو جائے گا۔

سُبحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ

یہ سیاہی اور یہ سیاہ روئی ان کی عزت اور سرخ روئی کا باعث ہو گئی اور ان کے مرتبہ کو پستی سے بلندی تک پہنچا دیا۔ ہاں ؎

بتاریکی درون آب حیات است[1]

ایک شاعر کہتا ہے۔

غلام خویشتنم خواند لالہ رخسارے
سیاہ روئی من کرد عاقبت کارے[2]

اگرچہ یہ کمترین اس لائق نہیں ہے کہ اپنے آپ کو دعا کے لشکر میں شمار کرے لیکن صرف اسم فقر اور قبولیت دعا کے احتمال کی وجہ سے اپنے آپ کو دولت قاہرہ کی دعا سے فارغ نہیں رکھتا۔ اور حال و قال کی زبان سے دعا اور فاتحہ سلامت میں رطب اللسان رہتا ہے۔ اے ہمارے رب ہم سے قبول کرلے یقیناً تو ہی سننے والا جاننے والا ہے۔

مکتوب نمبر ۴۶

مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید مدظلہ العالی کی طرف صادر فرمایا

(اللہ تعالیٰ کی اقربیت کے راز اور اس بات کے بیان میں کہ کنہ ذات کا انکشاف علم حضوری سے ہے)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

اللہ تعالیٰ کی اقربیت کا معاملہ علم حضوری سے وابستہ ہے جو کہ اصل معلوم سے تعلق رکھتا ہے نہ کہ صور میں سے کسی صورت اور معلوم کے ظلال میں سے کسی ظل سے کہ وہ علم حصولی کا حصہ ہے پس علم حصولی اصل میں نفس شے کا علم نہیں ہوتا بلکہ اس شے کی صورتیں سے کسی صورت کا علم ہوتا ہے۔ اور اس شے کے نفس کی نسبت سے جہل ثابت ہوتا ہے۔

---

[1] کہ آب حیات تاریکی کے اندر ہے۔

[2] ایک لالہ رخسار نے مجھے اپنا غلام کہا۔ میری سیاہ روئی نے آخر کوئی کام کیا۔

سبحان اللہ! کسی شے سے جہالت کو علم شے سمجھ لیا جائے اور وہ ممنوع ہے اور عینیت کا دعویٰ نہیں سنا جا سکتا۔ کیونکہ شے اور صورتِ شے ایک دوسرے کے ساتھ دوئی کی نسبت رکھتے ہیں۔ اور جہاں دوئی کی نسبت ثابت ہے وہاں تغیر لازم ہے۔ "دو چیزیں آپس میں متغایر ہوتی ہیں" ارباب معقول کا مقررہ قضیہ ہے۔ اور پھر یہ بھی ہے کہ کسی چیز کی صورت کا علم کس طرح کسی شے کے اصلی علم کو مستلزم ہو سکتا ہے کہ شے کی صورت شے کا ظاہر وجود ہے۔ جس نے آئینے کے احکام کا لباس اوڑھ کر ظہور پیدا کیا ہے اور شے میں بہت سے اسرار و حقائق ہوتے ہیں جن کا صورت میں کوئی نام و نشاں نہیں ہوتا۔ ؎

گر مصور صورتِ آں دلستاں خواہد کشید
حیرتے دارم کہ نازش را چساں خواہد کشید[1]

کاش ظاہر شے پوری طرح صورت میں ظاہر ہوتا اور باطن موقوف رہتا۔ جب کہ ظاہر شے حکم محل اور آئینہ کی مشابہت اختیار کر کے صورت شے کو ظاہر کرتی ہے۔ تو یقین ہے کہ ظاہر بھی خالص کر کے نہیں دکھاتی۔ بلکہ ایک دوسری ہیئت پیدا کرتی ہے۔ پس جس طرح صورت باطن شے سے محروم ہے ظاہر شے سے بھی محروم ہے تو لازماً اس صورت کا علم اس شے کے حقیقی علم کو مستلزم نہیں ہوگا۔

مختصر یہ کہ معلوم اصل میں وہ ہے جو کہ کائن کے ذہن میں ہے اور ذہن میں چونکہ کائن کی صورت ہے تو معلوم بھی وہی صورت ہوگی اور صورت کو جب کہ کسی شے کے ساتھ نسبت تغایر پیدا ہوئی۔ تو صورت کا علم کسی شے کے حقیقی علم کو مستلزم نہ ہوا۔

علم حضوری وہ ہے کہ قوتِ مدرکہ نزدیک اس جگہ نفس شے ہے اور ظل اور صورت درمیان میں حائل نہیں ہے۔ پس اس علم میں معلوم نفس شے ہوتی ہے نہ کہ اس شے کی صورتوں میں سے کوئی صورت پس علم حضوری اشرف ہوتا ہے بلکہ وہی علم ہوتا ہے اور بس اور اس علم کے ماسوا جو کہ علم حصولی ہے جہل ہے۔ جو کہ علم کی صورت میں اپنے آپ کو ظاہر کرتا ہے وہ جہل مرکب ہے کہ اپنے جہل کو علم سمجھتا ہے۔ اور نہیں جانتا کہ وہ نہیں جانتا۔ پس علم حصولی کو اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات میں راہ نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اس علم سے معلوم نہیں ہوتیں کیونکہ یہ علم اصل میں معلوم کی صورت کا علم ہے نہ کہ نفس معلوم کا علم جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے اور صورت کو اللہ تعالےٰ کی

[1] اگر کوئی مصور اس محبوب کی تصویر کھینچنا چاہے تو میں حیران ہوں کہ اس کے ناز و ادا کو کیسے ظاہر کرے گا۔

بارگاہ میں کوئی راہ نہیں ہے تاکہ صورت کے علم کو اصل صورت کا علم کہا جائے۔
اگرچہ بعض صوفیاء نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مثل نہیں ہے لیکن مثال ہے۔ لیکن یہ صورت مثالی اگر ثابت ہو جائے تو ذہنی صورت کے علاوہ ہے کہ جو علم سے تعلق رکھتی ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ عالم مثال میں جو کہ فراخ ترین مخلوقات ہے کا ئن کی صورت ہو اور ذہن میں ثابت نہ ہو۔

حدیث قدسی

لَا یَسَعُنِیْ اَرْضِیْ وَلَا سَمَائِیْ وَلٰکِنْ یَسَعُنِیْ قَلْبُ عَبْدِیَ الْمُؤْمِنِ (میرے آسمانوں اور میری زمینوں میں میری گنجائش نہیں ہے لیکن میری گنجائش میرے مومن بندے کے دل میں ہے)

بندۂ مومن کے دل سے مخصوص ہے کہ اس کا معاملہ تمام لوگوں سے علیحدہ ہے کہ وہ فنا اور بقا سے مشرف ہوا ہے اور حصول سے آزاد ہو کر حضور سے مل چکا ہے۔ اس جگہ اگر کوئی گنجائش ہے تو باعتبار حضور ہے نہ باعتبار حصول۔ ؎

درکدام آئینہ در آید او[1]

جاننا چاہیئے کہ علم حضوری میں عالم اور معلوم کا اتحاد ہے پس اس علم کا زوال اس عالم سے جائز نہیں ہے کہ معلوم اس کا نفس ہے جو کہ اس سے جدا نہیں ہے بلکہ علم بھی اس جگہ عین عالم ہے۔ اور عین معلوم ہے پس اس جگہ علیحدگی کی گنجائش کیا ہے۔ جاننا چاہیئے کہ علم حضوری میں چونکہ معلوم نفس شے ہے نہ کہ اس کی صورت تو لازماً اس جگہ معلوم جس طرح ہے اسی طرح منکشف ہوتا ہے اور اسی طرح علم میں آتا ہے اور اپنی کنہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ کسی چیز کی کنہ اس کے نفس سے عبارت ہے اور جب تمام وجوہ و اعتبارات ساقط ہو گئے اور نفس ذات رہ گئی جو کہ مُدرِکہ میں حاضر ہے۔ تو اس کی کنہ معلوم ہو گئی۔ برخلاف علم حصولی کے کہ اس جگہ معلوم کسی شے کے وجوہ و اعتبارات میں جو کہ شے کی صُور اور مثال ہیں نہ کہ نفس شے جیسا کہ گزرا پس اس جگہ معلوم ذات شے نہیں ہوتی اور شے کنہ سے معلوم نہیں ہوتی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ علم حصولی میں شے کا انکشاف بھی ہوتا ہے اور شے کا ادراک بھی اور علم حضوری میں شے کا انکشاف تو ہے لیکن شے کا ادراک نہیں ہے۔ پس معلوم کی کنہ تو منکشف ہو گی لیکن مدرک نہ ہو گی۔

---

[1] وہ کونسے آئینہ میں سما سکتا ہے۔

پوشیدہ نہ رہے کہ جب علم حضوری خداوند تعالیٰ کی ذات کی نسبت ثابت ہوا جیسا کہ پہلے گذرا۔ تو لازم آیا کہ خداوند تعالیٰ کی ذات کی کنہ منکشف ہو اور ذاتِ خداوندی جیسی کہ ہے معلوم ہو جائے۔ اور یہ علماء کے مقررہ اصول کے خلاف ہے تو میں کہوں گا کہ یہ علم حضوری جس نے اللہ تعالیٰ کی ذات سے تعلق پیدا کیا ہے۔ رویت کی طرح ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ کی نسبت ثابت کرتے ہیں کہ اس جگہ انکشاف تو ہے لیکن درک مفقود ہے۔ اس علم میں بھی انکشاف ہوتا ہے۔ اور درک مفقود ہوتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ رویت کا تعلق ہو سکتا ہے تو علم کا تعلق کیوں نہیں ہو سکتا جو کہ رویت سے زیادہ لطیف ہے۔ ذ استحالہ ادراک میں ہے جو کہ احاطہ کو مستلزم ہے۔ درکہ انکشاف میں اللہ تعالیٰ نے

لَا تُدْرِکُهُ الْاَبْصَارُ (آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں)

فرمایا ہے۔ یہ نہیں فرمایا۔

لَا تَرَاهُ الْاَبْصَارُ (آنکھیں اس کو دیکھ نہیں سکتیں)

سوال:۔

اگر درک حاصل نہ ہوگا تو انکشاف کس کام آئے گا۔؟

جواب:۔

میں کہتا ہوں کہ انکشاف سے مقصود دیکھنے والے کا لذت حاصل کرنا ہے جو کہ حاصل ہے درک ہو یا نہ ہو۔

سوال:۔

بغیر ادراک کے انکشاف کس طرح لذت حاصل کرنے کو مستلزم ہوگا۔؟

جواب:۔

لذت حاصل کرنے میں انکشاف کا علم کافی ہے ادراک ہو یا نہ ہو۔ یا میں یہ کہوں گا کہ اس مقام میں درک بھی حاصل ہے لیکن مجہول الکیفیت ہے۔ وہ درک جس کی نفی ہے (اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے) وہ درک ہے جس کی کیفیت علم میں آسکے اور احاطہ معلوم کرائے

لَا یُحِیْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا۔ (وہ علم سے اس کا احاطہ نہیں کر سکتے)

کیونکہ وہ علم حصولی کے مناسب ہے۔ اگر درک علم حضوری میں نہ ہوگا تو علم حصولی میں کہاں سے آجائے گا۔ کیونکہ جو کچھ ظل میں ہے وہ اصل کے مرتبہ سے مستفاد ہے لیکن درک اصل میں

تو مجہول الکیفیت ہے اور ظل میں وہ معلوم الکیفیت ہے۔

مکتوب نمبر ۹۴

جناب میر محمد نعمان کی خدمت میں ارسال فرمایا

(اس بیان میں کہ عارف کو جو علم حضوری اپنے متعلق ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کر لیتا ہے)

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔

جاننا چاہیے کہ علم حصولی آفاق کے متعلق ہے اور علم حضوری انفس کے متعلق اور پوری معرفت والے عارف کے ساتھ جب اللہ تعالیٰ کی اقربیت کا معاملہ ظاہر ہوتا ہے۔ اور اس بلند مقام سے آراستہ ہوتا ہے تو یہ انفس اس کے حق میں آفاق کا حکم پیدا کرتا ہے اور اس کا علم حضوری علم حصولی سے بدل جاتا ہے۔ تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی اقربیت انفس کا حکم پیدا کرتی ہے اور علم حضوری جو پہلے انفس سے تعلق رکھتا تھا اس اقربیت سے تعلق پیدا کر لیتا ہے۔ اس صورت میں نہیں کہ اپنے آپ کو عین خدا تعالیٰ سمجھے اور وہ علم جو اس کے نفس کے متعلق ہے اس کو بعینہٖ اللہ تعالیٰ کے متعلق سمجھے یہ خود توحید کا معاملہ ہے اور مقامات قرب سے تعلق رکھتا ہے۔ کہ قرب کی انتہا اتحاد ہے۔ اقربیت اور چیز ہے اور اس کا معاملہ اور چیز ہے۔ اتحاد سے گزرنا چاہیے اور دوئی میں آنا چاہیے تاکہ اقربیت متصور ہو سکے۔

کوئی کوتاہ فہم دوئی کے لفظ سے وہم میں نہ پڑے اور اتحاد کو اس سے زیادہ نہ سمجھے۔ وہ دوئی جو اتحاد سے نیچے ہے۔ وہ عوام کالانعام کا مقام ہے اور یہ دوئی جو اتحاد پر ہزاروں فضیلتیں رکھتی ہے انبیاء کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کا مقام ہے جیسا کہ ہوش (صحو) جو مستی سے پہلے ہے وہ عوام کا حال ہے اور وہ صحو (ہوش) جو سُکر (مستی) کے بعد ہے خواص بلکہ اخص الخواص کا مقام ہے اور جیسا کہ اسلام جو کفر طریقت سے پہلے ہے عوام مسلمانوں کا اسلام ہے اور وہ اسلام جو کفر طریقت کے بعد ہے اخص الخواص کا اسلام ہے۔

عجیب معاملہ ہے کہ جتنا ہی عارف اپنے آپ کو خدا تعالیٰ نہیں سمجھتا اتنا ہی اس کا علم حضوری جو نفس عارف سے تعلق رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کر لیتا ہے اور اس کا اپنے متعلق علم جو کہ حضوری ہوتا ہے علم حصولی ہو جاتا ہے۔

ع در عشق چنیں بو العجبیہا باشد [1]

عقلمند آدمی کی عقل ان باریکیوں کے پیچھے نہیں پڑتی بلکہ اس کو جمع ضدّین کی طرف راجع کرتی ہے۔ ایک عارف کہتا ہے۔

عَرَفْتُ رَبِّیْ بِجَمْعِ الْاَضْدَادِ میں نے اپنے رب کو اضداد کو جمع کرنے سے پہچانا۔

اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما اور ہمارے معاملہ میں بھلائی پیدا کر۔ والسلام علی من اتبع الھدیٰ۔

مکتوب نمبر ۵۰

قاضی نصر اللہ کی طرف صادر فرمایا

(علماء راسخین کے استدلال اور ارباب ظاہر کے استدلال اثر سے مؤثر تک کے فرق کے بیان میں)

اثر سے مؤثر پر اور مخلوق سے خالق پر استدلال کرنا علماء ظواہر کا کام بھی ہے۔ اور علماء راسخین کا کام بھی جو کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے کامل وارث ہیں۔ علماء ظواہر مخلوق کے وجود کے علم سے خالق کے وجود کا علم پیدا کرتے ہیں۔ اور اثر کے وجود کو مؤثر کے وجود پر دلیل بنا کر مؤثر کے وجود پر ایمان اور یقین پیدا کرتے ہیں۔ اور علمائے راسخین جو کہ ولایت کے کمالات کے درجات کو قطع کر کے مقام دعوت پر پہنچ چکے ہیں جو کہ اصل میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا خاصہ ہے۔ بھی تجلیات و مشاہدات کے حصول کے بعد اثر سے مؤثر پر استدلال کرتے ہیں۔ اور اس راہ سے بھی مؤثر حقیقی پر ایمان پیدا کرتے ہیں۔ کیونکہ آخر کار انہوں نے جان لیا ہے کہ جو کچھ بھی مشہود و متجلّی تھا وہ مطلوب کے ظلال میں سے ایک ظلّ تھا جو کہ نفی کے لائق اور عدم ایمان کا مستحق ہے۔

اور انہوں نے یقین کر لیا ہے کہ بیچون کے ساتھ بغیر استدلال کے ایمان لانا اس دنیا میں میسر نہیں ہے تو وہ مجبور ہو کر استدلال کی طرف توجہ کرتے ہیں اور مطلوب کے ظلال کے حائل ہونے کے بغیر طلب کرتے ہیں۔

اور چونکہ یہ بزرگوار خداوند تعالیٰ سے محبت کا رشتہ قوی رکھتے ہیں اور ماسوا کو محبوب حقیقی کی محبت

---

[1] عشق میں ایسی عجیب و غریب باتیں ہوتی ہیں۔

پر قربان کر چکے ہیں تو الْمَرْءُ
اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ۔ (آدمی اس کے ساتھ ہے جس کے ساتھ اس کی محبت ہو)

استدلال کی راہ سے مطلوب حقیقی تک پہنچتے ہیں اور تجلیات وظہورات کے تنگ کوچہ سے جو کہ ظلال سے مخلوط ہے خلاصی حاصل کر کے اصل الاصل سے مل جاتے ہیں۔

وہ مقام جہاں تک علماء ظواہر کا علم پہنچتا ہے۔ یہ بزرگوار محبت کے کنڈے سے کھینچ کر بذاتِ خود وہاں تک پہنچ جاتے ہیں اور بے کیف اتصال پیدا کر لیتے ہیں۔ اور یہ فرق محبت کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ جو محب ہے اور محبوب کے علاوہ دوسروں سے الگ ہو چکا ہے وہ محبوب تک پہنچ جاتا ہے اور جس میں یہ محبت نہیں ہے وہ علم پر کفایت کرتا ہے اور اسی کو غنیمت جانتا ہے۔ بلکہ جس جگہ وہ بزرگوار خود پہنچ جاتے ہیں ان کا علم بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔

علم کی انتہا بشرطیکہ وہ صحیح علم ہو مطلوب کی دہلیز تک ہے اور وہ جو مطلوب سے واصل ہے وہ مطلوب کے ساتھ ہے۔ معیت کوئی ایسا دقیقہ نہیں چھوڑتی جو واصل کے نصیب میں نہ ہو ایک بزرگ کہتے ہیں۔

ع بندہ باحق ہمچو شیر و شکر است[1]

وَلِلّٰہِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی (اور اللہ تعالیٰ کے لئے بلند مثل ہے)

بندہ بننا چاہیئے اور ماسوا کی غلامی سے آزاد ہونا چاہیئے اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والے ہیں۔ والسلام۔

مکتوب نمبر ۱۵

ملا شیر محمد لاہوری کی طرف صادر فرمایا

(اس بیان میں کہ دل کی تصدیق اور دل کے یقین میں کیا فرق ہے)

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

سوال :-

بعض محقق متکلمین نے جو ایمان کی حقیقت قول کا

[1] بندہ اللہ تعالیٰ سے اس طرح مل جاتا ہے جیسے دودھ اور شکر۔ ۲

مُؤمِنُ بِہٖ (جس پر ایمان لایا جائے۔)
کے ساتھ گرویدہ ہونا کہا ہے۔ اس کا کیا معنی ہے اور گرویدہ ہونا
مُؤمِنُ بِہٖ
کی تصدیق اور یقین قلب سے عبارت ہے یا یہ نفس تصدیق
مُصَدَّقُ بِہٖ (جس کی تصدیق کی جائے)
پر دل کے یقین کے علاوہ کوئی اور امر زائد ہے۔؟

جواب:

دل کا گرویدہ ہونا یقینی دل کے علاوہ ہے اگرچہ یہ تصدیق سے الگ نہیں ہے لیکن اس یقین پر متضرع ہے۔ یقین کے حاصل ہونے کے بعد دل دو حال سے خالی نہیں ہوگا یا تو جس پر ایمان لایا ہے اس کی فرمانبرداری اور پیروی کرے گا۔ یا جس پر ایمان لایا ہے اس کا انکار اور نافرمانی کرے گا۔

اور تسلیم و انقیاد کی علامت مومن بہ پر دل کی رضامندی اور انشراح صدر ہے اور انکار وجحود کی علامت مصدق بہ
مُصَدَّقُ بِہٖ
سے دل کی کراہت اور سینہ کی تنگی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِى السَّمَآءِ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ۔

سو جس آدمی کو اللہ تعالیٰ ہدایت دینا چاہتا ہے اس کے سینہ کو اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جسے گمراہی میں چھوڑنا چاہے اس کے سینہ کو نہایت تنگ کر دیتا ہے گویا کہ وہ آسمان میں چڑھتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر گندگی ڈال دیتا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔

اور دل کو مومن بہ کی تصدیق و یقین کے بعد تسلیم و انقیاد کا حاصل ہونا محض اللہ تعالےٰ کی بخشش ہے اور اس کا خاص ناتنا ہی کرم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایمان کو خدا تعالیٰ کی عنایت کہتے ہیں۔ اور

مُصَدِّقٌ بِہٖ

پر یقین اور تصدیق حاصل ہونے کے بعد انکار و جحود کا منشا نفس امارہ کی ردی صفات کا پختہ ہونا اور عادت بن جانا ہے کیونکہ وہ اپنی سرداری اور جاہ و مرتبہ کی محبت پر پیدا ہوا ہے اور دوسرے کے تابع ہونے اور تقلید کرنے کو قبول نہ کرنے پر بنایا گیا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ سب اس کی تصدیق کریں اور گرویدہ ہوں۔ اور وہ کسی دوسرے کی تقلید و پیروی نہ کرے اور کسی کا فرمانبردار اور متبع نہ ہو۔

وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ — اور ان پر اللہ نے ظلم نہ کیا لیکن وہ اپنی جانوں پر ظلم کیا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ایک جماعت کو محض اپنے فضل و کرم سے اس پیدائشی مرض سے نکالا ہے۔ اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام جو کہ صراطِ مستقیم کی راہنمائی کرنے والے ہیں کی تقلید اور فرمانبرداری اور تسلیم سے مشرف کیا اور نعمتوں والی جنت کا ان کو وعدہ دیا جو اللہ تعالیٰ کی رضا کا مقام ہے۔ اور ایک گروہ کو ان کے حال پر چھوڑ دیا اور جبر و قہر سے اس کو طبعی رذائل سے نہ نکالا اور اس دولت تک نہ کھینچا لیکن کتابیں نازل کر کے اور رسول بھیج کر صراطِ مستقیم کو بیان فرمایا اور مصدق اور مطیع کو بشارت دی اور مکذب و عاصی کو ڈرایا۔ اپنا پیغام پوری طرح پہنچا دیا اور دونوں فریق پر حجت پوری کر دی۔

مکتوب نمبر ۵۲

فقیر محمد ہاشم کشمی کی طرف صادر فرمایا

(قلب اور نفس کی فنا اور علم حصولی اور حضوری کے زوال کے بیان میں)

فنا اللہ تعالیٰ کے سوا کو بھول جانے کا نام ہے اور ماسوٰی دو قسم ہے آفاق اور انفس نسیانِ آفاق۔ آفاق کے علم حصولی کے زوال کا نام ہے اور نسیانِ انفس۔ انفس کے متعلق علم حضوری کے نسیان کا نام ہے۔ کیونکہ علمِ حصولی آفاق سے تعلق رکھتا ہے اور علم حضوری انفس سے۔ اشیاء کے علم حصولی کا مطلق طور پر زوال بھی اگرچہ مشکل ہے کہ وہ اولیاء کا حصہ ہے۔ لیکن علم حضوری کا مطلق طور پر زوال بہت ہی مشکل ہے اور یہ بہت ہی کامل تر اولیاء کا حصہ ہے

قریب ہے کہ اس کا جائز ہونا بلکہ اس کا تصور بھی عقلاء کے لئے محال ہو اور معلوم کا جاننے والے کے لئے عدمِ حضور باطل سمجھیں کیونکہ حضورِ شے نفس شے کے لئے ان کے نزدیک ضروری ہے۔ پس علم حضوری کا زوال ان کے نزدیک اگرچہ ایک لمحہ کے لئے ہی ہو جائز نہیں ہے پھر اس کا اس طرح پر مطلقاً زوال جو کبھی واپس نہ آسکے کس طرح جائز ہو سکتا ہے۔

پہلے کا نسیان جو کہ علم حصولی کی نسبت ہے۔ فنائے قلب سے تعلق رکھتا ہے اور دوسرے کا نسیان جو علم حضوری کی نسبت ہے فنائے نفس کو مستلزم ہے جو کہ اتم و اکمل ہے اور فنا کی حقیقت اسی مقام میں ہے۔ اور پہلی فنا اس فنا کے لئے صورت اور سایہ کی طرح ہے۔ کیونکہ علم حصولی اصل میں علم حضوری کا ظل ہے۔ تو لازماً اس کا فنا ہونا ظل کا فنا ہونا ہے۔ اور اس فنا کے حاصل ہونے میں نفس اطمینان میں آجاتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے راضی و مرضی ہو جاتا ہے۔ اور بقا اور رجوع کے بعد تکمیل و ارشاد کا معاملہ اس سے تعلق رکھتا ہے اور اس کو عناصر اربعہ کی مختلف طبیعتوں کے ساتھ جہاد میسر ہو جاتا ہے جو کہ بدن کے ارکان ہیں اور ان میں سے ہر ایک کچھ امور میں سے کسی امر کا مطالبہ کرتا ہے اور اشیاء میں سے کسی شے کی خواہش کرتا ہے۔

اور لطائف بدن میں سے کسی کو بھی یہ دولت میسر نہیں ہے۔ یہ نفس ہی ہے جو شیطانی انانیت کو جو کہ ناری عنصر سے پیدا ہوا ہے اپنی حکومت سے اصلاح میں لاتا ہے۔ اور قوتِ شہویہ اور غضبیہ اور باقی تمام برے اوصاف کو کہ چوپائے اور دوسرے جانور بھی ان میں شریک ہیں۔ اپنی اچھی تربیت سے اعتدال پر لے آتا ہے۔ سبحان اللہ۔ وہ لطیفہ جو بدترین لطیفہ تھا ان میں سے بہترین ہو جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

خِیَارُکُمْ فِی الْجَاھِلِیَّۃِ خِیَارُکُمْ فِی الْاِسْلَامِ اِذَا فَقِھُوْا — جو تم میں سے جاہلیت میں اچھے تھے وہ اسلام میں بھی اچھے ہیں جب کہ وہ دین کو سمجھ جائیں۔

تنبیہ

دل سے ماسوا کے نسیان کی علامت دل میں ماسوا کا خیال نہ آنا ہے اس طرح کہ اگر اس کو تکلف سے بھی کوئی چیز یاد کرائیں تو اسے یاد نہ آئے بلکہ دل اس کو قبول نہ کرے اور نفس عالم کے متعلق علم حضوری کے زوال کی علامت یہ ہے کہ عالم اپنی ذات اور صفت کے لحاظ سے نیست و نابود ہو جائے تاکہ علم اور معلوم کا زوال اس سے متصور ہو کیونکہ علم اور معلوم اس مقام

میں نفس عالم ہے اور جب تک نفس عالم زوال پذیر نہ ہو علم اور معلوم منتفی نہیں ہوتے۔ اور پہلے کی فنا فنائے آفاق ہے اور دوسرے کی فنا فنائے انفس ہے۔ جو کہ فنا کی حقیقت ہے۔

مکتوب نمبر ۵۲

حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم مدظلہ کی طرف صادر ہوا

(ذات اور صفات کے وجودی اور شہودی طور پر زوال کے بیان میں)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا — بیشک انسان پر ایسا بھی زمانہ آیا ہے کہ جب وہ کوئی چیز ذکر کے قابل نہ تھا۔

ہاں میرے اللہ واقعی انسان پر ایک ایسا زمانہ بھی آیا ہے جب کہ وہ کوئی چیز ذکر کے قابل بھی نہ تھا۔ نہ اس کی ذات تھی اور نہ صفت اور نہ شہود تھا اور نہ وجود۔ پھر اس کے بعد اگر تو چاہے تو تیری زندگی سے زندہ اور تیری بقا سے باقی اور تیرے اخلاق سے متخلق ہو جاتا ہے۔ بلکہ تیرے فضل سے عین فنا میں بھی باقی ہو گیا اور عین بقا میں بھی تجھ میں فانی ہوا کیونکہ ان دونوں میں تلازم ہے اور ان دونوں میں سے ہر ایک کے کمال کا حصول دوسرے کے وجود سے ہے۔

اس کی مثال اس انسان کی سی ہے جو نمک کی کان میں ڈال دیا جائے یہاں تک کہ وہ آہستہ آہستہ ایسی چیز بن جائے جو نمک کے احکام سے رنگی جائے۔ یہاں تک کہ وہ پوری طرح نمک ہو جائے۔ اس میں کوئی چیز اپنی نہ رہے نہ ذات نہ صفت تو لازماً اس کا قتل کرنا بھی جائز ہو گا اور کاٹنا بھی اور اس کا کھانا بھی جائز ہو گا۔ اور اس کی خرید و فروخت بھی اور اگر اس کی کوئی ذات یا صفت باقی ہوتی تو یہ چیزیں جائز نہ ہوتیں اور فارسی شعر میں کیا ہی اچھا کہا گیا ہے۔ ؎

سگے کاندر نمک زار او فتد گم گردد اندر وے[۱]
من ایں دریائے پر شور از نمک کمتر نے دانم

[۱] کتا جو نمک کی کان میں گر پڑے وہ اس میں گم ہو جاتا ہے میں اس دریائے پر شور کو نمک سے کمتر نہیں سمجھتا۔

اگر تم پوچھو کہ تم نے تو اپنے مکاتیب اور رسائل میں لکھا ہے کہ ذات اور صفت کا زوال شہودی طور پر ہوتا ہے وجودی طور پر نہیں ہوتا کیونکہ اس سے الحاد اور زندقہ پیدا ہوتا ہے اور دوئی جو عبودیت اور ربوبیت کے درمیان ثابت ہے وہ اٹھ جاتی ہے تو اب ذات اور صفت کے وجود میں بھی زائل ہو جانے کا کیا مطلب ہے۔؟

تو میں کہتا ہوں کہ کسی چیز کا دوسری چیز میں اس طرح رنگ جانا کہ ان میں سے ایک اپنے احکام سے الگ ہو جائے اور دوسری کے احکام میں رنگ جائے تو اس میں دونوں سے دوئی نہیں اٹھ جاتی کہ وہ الحاد اور زندقہ بن جائے پس یقیناً وہ انسان جو نمک کی کان میں پھینک دیا گیا ہو وہ نمک سے متحد نہیں ہو جاتا اور نہ اس کی دوئی زائل ہو جاتی ہے بلکہ اس کو اپنی ذات اور اپنی صفات سے نمک کی ہمسائیگی اور اس کے غلبہ سے فنا حاصل ہوئی اور دوئی کی بقا کے باوجود اسے نمک اور اس کے احکام سے بقا ملی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ دوئی اصل کے ساتھ سائے کی دوئی کی طرح ہے جس میں اپنا استقلال نہیں ہے اور اس زائل ہونے والی دوئی کو عوام کی نظر میں ایک طرح سے استقلال حاصل ہے پس دوئی تو اس کے بعد بھی باقی ہے پھر الحاد اور زندقہ کہاں رہا۔؟

اور وہ جو میں نے اپنے مکاتیب اور رسائل میں زوال وجود کے منع کے متعلق کہا ہے۔ تو وہ عوام کے فہم کے قصور پر محمول ہے کہ وہ اس سے دوئی کا ختم ہو جانا سمجھتے ہیں اور الحاد اور زندقہ میں جا پڑتے ہیں۔ "اللہ تعالیٰ ان ظالموں کی باتوں سے بہت بلند ہیں"

باقی رہی وہ صورت جو حکمی طور پر اس انسان کے نمک بن جانے کے بعد باقی رہی ہے تو وہ حقیقت میں نمک کی صورت ہے کہ جس کے رنگ سے انسان رنگین ہوا ہے نہ کہ انسان کی صورت مگر یہ کہ اس حکمی نمک کو اس انسان کی صورت پر قیاس کیا گیا ہے اور اس کو اس کی صورت دی گئی ہے نہ یہ کہ انسان کی صورت باقی رہی ہے کہ کوئی اس کا اثر باقی رہ جائے۔

تنبیہ:

اس نمک میں جسے انسان کی صورت پر قیاس کیا گیا ہے صورت کا زوال ممکن ہے بلکہ واقع ہے اور جو بحث ہم کر رہے ہیں وہ اس طرح نہیں ہے۔

وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى اور اللہ کے لئے بلند مثال ہے۔

پس اللہ تعالیٰ کسی چیز سے متحد نہیں ہوتا اور نہ کوئی چیز اس سے متحد ہوتی ہے اور نہ وہ اشیاء سے متصل ہے اور نہ اشیاء سے منفصل ہے اور اشیاء بھی اس سے متصل نہیں ہیں اور نہ اس سے منفصل ہیں۔ تو ذات پاک ہے۔ وہ اللہ جو اکوان کے حدوث سے نہ اپنی ذات سے متغیر ہوتا ہے اور نہ صفات سے اور نہ اسماء سے۔ تو اللہ تعالیٰ اب بھی اسی طرح ہے جس طرح پہلے خالص تنزیہ اور تقدیس پر تھا۔ تو اللہ تعالیٰ عالم سے قریب ہے اور عالم کے ساتھ ہے لیکن یہ قرب و معیت وہ ہے جس کی کیفیت معلوم نہیں ہے۔ یہ اس طرح کا قرب نہیں جو جسم کو جسم سے ہوتا ہے اور نہ وہ قرب جو جسم کو عرض سے ہوتا ہے۔

مختصر یہ کہ امکان کی صفات اور حدوث کے نشان سب کے سب خدا تعالیٰ کی ذات سے مسلوب ہیں۔ اولیاء کا عروج اللہ تعالیٰ کے بندے کی طرف قرب میں کوئی اضافہ نہیں کرتا۔ اور اصفیاء کے وصول سے ان کا اللہ تعالیٰ سے اتصال حاصل نہیں ہوتا اور فنا اور بقاء فناء کے احوال ہیں لیکن وہ نہیں جو عقلاً سمجھتے ہیں۔ اور ذات اور صفت کے زوال کا ایک معنی ہے جسے وہی سمجھ سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نصیب کرے جیسا کہ اس کی تحقیق آئے گی۔ سو تو اس جماعت کے کلام کو حسن ظن اور قبول سے سن اور اس سے اس کا ظاہری مدلول اور مطابقی معنی نہ سمجھ کیونکہ اس طرح تو لیسا اوقات بڑی فحش غلطی کرے گا سو تو خود بھی گمراہ ہوگا اور لوگوں کو بھی گمراہ کرے گا اور اللہ تعالیٰ ہی نیکی کا الہام کرنے والا اور توفیق دینے والا ہے۔

اگر تو کہے کہ تم نے انسان کی ذات اور صفت کے زائل ہو جانے کو جائز رکھا ہے۔ تو اس کے متعلق کیا کہتے ہو جو قرآن مجید میں خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے متعلق آیا ہے۔

قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَيَّ۔ — آپ کہہ دیں کہ میں بھی تم جیسا آدمی ہوں (فرق یہ ہے) کہ میری طرف وحی کی جاتی ہے۔

اور جو حدیث نبوی علی صاحبہا الصلوۃ والسلام میں آیا ہے۔

اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اَغْضَبُ كَمَا يَغْضَبُ الْبَشَرُ۔ — میں بھی تمہارے جیسا آدمی ہوں مجھے بھی اسی طرح غصہ آتا ہے جیسا دوسرے لوگوں کو آتا ہے۔

اور یہ بات انسانیت کے اثر کے باقی رہنے ہی کی وجہ سے ہے۔

تو میں کہوں گا اسطرح نہیں ہے اور نہ اس کی اثر کے بقا پر دلالت ہے۔ مگر اتنا ضرور ہے

کہ جب انسان کامل کو فنا اور بقا کے بعد عالم اور مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے کیلئے واپس کرنے کا ارادہ کیا جاتا ہے تو اس کے ساتھ بشری صفات اور انسانی خصوصیات کو مرکب کر دیا جاتا ہے۔ جو کہ ان صفات کی تیزی کو توڑنے کے بعد اس سے زائل ہوئی تھیں۔ تاکہ اس کے اور عالم کے درمیان مناسبت زائل ہونے کے بعد از سرِ نو مناسبت پیدا ہو جائے اور اللہ تعالیٰ اس مناسبت سے اس کے اور عالم کے درمیان افادہ اور استفادہ کا دروازہ کھول دے۔

اور ان بشری صفات کو زوال کے بعد پھر واپس کرنے اور اس سے ملحق کرنے میں ایک اور حکمت بھی ہے اور وہ ہے مکلفین کا امتحان اور دعوت دیئے گئے لوگوں کی آزمائش تاکہ ناپاک سے پاک الگ ہو جائے اور جھٹلانے والا تصدیق کرنے والے سے جدا ہو جائے اور ان صفات کے رجوع سے معاملہ ملتبس ہونے اور حال کے ملتبس ہونے کے بعد ایمان بالغیب حاصل ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ۔ اور اگر ہم اسے فرشتہ بناتے تو اسے انسان ہی کی شکل میں بھیجتے اور جس شبہے میں وہ اب پڑے ہیں پھر بھی اسی شبہے میں پڑے رہتے۔

اگر کوئی کہے کہ انسان کامل سے ذات اور صفات کے زوال کا کیا مطلب ہے حالانکہ اس کا ظاہر ہمیشہ صفات بشری پر دائم ہے۔ وہ کھاتا ہے اور پیتا ہے اور سوتا ہے اور آرام کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے متعلق فرمایا۔

وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ۔ اور ہم نے ان کو ایسے جسم نہیں بنایا کہ وہ کھانا نہ کھائیں۔

تو میں کہوں گا فنا اور بقا باطن کی صفات سے ہیں ان کا اصل میں ظاہر سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ پس ظاہر ہمیشہ اپنے مقام پر ہے اور باطن کبھی علیحدہ ہوتا ہے اور کبھی صفات سے موصوف ہوتا ہے۔

پھر اگر کہا جائے کہ باطن کے لطائف کتنی ایک ہیں کیا یہ سارے فنا اور بقا سے متحقق ہیں۔ یا ان میں سے بعض اور پھر وہ بعض کونسے ہیں؟۔

تو میں کہوں گا کہ ان دونوں سے جو متحقق ہے وہ لطیفۂ نفس ہے جو کہ اصل میں انسان کی حقیقت ہے جس کی طرف وہ "میں" کے قول سے اشارہ کرتا ہے۔ پس یہی ابتدا میں برائی کا حکم دینے والا ہے اور آخر میں نفس مطمئنہ ہے اور ابتدا میں وہ خداوند تعالیٰ کی عداوت پر ہے۔ ہے۔ اور آخر میں اس سے راضی اور مرضی ہے۔ یہ سب بُروں میں سے بُرا ہے اور بھلوں میں سے بھلا ہے۔ اس کی بُرائی ابلیس کی بُرائی سے بڑھ کر ہے اور اس کی بھلائی تسبیح و تقدیس کرنے والوں کی بھلائی سے زیادہ ہے۔

تنبیہ:-

فنا اور زوال وجودی اور بقا باللہ کا یہ معنی نہیں ہے کہ ممکن سے پورے طور پر امکان زائل ہو جائے اور پھر اسے وجوب حاصل ہو جائے کیونکہ یہ محال عقلی ہے اور اس طرح کہنا کفر ہے۔ بلکہ وہ امکانیت کے بقا کے ساتھ الگ ہونا اور موصوف ہونا ہے۔ بالکل اسی طرح کی علیحدگی اور پوشیدگی جسے اربابِ معقول نے عناصر میں بطریق کون و فساد ثابت کیا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ انہوں نے بطریق مادے کو دونوں حالتوں میں صورۃ نوعیہ کی تبدیلی کے باوجود ثابت رکھا ہے اور ہم مادے اور اس کے ثبوت کے متعلق نہیں کہتے بلکہ ہم کہتے ہیں کہ فنا و بقا قادر مختار جل شانہٗ کی طرف سے ایجاد اور اعدام ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ "وہ آدمی ہرگز آسمانوں کے ملکوت میں داخل نہ ہوگا جو دو دفعہ نہیں جنا گیا"

گویا کہ ولادت ثانیہ سے ایجاد ثانی کی طرف اشارہ ہے۔

اور وہ جو بقا باللہ کہتے ہیں تو یہ رذیل صفات کے زوال اور اخلاقِ حمیدہ کے حصول کی وجہ سے گویا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کی تشبیہ ہیں مجاز اور تشبیہ کے طور پر کہتے ہیں اور میں نے کئی ایک مقامات پر تحقیق کی ہے کہ یقیناً ممکن کی ذات یہی عدم ہے اور بس۔ پس اس کا زوال کوئی معنی نہیں رکھتا کیونکہ ممکن اپنے تمام احوال میں ممکن ہے خواہ وہ حال فنا ہو یا حال بقا جیسا کہ یہ دونوں اپنے عدم کے حال میں تھے۔ اور واجب تعالیٰ (خدا تعالیٰ) ہمیشہ اور دائمی طور پر واجب ہے کوئی چیز اس کی ذات پاک سے ملحق نہیں ہو سکتی اور نہ اس سے کوئی امر متصل ہو سکتا ہے۔ اور شعر فارسی میں کیا ہی خوب کہا گیا ہے ؎

سیاہ روئی ز ممکن در دو عالم
جدا ہرگز نہ شد واللہ اعلم

(حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور تجھ پر یہ بات پوشیدہ نہ رہے کہ ممکن میں امکان کا بقا ممکن میں بقاء اثر اور ثبوت کے مراتب میں سے کسی مرتبہ میں اس کے ثبوت کے بقا سے عبارت نہیں ہے۔ کیونکہ وہ پوری فنا کے منافی ہے اور اس فنا کے ساتھ فنا ہونے والا امانتوں کو اس کے اہل کے پاس واپس کرنے کے بعد اور اس میں منعکس ہونے والے ظلال۔ کو ان کے اصل وجود اور اس کے سارے توابع صفات کاملہ اور نعوت فاضلہ کی طرف رد کرنے کے بعد عدم محض سے جو کامل ہے ملحق ہو گیا ہے۔ اس طرح پر کہ اس میں کسی چیز کی طرف اضافت اور نسبت نہیں پائی جاتی اور نہ کوئی اسم اور نہ کوئی نشان باقی رہتا ہے۔ کیونکہ عدم میں اضافت کا وجود اس کے ثبوت سے خبر دیتا ہے ولو فی الجملۃ فافہم۔

مکتوب نمبر ۵

خانجہاں کی طرف صادر فرمایا

(شریعت متین کی اتباع اور دشمنان دین سے جنگ کرنے کے بیان میں)

حق سبحانہٗ وتعالیٰ بطفیل نبی اور ان کی بزرگ آل علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات اپنی پسندیدہ چیزوں کی توفیق عنایت فرمائیں اور سلامت ومعزز ومحترم رکھیں۔ ؎

گوئے توفیق وسعادت درمیان افگندہ اند [۱]
کس بمیداں درنمے آید سواراں راچہ شد

دنیا کی فانی نعمتیں اور لذتیں اس وقت گوارا اور حلال ہوتی ہیں کہ ان کے ضمن میں شریعت غرا کے مطابق عمل کیا جائے اور آخرت کے ساتھ جمع ہو جائے۔ ورنہ زہر قاتل کا حکم رکھتی ہیں کہ جس کو شکر میں لپیٹ دیا گیا ہو اور اس سے بیوقوفوں کو فریب دیا جائے۔ افسوس ہے اگر اس زہر کا علاج حکیم مطلق جل شانہٗ کے تریاق سے نہ کیا جائے اور اس شیرینی کی تلافی شریعت کے اوامر اور نواہی کی تلخی سے نہ کی جائے۔

مختصر یہ کہ تھوڑی سی کوشش اور تردد سے شریعت کے مطابق کہ جس کی بنا سہولت پر

(حاشیہ صفحہ سابقہ) ممکن ہے اس کی سیاہ روئی دونوں جہانوں میں زائل نہیں ہو سکتی واللہ اعلم۔ (حاشیہ صفحہ ہذا)

[۱] توفیق اور سعادت کا گیند درمیان میں پڑا ہے کوئی بھی میدان میں نہیں آتا سواروں کو کیا ہوا۔

ہے۔ ابدی ملک ہاتھ آتا ہے اور تھوڑی سی غفلت اور فراغت سے وہ ہمیشہ کی دولت ہاتھ سے جاتی ہے۔ دوراندیش عقل کو کام میں لانا چاہیئے اور بچوں کی طرح اس کو اخروٹ اور منقہ سے نہ بیچنا چاہیئے۔

یہی ملازمت جو آپ رکھتے ہیں اگر اس کو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی تعمیل کے ساتھ جمع کر دیں تو آپ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا کام کریں گے اور دین متین کو منور کریں گے ہم فقیر لوگ اگر کئی سال تک بھی اس عمل میں اپنی جان لڑائیں تو آپ جیسے شاہبازوں کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔[۱]

گوئے توفیق وسعادت درمیان افگندہ اند
کس بمیداں درنمے آید سواراں راچہ شد

اے اللہ ہمیں ان کاموں کی توفیق دے جنہیں تو پسند کرتا ہے۔ باقی مقصد یہ ہے کہ دعائیہ رقعہ لے جانے والے فضائل مآب خواجہ محمد سعید و خواجہ محمد اشرف اپنے مخصوص دوستوں سے ہیں جس قدر بھی آپ اُن کے احوال کی رعایت کریں گے فقیروں پر احسان کا باعث ہو گا۔ آپ کا معاملہ بہت بلند ہے اور آپ کی شان بہت رفیع ہے۔

مکتوب نمبر ۵۵

مرزا خاں کی طرف صادر فرمایا

(فقر سے خدا کی طرف واپس چلے جانے کی برائی کے بیان میں)

الحمد للّٰہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

میرے بھائی میاں مرزا خاں نے فقر کی تنگیوں سے بھاگ کر اغنیاء سے التجا کی ہے۔ اور دنیا کی نعمتوں اور لذتوں میں مشغول ہو گئے ہیں۔

انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

آپ نے اچھا نہیں سوچا۔ اگر دنیا میں اغنیاء کی صحبت میں رہ کر بہت ترقی بھی کر لیں تو ایک ہزاری منصب پر چلے جائیں گے۔ اور مان سنگھ پنج ہزاری یا سات ہزاری تھا آپ اس سے تو

[۱] توفیق اور سعادت کا گیند میدان میں پڑا ہے اور کوئی بھی میدان میں نہیں آیا سواروں کو کیا ہوا۔!!

نہ بڑھ سکیں گے۔ اور اگر بالفرض مان سنگھ کے منصب پر بھی پہنچ جائیں تو سوچو کہ کیا چیز کر لوگے اور کونسی بزرگی حاصل کر لوگے۔ کیا فقر میں روٹی نہ ملتی تھی۔ اب مرغن روٹیاں کھاتے ہو اس سے بھی گذر رہی ہے۔ اور اس سے بھی گذر جائے گی

لیکن سوچو کہ کونسا معاملہ تمہارے ہاتھ سے گیا اور جب تنگ رہو گے ہاتھ سے جاتا ہی رہے گا اور زیادہ سے زیادہ غریب ہوتے چلے جاؤ گے۔ جو اپنے نقصان پر راضی ہو وہ شفقت کا مستحق نہیں ہوتا۔ اب جب کہ آپ مبتلا ہو گئے تو کوشش کرو کہ شریعت کا التزام اور اس کی استقامت تمہارے ہاتھ سے نہ جائے اور شغل باطن میں فتور نہ پڑے اگرچہ اس کو دنیا کے ساتھ جمع کرنا مشکل ہے کہ جمع ضدین ہے۔

اس قدر ضرور ہے کہ جو وضع آپ نے اختیار کی ہے اور جس خدمت پر آپ مامور ہوئے ہیں اس میں اگر اپنی نیت صحیح کر لیں تو جہاد میں داخل ہے اور نیک عمل ہے لیکن نیت کی درستی مشکل کام ہے۔ آج یہ خدمت جو فی الجملہ اچھی ہے کل کو ہی شاید کوئی ایسی خدمت فرمائیں جو عین وبال ہو مختصر یہ کہ کام مشکل ہے ہوشیار رہیں۔ خبر شرط ہے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر ۵۶

حضرت مجدد صاحب کے پیرزادہ خواجہ محمد عبد اللہ اور خواجہ جمال

جمال الدین حسین والد خواجہ حسین حسینی احمدی کی طرف صادر فرمایا۔

(صحبت گذشتہ کے فوت ہونے پر افسوس اور اسرار مجددیہ کی طرف اشارہ کے بیان میں۔)

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی۔

میری دونوں آنکھوں کی ٹھنڈک اور کانوں کی مسرت خواجہ محمد عبد اللہ و خواجہ جمال الدین حسین ظاہری اور باطنی اطمینان سے آراستہ رہیں۔ آپ نے خفیہ غفلت اختیار کی ہے اور بڑی نامہربانی ہے کہ ہمسائیگی کا قرب حاصل ہونے کے باوجود سرہند میں نہیں پہنچے اور نہ اس غریب کو پوچھا اور حقوق شناسائی بجا نہ لائے اور خواجہ محمد افضل کا کیا گلہ کروں۔ آشنائی میں ان سے ہمیشہ کئی مراحل تک دور رہتے ہیں۔ بلکہ ہماری آشنائی سے خوفزدہ ہیں۔

میر منصور بیگ سے کیا کہوں کہ وہ ہمیشہ صحبت کی آرزو رکھتے ہیں اور امکان سے وجود میں نہیں

لائے فقہائے عظام کا قول ہے۔

الرَّاضِیُ بِالضَّرَرِ لَا یَسْتَحِقُّ النَّظْرَ۔ (جو اپنے نقصان پر راضی ہو وہ شفقت کا مستحق نہیں ہوتا)

لشکر اگرچہ ظاہری طور پر ظلمات ہے لیکن آب حیات کو شامل ہے۔ اس جگہ اللہ تعالیٰ کی مدد سے اگرچہ بطریق قلت ہی سہی ایسے موتی ہاتھ آتے ہیں کہ دوسری جگہوں میں اگر اس گوہر سے کمتر بھی میسر ہو تو غنیمت ہے۔ جس سپاہی نے قدر و قیمت پیدا کی ہے تو وہ اس کو دشمنوں کے غلبے کے وقت میسر ہوتی ہے اگرچہ سلامتی گوشے میں ہے۔ لیکن جہاد اور شہادت کی دولت میدانِ جنگ میں ہے گوشہ اور زاویہ عورتوں اور کمزور لوگوں کے مناسب ہے۔

حدیث میں آیا ہے۔

اَلْمُؤْمِنُ الْقَوِیُّ خَیْرٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِیْفِ (طاقتور مومن کمزور مومن سے بہتر ہے)

طاقتور مردوں کا کام میدان جنگ میں لڑنا ہے۔

قُلْ کُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِهٖ فَرَبُّکُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰی سَبِیْلًا۔ آپ کہیں ہر ایک اپنے طریقہ پر کام کرتا ہے۔ سو تمہارا رب خوب جانتا ہے۔ اس کو جو زیادہ راہ پانے والا ہے۔

رخصت کی مدت گزارنے کے بعد جب لشکرگاہ کی طرف متوجہ ہوا تو فرزند محمد سعید کو ضرورت کے لئے گھر میں چھوڑا اور جب وہ فیوض و برکات و علوم و معارف جو کہ فرزند کی جدائی کے بعد ظاہر ہوئے ملاحظہ کئے تو ان کی جدائی سے پشیمان ہوا فرصت کو غنیمت سمجھا ان کو طلب کیا اس امید پر سب چھوٹے بڑے آگئے۔ کہ ان برکات سے گدائی کریں۔ عجیب معاملہ ہے کہ گویا ہم ملامتیہ گروہ میں ہیں یا قلندریہ جماعت میں۔ حالانکہ ہم ان دونوں فریق سے جدا ہیں اور کاروبار علیحدہ رکھتے ہیں۔

تھوڑا سا علوم جدیدہ میں سے سن لو۔ ایک مکتوب کا عنوان ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

هَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ یَکُنْ شَیْئًا مَّذْکُوْرًا۔ بیشک انسان پر ایسا وقت بھی آیا ہے جب کہ یہ کوئی چیز بھی قابلِ ذکر نہ تھا۔

ہاں اے میرے اللہ واقعی انسان پر ایک ایسا وقت بھی آیا ہے جب یہ کوئی چیز بھی قابلِ ذکر نہ تھا۔ نہ اس کی ذات تھی نہ صفت نہ شہود و نہ وجود الخ۔

اور آپ نے مکتوبات میں دیکھا ہوگا کہ میں نے زوال وجودی کو الحاد و زندقہ کی قسم سے شمار کیا ہے اور اس جگہ میں نے یہ عبارت لکھی ہے۔ اور اللہ سبحانہٗ کے کرم سے اس کا علاج کیا ہے۔ ع

قیاس کن ز گلستان من بہار مرا[1]

یہ تمام دولتیں ان واقعات کی برکات سے ہیں اگر وہ نہ ہوتے تو یہ بھی نہ ہوتیں۔ اے ہمارے رب ہمارے نور کو پورا کر اور ہمیں بخش دے۔ یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔ مولانا محمد مراد چونکہ اس طرف ہمارے تھے لہذا دو کلمے لکھ دیئے گئے۔ انجام بخیر ہو۔

مکتوب نمبر ۵

مولانا حمید احمدی کی طرف صادر فرمایا

(حدوثِ عالم اور عقلِ فعال کے رد کے بیان میں)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ۔

اللہ تعالیٰ اپنی ذات پاک کے ساتھ موجود ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ہستی بذات خود قائم ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جس طرح ہے ہمیشہ اسی طرح رہے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ عدم سابق اور عدم لاحق کو اس کی ذاتِ پاک کی جناب میں راہ نہیں ہے کیونکہ وجوب وجود اس بارگاہ مقدس کا کمینہ خادم ہے اور سلب عدم اس بارگاہ محترم کا کمترین خاکروب ہے۔ اور جو اللہ تعالیٰ کے سوا ہے جس کا نام عالم ہے خواہ وہ عناصر و افلاک ہوں اور خواہ عقول و نفوس اور خواہ بسائط و مرکبات تمام خداوند تعالیٰ کی ایجاد سے موجود ہوتے ہیں۔ اور عدم سے وجود میں آتے ہیں اور صرف خداوند تعالیٰ کے لئے قدم ذاتی اور زمانی ثابت ہے اور بس اور اس کے سوا جو بھی ہے اس کے لئے حدوث ذاتی اور زمانی ثابت ہے جیسا کہ زمین کو دو روز میں خلق فرمایا ہے اور آسمانوں اور ستاروں کو زمین کی پیدائش کے بعد دو روز میں عدم سے وجود میں لایا ہے۔

---

[1] میری بہار سے میری بہار کا اندازہ کرو۔ ۱۲

آیت کریمہ

خَلَقَ الْأَرْضَ فِي يَوْمَيْنِ (اس نے زمین کو دو دن میں پیدا کیا)

اور آیت کریمہ

فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِي يَوْمَيْنِ (پھر دو روز میں ان کو سات آسمان بنایا)

اس بات کی تصدیق ہے۔

وہ بیوقوف ہے بلکہ قرآنی نص کا منکر جو ماسوی میں سے بعض چیزوں کے قدیمی ہونے کے متعلق لب کشائی کرے اور افلاک و کواکب کے قدیمی ہونے کا حکم لگائے اور بسیط عناصر کو قدیم جانے اور عقول و نفوس کو ازلی و قدیم تصور کرے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز کے حادث ہونے پر تمام اہل ملت کا اجماع ہو چکا ہے اور سب نے عدم سابق کے بعد ماسوا کے وجود میں آنے کا حکم لگایا ہے۔ چنانچہ امام حجۃ الاسلام غزالی نے اپنے رسالہ منقذ عن الضلال میں اس معنی کی تصریح کی ہے اور اس جماعت کی جو اجزائے عالم میں سے بعض اجزا کے قدیم ہونے کے قائل ہے اس وجہ سے ان کی تکفیر کی ہے رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ پس ممکن اشیاء میں سے بعض کے قدیم ہونے کا حکم لگانا دین اسلام سے نکلنا ہے۔ اور فلسفہ میں داخل ہونا ہے۔

اور جس طرح اللہ تعالیٰ کے سوا کے لئے عدم سابق ثابت ہے عدم لاحق بھی اس کا دامن گیر ہے۔ ستارے آسمانوں سے گر پڑیں گے اور آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے اور زمین اور پہاڑ بھی ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ اور سب معدوم ہو جائیں گے جیسا کہ قرآن مجید کی نص اس کی تصریح کرتی ہے اور تمام اسلامی فرقوں کا اس پر اجماع ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کلام مجید میں فرمایا ہے۔

فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ وَّحُمِلَتِ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ

پھر جب ایک ہی دفعہ نرسنگھا پھونکا جائے گا اور زمین اور پہاڑ اٹھا کر ایک ہی دفعہ کوٹ دیئے جائیں گے۔ تو اس دن واقعہ ہونے والی واقع ہو گی اور آسمان پھٹ جائے گا اور وہ اس دن بالکل کمزور ہو گا۔

اور فرمایا ہے۔

إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۔ وَإِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ — جب سورج لپیٹ دیا جائے گا اور جب ستارے گدلا جائیں گے اور پہاڑ چلائے جائیں گے۔

اور فرمایا ہے۔

إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ۔ — جب آسمان پھٹ جائے گا اور ستارے جھڑ پڑیں گے۔

اور فرمایا ہے۔

إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ — جب آسمان پھٹ جائے گا۔

اور فرمایا ہے۔

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ۔ — اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے۔ اسی کا حکم ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

اور ان جیسی قرآن مجید میں بہت سی آیات وارد ہیں۔ کوئی جاہل ہی ہو گا جو ان کے فنا ہونے کا انکار کرے اور یا وہ ہو گا جس کا قرآن پر ایمان نہیں ہے۔ اور فلاسفہ کی ملمع شدہ باتوں پر فدا ہے۔

مختصر یہ کہ ممکنات میں عدم لاحق عدم سابق کے اثبات کی طرح تسلیم کرنا دین کے ضروریات سے ہے اور اس پر ایمان لانا لازم ہے اور وہ جو علماء نے کہا ہے۔ کہ سات چیزیں فنا نہ ہوں گی۔ عرش۔ کرسی۔ لوح۔ قلم۔ بہشت۔ دوزخ اور روح یہ باقی رہیں گی۔ تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ چیزیں فنا قبول نہیں کرتیں اور زوال کی قابلیت نہیں رکھتیں۔

حاشا و کلا

بلکہ قادر مختار جل شانہ جس کو چاہے اپنی حکمت و مصلحت کی بنا پر وجود کے بعد فنا کر دے اور جس کو چاہے باقی رکھے

يَفْعَلُ اللهُ مَا يَشَاءُ وَيَحْكُمُ مَا يُرِيدُ۔ — (اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو چاہے فیصلہ کرتا ہے۔)

اس بیان سے ظاہر ہوا کہ عالم اپنے تمام اجزا کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہے۔

اور اپنے وجود و بقا میں اس کا محتاج ہے۔ کیونکہ بقا اس وجود کے نفس کا دوسرے اور تیسرے اور جہاں تک اللہ چاہے زمانہ میں برقرار رہنا ہے۔ اس وجود پر کوئی امر زائد نہیں ہے۔ کہ جس کا نام بقا ہو پس نفس وجود اور وجود کا برقرار رہنا دونوں اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے سپرد ہوئیں۔ عقل فعال کیا ہوتی ہے۔ جو چیزوں کا سرانجام کرے اور حوادث اس کی طرف منسوب ہوں کیوں کہ اس کے اپنے وجود اور ثبوت میں ہزاروں شکوک ہیں کیونکہ اس کا تحقق اور اس کا حصول فلاسفہ کے ملمع شدہ مقدمات پر مبنی ہے جو کہ اسلام کے اصول حقہ کی رو سے ناتمام اور نامبارک ہیں۔

کوئی بیوقوف ہی ہوگا جو اشیاء کو قادر مطلق جل شانہٗ سے روک کر لیسے امر موہوم کیطرف ان کو منسوب کرے بلکہ خود اشیاء کو ہزار عار و ننگ ہے کہ فلسفی کی من گھڑت چیز کی طرف وہ منسوب ہوں۔ بلکہ اشیاء اپنے عدم پر راضی اور خوش ہیں اور ہرگز وجود کی رغبت نہ کریں گی اس سے کہ ان کے وجود کو سفسطی کی بنائی ہوئی چیز کی طرف منسوب کیا جائے اور قادر مختار جل سلطانہٗ کی قدرت کی طرف ان کو منسوب ہونے کی سعادت سے محروم کر دیا جائے۔

كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ إِنْ يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا۔ بہت بڑی بات ہے جو ان کے مونہوں سے نکلتی ہے۔ وہ صرف جھوٹ کہتے ہیں۔

مکتوب نمبر ۵۸

خواجہ صلاح الدین احراری کی طرف صادر فرمایا

(اس بیان میں کہ وجود ممکنات کی نمود و خلق مرتبۂ وہم و حس میں ہے جس نے استحکام پیدا کر لیا ہے)

كَانَ اللّٰهُ وَلَمْ يَكُنْ مَعَهٗ شَيْءٌ۔ (اللہ تھا اور کوئی چیز اس کے ساتھ نہ تھی)

اور جب اس نے چاہا کہ اپنے پوشیدہ کمالات کو ظاہر کرے تو اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہر اسم نے مظاہر میں سے ایک مظہر کا مطالبہ کیا۔ تاکہ اپنے کمالات کو اس مظہر میں جلوہ گر کرے اور وجود اور توابع وجود کی مظہریت کے لئے عدم کے سوا اور کوئی چیز قبول کرنے والی نہیں تھی۔ کیونکہ کسی شے کا آئینہ اور مظہر اس شے کے مقابل اور اس سے علیحدہ ہے۔ اور وجود کا مباین اور مقابل صرف عدم ہے۔

پس اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی کمال قدرت سے عالم عدم میں اپنے اسماء میں سے ہر اسم کے لئے مظاہر میں سے ایک مظہر متعین فرمایا۔ اور اس کو مرتبہ حس و وہم میں جب چاہا اور جس طریقہ پر چاہا پیدا کیا۔ "اس نے اشیاء کو جب چاہا اور جس طرح چاہا پیدا کیا"۔ اور اپنی کمالات اس کے ساتھ وابستہ کیا یہ معلوم ہونا چاہیے کہ عدم خارجی کے منافی ثبوت خارجی ہے وہ ثبوت منافی نہیں جو مرتبہ حس و وہم میں پیدا کرے کہ وہ منافات کی بو نہیں رکھتا اور عالم کا ثبوت مرتبہ وہم و حس میں ہے نہ کہ مرتبہ خارج میں کہ وہ اس کے منافی ہو۔ پس جائز ہے کہ عدم حس و وہم کے مرتبہ میں ثبوت پیدا کرے اور خدا تعالیٰ کی صنعت سے اس کو اس جگہ استواری اور مضبوطی حاصل ہو اور اس مرتبہ میں بطریق انعکاس و ظل وہ زندہ اور علم والا اور قدرت والا اور ارادہ کرنے والا اور دیکھنے والا اور سننے والا اور بولنے والا ہو اور مرتبہ خارج میں اس کا کوئی نام و نشان نہ ہو اور خارج میں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے سوا کوئی چیز ثابت اور موجود نہ ہو اور اس لحاظ سے کہا جا سکتا ہے۔

(اب بھی وہ ویسا ہی ہے جیسا پہلے تھا۔)

اس کی مثال تیزی سے گردش کرنے والے نقطہ اور دائرہ موہومہ کی سی ہے کہ موجود تو صرف وہی نقطہ ہے اور لیں اور دائرہ خارج میں معدوم ہے۔ وہ خارج میں کوئی نام و نشان نہیں رکھتا۔ لیکن اس کے باوجود اس دائرہ نے مرتبہ حس و وہم میں ثبوت پیدا کیا ہے اور اس مرتبہ میں بطریق ظلیت اس کو چمک دمک حاصل ہے۔ اس تحقیق سے ان لمبے چوڑے مقدمات سے بے نیازی حاصل ہو جاتی ہے۔ جو کہ شیخ محی الدین ابن عربی اور اس کے متبعین نے فرمائے ہیں اور تنزلات کا بیان کیا ہے اور تعینات علمی و خارجی بنائے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے علم کے مرتبہ میں حقائق اور اعیان ثابتہ کو ثابت کیا ہے اور ان کے عکوس کو خارج میں جو کہ ظاہر وجود ہے مقرر رکھا ہے اور ان کے آثار کو خارجی کہا ہے جیسا کہ ان کے کلام کو انصاف سے دیکھنے والے اور ان کی اصطلاحات کو جاننے والے پر مخفی نہیں ہے۔

اور اس تحقیق سے معلوم ہو گیا کہ کوئی چیز بھی اللہ تعالیٰ کے سوا خارج میں موجود نہیں ہے۔ کیا ذوات اور کیا ذوات کے صفات بلکہ ان کا ثبوت مرتبہ حس و وہم میں ہے اور کوئی استحالہ لازم نہیں آتا کیونکہ یہ عالم موہوم نہیں ہے کہ جس نے وہم کے اختراع سے ثبوت پیدا کیا ہے کہ وہم کے زوال سے وہ زائل ہو جائے گا بلکہ اس کا ثبوت خدا تعالیٰ کی صنعت سے مرتبہ وہم میں ہے اور کہ اس مرتبہ میں ثبات و تقرر اور استواری اور استحکام رکھتا ہے۔

صُنْعَ اللّٰہِ الَّذِیْ اَتْقَنَ کُلَّ شَیْءٍ۔ اللہ کی صنعت نے ہر چیز کو مضبوط کر دیا۔

اس بیان سے واضح ہوا کہ ممکنات کے حقائق عدمات ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے علم میں تعین و تمیز پیدا کیا۔ اور اللہ تعالیٰ کی صنعت سے دوسری مرتبہ حس و وہم کے مرتبہ میں ثابت ہوئے ہیں۔ اور بعض ان میں سے اللہ جل شانہٗ کے اسماء کے آئینہ بنے اور اس مرتبہ میں بطور ظل و انعکاس زندہ و عالم قادر و مرید اور دیکھنے اور سننے اور بولنے والے ہوئے۔

اور شیخ اور اس کے متبعین کی تحقیقات کے مطابق ممکنات کے حقائق اسماء الٰہی جل سلطانہٗ کے صور علمیہ ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ کے وجود کے تنزلات خمسہ میں سے ایک ہیں۔ مختصر یہ کہ اس فقیر کے فہم کے نزدیک ممکنات کے حقائق عدمات ہیں اور حضرت شیخ کے نزدیک وجودات منزلہ اور حضرت شیخ نے کثرت کی نمود کو خارج میں ثابت کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ صور علمیہ متکثرہ جو کہ ممکنات کے حقائق ہیں اور ان کو اعیان ثابتہ سے تعبیر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے وجود ظاہر کے آئینہ میں کہ اس کے سوا خارج میں کوئی چیز موجود نہیں ہے۔ منعکس ہوئے ہیں اور خارج میں ظہور پیدا کیا ہے۔ اور ایسا دکھائی دیتے ہیں کہ خارج میں ہیں اور حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی چیز خارج میں موجود نہیں ہے۔

اور فرماتے ہیں کہ صور علمیہ میں سے ہر ایک کو اوقات میں سے کسی وقت میں ظاہر وجود کے ساتھ جو کہ ان صور کے لئے آئینہ کی طرح ہے۔ نسبت مجہول الکیفیت پیدا ہو جاتی ہے جو کہ خارج میں اس کے نظر آنے کا سبب ہوتی ہے اور فرماتے ہیں کہ یہ مجہول الکیفیت نسبت کسی کو بھی معلوم نہیں حتیٰ کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھی اس کی اطلاع نہیں دی گئی ہے۔ اور خارج میں ان صورتوں کے اظہار کو اس مجہول الکیفیت نسبت کے حصول کے بعد خلق کہا ہے اور ایجاد اشیاء جانا ہے۔

اور اس سابق تحقیق کے مطابق کہ اس فقیر کو اس کی راہنمائی ہوئی ہے۔ جس طرح اشیاء کا خارج میں وجود نہیں ہے۔ ان کی نمود بھی خارج کے خانہ میں اسی اپنی بے رنگی پر ہے۔ اس میں نہ غیر کا وجود ہے اور نہ نمود۔ اگر اس کی نمود ہے تو وہ بھی مرتبہ وہم میں ہے اور اگر ثبوت ہے تو وہ بھی خدا تعالیٰ کی صنعت سے مرتبہ موہوم میں ہے۔ مختصر یہ کہ اس کی نمود اور اس کا ثبوت ایک ہی مرتبہ میں ہے نہ یہ کہ اس کی نمود ایک جگہ میں ہو اور اس کا وجود دوسری جگہ میں مثلاً دائرہ موہومہ جو کہ

نقطہ جوالہ (گردش کرنے والا) سے پیدا ہوا ہے جس طرح اس کا ثبوت مرتبۂ وہم میں ہے اس کی نمود بھی اسی مرتبہ میں ہے کہ اس کا نقش وہم میں ہے نہ خارج میں اور نمود بھی اسی مرتبہ میں ہے کیونکہ خارج میں اس کا کوئی نشان نہیں ہے کہ وہ ظاہر ہو۔

خلاصۂ کلام یہ کہ نمود وہمی کو نمود خارجی سمجھتے ہیں جس طرح کہ عالم مثال میں بیداری کی حالت میں باطن کی حس سے صُوَر مثالیہ کو دیکھتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ ان صورتوں کو عالم شہادت میں اور حسِ ظاہری سے دیکھتے ہیں اور اس قسم کے اشتباہ بہت واقع ہوتے ہیں کہ ایک مرتبہ کو دوسرے مرتبہ سے مشتبہ پاتے ہیں اور ایک کا حکم دوسرے پر لگا دیتے ہیں۔ پس جس بحث میں ہم ہیں وہ دائرہ موہوم جو کہ خیال میں منتقش ہوا ہے خیال کی آنکھ سے اس مرتبہ میں کہ جس میں وہ منتقش ہے دیکھتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ اس کو ظاہری آنکھ سے دیکھ رہے ہیں اور ایسا نہیں ہے۔

کیونکہ اس دائرہ کا خارج میں کہ نقطہ جوالہ کا محل ہے کوئی نام و نشان نہیں ہے تاکہ وہ دیکھا جا سکے اور آدمی کی صورت جو آئینہ میں منعکس ہوئی ہے وہ بھی اسی دستور پر ہے کہ صورت کا نہ خارج میں ثبوت ہے اور نہ نمود۔ بلکہ اس کا ثبوت و نمود دونوں مرتبہ خیال میں ہیں۔ واللہ سبحانہٗ اعلم۔

پس جس کو شیخ قدس سرہ نے خارج سمجھا ہے اور چیزوں کا اس میں بطریق انعکاس نمود ثابت کیا ہے وہ خارج نہیں ہے بلکہ مرتبۂ وہم ہے جس نے خداوند تعالیٰ کی صنعت سے تقرر و ثبات پیدا کیا ہے اور خارج متوہم ہوتا ہے۔ اور خارج اس سے آگے ہے جو ہمارے شہود و احساس سے بہت بلند ہے اور وہ جو ہمیں مشہود و محسوس و معقول و متخیل ہوتا ہے۔ یہ سب دائرہ وہم میں داخل ہے۔ موجود خارجی جل سلطانہٗ ہمارے وہم سے دور بہت دور ہے اس جگہ آئینہ کی کیا گنجائش رکھتی ہے اور وہ کونسی صورت ہو سکتی ہے جو اس حضرت سبحانہٗ میں منعکس ہو گئی اور صورت سب ظلال کے مراتب میں ہیں کہ جس کا تعلق دائرہ وہم و حس سے ہے۔ اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما اور ہمارے کام میں بھلائی پیدا کر۔

مکتوب نمبر ٥٩

خواجہ شرف الدین حسین کی طرف صادر فرمایا

(حوادث روز مرہ کو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے اور ان سے لذت حاصل کرنے کے بیان میں)

اللہ سبحانہ و تعالیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی شاہراہ پر استقامت عطا فرمائے اور پوری طرح اپنی جناب قدس کا اسیر بنالے۔

فرزند عزیز با تمیز!

روز مرہ کے حوادث چونکہ اللہ تعالیٰ جل سلطانہٗ کے ارادہ سے ثابت ہیں اور اس کے فعل سے ثابت ہیں تو اپنے ارادہ کو اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے تابع کر کے ان حوادث کو اپنی مراد بنانا چاہیئے اور ان سے لذت حاصل کرنا چاہیئے۔ اگر بندگی ہے تو اس نسبت کو پورا کرنا چاہیئے۔ اور اگر ایسا نہیں ہے تو بندگی سے سر کھینچنا ہے۔ اور اپنے مولا جل شانہٗ سے جنگ کرنا ہے۔

حدیث قدسی میں آیا ہے۔

مَنْ لَمْ يَرْضَ بِقَضَائِيْ وَلَمْ يَصْبِرْ عَلٰى بَلَائِيْ فَلْيَطْلُبْ رَبًّا سِوَائِيْ وَلْيَخْرُجْ مِنْ تَحْتِ سَمَائِيْ۔

جو میری تقدیر پر راضی نہ ہوا اور میری مصیبت پر صبر نہ کرے وہ میرے سوا کوئی اور رب بنالے اور میرے آسمان کے نیچے سے نکل جائے۔

ہاں فقراء اور مساکین اور کمزوروں کی ایک جماعت آپ کی رعایت اور حمایت سے آسودہ اور مرفہ حال ہے۔ چونکہ یہ بھی اپنا ایک مالک رکھتے ہیں اور وہ ان کو کافی ہے۔ البتہ آپ کی نیک نامی باقی رہ گئی ہے۔ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ آپ کو اس کی جزا دنیا اور آخرت میں عطا کرے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر ٦٠

آپ نے پیرزادہ خواجہ محمد عبداللہ کی طرف صادر فرمایا

(اس بیان میں کہ انسان کی ذات عدم ہے اور اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کے ظلال کا اسفل میں عکس ہے اور یہ کہ نفسا کی ذات اس کا نفس ناطقہ ہے۔ نفس و قلب اور علم حصولی اور علم حضوری کے بیان میں)

صرف وہی موجود و آشکارا ہے پاک ہے وہ اللہ جو حدوث اکوان کی وجہ سے اپنی ذات وصفات واسماء میں متغیر نہیں ہوتا۔ کیونکہ حدوث اکوان میں ہر تغیر و تلون جو ظاہر ہوا ہے وہ عدم کے مراتب میں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کوئی تنزل اور تبدل خواہ وہ خارج میں ہو خواہ علم میں ہو راہ نہیں پاسکتا۔

اس کا بیان یہ ہے کہ جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے چاہا کہ اپنے ذاتی وصفاتی و اسمائی کمالات کو ظاہر کرے اور اشیاء کے آئینہ میں ان کو جلوہ گر کرے تو ہر کمال کے لئے عدم کے مراتب میں اس کمال کے برخلاف کو کہ وہ اس کے مقابل تھا اور تمام اعدام کی نسبت سے متمیز ہے۔ اس کمال کی مرآتیت کے لئے متعین فرمایا۔ کیونکہ کسی شے کا آئینہ اس شے کا مقابل ہے۔ اور اس شے کے ظہور کا سبب ہے۔ "چیزیں اپنی ضد سے ظاہر ہوتی ہیں"

اور ان اعدام کو کہ ان کمالات کی آئینگی کی قابلیت رکھتے ہیں۔ جب چاہا مرتبہ حس و وہم میں ایجاد کیا اور ان کو استقرار و استحکام بخشا اور ان تمام کمالات کو ان میں منعکس کیا اور اس انعکاس سے ان اعدام کو اس مرتبہ میں زندہ اور عالم اور قادر اور ارادہ کرنے والا اور سننے والا۔ دیکھنے والا اور بولنے والا بنایا لیکن محسوس ہوا ہے کہ پہلے عدم میں تصرف کرتے ہیں بغیر اس کے کہ اس میں کسی دوسری چیز کو ملائیں اور اس کو اس تصرف سے نرم اور ملائم کرتے ہیں اس کے بعد اس میں کمال کا ظہور کرتے ہیں۔ جس طرح کہ پہلے موم کو نرم اور ملائم کرتے ہیں۔ اس کے بعد اس سے صورت و اشکال پیدا کرتے ہیں۔

جاننا چاہیے کہ عدم سے مراد اس جگہ عدم خارجی ہے جو وجود خارجی کے مقابل ہے پس اس کی ایجاد کے منافی جو کہ مرتبہ وہم میں واقع ہوتا ہوگا اور ثبوت وہمی اس سے کوئی جنگ نہیں رکھتا۔ باوجود اس کے کہ میں کہتا ہوں کہ عدم کا منافی وجود ہے۔ جو کہ اس کا نقیض ہے۔ اور عدم وجود نہیں ہوتا لیکن اگر بالفرض عدم موجود ہو جائے تو بھی کوئی استحالہ لازم نہیں آتا۔ جیسا کہ حکماء نے وجود کے متعلق کہا ہے جو کہ معقولات ثانویہ سے ہے جو کہ خارج میں معدوم ہے۔ اس تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ اشیاء کے حقائق اعدام ہیں کہ مرتبہ وجود تعالیٰ

شانہٗ کے کمالات ان میں منعکس ہوئے ہیں اور انہوں نے خداوندی جل سلطانہٗ کی ایجاد سے وہبی ثبوت و تحقق پیدا کر لیا ہے اور مرتبہ حس و وہم میں استقرار و استمرار حاصل کیا ہے گویا کہ اشیاء کی ذوات تو وہ اعدام ہیں اور ان میں کمالات کا انعکاس ان اعدام کے ہاتھ پاؤں کی طرح ہیں اور اس کے قویٰ بمنزلہ جوارح ہیں۔

ان مقدمات کی تمہید کے بعد چند باتیں اصلی مقصد سے جو کہ ولایت خاصہ سے تعلق رکھتی ہیں مذکور ہوتی ہیں۔ گوش ہوش سے سننا چاہیئے۔ جان لے کہ اللہ تیرا بھلا کرے اور تجھے سیدھے رستے کی رہنمائی کرے کہ انسان کی حقیقت اور اس کی ذات عدم ہے جو کہ نفس ناطقہ کی حقیقت ہے اور ابتداء میں اس نفس کو نفس امارہ کہتے ہیں اور انسان کا ہر فرد "میں" کے لفظ سے اس کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ پس انسان کی ذات نفس امارہ ہوتا ہے اور انسان کے باقی لطائف اس کے لئے قویٰ و جوارح کی طرح ہیں اور چونکہ عدم بذات خود محض شر ہے وہ بھلائی کی بو بھی نہیں رکھتا تو نفس امارہ بھی خالص شر (برائی) ہوتا ہے اور اس میں بھلائی کی بو نہیں ہوتی اور یہ بھی شرارت و جہالت ہے کہ منعکس ہونے والے کمالات کو جو کہ اس کے اندر بطریق ظلیت ظاہر ہوتے ہیں اپنی طرف سے جانتا ہے اور ان کے قیام کو جو اپنے اصل کے ساتھ ثابت ہیں اپنے نفس کی طرف نسبت کرتا ہے اور اپنے آپ کو ان کمالات کی وجہ سے کامل اور خیر جانتا ہے۔ اور اس وجہ سے سرداری کا دعویٰ کرتا ہے اور اپنے خدا جل سلطانہٗ کے ساتھ ان کمالات میں اپنے آپ کو خدا کا شریک ٹھہراتا ہے اور طاقت اور قوت کو اپنی طرف سے تصور کرتا ہے اور اپنے آپ کو متصرف سمجھتا ہے اور چاہتا ہے کہ سب اس کے تابع رہیں اور وہ کسی کے تابع نہ ہو اور اپنے آپ کو سب سے زیادہ پسند کرتا ہے اور دوسروں کو اپنے دوست رکھتا ہے نہ کہ ان کے لئے اور ان فاسد خیالات کی بنیاد پر اپنے مولا جل سلطانہٗ سے ذاتی عداوت پیدا کر لیتا ہے۔ اور اس کے اتارے ہوئے احکام کا معتقد نہیں ہوتا اور اپنی خواہشات کی پیروی کرنا چاہتا ہے اور اپنی خواہشات کی پیروی کرتا ہے۔

حدیث قدسی میں آیا ہے۔

عَادِ نَفْسَکَ فَاِنَّهَا انْتَصَبَتْ بِمُعَادَاتِیْ۔ اپنے نفس سے دشمنی رکھ کہ یہ میری دشمنی پر کھڑا ہو گیا ہے۔

اور حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے اپنی کمال رافت و رحمت سے اپنے انبیاء علیہم الصلوٰۃ

والسلام کو مبعوث فرمایا۔ جو کہ جہانوں کے لئے رحمت ہیں تاکہ خداوند تعالیٰ کی طرف دعوت دیں۔ اور اس دشمن کے کارخانہ کو تباہ و برباد کر دیں اور اس کو اپنے خالق اور مولا کی طرف رہنمائی کریں۔ اور اس جہالت اور خباثت سے اس کو باہر نکالیں اور اس کی شرارت اور نقص پر مطلع کریں پھر جو آدمی ازلی سعادت رکھتا تھا اس نے ان بزرگواروں کی سعادت کو قبول کیا اور اپنی جہالت و خباثت سے باز آ گیا۔ اور احکام منزلہ کا تابع ہوا۔

جاننا چاہیے کہ تزکیہ نفس کا طریقہ دو قسم پر ہے۔ ایک طریقہ وہ ہے جو ریاضت اور مجاہدات سے تعلق رکھتا ہے اور یہ انابت کا طریقہ ہے جو مریدوں سے مخصوص ہے اور دوسرا طریقہ جذب اور محبت کا طریق ہے جو کہ اجتباء کی راہ ہے اور یہ مرادوں سے تعلق رکھتا ہے اور ان دونوں طریقوں میں بڑا فرق ہے۔ پہلا طریق تو مطلوب کی طرف چل کر جاتا ہے۔ اور دوسرا طریق مقصود تک لے جاتا ہے اور جانے اور لے جانے میں بڑا فرق ہے اور جب سابقہ کرم کی بنا پر کسی صاحب دولت کو چاہتے ہیں کہ اجتباء کی راہ سے لے جائیں تو اس کو جناب قدس میں جذب اور محبت عطا فرماتے ہیں اور کشاں کشاں لے جاتے ہیں اس دوران میں کوئی سعادت مند ہوتا ہے جس کو فنا کی حد تک لے جاتے ہیں اور ماسوا کی دید و دانش سے رہا کر دیتے ہیں۔ اور انفس و آفاق سے گزار دیتے ہیں۔

آفاق کا نسیان دل کی فنا سے وابستہ ہے اور انفس کی فنا نفس امارہ کی فنا پر موقوف ہے پہلے میں علم حصولی کا زوال ہے اور دوسرے میں علم حضوری کا زوال ہے اور علم حضوری کا زوال اس وقت تک متصور نہیں ہوتا جب تک کہ نفس حاضر کا زوال متحقق نہ ہو کیونکہ جب تک حاضر قائم ہے علم حضوری اپنی جگہ پر ہے کیونکہ علم حضوری نفس حاضر سے عبارت ہے نہ کہ اس پر کوئی زائد امر ہے۔ پس زوال شہودی فنائے نفس میں اس کے زوال وجودی سے عبارت ہے۔ برخلاف زوال شہودی کے کہ اس کو فنائے قلب میں اعتبار کیا جاتا ہے اور وہ وجود قلب کے زوال کو مستلزم نہیں ہے۔ اس کو اچھی طرح سمجھ لے یہ ایسا باریک فرق ہے جس کی بہت کم راہنمائی ہوتی ہے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔

تنبیہ:۔

کوئی نادان یہ خیال نہ کرے کہ زوال نفس حاضر تو مقام بقا باللہ میں جو کہ توحید وجودی والوں کو میسر ہوتا ہے بھی حاصل ہے کیونکہ اس مقام میں حاضر تو اللہ تعالیٰ ہے نہ کہ نفس سالک جو

کہ فانی ہو چکا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس مقام میں حاضر نفس سالک ہے کہ اس کو عنوان حقیقت سمجھا ہے نہ کہ حضرت حق تعالیٰ شانہٗ کہ وہ اس تعین اور اس حضور سے پاک ہے۔ اور منزّہ ہے۔ اسی قبیل سے ہے جو کہا گیا ہے۔ ؎

بخواب[1] اندر مگر موشے شتر شد

اس جگہ نفس حاضر کے علم کا زوال ہے جو کہ علم حصولی کی قسم سے ہے نہ کہ نفس حاضر کا زوال جو کہ علم حضوری کے زوال کو مستلزم ہوتا ہے اور نفس حاضر کا زوال ذات وصفات کے زوال سے عبارت ہے نہ کہ نفس حاضر کے علم کا زوال۔ ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ اے ہمارے رب ہمارے نور کو پورا کر دے۔ یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔

والسلام علی من اتبع الھدیٰ۔

مکتوب نمبر ۱۶

حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید مدظلہ کی طرف صادر فرمایا

(اس بیان میں کہ بعض مظاہر کی رویت عارف کے لئے عروج کا ذریعہ ہو جاتی ہے اور اس کے علاوہ اور چیزیں بھی)

جب عارف کا معاملہ خالص اللہ تعالیٰ کی ذات تک چلا جاتا ہے اور تمام نسبتیں اور اعتبارات ساقط ہو جاتی ہیں اور اس مقام میں عروج مشکل ہو جاتا ہے اور بغیر علاقہ و تعلق کے اس سے باہر آنا مشکل ہو جاتا ہے تو اس وقت کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بحکم

اَلنَّظْرَۃُ الْاُوْلٰی لَکَ۔ (پہلی نگاہ تیرے لئے فائدہ مند ہے)

پہلی نگاہ جو مظاہر جمیلہ سے تعلق پیدا کرتی ہے۔ اس مقام میں مدد کرتی ہے اور بڑی تیزی سے بلندی پر لے جاتی ہے اور مجاز سے جس کو حقیقت کا پل کہا گیا ہے حقیقت تک پہنچا دیتی ہے لیکن ایسے وقت میں دوسری نگاہ سے جس کو

کہ[2] اَلنَّظْرَۃُ الثَّانِیَۃُ عَلَیْکَ (دوسری نگاہ تجھ پر وبال ہے۔)

حفاظت لازم ہے کہ وہ مضر اور سم قاتل ہے۔ اس جگہ امداد و اعانت کا کیا تصور

---

[1] خواب میں شاید کوئی چوہا اونٹ ہو گیا ہو۔

[2] یہ حدیث مسند احمد، ترمذی، ابوداؤد اور دارمی میں ہے۔ مشکوٰۃ۔

ہو سکتا ہے۔

مَا جَعَلَ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ فِی الْحَرَامِ (اللہ تعالیٰ نے حرام میں شفا نہیں رکھی۔)[1]
شِفَاءً۔

محسوس ہوا ہے کہ اگر عام طبع کی وجہ سے دوسری نظر واقع ہوئی ہے تو خالی گئی ہے اور دوسرے اینٹے روڑوں کی طرح پائی ہے اور جن لوگوں نے دوسری تیسری اور چوتھی نظر کو جو مظاہر جمیلہ سے تعلق رکھتی ہے کو مفید سمجھا ہے اور حقیقت کے عروج کے اسباب میں سے اس کو جانا ہے۔ وہ لوگ ارباب استدراج ہیں اور وہ حقیقت جس کی طرف وہ عروج کرتے ہیں عالم مجاز سے ہے۔

آیت کریمہ:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ۔ آپ ایمانداروں سے کہیں اپنی نظریں نیچی رکھیں۔[2]

اس جماعت کے رد میں کافی ہے۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس وقفہ میں ہمسائیگی کی تاریکیاں فائدہ مند ہوتی ہیں اور ہمسایوں کا کفر و فسق امداد کرتا ہے اور جتنی بھی یہ تاریکی زیادہ ہوگی زیادہ امداد کرے گی۔ اس کا وہ مطلب نہیں ہے جو بعض لوگوں نے کہا ہے کہ وہ فیوض جو اس جماعت پر وارد ہوتے ہیں۔ جو ظلمات کے اندھیروں میں غرق ہے تو ان کی نا قابلیت کی وجہ سے وہ فیوض ان کو نہیں ملتے بلکہ دوسرے آدمی کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں جو ان کے حضور میں باحضور ہوتا ہے اور وہ شخص دوسروں کے فیوض سے ترقیات حاصل کرتا ہے۔ ایسا بالکل نہیں ہے کیونکہ اپنے بلند درجہ کی وجہ سے اس عارف کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ وہ وارد ہونے والے فیوض اس کے ماحول میں نہ پہنچیں چہ جائے کہ ان کی امداد سے وہ عروج حاصل کرے۔ ان بزرگوں کا کارخانہ بہت بلند ہے ہر عمل اور ہر فیض اس جگہ نافع نہیں ہے۔

بلکہ اس جگہ ایک نہایت باریک راز ہے جو کہ ارباب حال پر منکشف ہے اس قدر اس کو ظاہر کرتا ہوں کہ نور کے کامل طور پر ظاہر ہونے کے لئے اندھیرا بھی درکار ہے۔

[1] شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اشعۃ اللمعات ترجمہ مشکوٰۃ میں فرمایا کہ حدیث کے یہ الفاظ بروایت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مروی ہیں۔ اس مضمون سے ملتی جلتی ایک حدیث ابوداؤد شریف میں بھی ہے۔

[2] سورہ نور پارہ ۱۸ - ۳۰۔

وَبِضِدِّهَا تَتَبَيَّنُ الْأَشْيَاءُ (چیزیں اپنی ضد سے ظاہر ہوتی ہے)

آپ نے سنا ہو گا۔

اور چونکہ ظلمت کا ارتکاب منع ہے لہذا کمال کرم سے ہمسایہ کی ظلمت ہی کو معتبر رکھا ہے۔ اور ظہور نور میں جو کہ نور الانوار ہے نافع کیا ہے۔ اگر کہیں کہ طاعات و عبادات کو خصوصاً فرائض کی ادائیگی کو اس مقام میں کیوں نفع نہیں ہوتا اور کیوں اس کی عروج میں امداد نہیں کرتیں۔ میں کہتا ہوں کہ کیوں نافع نہیں ہیں اور کیسے عروج میں امداد نہیں کرتیں۔ لیکن کامل نفع و امداد جو پہلے حاصل ہوتا تھا اس وقت حاصل نہیں ہے اور اسباب خارجی کی طرح جو کہ اوپر مذکور ہوئے اور ان جیسے اور اسباب نافع نہیں ہیں اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی حقیقت حال کو بہتر جانتے ہیں۔ تو پاک ہے ہمیں تیرے بتائے ہوئے کے بغیر کوئی علم نہیں ہے یقیناً تو ہی جاننے والا حکمت والا ہے۔

والسلام علی من اتبع الہدیٰ۔

مکتوب نمبر ۶۲

مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم مدظلہ العالی کی طرف صادر فرمایا

(اس بیان میں کہ انسان کے عدم ذاتی کی بنا پر اس کی ذات کے وجود کی نہیں ہوتی)

انسان کی حقیقت اور ذات نفس ناطقہ ہے جو لفظ "میں" سے انسان کا مشار الیہ ہے۔ اور نفس ناطقہ کی حقیقت عدم ہے کہ اس نے وجود اور صفات وجود تعالیٰ شانہٗ کے پرتو سے اپنے آپ کو موجود تصور کر لیا ہے اور اپنے آپ کو زندہ و عالم اور قادر مستقل طور پر سمجھ لیا ہے اور ان صفات کمال یعنی زندگی و علم وغیرہ کو اپنی طرف سے تصور کر لیا ہے اور اپنے آپ کو قائم بالذات سمجھ لیا ہے۔ اور اس وہم سے اپنے آپ کو کامل اور خیر لیقین کر لیا ہے اور اپنے ذاتی نقص اور شرارت کو جو کہ عدم سے پیدا ہوئی ہے اور جو محض شر ہے فراموش کر دیا ہے۔

اور جب اللہ تعالیٰ کی مہربانی اس کو پہنچتی ہے اور جہل مرکب اور جھوٹی تکذیب سے اس کو آزاد کر دیتی ہے تو جانتا ہے کہ یہ کمالات تو دوسری جگہ سے آئے ہیں اور یہ صفات کاملہ اس کی اپنی نہیں ہیں نہ اس کے ساتھ قائم ہیں اور وہ جاننے لگتا ہے کہ اس کی

اپنی حقیقت اور ذات عدم ہے جو کہ محض شر اور نقص خالص ہے۔ اور یہ دیکھنا اگر خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے غالب آجائے اور پوری طرح کمالات کو اس کے صاحب کی طرف لے جائے اور اس امانت کی ادائیگی پوری طرح اس کے اہل تک پہنچائے تو وہ اپنے آپ کو عدم محض پاتا ہے اور خیریت کی بو بھی اپنے اندر نہیں رکھتا تو اس وقت نہ اس کا نام رہتا ہے نہ نشان نہ ذات نہ شی ہے نہ صفت کیونکہ عدم محض لاشے ہے کہ وہ مراتب میں سے کسی مرتبہ میں بھی ثبوت نہیں رکھتا اور اگر بالفرض مراتب میں سے کسی مرتبہ میں ثبوت متحقق ہو تو اس سے پورے کمالات مسلوب نہیں ہوتے کیونکہ ثبوت خود عین کمال ہے بلکہ ام الکمالات ہے۔

اس تحقیق سے لازم آیا کہ اس فنا کے حصول میں جو اتم و اکمل ہے وجودی فانی زوال کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس کا ہرگز وجود نہیں ہے تاکہ زوال متصور ہو وہ ایک عدم تھا جو وجود کے وہم سے اپنے آپ کو قائم رکھتا ہے اور جب یہ وہم زائل ہو گیا اور زوال شہودی سے متصف ہوا تو خالص عدم ہو گیا۔ جو کہ ہالک اور لاشے ہے پس زوال شہودی سے چارہ نہیں ہوتا اور زوالِ وجودی کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ اور اللہ سبحانہ حقیقت حال کو بہتر جانے

مکتوب نمبر ۶۳

میر منصور کی طرف صادر فرمایا

(اس بیان میں کہ اللہ تعالیٰ کے احاطہ و قرب و معیت کا راز کیا ہے اور یہ کہ یہ راز عظیم قرآن مجید کے مشکل و مجمل مقامات میں سے ہے)

قرب و معیت اور احاطہ و سریان اور وصل و اتصال اور توحید و اتحاد اور ان جیسے الفاظ اللہ تعالیٰ کے متعلق متشابہات اور شطحیات کے قبیل سے ہیں۔ وہ قرب و معیت اور وصل و اتصال جو ہمارے فہم میں آتا ہے اور جس کو ہم سمجھ سکتے ہیں۔ خداوند تعالیٰ کی ذات اس مدرک اور معلوم سے پاک و مبرا ہے۔ لیکن آخر کار اس قدر معلوم ہوا ہے کہ یہ قرب وغیرہ اس قرب و اتصال جیسا ہے جو کہ آئینہ اور اس صورت کے درمیان ہوتا ہے جو اس آئینہ میں متوہم ہے۔

حاصل یہ ہے کہ عالم سے قرب و اتصال موجود کا موہوم سے اتصال ہے اور چونکہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ موجود حقیقی ہے اور عالم مرتبہ حس و وہم میں پیدا ہوا ہے تو لازماً اللہ تعالیٰ واجب اور ممکن کے درمیان اتصال موجود کے موہوم سے قرب کی طرح ہے اور اس قرب و معیت سے خدا تعالیٰ کی جناب پاک میں کوئی استحالہ لازم نہیں آتا۔ اگر خسیس چیزیں آئینہ میں منعکس ہوں اور آئینہ کو ان کا قرب و احاطہ حاصل ہو تو آئینہ میں کوئی نقص پیدا نہیں ہوتا اور کوئی کمینگی اس میں سرایت نہیں کرتی کیونکہ جس مرتبہ میں آئینہ ہے ان خسیسہ متوہمہ اشیاء کو اس مرتبہ میں کوئی نام و نشان نہیں ہے کہ ان کی صفات اس میں تاثیر کریں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے جب عالم کو مرتبہ حس و وہم میں پیدا کیا ہے اور چاہتا ہے کہ اس مرتبہ کو اثبات و استقامت دے تو وہ احکام و آثار جو موجود پر مترتب ہیں اس موہوم پر جاری کئے اور آثار موجود کو موہوم پر مترتب کیا لہٰذا قرب و احاطہ موہومہ کو قرب و احاطہ موجودہ کی طرح اثبات فرمایا ہے اور احکام صادقہ سے بنایا۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ کسی خوبصورت شکل کو خارج میں دیکھنا لذت حاصل کرنے اور گرفتاری کا موجب ہے۔ اسی طرح وہی صورت اگر آئینہ میں منعکس ہو اور اس جگہ ثبوت وہی پیدا کرے تو وہ بھی لذت حاصل کرنے اور گرفتاری کا موجب ہے۔ باوجود اس کے کہ پہلی صورت موجود ہے۔ اور دوسری موہوم اور اثر کے حاصل ہونے میں دونوں شرکت رکھتی ہیں اور جب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے موہوم کو موجود کے ساتھ ترتب احکام میں شرکت پیدا ہوئی اور موہوم میں موجود کی طرح اثر مترتب ہوئے تو اس موہوم نامراد کو موجود سے امید پیدا ہوئی اور موجود کے اتصال و قرب کی دولت کی خوشخبری اس کو حاصل ہوئی۔

هَنِيْئًا لِاَرْبَابِ النَّعِيْمِ نَعِيْمُهَا[1]
وَلِلْعَاشِقِ الْمِسْكِيْنِ مَا يَتَجَرَّعُ

اور یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے جس پر چاہے کرے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

جاننا چاہیئے کہ قرب و اتصال اس معنی کے بغیر جس کا ذکر ہوا ہے جس طرح سے بھی تصور کریں اور سمجھنے کی کوشش کریں وہ تجسیم اور تشبیہ کی آمیزش سے پاک نہیں ہوگا۔ مگر یہ کہ ایمان لائیں اور ان کی کیفیت میں مشغول نہ ہوں اور ان کو خداوند تعالیٰ کے علم کے سپرد کریں۔

[1] نعمت والوں کو ان کی نعمتیں مبارک ہوں اور عاشق مسکین کے لئے تو وہی ہے جو وہ گھونٹ گھونٹ پیتا ہے۔

جب ان الفاظ کو ایک طرح کا بیان لاحق ہوا اگر مشتبہات کی سے باہر لاکر ان کو مجمل یا مشکل میں داخل کریں تو اس کی گنجائش ہے اور حقیقت حال کو اللہ سبحانہٗ ہی بہتر جانے۔

مکتوب نمبر ۶۴

حضرات مخدوم زادگان کبار جامع الاسرار والعلوم خواجہ محمد سعید و خواجہ محمد معصوم سلمہا اللہ تعالیٰ وابقاہما کی طرف صادر فرمایا۔

(فنائے اتم کے بیان میں جو کہ زوال ذات و صفات سے وابستہ ہے اور وجود واجب سبحانہٗ کی تحقیق اور ممکن سے عدم کے زوال اور اس کے عروج و ثبوت کے بقا کا بیان اور دوسرے باریک نکات)

پوری فنا اس وقت متحقق ہوتی ہے جبکہ فانی کی ذات و صفات کا زوال حاصل ہو جائے اور اس کا کوئی نام و نشان باقی نہ رہے۔

سوال:-

ممکنات کی حقیقت جب کہ اعدام ہیں جنہوں نے نسبت سے امتیاز حاصل کیا اور اسماءٔ و صفات واجبی جل سلطانہٗ کا آئینہ ہوئے جیسا کہ ہم نے اس معنی کی تحقیق اپنے مکاتیب میں کی ہے تو لازم آتا ہے کہ اس فنا کے حصول کی تقدیر پر کوئی نام و نشان عدم سے جو کہ اس کی حقیقت ہے ممکن میں باقی نہ رہے اور خالص وجود کے سوا اس میں کوئی چیز نہ رہے اس لئے کہ دو نقیض میں سے ایک کا زوال دوسرے کے نقیض کے حصول کو مستلزم ہے تاکہ ارتفاعِ نقیضین لازم نہ آئے اور صوفیہ کے نزدیک وجود عین واجب تعالیٰ ہے یا اس کی خاص ترین صفات میں سے ہے۔ اور ہر صورت میں حقیقت کا الٹ لازم آتا ہے اور یہ اتحاد و دیگر کو مستلزم ہے۔

جواب:-

عدم کا نقیض ایسا وجود نہیں ہے جو عین واجب تعالیٰ ہو یا اس کی خاص ذاتی صفات میں سے ہو بلکہ عدم کا نقیض اس وجود کے ظلال میں سے ایک ظل ہے اور اس کے عکوس میں سے ایک عکس ہے۔ مختصر یہ کہ ہر وجود جس کے مقابل عدم ہے امکان کے مظان سے ہے اور رفع

عدم جو کہ اس کا نقیض ہے کی احتیاج رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات اگرچہ امکان کے دائرہ سے خارج ہیں اور چونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے احتیاج رکھتی ہیں اور ہر ایک کے مقابل اعدام ثابت ہیں تو وہ امکان کی آمیزش سے باہر نہیں ہیں۔ اور ان کو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی احتیاج دامن گیر ہے اگرچہ وہ قدیم ہیں اور ذات واجب تعالیٰ سے جدا نہیں ہیں کیونکہ نفس احتیاج امکان کی دلیل ہے۔ اگر غیر کی احتیاج ہے تو نقص اور امکان کامل ہے اور امکان کے دائرہ میں داخل ہے اور اگر غیر کی احتیاج نہیں تو پھر بھی امکان کی بو رکھتی ہے۔ اگرچہ وہ امکان کے دائرہ میں داخل نہ ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کہ ان کا کمال اللہ تعالیٰ کی ذات کے کمال سے کمتر ہے۔

پس وجوب کامل خدا تعالیٰ کی ذات کے لئے متحقق ہوتا ہے جو کہ نقص کے گمان اور تصور کے گمان سے پاک اور منزہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفات اگرچہ دائرہ وجوب میں قدم رکھتی ہیں لیکن چونکہ وہ ذات کی محتاج ہیں لہذا ان کا وجوب اللہ تعالیٰ کی ذات کے وجوب سے کمتر ہے جیسا کہ ان کا وجود بھی اللہ تعالیٰ کے وجود سے کمتر ہے کیونکہ صفات کا وجود عدم نقیض رکھتا ہے۔ جو کہ مثال کے طور پر عدم علم اور عدم قدرت ہے اور اللہ تعالیٰ کے وجود کا کوئی مقابل نہیں ہے اور نہ ہی کوئی نقیض متصور ہو سکتا ہے کیونکہ اگر خداوند تعالیٰ کے وجود کو اعدام میں سے کوئی عدم نقیض ہو تو اس نقیض کے رفع کا محتاج ہوگا اور احتیاج نقص کی علامت سے ہے۔ جو کہ امکان کے حال کے مناسب ہے۔

تَعَالَى اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِيرًا

پوشیدہ نہ رہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے متعلق امکان کا لفظ استعمال کرنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔ کیونکہ اس سے حدوث کا وہم ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفات قدیم ہیں اگرچہ اللہ تعالیٰ کی صفات بذات خود قائم نہیں ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات کے لحاظ سے واجب ہیں کیونکہ وہ ذات سے الگ نہیں ہیں اور اس معنی کا حاصل اگرچہ امکان تک کھینچنے والا ہے لیکن وہ حدوث کے وہم سے خالی ہے۔ اور نقیض کے حصول کا علاج عدم جو کہ عدم ہوگا اللہ تعالیٰ کے لئے کشفی اور شہودی ہے۔ اگرچہ بصورت استدلال نظر آتا ہے بالکل اسی طرح جیسے کہ کسی بدیہی بات پر استدلال کی صورت میں تنبیہ کریں۔

اب ہم اصل بات کی طرف رجوع کرتے ہیں اور سوال کے جواب میں کہتے ہیں کہ ممکن سے بر تقدیر فنا زوال عدم کے بعد وجود کے سوا کوئی اور چیز اس میں باقی نہیں رہتی اور سوائے ثبوت

اور تحقق کے کوئی چیز اس کے نصیب نہیں ہوتی کیونکہ اس کی ذات اور صفت سے عدم منتفی ہو چکا ہے لیکن یہ وہ وجوب و ثبوت ہے جو کہ ممکن کے لئے وہم اور حس کے مرتبہ میں ثابت کیا ہے اور آثار کو اس پر مترتب کیا ہے اور زوالِ عدم کے بعد اللہ تعالیٰ کے کمالات کا آئینہ بنا ہے جیسا کہ عدم زائل ممکن کی حقیقت ہوا ہے اور یہ ثبوت صفات سے زوال عدم سے پہلے عدم تھا کہ جس کو مرتبہ حس و وہم میں ثابت کیا اور اب وہی ثبوت زوالِ عدم کے بعد اس کا قائم مقام ہوا اور ممکن کی ذات بنا اور صفات کو اپنی طرف منسوب کیا اور عدم کا کارخانہ اس پر برپا ہوا اور یہ کارخانہ جو عدم کی نیابت کے ساتھ تھا اس حد تک ثابت ہے کہ اس ثبوت کا نقیض اپنی جگہ پر قائم ہے اور امکان کو بقا ہے۔

اور ثبوت کے نقیض سے معاملہ اوپر چلا جاتا ہے تو وجود کا کوئی مقابل نہیں رہتا بلکہ عدم کو بھی اس کے مقابلہ کی مجال نہیں رہتی اور امکان کے لئے کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ اس وقت دوسرا کاروبار دوسرا ہے اور دوسرے ہی وہ ساز و غمگسار ہیں

اَوْ اَدْنٰی (یا اس سے بھی بہت قریب)

کا راز اس جگہ سے تلاش کرنا چاہیئے اور ہر وہ جگہ جہاں امکان کی آمیزش اور عدم کی مجال ہے اگرچہ نقیض کی صورت میں ہو وہ

قَابَ قَوْسَیْنِ (دو کمان کا اندازہ)

میں داخل ہے۔ اور جب امکان اور عدم پوری طرح اپنا سامان باندھ لیتے ہیں اور کوچ کا نقارہ بجاتے ہیں تو

اَوْ اَدْنٰی

کے کمالات سامنے آتے ہیں نہ اس طرح کہ اس وقت ممکن واجب تعالیٰ کی ذات ہو جاتا ہے۔ بلکہ اس کا قیام اللہ تعالیٰ کی ذات سے ثابت ہو جاتا ہے اور وہ قیام جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ظلال میں سے کسی ظل کے ساتھ تھا زائل ہو جاتا ہے۔ ؎

کسے کو در خدا گم شد خدا نیست[1]

اس عارف کا ذات واجب سے قیام اللہ تعالیٰ کی صفات کے قیام کی طرح ہے کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی ذات سے قائم ہیں بلکہ اس کا قیام اس مرتبہ میں ہے کہ اس جگہ صفات کچھ بھی

[1] جو آدمی خدا میں گم ہو وہ خدا نہیں ہے

ملحوظ نہیں ہیں۔ اگرچہ صفات کو ذات خداوندی سے علیحدگی نہیں ہے لیکن صفات کا قیام ازلی اور ابدی ہے اور وہ قدیم ہیں اور اس کا قیام ازلی نہیں ہے اور حدوث کے داغ سے داغدار ہے۔ لیکن صفات کے نقیض موجود ہیں جو کہ عدم ہیں مثلاً عدم علم عدم قدرت اور اس عارف کا معاملہ اعدام کی نقاضت سے اوپر چلا گیا ہے۔ جیسا کہ تحقیق ہو چکا۔

پوشیدہ نہ رہے کہ جب معاملہ نقاضت سے اوپر چلا جاتا ہے تو وجوب متحقق ہو جاتا ہے۔ اور ممکن واجب ہو جاتا ہے اور وہ محال ہے۔

میں کہتا ہوں کہ واجب اس وقت ہو گا جب کہ وجود خارجی پیدا کرے گا اور ممکن کا ثبوت مرتبۂ حس و وہم کے علاوہ کچھ نہیں ہے تو وجوب وجود کہاں سے متصور ہو گا۔ اس بیان سے ایک اور فرق قیامِ صفات اور قیامِ عارف کے درمیان پیدا ہوا۔ کہ قیامِ صفات باعتبارِ وجودِ خارجی ہے اور قیام عارف باعتبارِ وجود وہمی اگرچہ اس نے ثبات و استقرار پیدا کیا ہے اور مبدأ آثار ہے۔

جاننا چاہیے کہ عارف سے

أَنَا (میں)

کی بقا عدم کی بقا تک ہے جو کہ اس کی حقیقت ہے۔ اور جب عدم زائل ہوا تو اَنَا کا کوئی مورد نہ رہا جس پر اس کا اطلاق کیا جا سکے۔ زوالِ عدم کے بعد ثبوت کے معاملات اگرچہ بڑا دراز دامن رکھتے ہیں اور اگرچہ ثبوت ممکن کی ذات ہو چکا ہے لیکن کلمہ

أَنَا (میں)

کا اس جگہ کوئی مورد نہیں ہے۔ گویا کہ لفظ اَنَا حقیقت عدمیہ کے لئے وضع ہوا ہے۔ جو کہ حقیقتِ ثبوتیہ سے نفرت رکھتا ہے۔

ہاں ممکن میں جزوِ اعظم عدم ہے اور ممکن عدم سے ممکن ہوا ہے اور ممکن کا کارخانہ عدم سے فراغ ہوا ہے اور وہ احتیاج جو ممکن میں ہے وہ عدم سے آئی ہے اور وہ حدوث جو امکان کا دامن گیر ہے وہ بھی عدم سے ظاہر ہوا ہے اگر ممکن میں کثرت ہے تو وہ بھی عدم کی راہ سے آئی ہے اور اگر امتیاز ہے تو وہ بھی اس کی راہ سے ممکن کے حق میں وجود مستعار ہے اور وہ بھی خیالی اور وہمی ہے۔ اگرچہ اس میں ثبات اور استقرار ہے۔

جان لینا چاہیے کہ وہ صفات جو اللہ جل سلطانہٗ سے قیام رکھتی ہیں تو اللہ تعالیٰ کی

پوری ذات ان صفات میں سے ہر ایک صفت کے ساتھ ظہور فرماتی ہے یہ نہیں ہے کہ ذات کا کچھ حصہ ایک صفت سے متصف ہوا اور دوسرا کچھ حصہ کسی دوسری صفت سے متصف ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں تبعض و تجزی (حصے اور جزو ہونا) نہیں ہے وہ بسیط حقیقی ہے۔ ہر حکم جو اس جگہ ثابت کریں گے وہ کلیت کے اعتبار سے ہو گا جیسا کہ کہا ہے کہ "اللہ تعالیٰ کی ذات ساری کی ساری علم ہے۔ ساری کی ساری ارادہ ہے اور پوری کی پوری قدرت ہے اور وہ قیام جو عارف کو اللہ تعالیٰ کی ذات سے اسماء و صفات کے ملاحظہ کے بغیر پیدا ہوتا ہے وہ بھی اسی قبیل سے ہے۔ جو پوری طرح اس کے رنگ میں باہر آتا ہے برخلاف دوسرے آئینوں کے کہ وہ اس کے تعین سے اپنی آئینگی کو ظاہر کرتے ہیں۔ جس نے سمجھ لیا سمجھ لیا۔ ؎

قیامت میکنی سعدی بدیں شیریں سخن گفتن[1]
مسلم نیست طوطی را بعہد ات شکر خائی

اس طرح کا ظہور کہ آئینہ پوری طرح اس صورت کو ظاہر کرے اگر عارف کو فنائے اتم کے بعد اس ظہور کے ساتھ بقا پیدا ہوئی ہے تو اس کے اکمل تعینات سے ہو گا۔ کیونکہ وجود موہوب حقیقی نہیں ہے جو کہ اس کو ولادت ثانی سے میسر ہوا ہے اور یہ تعین باوجود حدوث و امکان کے چونکہ مرتبہ جمع سے پیدا ہوا ہے تو دوسرے تعینات پر جو اس مرتبہ سے پیدا نہیں ہوئے بزرگی اور فضیلت رکھتا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے قرآن مجید کے کلمات و حروف کو دوسرے کلمات و حروف پر فضیلت حاصل ہے اگرچہ یہ دونوں حدوث و امکان سے داغدار ہیں۔ کوئی بیوقوف ہی ہو گا جو اپنی ظاہر بینی سے ان تعینات کو دوسرے تعینات کے برابر سمجھے اور قرآن مجید کے ان کلمات و حروف کو دوسرے کلمات و حروف کے برابر جانے اس جگہ سے عارف کی فضیلت کو سمجھ اور اس کی فضیلت دوسروں پر خدا تعالیٰ کے کلام کی طرح ہے دوسروں کے کلام پر قیاس کر۔

بیت:

ہر کس افسانہ بخواند افسانہ است[2]
وانکہ دیدش نقد خود مردانہ است

---

[1] اے سعدی تو قیامت بپا کرتا ہے اتنی میٹھی بات کہنا تیرے زمانہ میں طوطی کی میٹھی باتیں کرنا مسلم نہیں ہے اچھی شاعری کی شکر خائی

جو لوگ محجوب[ش] تھے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر کہا اور دوسرے انسانوں کی طرح ان کو تصور کیا تو انہوں نے ان کا انکار کر دیا اور صاحب دولت لوگ کہ جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رسالت اور رحمت عالمیاں کے عنوان سے جانا اور دوسرے لوگوں سے ان کو ممتاز دیکھا۔ وہ ایمان کی دولت سے مشرف ہوئے اور اہل نجات ٹھہرے۔

تنبیہ:

بعض دقیق مطالب کی ادائیگی میں جو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات سے تعلق رکھتے ہیں عبارت کے میدان کی تنگی کی وجہ سے ایسے الفاظ لائے جاتے ہیں جو ممکن کی صفات کے موہم ہوتے ہیں اور جو نقص وقصور کو مستلزم ہیں۔ ان الفاظ کو ظاہر سے پھیر دینا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کو تمام صفات نقص اور قصور کی علامات سے پاک اور منزہ جاننا چاہیے اور بعض ایسے الفاظ جو شریعت میں اللہ تعالیٰ کے متعلق وارد نہیں ہوئے ہیں۔ مشائخ عظام کی تقلید میں ان کو بطریق مجاز استعمال کیا ہے مثلاً عینیت وغیرہ میں ان سے لرزاں وترساں ہوں۔ اے ہمارے رب اگر ہم بھول جائیں یا خطا کر جائیں تو ہم پر مواخذہ نہ فرما۔

اگر یہ کہا جائے کہ تمہاری عبارات میں جو لفظ تجلی اور ظہور ظلی وغیرہ آئے ہیں تو ان سے مراتب ظہورات وجود کا تنزل لازم آتا ہے جیسا کہ دوسرے مشائخ نے کہا ہے حالانکہ تم تنزل وجود کا انکار کرتے ہو اس کی کیا وجہ ہے تو میں کہوں گا کہ تنزل اس تقدیر پر لازم آتا ہے کہ میں مظہر کو عین ظاہر کہوں جیسا کہ دوسرے کہتے ہیں۔ لیکن اگر میں عین نہ کہوں تو تنزل کیوں ہوگا؟ اور اس فقیر کے نزدیک پسندیدہ ظاہر کی مظہر سے عدم عینیت ہے اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والے ہیں۔

---

[۱] حاشیہ صفحہ: وہ جس نے اس کو فسانہ سمجھا اور جس کی نگاہ نے اپنے آپ کو پرکھا وہ مردود ہے۔

[ش] حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی مثل جاننے والے بدقسمتی میں مبتلا ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت عطا کرے۔

مکتوب نمبر ۶۵

مولانا صفر احمد رومی کی طرف صادر فرمایا۔

(اس بیان میں کہ عارف کی ذات کی بقا کے بعد صفات میں سے ہر صفت اور لطائف میں سے ہر لطیفہ عارف کی پوری ذات میں پیدا ہوتا ہے)

پوری معرفت والے عارف کامل کو بقائے ذات کے بعد جب صفات و اخلاق کاملہ عنایت فرماتے ہیں تو صفات میں سے ہر صفت کے ساتھ وہ پوری ذات سے متصف ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہ اس کی ذات کا کچھ حصہ کسی صفت سے موصوف ہو اور کچھ حصہ کسی اور دوسری صفت سے متصف ہو مثلاً اس کی ذات پوری کی پوری علم ہوگی اور تمام آنکھ ہوگی اور ساری کی ساری کان ہوگی جیسا کہ محققین صوفیاء نے اللہ تعالیٰ کی ذات کے متعلق کہا ہے

کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پوری کی پوری علم ہے اور پوری کی پوری قدرت ہے اور پوری کی پوری کان ہے اور پوری کی پوری آنکھ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مومن اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کو بہشت میں بے جہت دیکھیں گے کہ وہ خود پوری بصر (آنکھ) ہو چکے ہوں گے اور جب تمام آنکھ ہوں گے تو جہت کی کیا گنجائش ہوگی۔ صوفیاء نے کہا ہے کہ جو کچھ عام مومنوں کو بڑا کچھ دیکھنے کے بعد آخرت میں میسر ہوگا وہ اولیاء کو جو کہ خاص مومن ہیں دنیا میں میسر ہو جاتا ہے۔ کہ جو کچھ عوام کے لئے وعدہ ہے وہ ان کے لئے نقد ہے اور جو ان کے لئے وعدہ ہے اس کا اس سے قیاس کرنا چاہیے۔

قیاس کن ز گلستان من بہار مرا[۱]

یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے جس پر چاہے کرے اور اللہ بڑے فضل والا ہے اور لطائف میں سے ہر لطیفہ اس عارف کا اس وقت کلیت کے طور پر ظاہر ہوتا ہے اور عارف پورے کا پورا لطیفۂ روح ہو جاتا ہے اور پورے کا پورا لطیفۂ قلب ہو جاتا ہے اور اسی طرح تمام لطائف انسانیہ کا حال ہے۔ مثلاً نفس ناطقہ اور سر اور خفی اور اس کے اجزا میں سے ہر جزو اور عناصر میں سے ہر عنصر اسی طریقہ پر ہے کہ حکم کل پیدا کر لیتا ہے مثلاً عارف پوری طرح

[۱] میرے باغ سے میری بہار کا قیاس کر۔

اپنے آپ کو عنصر خاک پاتا ہے اور پوری طرح عنصر آب تصور کرتا ہے۔

اور جب لطیفۂ قلب جو کہ حقیقت جامعہ ہے کل کے رنگ میں رنگین ہو جاتا ہے اور اس کا وہ تعلق جو دل کے ٹکڑے گوشت سے تھا زائل ہو جاتا ہے اور گوشت کا ٹکڑا اس وقت خالی ہو جاتا ہے تو بے روح جسم کی طرح نظر آتا ہے اور ایسا خیال گزرتا ہے کہ اس راہ سے آمد و رفت میں اس پر کوئی گرد نہیں پڑی ہے۔ اور وہ اپنی اصلی خالصیت پر ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے پکی ہوئی دیگ میں کوئی کچا دانہ اپنی اصلی خالصیت پر قائم رہتا ہے نہ آگ کی حرارت اس میں اثر کرتی ہے اور نہ پانی کی رطوبت اس تک پہنچتی ہے۔ خلاصۂ کلام یہ کہ اس تعلق کے رفع ہونے اور خالی ہونے کے بعد باقی اجزا کی طرح رنگ سے رنگین ہو جاتا ہے اور دوسرے اجزا کی طرح کل کا حکم پیدا کر لیتا ہے۔

مکتوب ۶۶

محمد مقیم تصوری کی طرف صادر فرمایا

ان کے سوال کے جواب میں کہ انہوں نے

اَلْمَجَازُ قَنْطَرَةُ الْحَقِيْقَةِ (مجاز حقیقت کا پل ہے)

کا معنی پوچھا تھا۔

میرے بھائی محمد مقیم نے پوچھا تھا کہ

اَلْمَجَازُ قَنْطَرَةُ الْحَقِيْقَةِ (مجاز حقیقت کا پل ہے)

صوفیا نے کس حیثیت سے کہا ہے؟

جان لیں کہ مجاز حقیقت کا پل ہے کہ ظل سے اصل تک ایک شاہراہ کھلی ہے شاید اس اعتبار سے کہا ہے کہ

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ (جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا)

کیونکہ ظل کی معرفت اصل کی معرفت کو مستلزم ہے اس لئے کہ ظل اپنے اصل کی صورت پر موجود ہے پس وہ اپنے اصل کے انکشاف کا سبب ہوتا ہے۔ اس لئے اگر کسی

چیز کی صورت وہ ہے جس کے ساتھ یہ چیز منکشف ہو جائے۔

لیکن جان لیں کہ

اَلْمَجَازُ قَنْطَرَةُ الْحَقِيْقَةِ

اس صورت میں ہے کہ مجاز میں گرفتاری درمیان میں نہ آئے بلکہ دوسری نظر تک نوبت نہ پہنچے وہ پہلی نظر ہے جو حقیقت کا پل ہے۔ کہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو

اَلنَّظْرَةُ الْاُوْلٰى لَكَ (پہلی نظر تیرے لئے ہے)

فرمایا ہے گویا کہ

لَكَ (تیرے لئے)

کے لفظ سے اس دولت کے حصول کا اشارہ کیا ہے اور اگر معاذ اللہ درمیان میں گرفتاری آ گئی بلکہ دوسری نظر تک نوبت پہنچ گئی تو ایسا مجاز وصول حقیقت کی راہ میں پلا ہے پل کیا ہوتا ہے وہ تو ایک بت ہے جو اپنی پرستش کی طرف بلاتا ہے اور ایک شیطان ہے جو حقیقت سے ہٹاتا ہے اسی لئے مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دوسری نگاہ کو مضر جانتے ہوئے

اَلنَّظْرَةُ الثَّانِيْ عَلَيْكَ (دوسری نگاہ تیرے لئے وبال ہے)

فرمایا ہے اور اس سے زیادہ مضر اور کون چیز ہو گی جو حق سے روکے اور باطل میں گرفتار کرے۔

اور جاننا چاہیئے کہ پہلی نگاہ بھی اس وقت نافع ہے جبکہ اپنے اختیار سے نہ ہو اور اگر اختیار سے ہو تو دوسری نگاہ کا حکم رکھتی ہے۔

آیت کریمہ:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ۔ آپ ایمانداروں سے کہیں اپنی نظریں نیچی رکھا کریں۔

اس مطلب کے اثبات کے لئے کافی ہے۔ بیوقوف ناپختہ صوفیوں نے اس عبارت کا معنی نہ سمجھا اور غلط کیا اور خوبصورت شکلوں سے گرفتاری پیدا کرتے ہیں اور ان کے ناز و ادا پر فریفتہ ہوتے ہیں اس امید پر کہ اس کو وصولِ حقیقت کا وسیلہ بنائیں گے اور حصولِ مطلوب کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔

خبردار! یہ راہ مطلوب کے لئے خود رکاوٹ ہے اور مطلوب کے سامنے قوی پردہ ہے، وہ ایک باطل ہے جو ان کی نظر میں مزین ہو اہے اور حقیقت کے دھوکے میں پڑے ہیں۔ ان میں سے کچھ لوگوں نے ان صورتوں کے حسن و جمال کو اللہ تعالیٰ کا حسن سمجھ رکھا ہے۔ اور ان کی گرفتاری کو اللہ تعالیٰ کی گرفتاری سمجھتے ہیں اور ان کے مشاہدہ کو خدا تعالیٰ کا مشاہدہ جانتے ہیں۔ ان میں سے بعض لوگوں نے کہا ہے ؎

امروز چوں جمال تو بے پردہ ظاہر است[1]
در حیرتم کہ وعدۂ فردا برائے چیست

"اللہ تعالیٰ ان کی باتوں سے بہت بلند ہیں" ان بیوقوفوں نے خدا تعالیٰ کو کیا سمجھ رکھا ہے۔ اور اس کے حسن و جمال کو کیا تصور کر رکھا ہے شاید ان لوگوں نے نہیں سنا کہ اگر بالفرض بہشت کی کسی حور کا ایک بال بھی جو کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے دُنیا میں گرے تو اس بال کی روشنی اور چمک سے دنیا میں رات نہ پڑے اور اندھیرا نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کی ایک ہی تجلّی سے کوہ طور کے جلنے اور اس کے ریزہ ریزہ ہونے اور موسیٰ کلیم اللہ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بیہوش ہو کر گرنے کا قصہ نصِ قرآنی سے ثابت ہے۔ اور یہ لوگ باوجود اس بے عقلی کے ہر وقت اللہ تعالیٰ کو بے پردہ دیکھنے والے ہیں اور اخروی رویت کے وعدہ پر تعجب کرنے والے ہیں۔

لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِیْرًا	وہ اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھتے ہیں اور انہوں نے بہت بڑی سرکشی اختیار کر رکھی ہے۔

علماء اہل سنت وجماعت
شَكَرَ اللهُ سَعْيَهُمْ
نے اپنی جانیں مار ڈالی ہیں اور نقلی دلائل سے مخالفین پر اخروی رویت ثابت کی ہے۔ کیونکہ اہل سنت کے علاوہ مخالف فرقوں میں سے کوئی بھی خواہ وہ اہل ملت سے ہو یا غیر ملت سے اللہ تعالیٰ کی رویت کا قائل نہیں ہے بلکہ اس کو محال عقلی سمجھتے ہیں اور اہل سنت نے بھی اس کو بلاکیف کہا ہے اور اس کو آخرت کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔ اور یہ بوالہوس اس فانی دنیا میں اس دولت قاہرہ کے حصول کا تصور کئے بیٹھے ہیں۔ اور اپنے خواب و خیال

[1] آہ جب کہ تیرا حسن بے پردہ ظاہر ہے میں حیران ہوں کہ کل کا وعدہ کس لئے ہے۔ ۱۲

پر خوش ہیں۔ اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما اور ہمارے کام میں بھلائی پیدا کر۔

والسلام علی من اتبع الہدی والتزم متابعۃ المصطفٰی علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات اتمہا واکملہا۔

مکتوب نمبر ۶۷

میر منصور کی طرف صادر فرمایا

(کائنات کی حقیقت اور حضرت مجدد قدس سرہ کے کشف اور صاحب فتوحات مکیہ کے کشف کے درمیان فرق کے بیان میں)

یہ میدان کائنات جو دیکھا جاتا ہے اور مشہود اور کشادہ اور مسطح اور طویل وعریض متخیل ہوتا ہے۔ حضرت شیخ محی الدین ابن العربی اور اس کے تابعین کے نزدیک یہ سب کچھ حضرت وجود ہے کہ اس کے سوا خارج میں کوئی چیز موجود نہیں ہے اور وہ وجود اللہ تعالیٰ کی ذات ہے کہ اس کو ظاہر وجود کہتے ہیں جو کہ انعکاس کے ذریعہ اور صور علمیہ متکثرہ کے لباس میں آنے کی وجہ سے کہ جس کو باطن وجود کہتے ہیں اور اس کو اعیان ثابتہ سے تعبیر کرتے ہیں وہ وجود جو کہ اپنی وحدت وبساطت پر ہے وہ خیال میں متکثر ومنبسط وطویل وعریض نظر آتا ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ مشاہد ومحسوس سب کچھ کیا عوام اور کیا خواص اس صفحہ میں کوئی لباس میں اور الگ الگ اشکال وصور میں خداوند تعالیٰ ہیں جو کہ عوام کو عالم متوہم ہوتا ہے۔ اور کبھی بھی علم کے خانہ سے باہر نہیں آیا ہے اور اس نے خارجی وجود کی بو نہیں پائی ہے۔ یہ ان صور علمیہ کے عکوس ہیں جو کہ حضرت وجود کے آئینہ میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اور خارج میں نمود پیدا کی ہے اور عوام کو اپنے وجود خارجی کے وہم میں ڈال دیا ہے۔ مولوی جامی علیہ الرحمتہ نے فرمایا ہے۔

رباعی:

ہمو اللہ کون را بقانون سبق

کردیم تصفح ورقاً بعد ورق

حقا کہ ندیدیم و نخواندیم درو

جز ذاتِ حق و شیون ذاتیہ حق

اور اس فقیر کا عقیدہ اور کشف یہ ہے کہ یہ میدان وہم کا میدان ہے اور یہ صُوَر و اشکال جو اس میدان میں ہیں ممکنات کے اشکال و صُوَر ہیں جنہوں نے خداوند تعالیٰ کی صنعت سے مرتبہ حس و وہم میں ثبوت پیدا کیا ہے اور استحکام پایا ہے اور جو کچھ بھی اس صفحہ میں مشہود و محسوس ہے وہ ممکنات کی جنس سے ہے اگرچہ بعض سالکین کو وہ مشہود واجب متوہم ہوتا ہے اور عنوانِ حقیقت سے ظاہر ہوتا ہے لیکن اصل میں عالم کے افراد سے ہے اور اللہ تعالیٰ وراء الوراء ہے اور ہماری دید و دانش سے الگ ہے اور ہمارے کشف و شہود سے مبرا و منزہ ہے۔

خلق را وجہ کے نماید او[2]

در کدام آئینہ در آید او

خلاصۂ کلام یہ کہ یہ متوہم عرصہ اس میدانِ خارجیہ کا ظل ہے جو کہ حضرت وجوب کے مرتبہ کے لائق ہے۔ چنانچہ اس مرتبہ کا وجود اس مرتبہ کا ظل ہے اور اس وہم کے مرتبہ کو اگر اس اعتبار سے کہ مرتبہ خارج کا ظل ہے خارج کہہ لیں تو اس کی گنجائش ہے جیسا کہ ظلی وجود کے اعتبار سے اس کو موجود بھی کہتے ہیں۔ اور یہ وہم کا عرصہ عرصۂ خارجی کی طرح نفس الامری ہے۔ اور یہ احکام صادقہ رکھتا ہے۔ اور ابدی معاملہ اس کے ساتھ وابستہ ہے۔ جیسا کہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق خبر دی ہے۔

ملاحظہ کرنا چاہیے کہ ان دونوں کشوف میں سے کونسا کشف خداوند تعالیٰ کی تنزیہ و تقدیس کے زیادہ قریب اور زیادہ لائق ہے اور خداوند تعالیٰ کی جناب قدس کے زیادہ مناسب اور زیادہ بہتر ہے اور ان دونوں میں سے کونسا بدایت (ابتدا) اور توسط حال سے مناسبت رکھتا ہے اور کونسا انتہائی حال کے مناسب ہے۔

---

[1] کائنات کے مجموعہ کو چند تاثرات کے مطابق جیسے ورق ورق تلاش کیا تو حق بات یہ ہے کہ سوائے ذاتِ حق اور شیون ذاتیہ حق کے اور کوئی چیز نہ پڑھی اور نہ دیکھی۔ (حاشیہ صفحہ ہذا)

[2] وہ مخلوق کو اپنا چہرہ کس طرح دکھا سکتا ہے اور وہ کونسے آئینہ میں سما سکتا ہے۔

کئی سال تک یہ فقیر پہلے کشف کا معتقد رہا ہے اور عجیب احوال اور مشاہدات غریبہ اس مقام میں گزارے اور اس مقام سے بڑا حصہ حاصل کیا آخر الامر محض خداوند تعالیٰ کے فضل و کرم سے معلوم ہوا کہ جو کچھ دیکھا یا جاتا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کے سوا ہے کہ اس کی نفی لازم ہے بہرحال خداوند تعالیٰ کے فضل و کرم سے نفی کرنے کے بعد معاملہ استغناء (نیست ہونے) تک پہنچ گیا۔ اور وہ باطل جس نے اپنے آپ کو حق ظاہر کیا تھا دید و دانش سے گر گیا۔ اور غیب الغیب سے گرفتاری حاصل ہوئی اور موہوم موجود سے جدا ہوا اور قدم حادث سے الگ ہو گیا جو کہ کشف ثانی کا حاصل ہے۔

رباعی للمؤلف

در عرصہ کائنات ہا دقت فہیم
بسیار گزشتیم بسرعت چوں سہم
گشتیم ہمہ چشم ندیدیم درو
جز ظل صفات آمد ثابت در وہم

تمام تعریفیں اس اللہ کو ہیں جس نے ہمیں اس کی راہنمائی کی۔ اور اگر اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی رہنمائی نہ کرتے تو ہمیں یہ ہدایت نصیب نہ ہوتی۔ ہمارے رب کے رسول حق لے کر آئے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر ۶۸

فقیر محمد ہاشم کشمی کی طرف صادر فرمایا

مرتبہ وہم کی تحقیق میں کہ عالم نے اس مرتبہ میں اپنے وجود کی نمود کی ہے۔ اور اس کے مناسب امور کے بیان میں۔

عالم کو جو ہم موہوم کہتے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ عالم وہم کی اختراع اور تراش ہے۔ وہ وہم کی اختراع کیسے ہو سکتا ہے جب کہ وہم خود بھی عالم میں سے ہے۔

لے عرصہ کائنات میں نہایت باریک۔۔۔ بینی سے ہم نے تیر کی طرح تیزی سے گزر گیا ہم ہمہ تن چشم بنے اور اس میں ہم نے ظل صفات کے وہم میں کوئی چیز ثابت نظر نہ آئی۔ ۱۲۔

بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ عالم کو اللہ سبحانہٗ وتعالےٰ نے مرتبہ وہم میں پیدا کیا ہے۔ اور اگرچہ اس وقت وہم وجود میں بھی نہیں آیا تھا لیکن اللہ تعالےٰ کے علم میں موجود تھا اور مرتبۂ وہم بے حقیقت نمود (ظہور) سے عبارت ہے۔ اس دائرہ کی طرح جو کہ گردش کرنے والے نقطہ سے وہم میں پیدا ہوا ہے کہ اس میں ظہور تو ہے لیکن اس کی حقیقت کچھ نہیں ہے۔

حکیم مطلق جل سلطانہٗ نے عالم کو اس مرتبہ میں خلق فرمایا اور اس کے محض دکھلاوے کو ثبوت اور ثبات بخشا اور غلط سے صحت میں لایا اور جھوٹ سے سچ بنا دیا اور امر واقع کر دیا۔

أُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ　　یہ لوگ ہیں جن کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں میں تبدیل کر دیتے ہیں۔

مرتبہ موہوم عجیب مرتبہ ہے کہ اس کو موجود کے ساتھ نہ کوئی مزاحمت ہے نہ مقابلہ اور جہات میں سے کوئی جہت بھی اس سے ثابت نہیں کرتا اور اس کی کوئی حد اور نہایت پیدا نہیں کرتا۔ دائرہ موہومہ کو گردش کرنے والے نقطہ سے کوئی جنگ نہیں ہے اور جہات میں سے کوئی جہت بھی اس کے ساتھ ثابت نہیں رکھتا اور نہ اس نقطہ کو اس دائرہ کے پیدا ہونے سے کوئی نہایت پیدا ہوتی ہے۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ نقطہ دائرہ کی دائیں جانب ہے یا بائیں جانب آگے ہے یا پیچھے اوپر ہے یا نیچے۔ اس دائرہ کے لئے ان جہات کا ثبوت ان اشیاء کی نسبت سے ہے جو اس کے مرتبہ میں ثابت ہیں اور جو چیزیں کسی دوسرے مرتبہ میں ثابت ہیں دائرہ کو ان جہات میں سے ان کے ساتھ کوئی جہت ثابت نہیں ہے اور یہ بھی ہے کہ اس نقطہ کو اس دائرہ کے حدوث سے کوئی حد اور نہایت پیدا نہیں ہوتی ہے۔ وہ اپنی پہلی خالص حالت پر ہے

وَلِلَّهِ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ　　(اور اللہ کے لئے بلند مثال ہے)

اس بیان میں اور اس مثال سے عالم کا صانع عالم کے ساتھ حال معلوم کر کہ اللہ تعالیٰ کو اس عالم کی ایجاد سے کوئی حد اور کوئی نہایت حاصل نہیں ہوتی ہے اور نہ جہات میں سے کوئی جہت ثابت ہوتی ہے۔ یہ نسبت اس جگہ کیسے پیدا ہو سکتی ہے۔ کہ اس بلند مرتبہ میں ان کا نام ونشان بھی نہیں ہے تاکہ نسبت کا تصور کیا جاسکے۔

کچھ بے نصیب لوگوں نے اپنی کوتاہ نظری سے ان نسبتوں کا حصول اور ان جہات کا ثبوت خدا تعالےٰ کے حق میں عالم کی نسبت سے تصور کیا اور اللہ تعالیٰ کی رویت کی نفی کر دی اور اس کو محال سمجھا اور اپنے جہل مرکب اور تصدیق کاذب کو کتاب وسنت پر مقدم رکھا

اور گمان کیا کہ اگر خداوند تعالٰے مرئی (دیکھا گیا) ہو تو یقیناً دیکھنے والے سے جہات میں سے کسی جہت میں ہو گا اور وہ حد و نہایت کو مستلزم ہے۔

سابقہ تحقیق سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے ان نسبتوں میں سے کوئی نسبت بھی ثابت نہیں ہے۔ رویت کو ثابت کریں یا نہ رویت ہو گی اور جہت نہ ہو گی جیسا کہ اس معنی کی تحقیق آئندہ آئے گی۔ شاید ان لوگوں کو یہ سمجھ نہیں آئی کہ یہ استحالہ تو وجود عالم کے وقت بھی ثابت ہے کیونکہ اس وقت اللہ تعالیٰ عالم کی نسبت جہات میں سے کسی جہت میں ہو گا اور یہ بھی کہ عالم سے بلند ہو گا اور یہ بھی حد و نہایت کو مستلزم ہے اور اگر عالم کی تمام جہات میں کہیں تو اس حد و نہایت کو کیا کہیں گے۔ جو کہ ورائیت کو لازم ہے اور پھر یہ بھی ہے کہ جہت کا فساد استلزام نہایت کے ذریعہ ہے اور وہ خود لازم ہے۔

اس تنگی سے خلاصی صوفیاء کے قول کو اختیار کرنے میں ہے جو عالم کو موہوم کہتے ہیں اور جہت و نہایت کے اشکال سے آزاد ہو جاتے ہیں اور موہوم کہنے میں کوئی استحالہ بھی لازم نہیں آتا۔ کہ وہ موجود کی طرح احکام صادقہ رکھتا ہے اور ابدی معاملہ اور ہمیشہ کی نعمتیں اور عذاب اس کے ساتھ وابستہ ہیں۔ وہ موہوم اور ہے جس کا بیوقوف سوفسطائی قائل ہے۔ کہ وہ وہم کی اختراع اور خیال کی تراشش ہے اور ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔

اصل، ہم اصل بات پر آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس دائرہ موہومہ کے لیے جو کہ گردش کرنے والے نقطہ سے پیدا ہوا ہے اس نقطہ سے کوئی جہت بھی ثابت نہیں ہے اور وہ نقطہ اس کی جہات سے باہر ہے کہ اگر بالفرض وہ دائرہ تمام کا تمام بصر (آنکھ) ہو جائے تو یقیناً اس نقطہ کو بے جہت دیکھے گا کیونکہ جہت ان کے درمیان مفقود ہے اور ہم جو بحث کر رہے ہیں اگر دیکھنے والا تمام بصر ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کو بے جہت دیکھے تو اس میں کونسا استحالہ لازم آتا ہے۔ مومن بہشت میں تمام آنکھ بن جائیں گے اور کوئی جہت ثابت نہ ہو گی اولیاء اللہ کو بھی

تَخَلَّقُوا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ (اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے متخلق ہونا)

دنیا میں ہی یہ دولت حاصل ہو جاتی ہے۔ وہ تمام کے تمام بصر ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ رویت نہ ہو کہ وہ آخرت سے مخصوص ہے۔ لیکن حکم رویت رکھتی ہے اور یہ جو ہم نے کہا ہے کہ بھی

تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ

یہ اس لئے ہے کہ صوفیاء نے اللہ تعالےٰ کے متعلق فرمایا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی ذات سب کی سب بصر (آنکھ) ہے۔ سب کی سب سمع (کان) ہے اور سب کی سب علم ہے۔

اور اللہ تعالےٰ کے اخلاق سے متخلقین کو ان اخلاق سے یقیناً حصہ ہے۔ ان کی ہر صفت بھی اس مقام سے پوری طرح ان سے ظاہر ہوتی ہے۔ مثلاً وہ سب کے سب بصر ہو جاتے ہیں اور دوسرے مومنوں کو آخرت یہ نسبت عطا فرما کر رویت کی دولت سے مشرف کریں گے۔

اِنْ شَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰے

اور اس صورت میں کوئی استحالہ اور کوئی اعتراض لازم نہیں آتا اور اللہ سبحانہٗ و تعالےٰ ہی حقیقت حال کو بہتر جانے۔

مکتوب نمبر ۶۹

قاضی موسیٰ شرخمین کی طرف صادر فرمایا

(ارباب جمعیت کی صحبت اور شریعت کے التزام کی ترغیب کے بیان میں)

حمد و صلوٰۃ اور دعا گوئی کے بعد عرض ہے کہ اس علاقہ کے فقراء کے احوال قابل تعریف ہیں۔ آپ کا گرامی نامہ جو درویش رحم علی کے ہاتھ بھیجا تھا۔ پہنچا۔ خوشی ہوئی۔ اللہ آپ سب کو سلامتی اور استقامت بخشے۔ آپ نے نصیحتوں کی طلب کے متعلق لکھا تھا۔

میرے مخدوم النصیحت تو دین اور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت ہے خلاصۂ کلام یہ ہے کہ متابعت کی کئی قسمیں ہیں۔ اس کی ایک قسم احکام شرعیہ کی تعمیل ہے۔ اور باقی اقسام کو فقیر نے ایک مکتوب میں جو کہ بعض محبوں کی طرف لکھا ہے تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ میں ان شاء اللہ کہوں گا کہ اس کی نقل آپ کو بھیجیں۔

مختصر یہ کہ اس طریقہ میں افادہ و استفادہ کا دار و مدار صحبت پر ہے۔ کہنا اور لکھنا کافی نہیں ہوتا۔ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ ہمارا طریقہ صحبت ہے۔

اور اصحاب کرامؓ صحبتِ خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ ہی سے اولیا و امت سے افضل ہیں کہ کوئی ولی کسی صحابی کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا اگرچہ وہ اویس قرنی ہی کیوں نہ ہوں۔ اور بھائیوں سے سلامتی ایمان کی دعا کی درخواست ہے۔ اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما اور ہمارے معاملہ میں بھلائی پیدا کر۔ رحم علی نے اپنا ورق خود الٹ لیا ہے اور اصلاح کی طرف آگیا ہے۔ حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ اس کو استقامت عطا فرمائے۔ والسلام

مکتوب نمبر ۷۰

مولانا اسحاق ولد قاضی موسیٰ کی طرف صادر فرمایا

(ارباب جمعیت کی صحبت کی ترغیب میں)

الحمد للہ وکفیٰ و سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

وہ مکتوب شریف جو آپ نے رحم علی درویش کے ہاتھ بھیجا تھا پہنچا۔ چونکہ اس سے ذوق و شوق کی اطلاع ملتی تھی۔ اس لئے خوشی پیدا ہوئی۔ اور ایک علیحدہ کاغذ میں جو واقعہ دیکھا تھا اس کی روداد لکھی تھی۔ اس کے مطالعہ سے خوشی پر خوشی ہوئی۔ اس قسم کے واقعات خوشخبری دینے والے ہیں۔ کوشش کریں کہ یہ امکان سے وجود میں آجائیں اور کان سے آغوش تک پہنچیں۔

آج جو تقصیر و کوتاہی کا تدارک ممکن ہے اس فرصت کو غنیمت سمجھنا چاہیئے اور تاخیر اور دیر نہ کرنا چاہیئے۔ حضرت خواجہ احرار قدس سرہ فرماتے ہیں کہ ہم کچھ درویش اکٹھے بیٹھے تھے کہ جمعہ کے روز کی اس ساعت کا تذکرہ شروع ہوا جس میں دعا قبول ہوتی ہے اور یہ بات درمیان میں آگئی کہ اگر وہ میسر ہو جائے تو اس ساعت میں اللہ تعالیٰ سے کیا مانگنا چاہیئے ہر ایک نے کچھ نہ کچھ کہا جب میری باری آئی تو میں نے کہا ارباب جمعیت کی صحبت طلب کرنا چاہیئے کہ اس کے ضمن میں تمام سعادتیں میسر ہیں۔

بعض مکاتیب کو نقل کر کے حامل رقعہ کے ہاتھ بھیجا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سے نفع دے۔ دوسری بات یہ ہے کہ میرے بھائی شیخ کریم الدین کچھ مدت سے آئے ہوئے

ہیں۔ شاید اپنے حالات تم کو لکھیں۔ دوستوں سے دعا کی توقع ہے۔ اے ہمارے رب ہمارے نور کو پورا کر اور ہمیں بخش دے۔ یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔

والسلام علی من اتبع الھدی والتزم متابعة المصطفیٰ علیہ وآلہ الصلوات والتسلیمات۔

مکتوب نمبر ۱۷

جناب پیرزادہ خواجہ محمد عبداللہ کی طرف صادر فرمایا

اس فرق کے بیان میں جو کہ حقائق موہوم کہ عالم ہے۔ اور موجود حقیقی جو کہ صانع عالم ہے کے درمیان۔

وَلِلّٰہِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی (اور اللہ کے لئے بلند مثال ہے)

وہ گردش کرنے والا نقطہ کہ دائرہ اس سے وہم میں پیدا ہوا ہے۔ وہ جس طرح خارج میں ہے وہم میں بھی ہے لیکن اس جگہ دائرہ کی بے پردہ نمود ہے۔ اور اس جگہ اس پردہ کے ساتھ اور خارج میں موجود اور وہم میں موجود اس معنی سے نہیں ہے۔ کہ وہ ہر مرتبہ میں علیحدہ وجود رکھتا ہے ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ ایک موجود ہے وہی خارج میں ہے اور وہی وہم میں کہ اس جگہ بے پردہ دائرہ ہے۔ اور اس جگہ باپردہ اور یہ دائرہ موہومہ جو وہم میں نمود رکھتا ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے کہ وہ حس کی غلطی سے پیدا ہوا ہے۔ اگر اس کو اس مرتبہ میں موجود بنادیں۔ اور ثبات و تقرر دے دیں۔ اور اس کی حقیقت بنادیں گے تو یقیناً وہ حس کی غلطی سے باہر آجائے گا۔ اور امر واقعی ہو جائے گا۔ اور احکام صادقہ پیدا کرے گا۔

پس اس دائرہ کی وہم میں حقیقت ہے اور صورت ہے۔ اور اس کی حقیقت وہی گردش کرنے والا نقطہ ہے جو اس کے ساتھ قائم ہے اور اس کی صورت وہی دائرہ ہے جس نے ثبوت اور ثبات پیدا کر لیا ہے۔ یہ صورت اگرچہ اس صورت کا عین نہیں ہے کیونکہ اس کے صفات اور احکام الگ ہیں۔ لیکن ج سے دور نہیں ہے اور جدائی نہیں رکھتا۔ وہ ایک حقیقت ہے۔ جس نے اپنے آپ کو اس نمود سے متخیل کیا ہے۔ ع

شعر:۔

لہ خوشتر آں باشد کہ سرِ دلبراں
گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

حضرت شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہ اس مقام میں کہتے ہیں "اگر تو چاہے تو کہہ لے کہ وہ خدا ہے اور اگر تو چاہے تو کہہ لے کہ وہ مخلوق ہے۔ اور اگر تو چاہے تو کہہ لے کہ وہ ایک حیثیت سے حق ہے اور ایک حیثیت سے خلق ہے اور اگر تو چاہے تو حیرت کے متعلق کہہ دے کیونکہ ان دونوں میں تمیز نہیں ہے"۔

لیکن جاننا چاہیے کہ یہ تمیز صورت و حقیقت کے درمیان اگرچہ وہم میں ہے لیکن جب اس مرتبہ میں خداوند تعالیٰ کی صنعت سے صورت موجود ہوئی ہے اور اس نے ثبات اور تقرر پیدا کیا ہے تو یقیناً وہ امر واقع ہو گئی ہے اور اسے نفس الامری تمیز حاصل ہوا ہے۔ بلکہ بطور ظلی موجود خارجی ہو چکا ہے۔

کیونکہ صورت کا وجود جس طرح حقیقت کے وجود کا ظل ہے تو ظل کے بود کے حصول کے بعد خارج میں آیا پس حقیقت اور صورت کے درمیان تمیز چونکہ نفس الامری ہے بلکہ خارجی ہو چکا ہے تو ایک کو دوسرے پر محمول کرنا محال ہوا اور ایک دوسرے کا عین نہ ہوا اور جس نے عین کہا ہے اس نے تمیز وہمی پر زیادہ نہ سمجھا اور امتیاز علمی کے سوا کچھ نہ جانا۔

سبحان اللہ مرتبۂ وہم ایجاد خداوندی جل شانہٗ کے ذریعہ اس مرتبہ میں واقع ہوا ہے خارج ہوا ہے اور حقیقت واقعی بنا اور علم و خارج سے وراء جو کہ متعارف ہے ہوا اور چونکہ یہ مرتبہ خارج میں آیا ہے تو لازماً اس میں مرتبۂ وہم کو جدا کیا ہے۔ اور گردش کرنے والا نقطہ موجود خارجی ہوا اور وہ دائرہ جو اس سے پیدا ہوا ہے اس نے موہوم نام پایا۔

عجب معاملہ ہے کہ صورت جو کہ حقیقت سے پیدا ہوئی ہے اور جو کچھ بھی وہ رکھتی ہے۔ وہ حقیقت سے رکھتی ہے۔ اور اس کو حقیقت سے کوئی جدائی نہیں ہے۔ اس کو طاقت سے حقیقت سے علیحدہ کیا ہے اور وہم سے حقیقت میں لائے ہیں۔ اور تمیز وہمی کو خارجی قرار دیا ہے۔

آیت کریمہ:۔

صُنْعَ اللّٰہِ الَّذِیْٓ اَتْقَنَ — اللہ کی صنعت وہ ہے جس نے ہر چیز کو مضبوط کر دیا

لہ یہ بڑا اچھا طریقہ ہے کہ دوستوں کا راز دوسروں کی بات میں بیان کر دیا جائے۔ ۱۲

لَہُ شَيْءٌ۔
کو اس جگہ ملاحظہ کرنا چاہیئے کہ لا شئے محض کو اپنی قدرتِ کاملہ سے شئے بنا دیا ہے اور دانا وبینا اور قادر و مرید بنایا ہے۔
ایک بزرگ کہتے ہیں۔

چونکہ او شد گوش و چشم و دست و پالہ
خیرام در چشم بندیٔ خدا

چشم بندی کیا گنجائش رکھتی ہے اس لیئے کہ چشم بندی اس جگہ ثابت ہے کہ غیر واقع کو واقع کر دکھائے اور اس جگہ خدا تعالیٰ کی قدرت نے غیر واقع کو واقع بنا دیا ہے اور احکام کاذبہ کو جو اس مرتبہ میں تھے صادق کر دکھایا۔
شیخ فرماتا ہے کہ "ان دونوں میں تمیز نہیں ہے۔ حالانکہ بندے اور رب کے درمیان پنجاہ ہزار سالہ راہ ہے۔
کہ آیت کریمہ:

تَعْرُجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ۔ — روح اور فرشتے اس کی طرف ایک دن میں چڑھتے ہیں جس کا اندازہ پچاس ہزار سال ہے۔

میں اسی طرف اشارہ ہے اور شیخ کو خود بھی اس دوریٔ راہ کا اقرار ہے یہی وجہ ہے۔ کہ وہ حیرت کا قائل ہوا ہے۔ کوئی بیوقوف آدمی اس راہ کی دوری سے خدا تعالیٰ کو دور نہ سمجھے اور اپنے آپ کو دُور نہ جانے کہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ قریب ہے بلکہ بندے کی طرف بندے کے نفس سے بھی زیادہ قریب ہے۔ بلکہ یہ دوری درک اور معرفت کے۔ اعتبار سے ہے۔ نہ باعتبار مکان و مسافت کے۔ دائرہ کے آخر کا نقطہ دائرہ کے مبداء سے نزدیک ترین نقطہ ہے۔ لیکن چونکہ اس کی پشت مبداء کی طرف ہے اور اس کا منہ دوسری طرف پھیر دیا ہے تو لازماً اس کی یافت باوجود مبداء سے قرب ہونے کے دور جا پڑی ہے اور تمام نقاط طے کرنے کے بعد وابستہ ہوئی ہے۔ ے

لہ جب کہ وہ کان۔ آنکھ۔ ہاتھ اور پاؤں ہو گیا میں خدا تعالیٰ کی چشم بندی سے حیران ہوں۔

(۱) اے کمان و تیرہا بر ساختہ
صید نزدیک و تو دُور انداختہ

(۲) ہر کہ دُور انداز تر او دُور تر
از چنیں صید است او مہجور تر

ہاں جب تک بُعد کی شدت نہ کھینچے گا قرب کی دولت کا قدر نہ جانے گا۔ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے کیا ہے وہ بہتر ہے۔

والسلام علی من اتبع الھدیٰ۔

مکتوب نمبر ۲۷

خواجہ حسام الدین احمد کی طرف صادر فرمایا

اس بیان میں کہ لشکر کی مختلف مصروفیات میں بھی ارباب جمعیت کے لئے تسلی ہے اور اس سوال کے جواب میں جو انہوں نے مولود خوانی کے متعلق کیا تھا۔

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

گرامی نامہ اور بہت بڑی مہربانی جو ازروئے کرم و شفقت اس فقیر کے نام کی گئی تھی اس کے مطالعہ سے مشرف ہوا۔

اللہ سبحانہ کی تعریف اور احسان ہے کہ آپ صحت و عافیت سے ہیں اور دور افتادہ لوگوں کا حال معلوم کرنے سے غافل نہیں ہیں اور تفرقہ کی جگہ میں جمعیت حاصل ہے لڑکے اور دوست جو ہمراہ ہیں ان کے اوقات بھی جمعیت سے ہیں اور ان کے احوال ترقی و زیادتی میں ہیں۔ لشکر ان کے حق میں عین خانقاہ ہے کہ لشکریوں کی عین رنگا رنگی میں ان کو تمکین نصیب ہے۔ اور مختلف گرفتاریوں کے باوجود جو کہ اس مقام کے لوازم سے ہے کہ وہ سب ایک ہی مطلب کے گرفتار ہیں۔ نہ کسی کو ان سے کوئی کام اور نہ ان کو کسی کا بوجھ اس کے باوجود مجبور اور بے اختیار ہیں اور حبس و قید میں گرفتار ہیں۔

لہ اے وہ کہ جس نے تیر و کمان بنائے ہیں تیرا شکار نزدیک ہے اور تو تیر دور پھینک رہا ہے۔

لہ جو آدمی زیادہ دور پھینکنے والا ہے وہ زیادہ دور ہے جو ایسے شکار سے وہ زیادہ مجبور ہے۔

یہ عجیب قسم کی قید ہے کہ اس کے عوض رہائی ایک جو میں نہیں خریدتے اور عجیب قسم کی گرفتاری ہے کہ آزادی کو اس جگہ ایک دمڑی میں نہیں خریدتے اور اس نعمت اور دوسری تمام بڑی بڑی نعمتوں پر اللہ سبحانہٗ کی تعریف اور احسان ہے۔

میرے مخدوم! قرۃ العینین کو خط بھیجنے کا مقصد بعض نعمتوں کے فوت ہو جانے پر کہ اس مقام کے نزدیک ان کے حصول کی توقع تھی۔ اظہار افسوس تھا۔ اور لشکر میں آنا اور صحبت بھی رکھنا ان کی مرضی پر موقوف ہے کہ وہ لشکر اور لشکریوں کے طور طریقوں کو بہتر جانتے ہیں۔ اور اس مقام کے نفع ونقصان کو بہت زیادہ سمجھتے ہیں۔

آپ نے لکھا تھا اگر آپ فرمائیں کہ وہ آفات سے محفوظ رہیں گے تو آجائیں۔ غیب تو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی تعریف ہے کہ ہمراہیوں میں سے اللہ تعالےٰ کے فضل وکرم سے باوجود ارباب تفرقہ کے ساتھ کثرت سے میل جول رکھنے کے اس وقت تک کسی کو بھی تفرقہ کی آفت نہیں پہنچی ہے اور وہ مطلب سے نہیں رُکا۔

اور پھر آپ نے مولود خوانی کے متعلق لکھا تھا۔ اچھے آواز سے صرف قرآن مجید اور نعت ومنقبت کے قصائد پڑھنے میں کیا حرج ہے۔ منع تو یہ ہے کہ قرآن مجید کے حروف کو تبدیل وتحریف کیا جائے۔ اور مقامات نغمہ کا التزام کرنا اور الحان کے طریق سے آواز کو پھیرنا اور اس کے مناسب تالیاں بجانا جو کہ شعر میں بھی جائز نہیں ہے۔

اگر ایسے طریقہ سے مولود پڑھیں کہ قرآنی کلمات میں تحریف واقع نہ ہو۔ اور قصائد پڑھنے میں شرائط مذکورہ متحقق نہ ہوں اور اس کو بھی صحیح غرض سے تجویز کریں تو پھر کونسی رکاوٹ ہے۔ میرے مخدوم! فقیر کے دل میں یہ خیال آتا ہے کہ جب تک اس دروازہ کو پوری طرح بند نہ کریں گے بوالہوس باز نہ آئیں گے۔ اگر تھوڑا سا جائز کروگے تو وہ زیادہ ہو جائے گا۔ مشہور مقولہ ہے کہ تھوڑی چیز سے زیادہ بن جاتی ہے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر ۳۷

حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید کی طرف صادر فرمایا

صفت حیات کے اسرار کے بیان میں جو کہ علم سے اوپر ہے اور اس بیان میں کہ جس طرح علم صفات زائدہ سے ہے اسی طرح وہ شیون غیر زائدہ سے بھی ہے اور تمام صفات کی یہی کیفیت ہے۔

حضرت شیخ محی الدین ابن العربی اور ان کے متبعین کہ جنہوں نے تنزلات خمس لکھے ہیں۔ انہوں نے تعین اول علم کی بارگاہ کے اجمال سے اعتبار کیا ہے اور اس کو حقیقت محمدی علیہ وعلی آلہٖ الصلوات والتسلیمات کہا ہے اور اس کے کشف کو تجلی ذات جانا ہے۔ اور اس تعین سے اوپر لاتعین جانتے ہیں جو کہ خالص ذات اور تمام نسبتوں اور اعتبارات سے خالی احدیت کا مرتبہ ہے۔

پوشیدہ نہ رہے کہ شان العلم سے اوپر شان الحیوٰۃ ہے کہ علم اس کا تابع ہے اور وہ تمام صفات کی ماں ہے کیا علم اور کیا غیر علم اور کیا علم حصولی اور کیا علم حضوری اور یہ حیوٰۃ کی شان بڑی ہی عظیم الشان شان ہے۔ دوسری تمام صفات اور شیون اس کے مقابلہ میں ایسی ہیں جیسے کہ دریائے محیط کے مقابل چھوٹی چھوٹی لہریں۔ عجیب بات یہ ہے کہ شیخ بزرگوار نے اس وسیع مملکت میں سیر نہیں کی ہے اور اس باغ سے علوم و معارف کے پھول نہیں چنے ہیں اور اگرچہ یہ شان حضرت ذات عزّ شانہٗ سے بہت زیادہ قریب ہے اور جہالت اور عدم ادراک سے بہت زیادہ مناسب ہے۔ لیکن چونکہ وہ تنزل اور ظلیت کا شائبہ رکھتی ہے اور علم و معرفت کے منظر سے ہے۔ خواہ تھوڑا ہو زیادہ۔

جن دنوں میں یہ فقیر اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے اس عظیم الشان حالت میں سیر کر رہا تھا۔ تو اس مقام کے نیچے دُور بہت دُور ایسا مشہود ہوتا تھا کہ شیخ نے اس جگہ ایک کٹیا بنا رکھی ہے۔ اور اس میں اقامت اختیار کر رکھی ہے۔ شاید آخر میں شیخ نے اس مقام سے حصہ حاصل کیا ہو۔

اس طرح کے بُعد مسافت بے چون کا بُعد دو اعتبار سے ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ میدان عبارت کی تنگی ہے۔ یا اس کی صورت مثالی ہے۔ عالم مثال میں بُعد بے چونی بُعد

مسافت سے مشہود ہے۔ اے اللہ تو پاک ہے۔ ہمیں صرف وہی علم ہے جو تو نے ہمیں بتایا یقیناً تو ہی جاننے والا حکمت والا ہے۔

والسلام علی من اتبع الہدیٰ۔

فصل بالخیر:۔

اس بیان سے لازم آیا کہ علم حیوٰۃ کے مرتبہ میں جو اس سے اوپر ہے ثابت نہیں ہوتا کیا علم حصولی اور کیا علم حضوری اور جب مرتبۂ حیوٰۃ میں علم ثابت نہ ہوگا تو مرتبہ ذات عز شانہٗ میں کس طرح ثابت ہوگا۔ جو کہ اوپر سے بھی اوپر ہے اور جب علم ثابت نہ ہوگا تو اس کا نقیض ثابت ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند ہے۔

اس اشکال سے رہائی ایک باریک نکتہ کی معرفت پر مبنی ہے کہ اولیاء اللہ میں سے کسی نے کم ہی اس کے متعلق گفتگو کی ہے۔ جاننا چاہیئے کہ اللہ جل شانہٗ کا علم مثلاً جیسا کہ صفات ثمانیہ حقیقیہ زائدہ سے ہے۔ جس طرح کہ اہل حق نے فرمایا ہے اسی طرح شیون اور اعتبارات ذاتیہ غیر زائدہ سے بھی ہے اور جب پہلی قسم اللہ تعالیٰ کی ذات سے زائد صفات سے ہے تو جن سے ان کا تعلق ہے وہ بھی ذات کے سوا ہوں گے۔ اور وہ ماسویٰ خواہ عالم ہو یا اللہ تعالیٰ کی صفات زائدہ کیونکہ جو کچھ بھی ظلیت کے داغ سے داغدار ہو چکا ہے۔ اور نیا وقی کا نام اس پر آچکا ہے وہ اللہ تعالیٰ و تقدس کی ذات کے لائق نہیں ہے اور نہ اس کا خدا تعالیٰ کی ذات سے کوئی تعلق ہے۔ وہ علم خواہ حصولی ہو یا حضوری۔ اگر حضوری بھی ہے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کے ظلال میں سے کسی ظل سے تعلق رکھتا ہے۔ اگرچہ اس نے علم اور عالم اور معلوم میں اتحاد پیدا کیا ہے کیونکہ یہ اتحاد کا مرتبہ بھی اللہ تعالیٰ کے ظلال میں سے ایک ظل ہے۔ نہ کہ اس کا عین۔ اگرچہ ایک جماعت نے اس کی عینیت کا گمان کیا ہے۔

اور دوسری قسم جو شیون ذاتیہ غیر زائدہ سے ہے تو اس کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے اور بس اور اللہ تعالیٰ و تقدس اس سے بہت بلند تر ہے کہ وہ اپنی ذات پاک کے سوا تعلق پیدا کرے۔ مختصر یہ کہ وہ علم جو زائد ہے اس کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے سوا سے ہے اور وہ علم جو زائد نہیں ہے اور صرف ایک اعتبار ہے اس کا تعلق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پاک سے ہے اور وہ علم جو اللہ تعالیٰ کی ذات پاک سے منتفی (معدوم) ہے وہی

علم زائد ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے مرتبہ مقدسہ کے لائق نہیں ہے کہ وہ اس علم غیر زائدہ کی شان کا ظل ہے۔ اس علم کے اُٹھ جانے سے اس کے نقیض کا ثبوت کہ جہل ہے لازم نہیں آتا اگرچہ علم صفاتِ کاملہ سے ہے لیکن اس جگہ گنجائش نہیں رکھتا۔ تو اس کا نقیض جو سراسر نقص ہے اس کو کیا طاقت ہے کہ اس بارگاہ میں دخل پا سکے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ یہ دونوں نقیض اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے مسلوب ہوں اور کوئی استحالہ بھی لازم نہ آئے۔ ایک عارف کہتا ہے کہ میں نے اپنے رب کو اضداد کے جمع کرنے سے پہچانا گویا اس مقام کی بلندیٔ مرتبہ کے ذریعے ان دونوں نقیض میں سے کوئی بھی اس جگہ نہیں پہنچ سکتا جب تمام نسبتیں اور اعتبارات اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے مسلوب ہوں گی تو علم اور عدمِ علم کہ وہ بھی منجملہ نسبتوں میں سے ہیں مسلوب ہوں گے۔ وہ ممکن ہی ہوتا ہے جسے نسبتوں اور اعتبارات سے چارہ نہیں ہوتا اور اس میں نقیض جمع و رفع نہیں ہوتا نسبتوں اور اعتبارات کا پیدا کرنے والا ان تمام نسبتوں اور اعتبارات سے منزہ ہے اور غائب کا حاضر پر قیاس اس جگہ ممتنع ہے۔

یا پھر ہم یہ کہتے ہیں کہ علم خاص کا انتفاء عدمِ علم مطلق کو مستلزم نہیں ہے بلکہ وہ خاص علم کے عدم کو مستلزم ہے جو کہ ظلیت کا شائبہ رکھتا ہے اور اس صورت میں کوئی استحالہ لازم نہیں آتا اور ارتفاع نقیضین نہیں ہوتا۔ اس کو اچھی طرح سمجھ۔

جاننا چاہیئے کہ وہ علم جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے شیون سے ہے اس کی اس علم سے کوئی مناسبت نہیں ہے جو صفاتِ زائدہ سے ہے اگر اس علم زائد کا اصل وہی علم غیر زائد ہے کیونکہ صفت زائدہ ظل شانِ ذات ہے۔ اس جگہ تو انکشاف ہی انکشاف ہے اور عین حضور میں حصول ہے اس علم کے درجہ کی بلندی کی وجہ سے جہل کو طاقت نہیں ہے کہ اس کے مقابل آئے اور اس کے نقیض بننے کے لئے اُٹھ کھڑا ہو۔ برخلاف صفت علم کے کہ جہل اس کی نقاضت پر قائم ہے۔ اگرچہ اس کا وقوع جائز نہیں ہے اور بالکل خطا ہے۔ اور اس میں نقیض کا احتمال ہی اس کے انحطاط کا باعث ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے تعلق سے اس کو روک دیا ہے۔ کیونکہ کمال کے نقیض کا احتمال خواہ وہ کوئی ہی کمال ہو اس کی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گنجائش نہیں ہے۔ وہ قدرت جو اللہ تعالیٰ کے مرتبۂ مقدسہ کے لئے ثابت کرتے ہیں وہ وہی قدرت ہے جس کی دوسری طرف عجز نہیں ہے۔ برخلاف صفت قدرت کے کہ

اس میں نقیض کا احتمال ہے اگرچہ واقع نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کی تمام صفات و شیون کو اسی پر قیاس کر لیں۔

اور جب شان علم کو صفت علم سے کوئی مناسبت نہیں ہے تو علم مخلوقات کو اس شان عظیم الشان سے کیا نسبت ہو سکتی ہے اور کونسی نسبت ہوگی اور اس کا تعلق اس مرتبۂ مقدس سے کس طرح متصور ہو سکتا ہے مگر یہ کہ وہ بندہ نوازی فرمائے اور مخلوق کے ناقص انکشاف کو اپنے انکشاف کے نزدیک سے روشن کرے اور فنائے اتم کے بعد اس کو بقائے اکمل اپنی طرف سے بخشے۔ اس وقت ہو سکتا ہے کہ اس مرتبۂ مقدسہ سے بے کیف تعلق پیدا کرے اور اس جگہ تک پہنچ جائے کہ اس کا اصل بھی وہاں تک نہ پہنچ سکے اور اصل کے زینہ سے اصل الاصل سے واصل ہو جائے۔

یہ وہ خصوصیت ہے جو بنی آدم کو عطا ہوئی ہے اور ان پر ترقی کی راہ کھولی ہے یہ اپنے اصل سے بھی گزر جاتے ہیں اور اصل الاصل سے بھی اور اس جگہ پر پہنچ جاتے ہیں کہ اصل ظل کی طرح راہ ہی میں رہ جاتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس پر چاہے کرے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

مکتوب نمبر ۷

حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم کی طرف صادر فرمایا

اصحاب فصوص کے کلام کی شرح اور تجلی ذات کے بیان میں اور اس باب میں حضرت مجدد رضی اللہ عنہ کی خاص رائے اور اتفاق ایسا ہوا کہ یہ مکتوب شریف مکمل نہ ہو سکا۔)

الحمد للہ و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!۔

حضرت شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ نے فرمایا ہے "اور تجلی ذات اس آدمی کی صورت میں ہوتی ہے جس پر وہ تجلی ہوتی ہے پس شخص متجلی لہٗ (جس پر تجلی ہوتی ہے۔) نے اللہ تعالیٰ کے آئینہ میں اپنی صورت کے سوا اور کچھ نہیں دیکھا اور اس نے خدا تعالیٰ کو نہیں دیکھا۔ اور نہ ہی اس کو دیکھنا ممکن ہے"۔

اور اللہ کے آئینہ سے مراد وہی شان ذاتی ہے کہ اس کا ظل وہ اسم ذاتی ہے جو کہ متجلی لہٗ

کا مبدا تعین ہے۔ اس لئے کہ ہر اسم زائد کے لئے جو کہ مخلوقات کے تعینات میں سے کسی تعین کا مبداء ہے، مرتبۂ ذاتیہ میں اصل ثابت ہے اور وہ اصل وہی شان ہے جو ذات میں اعتبار سے خالی ہے جیسا کہ میں نے کئی ایک مقامات پر اس کی تحقیق کی ہے اور "اللہ تعالیٰ کے آئینہ" سے مراد ذات مطلق نہیں ہے۔ کیونکہ مطلق آئینہ مفید نہیں ہو سکتا۔ اور جب آئینہ اس صورت کی شکل میں جو اس میں موجود ہے، مقید ہو گیا اور اس صورت کا اصل الاصل ہوا تو لازماً آئینہ متجلی لہ کی نظر میں اس کی صورت پر جو آئینہ میں موجود ہے بغیر زیادت ونقصان کے جلوہ گر ہو گا کیونکہ تجلی اور اس شان کا ظہور اس مرتبہ میں کہ اس میں تجلی واقع ہوئی ہے نہیں ہو سکتا مگر اسی صورت میں کہ متجلی لہٗ اس پر تھا لیکن اس شان کا اس صورت میں ظہور عالم سے عدم تعلق اور استغناء کے سبب سے مشروط ہے۔ اس اسم ظلی کے واسطے سے جو کہ متجلی لہ کی صورت کے تعین کا مبدا ہے اور یہ آئینہ مقدس دوسرے آئینوں کے خلاف ہے کیونکہ ان آئینوں میں صُوَر کا ظہور ان کے اجزا میں سے کسی جزو میں ہوتا ہے اور وہ آئینے ان صورے ظاہر نہیں ہوتے جو کہ ان میں حلول کئے ہوئے ہیں اس تباین کی وجہ سے جو ان کے درمیان واقع ہے برخلاف اس آئینہ مقدسہ کے کہ نہ تو صورت اس میں حلول کئے ہوئے ہے اور نہ اس کے اجزا میں سے کسی جزو میں حاصل ہے۔ اس لئے کہ اس بارگاہ میں حالیت اور محلیت کا فقدان ہے اگرچہ باعتبار ظاہر حس کے ہو اور اس مرتبۂ مقدسہ میں تبعض وتجزی بھی نہیں ہے۔ اگرچہ باعتبار توہم وتخیل ہو۔

بلکہ یہ مقدس آئینہ پورے کا پورا متجلی لہ شخص کے لئے ظاہر ہوتا ہے۔ پس اس وقت وہ مقدس آئینہ آئینہ بھی ہوتا ہے اور صورت بھی پس متجلی لہ شخص نے آئینہ حق میں صرف اپنی ہی شکل وصورت کو دیکھا کہ وہی اس کی ذات کی شان ہے کہ متجلی لہ کی صورت میں ظاہر ہوا اور حق سبحانہ وتعالیٰ کو اور اس کی خاص شان کو نہ دیکھا تنزیہی طریقہ اور تقدیسی نہج پر اور نہ ہی یہ ممکن ہے کہ اس کو دیکھے۔

اور یہ قول شیخ کی رائے پر مبنی ہے کہ وہ مرتبۂ تنزیہ میں امکان رؤیت کی نفی اور ظہورات تشبیہ میں رؤیت کا اثبات کرتے ہیں اور یہ جامعہ لطیفہ بطریق تمثل ومثال ہے اور شیخ کی یہ رائے جیسا کہ تو دیکھتا ہے اس قول کے مخالف ہے جس پر علماء اہل سنت شکر اللہ سعیہم نے اتفاق کیا ہے اس لئے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی رؤیت جائز لیکن واقع نہیں

ہے اور آخرت میں بلاکیف رویت حق ہے اور واقع ہے اور وہ تمثل وامتثال کے طور پر نہ ہوگی جیسا کہ بدء الامالی میں کہا ہے۔

یَرَاہُ الْمُؤْمِنُوْنَ بِغَیْرِ کَیْفٍ[1]
وَاِدْرَاکٍ وَّضَرْبٍ مِّنْ مِّثَالٍ

کیونکہ مثل کو دیکھنا کیف کو دیکھنا ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنا بلکہ وہ مخلوق کی رویت ہے جو اللہ تعالیٰ نے ایجاد فرمائی ہے اور بطریق تمثل ظاہر ہوا ہے اور اللہ تعالےٰ تمثل وامتثال سے بلند تر ہے اور توہم وخیال سے بھی بلند ہے۔ اور یہ سب اللہ تعالےٰ کی مخلوق ہیں۔

اور تعجب ہے ان اکابر عرفاء پر جو تنزیہ سے تشبیہ کے ساتھ اور قدیم سے حادثات کے ساتھ خوش ہیں اور مثال پر قناعت کر بیٹھے ہیں اور صورت پر اقامت کر چکے ہیں۔ اور میرا خیال یہ ہے کہ یہ سب اس بیماری کی وجہ سے ہے جو ان کے قول توحید واتحاد سے پیدا ہوئی ہے اور انہوں نے اپنے اس حکم پر اصرار کیا ہے کہ عالم ہی حق سبحانہ وتعالےٰ ہے اور بس قولازماً ان کے نزدیک افراد عالم میں سے ہر فرد کی رویت اللہ تعالیٰ کی رویت ہوگی۔ اس سبب سے کہ ان کے نزدیک ان دونوں میں اتحاد واقع ہے یہی وجہ ہے کہ ان میں سے بعض نے فارسی کا یہ شعر کہا ہے ؎

امروز[2] چوں جمال تو بے پردہ ظاہر است
در حیرتم کہ وعدۂ فردا برائے چیست

ہاں اتنا ضرور ہے کہ شیخ قدس سرہ نے افراد عالم میں سے خاص جامع فرد کو جو بطریق تمثل اپنے حصول کو پہنچا ہو اس فضیلت کے لئے مخصوص کیا ہے اور یہ تخصیص اس کو کوئی نفع نہیں بخشتی۔ گویا کہ شیخ قدس سرہ نے کتاب وسنت کے کمال علم اور علماء کے اقوال کی وجہ سے اس قول کی جو کہ مطلق رویت اور ان کے ان چیزوں کی رویت کو اللہ تعالےٰ کی رویت قرار دینے کے متعلق ہے۔ برائی کو معلوم کر لیا ہے اور اس کے باوجود غلبہ سکر اور قوت حال توحید کی وجہ سے تشبیہ کی تنگی سے پوری طرح خلاصی نہیں پائی اور نا لنسں

---

[1] مومن اللہ تعالےٰ کو بلا کیف وادراک وتمثل دیکھیں گے۔

[2] آج جب کہ تیرا جمال بے پردہ ظاہر ہے میں حیران ہوں کہ کل کا وعدہ کس لئے ہے۔ ۱۲

تنزیہ کے کمالات کے حصول کے لئے فارغ نہ ہوا بلکہ اس نے یہ خیال کیا کہ خالص تنزیہ کا قائل قاصر ہے اور ناقص اور اللہ تعالیٰ کا محدد (حد بندی کرنے والا) ہے جیسا کہ تشبیہ کا قائل ہے پس خالص تنزیہ سے انہوں نے گریز کیا اور یقین کر لیا کہ کمال تشبیہ اور تنزیہ کو جمع کرنے میں ہے اور اس حکم لگانے میں کمال ہے کہ ان دونوں سے ایک دوسرے کا عین ہے تاکہ تحدید و تقیید بالکلیہ مرتفع ہو جائے۔

اور یہ تو تم پر مخفی نہیں ہے کہ تشبیہ اس کے نزدیک خارج میں مفقود ہے اور خارج میں موجود یہی خالص تنزیہ ہے پس ان میں سے ایک دوسرے کے لئے محدد اور مقید نہ ہوگا جیسا کہ وجود خارجی اور عدم خارجی کہ نہ تو عدم وجود کا محدد ہے اور نہ وجود عدم کا محدد ہے۔ بلکہ وجود عدم سمیت اپنے اطلاق پر ہے اور عدم وجود سمیت بھی اپنے اطلاق پر ہے اور ان میں سے ایک دوسرے سے مقید نہیں ہے اور اگر عدم وجود کا محدد ہوتا تو اس لائق ہوتا کہ حکم کیا جاتا کہ وجود اور عدم کے جمع کرنے میں کمال ہے اور ان میں سے ایک دوسرے کا عین ہوتا اور اس کا بطلان ظاہر ہے

پس خالص تنزیہ کا قول اللہ تعالیٰ کے لئے تحدید نہ ہوگا اور تنزیہ و تشبیہ کو جمع کرنا کمال ہوگا بلکہ نقص ہوگا اور ناقص کا کامل سے الحاق ہوگا اور یہ تو معلوم ہوگا کہ ناقص اور کامل سے مرکب ناقص ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ صور علمیہ جن کو اعیان ثابتہ کہتے ہیں شیخ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے علم میں ثابت ہیں اور وہ بھی موجود خارجی کی تحدید کو لازم نہیں کرتے تاکہ اللہ تعالیٰ اور ان چیزوں کے درمیان اتحاد اور عینیت کا حکم لگایا جائے اور یہ بات تو کھلی ہوئی ہے کہ موجود خارجی کی تحدید اسی طرح کا موجود خارجی ہی کر سکتا ہے۔ باقی رہا موجود علمی پس نہ تو وہ موجود خارجی کی تحدید کرتا ہے اور نہ اس کے مزاحم ہوتا ہے اس لئے کہ ان دونوں مراتب میں تباین ہے۔ کیا تم غور نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ کے شریک کا تصور اور علم میں اس کا ثبوت کہ اس پر استحالہ کا حکم لگایا جائے گا ہرگز اللہ تعالیٰ کے مزاحم نہ ہوگا جو کہ موجود فی الخارج ہے اور نہ اس کی تحدید کرتا ہے اور نہ اس کی تقیید کرتا ہے تاکہ اس کے دفعیہ میں غیر واقع (جھوٹا) حیلہ کیا جائے کہ ایک ان میں سے دوسرے کا عین ہے اس کو یاد رکھو۔

اب چاہیئے کہ ہم کلام شیخ کی طرف رجوع کریں جو کہ تجلی ذات اور اس کے مناسبات کے متعلق ہے۔ پس ہم کہتے ہیں کہ شیخ نے اس تجلی کے بعد ذکر کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے

کہ یقیناً تجلیات میں سے یہ آخری تجلی ہے اور انتہائی عروج ہے اور اس کے بعد صرف عدم محض ہے پس تو طمع نہ کر اور اپنے آپ کو محنت میں نہ ڈال کہ اس سے بلند عروج حاصل ہو اور اس سے اوپر وصول نصیب ہو اس لئے کہ تجلی ذاتی کے درجہ سے بلندتر کوئی مقام نہیں ہے۔

مکتوب نمبر ۷۵

اس حقیر محمد ہاشم کشمی کی طرف صادر فرمایا

(اللہ تعالےٰ کی ذات وصفات وافعال کی تجلی کے بیان میں)

میرے بھائی خواجہ محمد ہاشم جان لیں کہ تجلی افعال سالک پر حق تعالےٰ کے ظہور سے عبارت ہے ایسے طریقہ پر کہ بندوں کے افعال اس فعل کے ظلال نظر آئیں۔ اور اس فعل کو ان افعال کا اصل پائے اور ان افعال کے قیام کو اس فعل واحد سے سمجھتے ہیں اور اس تجلی کا کمال یہ ہے کہ یہ ظلال اس کی نظر سے پوری طرح پوشیدہ ہو جائیں اور اپنے اصل سے ملحق ہو جائیں اور ان افعال کے فاعل کو جمادات کی طرح بے حس وحرکت پائے اور وہ جو ارباب توحید وجود نے جو عینیت اشیاء کے قائل ہیں اور ہمہ اوست اسب وہی ہے ا کہتے ہیں اسی مقام پر کہا ہے اور بندوں کے ان بہت سے افعال کو ایک فاعل جل شانہ کا فعل جانے۔ اس جگہ نسبت افعال کا اختفاء ہے جو اپنے فعل سے سمجھتے تھے۔ اور نسبت کا حدوث ان افعال کے لئے فاعل واحد سے ثابت کرتے ہیں نہ کہ نفس افعال کا اختفاء ہے اور ان کا اصل سے الحاق ان دونوں میں بڑا فرق ہے اور قریب ہیں کہ یہ بعض پر مخفی رہیں۔

تجلی صفات سالک پر اللہ تعالےٰ کی صفات کے ظہور سے عبارت ہے۔ ایسے طریقہ پر کہ بندوں کی صفات کو اللہ تعالیٰ کی صفات کا ظلال سمجھے اور ان کے قیام کو ان کے اصول سے سمجھے۔ مثلاً ممکن کے علم کو خدا تعالےٰ کے علم کا ظل پائے اور اس کے ساتھ قائم سمجھے اور اسی طرح ممکن کی قدرت کو اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ظل سمجھے اور اس کا قیام اس کے ساتھ تصور کرے اور اس تجلی کا کمال یہ ہے کہ یہ صفات ظلال پوری طرح سالک کی نگاہ

سے پوشیدہ ہو جائیں اور اپنے اصول سے ملحق ہو جائیں اور اپنے آپ کو جوان صفات کا موصوف ہے۔ جمادات کی طرح میت بے حیات اور بے علم پائے اور وجود اور کمالات و توابع وجود کا کوئی اثر اپنے اندر نہ پائے۔ نہ اس جگہ ذکر ہوتا ہے نہ توجہ اور نہ حضور ہوتا ہے نہ شہود۔ اصل سے الحاق کے بعد اگر توجہ ہے تو خود بخود متوجہ ہے اور اگر حضور ہے تو خود بخود حاضر ہے۔ اور اس مقام سے سالک کا حصہ حقیقت فنا و نیستی کا حصول اور کمالات کے انتساب کی نفی ہے جو بزعم خود ان کمالات کو اپنی طرف نسبت کرتا تھا اور امانت کو امانت والے کے سپرد کرنا ہے کہ جھوٹ اور تہمت سے اس امانت کو اپنی طرف سے سمجھتا تھا۔

اور پھر کلمۂ

اَنَا

کے مورد کا زوال بھی ہے۔ اس حد تک کہ اگر اس کو بقا باللہ سے مشرف کریں تو پھر بھی ہرگز اَنَا کا مورد نہ ہو اور اپنے آپ کو "میں" کے لفظ سے تعبیر نہ کر سکے۔ اور اگرچہ اپنے آپ کو وہی اپنا اصل پائے تو اس پر بھی کلمۂ انا کے اطلاق کی گنجائش نہ ہو اور اپنے آپ کو اپنے اصل کا عین نہیں کہہ سکے گا کہ خودی اس سے برطرف ہو چکی ہے اور انانیت زائل ہو چکی ہے

اَنَا الحق

کہنا اس نسبت کے عدم کے حصول کی وجہ سے ہے۔ اور

سُبْحَانِیْ

زبان پر لانا اس دولت تک نہ پہنچنے کی وجہ سے ہے۔ لیکن اکابر سے جو اس قسم کے الفاظ صادر ہوتے ہیں ان کو ان کے توسط احوال پر محمول کرنا چاہیے اور کمال شان کو اس گفتگو سے بالاعتبار کرنا چاہیے۔ یہ فنا کی دولت جو نیستی کی حقیقت ہے اگرچہ تجلی صفات کی انتہا ہے۔ لیکن اس کا حصول تجلی ذات کے پرتو سے ہے اور جب تک ذات متجلی نہیں ہوتی یہ فنا کی دولت میسر نہیں آتی۔ بلکہ تجلی صفات بھی انجام تک نہیں پہنچتی جب تک تو نہ پائے گا آزاد نہ ہو گا۔ تجلی ذات ہی کی وجہ سے ہے کہ عارف کا وہ بقیہ جو اس کی نظر میں جماد میت کی طرح نظر آتا تھا وہ بھی زائل ہو جاتا ہے اور وہ عدم تھا جو کہ ہر ممکن کا اصل ہے جو کہ اللہ تعالےٰ کی صفات کاملہ کے انعکاس کے ذریعہ اس میں امتیاز اور تعین پیدا ہوا ہے اور اس آئینہ

داری سے دوسرے اعدام سے جدا ہوا ہے اور جب یہ منعکس ہونے والے ظلال اپنے اصول سے ملحق ہوئے تو ان اعدام میں کوئی امتیاز چیز نہ رہی اور یہ عدم خاص بھی عدم مطلق سے ملحق ہوا تو اس وقت عارف کا نہ کوئی نام رہتا ہے نہ نشان

لَا تُبْقِي وَلَا تَذَرُ۔ (نہ باقی رکھتی ہے اور نہ کچھ چھوڑتی ہے)

جس طرح وجود اس سے وداع ہو کر چلے گئے عدم بھی اس سے جدا ہوا اور اپنے اصل سے جا ملا۔

جاننا چاہیئے کہ دوسرے اعدام سے اس عدم کا امتیاز جو کہ اس میں صفات کے ظلال کے حصول کے ذریعہ حاصل ہوا تھا وہ باعتبار توہم ہے اور اصل میں کوئی ظل بھی اس میں ثابت نہیں ہے بلکہ بالکل دوسرے آئینوں کی طرح کہ ان میں صورتوں کا حصول باعتبار توہم ہے اور جب اس میں حصول ظلال باعتبار توہم تھا اس کا امتیاز بھی وہمی ہوگا۔ پس جس طرح وجود ممکن وہمی ہے اس کا عدم بھی وہمی ہوگا۔ وہم کے دائرہ کے باہر اس کو قدم رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔ کیونکہ فی الحقیقت وجود اپنے خالص اطلاق پر قائم ہے اور عدم اپنے خالص اطلاق پر نہ وجود میں تنزل آیا ہے اور عدم کو ترقی حاصل ہوئی ہے یہ اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت ہے کہ مرتبۂ وہم میں وجود اور عدم سے جہان کو پیدا فرمایا ہے اور اسے پوری مضبوطی عطا کی ہے اور ابدی معاملہ اور عذاب و ثواب دائمی کو اس سے متعلق کیا ہے۔

وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيزٍ۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے لئے کچھ مشکل نہیں ہے۔

اور وہ جو ہم نے اوپر کہا ہے کہ اس دولت فنا کا حصول تجلی ذات کے پرتو سے ہے۔ یعنی نفس تجلی ذات کا حصول اس دولت فنا کے حصول کے بعد ہے جب تک تو آزاد نہ ہوگا نہ پائے گا۔

نفس تجلی اور پرتو تجلی میں جو فرق ہے وہ طلوع آفتاب اور صبح کے روشن ہونے کا سا فرق سمجھ لینا چاہیئے۔ صبح کے روشن ہونے کے وقت تو آفتاب کی تجلی کا پرتو ہے۔ اور طلوعِ آفتاب کے بعد نفس تجلی آفتاب ہے اور بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ تجلی کا پرتو ڈالنے کے بعد بعض کو نفس تجلی سے مشرف نہیں کرتے اور بعض عوارض کے پیش آجانے کی وجہ سے اس اعلیٰ دولت تک نہیں پہنچاتے۔ وہ اسفار (صبح کی روشنی) کو پاتے ہیں۔ اور کسی آسمانی یا زمینی علت کی وجہ سے طلوعِ آفتاب تک راہ نہیں پاتے۔

اور پھر یہ بھی ہے کہ شہود اسفار کے لئے قوت باصرہ (دیکھنے کی قوت) کا کمال درکار نہیں ہے۔ شہود آفتاب ہے جو کمال قوت باصرہ طلب کرتا ہے اور نظر کی تیزی چاہتا ہے۔ مسکین چمگاڈر اسفار کے درک پر تو قادر ہے اور سورج دیکھنے میں عاجز ہے۔ وہ دوسری آنکھ چاہیئے کہ جس سے سورج دیکھا جا سکے اور بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے۔ کہ تجلی آفتاب کے پرتو کی استعداد تو ہوتی ہے لیکن نفس تجلی آفتاب کی استعداد نہیں ہوتی۔ چمگاڈر کو تجلی آفتاب کے پرتو کی استعداد تو ہے لیکن نفس تجلی آفتاب کی استعداد نہیں ہے میں سربستہ کہہ رہا ہوں شاید نفع دے۔

تجلی صفات کے ختم ہونے اور فنائے صفات و ذوات کے بعد عارف کو ایک تجلی نظر آتی ہے جو گویا کہ تجلی ذات کی دہلیز ہے اور گویا کہ وہ تجلی ذات و تجلی صفات کے درمیان برزخ ہے۔ جس صاحب دولت کو اس تجلی سے گزار کر لے جاتے ہیں تو اسے تجلی ذات سے اس کی استعداد کے مطابق حصہ ملتا ہے۔ اور یہ برزخی تجلی اس فقیر کے خیال میں اس تجلی ذاتی کا اصل ہے کہ جس کے متعلق شیخ محی الدین ابن العربی قدس سرہٗ نے اس عبارت سے اس تجلی کو تعبیر فرمائی ہے "تجلی ذاتی شخص متجلی لہٗ کی صورت میں ہوتی ہے پس متجلی لہ اللہ تعالٰے کے آئینہ میں اپنی صورت کے سوا کچھ نہیں دیکھتا اور اس نے حق تعالٰے کو نہیں دیکھا ہے اور نہ ہی ممکن ہے کہ اس کو دیکھ سکے"۔

اور شیخ نے اس تجلی کو منتہائے تجلیات کہا ہے اور اس سے اوپر کوئی مقام نہیں جانا اور کہا ہے "اور اس تجلی کے بعد جو کچھ ہے وہ عدم محض ہے سو نہ تو اس کا طمع کر اور نہ اس لئے محنت کر کہ اس تجلی ذاتی سے اوپر تو ترقی کر سکے گا"۔

یہ عجیب معاملہ ہے مطلوب حقیقی کا وصول تو اس تجلی کے بعد ہے اور شیخ اس جگہ سے ڈراتا ہے اور اس آیت سے

وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ (اور اللہ تمہیں اپنے نفس سے ڈراتا ہے)

تحذیر و تہدید کرتا ہے۔ ہم آوارہ لوگ اگر اس کا طمع نہ کریں اور اس کے حصول میں مشقت نہ کریں تو ہم نے کیا کام کیا اور جوہر نفیس چھوڑ کر کوڑیوں سے مطمئن ہو گئے۔

خلاصہ کلام یہ کہ ہر مرتبہ سے حصہ اسی مرتبہ کے مناسب ہوتا ہے وہ حصہ جو

بیچون سے میسر ہوتا ہے وہ بھی بیچون ہو گا کیونکہ چون کو بیچون سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ پس وہ معرفت جو اس مرتبہ سے تعلق پیدا کرتی ہے وہ اس معرفت کی طرح نہیں ہے۔ جو چون سے متعلق ہوتی ہے کہ اس معرفت کے لئے اس جگہ کوئی گنجائش نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیاء نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے متعلق علم جہل ہے یعنی یہ وہ علم نہیں ہے جو اس علم کی جنس سے ہو جو کہ ممکن کے علم سے متعلق ہے۔ کیونکہ وہ تو کیف کے مقولہ سے ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک کیف نہیں ہے۔"

اور تفکر جس سے اللہ تعالیٰ کی ذات کے متعلق منع کیا ہے۔ وہ اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ تفکر و تخیل سے ماوراء ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اللہ تعالیٰ ہی سے پایا جا سکتا ہے۔ نہ کہ فکر اور خیال سے۔ اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما اور ہمارے کام میں بھلائی پیدا کر۔

اور شیخ قدس سرہ کو چاہیئے تھا کہ اس طرح کہتا کہ "اس تجلی کے بعد خالص وجود اور نور محض ہے"۔ ظاہراً جو اس نے اس تجلی کے بعد عدم کہا ہے وہ اس اعتبار سے کہا ہے کہ عالم صفات کا ظل ہے اور صفات سے اوپر گزرنا اپنے عدم ہونے کی کوشش کرنا ہے۔ لیکن یہ معاملہ ایسا نہیں ہے کیونکہ عارف جو صفات سے جو کہ اس کا اصل ہے اوپر نہیں جاتا اور شیون و اعتبارات ذاتیہ سے اوپر نہیں گزرتا تو اس نے کیا کام کیا اور کس لئے آیا اور وہ فناء و بقا جو اس کو ہر مرتبہ میں میسر ہوتی ہے اس نے اس کو اپنے اصل سے اوپر جانے پر دلیر بنا دیا ہے اور بقائے اصل کے ساتھ اصل سے گزرا ہے اور اصل الاصل تک پہنچا ہے۔

يُحْرَقُ بِالنَّارِ مَنْ يَمَسُّ بِهَا
وَمَنْ هُوَ النَّارُ كَيْفَ يَحْتَرِقُ

اور شیخ قدس سرہ اگر اس ظل کے اصل تک پہنچتے تو اس سے اوپر ترقی کرنے سے نہ ڈرتے اور نہ ڈراتے۔ لیکن حسن ظن اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے وہ بزرگوار اس مقام سے ترقی فرما چکے ہوں گے اور معاملہ کی حقیقت کو پا لیا ہو گا۔ بزرگ کے حال کو اس کے قال کے ترازو سے نہ تولنا چاہیئے شاید وہ بات اس

ط: آگ سے تو وہی جلایا جائے گا جو اس کو چھوئے گا اور اس سے الگ ہو گا اور جو خود آگ ہو چکا ہو وہ کس طرح جلے گا۔

نے ابتداء یا وسط میں کبھی ہو اور اس کے بعد کئی مرحلے اس سے آگے نکل گیا ہو" جس کے دونوں دن برابر ہوں وہ خسارے میں ہے" اور اللہ سبحانہٗ وتعالےٰ ہی توفیق دینے والے ہیں۔

اور تجلی ذات کے متعلق کیا لکھوں اور کیا لکھا جا سکتا ہے کہ وہ ایک وجدانی چیز ہے جس نے پایا اس نے معلوم کیا اور جس نے نہ چکھا نہ جانا۔

لہ قلم اینجا رسید سر بشکست

صرف اس قدر ظاہر کرتا ہوں کہ تجلی ذات اس عارف کے حق میں جس کی فنا اور بقا ذکر ہوئی ہے دائمی ہے اور وہ جو دوسروں کے لئے بجلی کی طرح ہے وہ اس کے لئے ہمیشہ ہے۔ بلکہ تجلی برقی اصل میں تجلی ذات نہیں ہے۔ اگرچہ بعض نے اس کو تجلی ذات کہا ہے لیکن وہ شیون ذات میں سے کسی شان کی تجلی ہے جو بڑی تیزی سے چھپ جاتی ہے جس جگہ بھی تجلی ذات ہے اور اعتبارات و شیون کے ملاحظہ کے بغیر ہے تو اس کو دوام لازم ہے اور پوشیدہ ہونا اس جگہ متصور نہیں ہے۔ تجلیات میں رنگارنگی صفات اور شیون کا پتہ دیتی ہے۔ اللہ تعالےٰ کی ذات پاک وہ ہے جو تمام تلوینیات سے منزہ ومبّرا ہے اور پوشیدہ ہونے کی اس جگہ گنجائش نہیں ہے۔ یہ اللہ تعالےٰ کا احسان ہے جس پر چاہے کرے اور اللہ تعالےٰ بڑے فضل والا ہے۔ والسّلام

دفتر سوم کا حصہ ہشتم اللہ تعالےٰ کی توفیق سے پورا ہوا اب آگے حصہ نہم ہے۔

لہ قلم اس جگہ پہنچا تو اس کا سر ٹوٹ گیا۔

صُحُفًا مُّطَهَّرَةً فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر می خواست
آخر آمد زپس پردۂ تقدیر پدید

یعنی

اُردو ترجمہ

مکتوباتِ امامِ ربّانی

حضرت مجدّد الف ثانی الشیخ احمد سرہندی قدس سرہٗ

دفتر سوم ــــــ حصّہ دوم

تصحیح وحواشی وترجمہ

مولانا محمد سعید احمد صاحب نقشبندی

خطیب امام مسجد حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ لاہور

ناشر

مدینہ پبلشنگ کمپنی بندر روڈ کراچی

طبع اول ——— آفسٹ ایڈیشن ——— ۱۹۷۲ء

طابع و ناشر ——— مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی

مطبع ——— مشہور آفسٹ پریس کراچی

تعداد ——— دو ہزار (۲۰۰۰)

قیمت ——— {حصہ ہفتم، ہشتم، نہم
مجلد مع پلاسٹک کور}

ملنے کا پتہ

مدینہ پبلشنگ کمپنی ═══ بندر روڈ۔ کراچی

فہرست مکتوبات مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ، حصہ نہم - جلد سوم

تمت بالخیر

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

اُردو ترجمہ مکتوبات دفتر سوم حصہ دوم

مکتوب نمبر ۷

حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم کی طرف صادر فرمایا

(شانِ العلم کی جنبی اور اس مرتبہ مقدسہ کا بیان جو حس سے اُوپر ہے۔ جسے خاص نُور کہا جاتا ہے)

شانِ العلم اگرچہ شانِ الحیٰوۃ کے تابع ہے لیکن علم کو اللہ تعالیٰ کے مرتبہ ذات میں صفات و شیون کے اعتبار کے سقوط کے بعد ایک ایسی شان اور گنجائش ہے کہ وہ حیٰوۃ کو بھی نہیں ہے پھر دُوسری صفات اور شیون کا کیا حال ہے۔ وہ ایک مرتبہ ہے جو تمام نسبتوں سے تجرد کا مقام ہے کہ اطلاق نور کے علاوہ اپنے لئے کچھ اور تجویز نہیں کرتے۔ مَیں جانتا ہوں کہ علم کو بھی اس جگہ گنجائش ہے لیکن وہ علم نہیں جس کو حصولی یا حضوری کہتے ہیں کہ وہ اپنی دونوں قسموں کے ساتھ حیٰوۃ کا تابع ہے بلکہ وہ علم اللہ تعالیٰ کی طرح بے چون و بے چگون ہے اور وہ سب بے چون شعور ہی شعور ہے اس میں علم و معلوم کا اعتبار نہیں ہے۔

اور اس مرتبہ کے اُوپر ایک مرتبہ ہے کہ علم کو بھی دُوسرے شیون کی طرح اس مقام میں گنجائش نہیں ہے اس جگہ سب نُور ہے کہ اس کا اصل بے چون و بے چگون شعور ہے اور جب حضرت نُور کا ظل بھی بے چون بے چگون ہے تو اصل جو کہ عین نُور ہے کی بے چونی و بے چگونی کے متعلق کیا کہوں، اور کیا کہا جا سکتا ہے اور تمام کمالات خواہ وُہ وجوبی ہوں یا امکانی نور کے ظلال ہیں اور نُور کے ساتھ قائم ہیں وجود بھی نور یدجو سے ظاہر ہُوا ہے اور مبدأ آثار ہُوا ہے پہلا جو کہ حضرتِ نور کے مرتبہ سے صرف انحطاط کی بو رکھتا ہے اور شعور و نور کا جامع ہے نبی صلے اللہ علیہ وسلّم نے اس کو مخلوق کہا ہے اور کبھی اُسے عقل سے تعبیر فرمایا ہے اس جگہ آپ نے فرمایا:-

اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ الْعَقْلَ — سب سے پہلے جو چیز اللہ تعالیٰ نے پیدا کی وُہ عقل ہے۔

اور کبھی اس کو نُور سے یاد فرمایا اور کہا:-

اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ — سب سے پہلی چیز جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی وہ میرا نُور ہے۔

اور یہ دونوں ایک ہی ہیں ہی نور ہے اور یہی عقل و شعور اور چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرتبہ کی اپنی طرف نسبت کی ہے "میرا نور" فرمایا ہے تو کہا جا سکتا ہے کہ یہ حقیقت محمدی کا مرتبہ تھا اور یہ تعین اوّل ہوگا نہ وہ حقیقت و تعین اوّل جو کہ متعارف ہو چکی ہے کیونکہ وہ تعین اگر اس تعین کا ظل ہو تو بھی غنیمت ہے کیونکہ اس عقل سے مراد وہ عقل نہیں ہے کہ فلاسفہ نے اس کو اللہ تعالیٰ سے بطریق اضطرار صادر اوّل کہا ہے اور اس کو صدور کثرت کا مصدر بنایا ہے۔

جاننا چاہیئے کہ جس جگہ بھی تعین ہے اس میں امکان کی بُو ہے اور عدم کی آمیزش اس کے ہمراہ ہے جو تعین و تمیز وجود کا باعث ہوا ہے۔ وَبِضِدِّهَا تَتَبَيَّنُ الْأَشْيَاءُ (چیزیں اپنی ضد سے ظاہر ہوتی ہیں)، اللہ تعالیٰ کی صفات جنہوں نے تعین و تمیز پیدا کیا ہے وہ باوجود قدیم ہونے کے واجب لذاتہا نہیں ہیں، بلکہ واجب لذات الواجب ہیں کہ اس کا حاصل وجوب بالغیر ہے جو کہ امکان کے اقسام میں سے ہے۔ اگرچہ صفات قدیم میں امکان کے لفظ سے پرہیز کرنا چاہیئے کیونکہ اس سے حدوث کا وہم ہوتا ہے اور اس جگہ مناسب وجوب کا اطلاق ہے جو کہ ذات واجب سے آیا ہے لیکن حقیقت میں اس جگہ امکان کی گنجائش ہے کیونکہ ان کا وجوب ذاتی نہیں ہے اور غیر کی طرف سے آیا ہے اگرچہ اس کو غیر نہ کہیں گے اور اصطلاحی غیر کہیں گے لیکن دو (اثنینیت) غیریت کا تقاضا کرتی ہے "دو آپس میں متغایر ہوتے ہیں" یہ ارباب معقول کا مسلّمہ قاعدہ ہے۔

عجیب معاملہ یہ ہے کہ شیخ محی الدین ابن عربی نے دو تعین کو وجوبی کہا ہے اور تین تعین کو امکانی لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ تمام تعینات ظلیت کا داغ اور امکان کی بُو رکھتے ہیں اگرچہ ممکن سے ممکن تک بڑا فرق ہے ایک قدیم ہوتا ہے اور دوسرا حادث لیکن یہ سب امکان کے دائرہ سے خارج نہیں ہیں اور عدم کی بُو رکھتے ہیں۔

دوسرا مرتبہ جو خالص نور ہے اور لا تعین سے متعین ہے اس کو بھی دوسروں کی طرح ذات محض اور احدیت مجردہ خیال نہ کریں کہ وہ بھی نورانیت خالص کے حجابوں میں سے ایک حجاب ہے کہ اِنَّ لِلّٰهِ سَبْعِيْنَ اَلْفَ حِجَابٍ مِّنْ نُّوْرٍ وَّظُلْمَةٍ (اللہ تعالیٰ کے نور و ظلمت سے ستر ہزار پردے ہیں)۔ اگرچہ تعین نہیں ہے لیکن مطلوب حقیقی کا حجاب ہے اگرچہ یہ آخری حجاب ہے اور اللہ تعالیٰ وراء الوراء ہے۔ یہ نور چونکہ تعین کے دائرہ میں داخل نہیں ہے لہٰذا عدم کی ظلمت سے منزّہ و مبرّا ہے، وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى (اور اللہ تعالیٰ ہی کی صفت بلند ہے)

اس کی مثال نور آفتاب کی شعاعوں کی سی ہے جو کہ سورج کی ٹکیا کا حاجب ہیں اور قرص (ٹکیا)

آفتاب کے عین سے منتشر ہو کر اس کا حجاب ہو گئی ہیں۔ حدیث میں آیا ہے حِجَابُہُ النُّوْرُ (اس کا حجاب نور ہے) اور یہ بلند مرتبہ تجلیاتِ ذاتیہ سے اوپر ہے پھر تجلیات فعل و صفت کے متعلق کیا کہوں کیونکہ تجلی تعین کی آمیزش کے بغیر متصور نہیں ہے اور یہ مقام تمام تعینات سے اوپر ہے لیکن ان تجلیاتِ ذاتیہ کا منشا وہی خالص نور ہے اور تجلی اس کے واسطہ کے بغیر متصور نہیں ہو سکتی اگر وہ نہ ہو تو تجلی حاصل نہیں ہوتی۔

اور کعبہ ربانی کی حقیقت میں سمجھتا ہوں کہ یہی نور ہے جو کہ سب کا مسجود ہے اور تمام تعینات کا اصل ہوتا ہے۔ اگرچہ تجلیات ذاتیہ کا ملجا و ماویٰ یہی نور تھا تو دوسروں کی مسجودیت سے اس کی کیا تعریف کروں اور حبیب اللہ تعالیٰ کا کمال فضل و کرم ہزاروں میں سے کسی عارف کو اس دولت کے وصول سے مشرف کرتا ہے اور فنا و بقا سے اس مقام میں سرفراز فرماتا ہے تو ہو سکتا ہے کہ وہ بقا اسی نور سے حاصل ہو اور فوق الفوق سے وافر حصہ پائے اور نور کے ساتھ نور سے گذر کر اصل نور تک پہنچ جائے اور یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے جس پر چاہے کرے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

یہ علوم جس طرح نظر و فکر سے بالا ہیں اسی طرح کشف و شہود سے بھی بالا ہیں اور یہ بھی ہے کہ ارباب کشف و شہود اس علوم کے سمجھنے میں اہل علم و عقل کی طرح ہیں نبوت کی فراست کا نور چاہیے جو کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی متابعت سے ان حقائق کو پالینے کی ہدایت فرمائے اور ان علوم و معارف کو پالینے کی دلالت کرے۔

جاننا چاہیے کہ یہ نور دوسرے انوار کی طرح ہرگز نہیں ہے جو کہ امکان کا شائبہ رکھ کر ممکن ہو، یا جوہر و عرض کی جنس سے ہو وہ ایک ایسا مرتبہ ہے کہ نور کے علاوہ اس پر کسی چیز کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا اگرچہ وجوب وجود ہی کیوں نہ ہو کہ وجوب اس سے نیچے ہے۔

تنبیہ:۔ اس بیان سے کوئی یہ خیال نہ کرے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے تمام حجابات کا دور ہو جانا اس عارف کے حق میں متحقق ہو جاتا ہے۔ کیونکہ تمام حجابات میں سے آخری حجاب اسی نور کو کہا ہے اور اس کا زوال ممتنع ہے اس حدیث کی رو سے جسے نقل کیا ہے۔

اِنَّ لِلّٰہِ سَبْعِیْنَ الفَ حجاب من نور و ظلمۃ لو کشفت لاحرقت سبحات وجھہ ما انتھی الیہ بصرہ من خلقہ	اللہ تعالیٰ کے نور و ظلمت میں ستر ہزار پردے ہیں، اگر وہ دور ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ کی ذات کے انوار اس مخلوق کو جلا کر رکھ دیں جہاں تک اس کی نظر جائے۔

کیونکہ اس جگہ تحقق دیدار حجابات سے ہے جو کہ ایک دوسرے کے لئے اسباب ہیں نہ کہ حجابات کا دور ہونا اور ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما اور ہمارے

معاملہ میں بھلائی پیدا کر۔ والسلام علی من اتبع الہدیٰ۔

مکتوب نمبر ۷

حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید کی طرف صادر فرمایا

(کعبہ ربانی کی حقیقت کے اسرار اور عجز و معرفت کے حقائق اور نماز اور کلمہ طیبہ نفی و اثبات کی حقیقت کے بیان میں)

تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے ہمیں اس کی راہنمائی فرمائی اور اگر اللہ تعالیٰ ہماری راہنمائی نہ کرتا تو ہم کبھی راہ نہ پاسکتے ہمارے رب کے رسول حق لے کر آئے۔

بلند مقام نور خاص کے بعد کہ جس کو اس فقیر نے کعبہ ربانی کی حقیقت پایا ہے اور لکھا ہے کہ وہ مرتبہ ہے بہت بلند جو کہ اللہ تعالیٰ کے قرآن مجید کی حقیقت ہے۔ کعبہ معظمہ قرآن مجید کے حکم کے مطابق آفاق کا قبلہ ہوا ہے اور سب کی مسجودیت کی دولت سے مشرف ہوا ہے امام قرآن ہے اور مقتدی پیش قدم کعبہ معظمہ اور یہ مرتبہ مقدسہ اللہ تعالیٰ کی ذات بے چون کی وسعت کا مبداء ہے اور اللہ تعالیٰ کی بے چونی و بے چگونگی کے امتیاز کا مبدأ بھی ہے وہ ایک ایسا بلند درجہ ہے اس درجہ مقدسہ میں وسعت و درازی طول و فراخی عرض کی وجہ سے نہیں ہے کہ وہ نقص و امکان کی علامات ہیں وہ ایک ایسا معاملہ ہے کہ جب تک اس سے متحقق نہ ہوں معلوم نہیں ہوسکتا۔ اور اسی طرح امتیاز بھی اس مرتبہ مقدسہ میں مباینت اور مزایلت سے نہیں ہے کہ وہ تبعض اور تجزی کو مستلزم ہے جو کہ جسم و جسمانی کے لوازمات سے ہے اللہ تعالیٰ اس سے بلند ہے۔

اس مقام میں فرض شے غیر شے متصور نہیں ہے کہ غیریت مغایرت اور دوئی کی خبر دیتی ہے بلکہ یہاں فرض کی بھی گنجائش نہیں ہے کہ وہ فرض محال کے قبیل سے ہے "جس نے نہ چکھا نہ جانا" ؎

(۱) چہ گویم با تو از مرغے نشانہ — کہ با عنقا بود ہم آشیانہ

(۲) ز عنقا ہست نامے پیش مردم — ز مرغ من بود آں نام ہم گم[1]

اس مقام میں جو شے بھی فرض کی جائے اگرچہ فرض محال ہی کیوں نہ ہو اور اس شے میں جتنا بھی دور دور پہنچا جائے اگرچہ کچھ بھی نہیں جایا جاسکتا اس جگہ ہرگز کوئی امر پیدا نہیں ہوتا کہ اس شے سے اختصاص رکھا جائے۔ اور کسی دوسری شے میں وہ مفروض پایا نہ جائے۔ اور اس کے باوجود ان دو چیزوں میں امتیاز مفروض

---

[1] (۱) میں اس پرندے کا نشان تجھے کیا بتاؤں جو عنقا کے ساتھ آشیانہ رکھتا ہے (۲) عنقا کا نام تو کم از کم لوگ جانتے ہیں اور میرے پرندے کا تو نام بھی نہیں ہے ۱۲

ثابت اور باقی ہے اور ایک کے احکام دوسرے سے متمیز ہوتے ہیں۔ سو پاک ہے وہ اللہ جس نے اپنی طرف خلقت کے لئے سوائے اس کی معرفت کے عجز کے اور کوئی راستہ نہیں بنایا۔

اور معرفت سے عجز اکابر اولیاء کا حصہ ہے عدم معرفت اور چیز ہے اور معرفت سے عاجز آنا اور چیز ہے۔ مثلاً اس مقام مقدس میں عدم امتیاز کا حکم لگانا اور ہر ذاتی کمال کو دوسرے کا عین پانا جیسا کہ صوفیاء نے کہا ہے۔ علم عین قدرت ہے اور قدرت عین ارادت ہے اس جگہ اس مقام کے امتیاز کی عدم معرفت ہے اور اس مقام کے امتیاز کا حکم لگانا اور اس امتیاز کی حقیقت کی عدم دریافت کا اقرار کرنا اس مقام کے امتیاز کی معرفت سے عجز ہے۔ عدم معرفت جہالت ہے اور معرفت سے عجز علم ہے۔ بلکہ عجز دو علم کا متضمن ہے ایک شے کا علم اور ایک اس کی حقیقت کی دریافت کا عدم علم اس شے کی کبریائی اور کمال عظمت کی وجہ سے اگر تیسرے علم کو بھی ہم درج کریں تو اس کی بھی گنجائش ہے اور وہ اپنے عجز و قصور کا علم ہے جو کہ اپنی عبودیت و عبدیت کے مقام کا مؤید ہے۔

اور عدم معرفت میں جو کہ جہل ہے بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ وہ جہل مرکب ہوتا ہے اور اپنے جہل کو جہل نہیں سمجھتا بلکہ اس کو علم جانتا ہے اور عجز معرفت میں اس مرض سے پوری نجات ہے بلکہ یہ مرض اس جگہ گنجائش نہیں رکھتا کہ اپنے عجز کا خود اعتراف کرتا ہے۔ اگر عدم معرفت اور معرفت سے عجز ایک ہوتے تو تمام نادان عارف ہوتے اور ان کا جہل ان کے کمال کا ذریعہ ہوتا بلکہ اس جگہ جو زیادہ جاہل ہوتا وہ زیادہ عارف ہوتا کہ اس جگہ معرفت عدم دریافت معروف کا نام ہے اور معرفت سے عجز میں یہ مقدمہ صادق ہے جو معرفت سے زیادہ عاجز ہو وہ معارف کا زیادہ عارف ہوتا ہے معرفت سے عجز ایک طرح ہے جو ذم سے مشابہت رکھتی ہے اور عدم معرفت ایک ایسی ذم ہے جو مدح کی بو بھی نہیں رکھتی اے اللہ تو پاک ہے مجھے اپنی معرفت کے کمال عجز سے علم زیادہ عطا فرما۔

شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہ اگر اس فرق کو ملاحظہ کر لیتے جس کی اس فقیر کو رہنمائی ہوئی ہے تو ہرگز معرفت سے عجز کو جہل سے تعبیر نہ کرتے اور اسے عدم علم نہ کہتے۔ جیسا کہ انہوں نے کہا ہے کچھ ہم میں سے وہ ہیں جنہوں نے جانا اور کچھ وہ ہیں جو جاہل ہیں اور پھر کہا ادراک کے درک سے عاجز آجانا بھی ادراک ہے۔ اور اس کے بعد شق اول کے علوم کو بیان کیا ہے اور اس پر فخر کیا ہے اور ان علوم کو اپنے سے مخصوص سمجھا ہے اور کہا ہے کہ خاتم الانبیاء بھی ان علوم کو خاتم الاولیاء سے حاصل کرتے ہیں اور اپنے آپ کو ولایت محمدیہ کا خاتم کہا ہے اور اس وجہ سے خلقت کے طعنوں کا مورد بنا ہے اور فصوص کے شارحین نے اس عبارت کی توجیہات میں اپنی ہمتیں صرف کی ہیں اور اس فقیر کے نزدیک بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ حقیقت میں یہ علوم جو شیخ نے

بیان کئے ہیں کئی وجہ سے عجز سے نیچے ہیں بلکہ اس عجز سے کوئی نسبت ہی نہیں رکھتے کیونکہ وہ علوم ظلال سے وابستہ ہیں اور عجز اس مقام میں اصل ہے۔

سبحان اللہ اس قول کے قائل حضرت صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں جیسا کہ راویوں نے کہا ہے اور اس عجز کے ظہور کا مصدر بھی وہی ہیں جو عارفوں کے سردار اور صدیقوں کے رئیس ہیں علم کی کیا حقیقت ہے کہ اس عجز سے سبقت کرے اور وہ کونسا قادر ہے جو اس عاجز سے آگے قدم رکھ سکے۔ ہاں جب وہ شیخ حضرت صدیق کے سردار صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اس طرح کہہ سکتا ہے تو اگر صدیق کے متعلق ایسا کہہ دے تو اس کا کیا گلہ کیا جا سکتا ہے۔ عجیب معاملہ ہے کہ شیخ اس طرح کی گفتگو اور اس شطح کے باوجود جو کہ ناجائز ہے مقبولین سے نظر آتا ہے اور اولیاء کے شمار میں مشاہد ہوتا ہے۔ ؎

با کریماں کارہا دشوار نیست[1]

ہاں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ خدا سے ناراض ہوتے ہیں اور کبھی گال سے ہنستے ہیں۔ شیخ کو رد کرنے والا خطرے میں ہے اور اس کو ایسی باتوں سمیت قبول کرنے والا بھی خطرے میں ہے۔ شیخ کو قبول کرنا چاہیئے اور اس کی اختلافی باتوں کو قبول نہ کرنا چاہیئے۔ یہ ہے شیخ کو قبول کرنے اور رد کرنے کے متعلق متوسط راہ جو اس فقیر کی پسندیدہ ہے اور اللہ تعالیٰ ہی حقیقت کو بہتر جانے۔

اب ہم اصل بات پر آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ مرتبہ مقدسہ کہ جس کو ہم نے قرآن مجید کی حقیقت کہا ہے اس مرتبہ میں نور کے اطلاق کی بھی گنجائش نہیں ہے اور دوسرے کمالات ذاتیہ کی طرح نور بھی راہ میں رہ جاتا ہے اس جگہ بے چون وسعت اور بے چگونی امتیاز کے سوا کسی چیز کی گنجائش نہیں ہے اور اس آیت کریمہ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ (یقیناً تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور آیا) میں اگر نور سے مراد قرآن ہو تو ہو سکتا ہے کہ وہ باعتبار انزال و تنزل ہو جیسا کہ کلمہ قَدْ جَآءَكُمْ اس طرف اشارہ کرتا ہے۔

اور اس مرتبہ مقدسہ کے اوپر ایک اور نہایت بلند مرتبہ ہے جو کہ نماز کی حقیقت ہے کہ عالم شہادت میں اس کی صورت نمازیان ارباب نہایت سے تام ہے ہو سکتا ہے کہ اسی نماز کی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہو وہ جو قصہ معراج میں آیا ہے کہ قِفْ یَا مُحَمَّدُ فَإِنَّ اللّٰهَ یُصَلِّیْ (اے محمد ٹھہر جا کہ اللہ تعالیٰ نماز پڑھتا ہے) ہاں وہ عبادت جو تجرد و تنزہ کے مرتبہ کے لائق ہے وہ مراتب وجود سے صادر ہوتی ہے اور تقدم کے طریقوں سے ظاہر ہوتی ہے" پس وہ عبادت جو اللہ تعالیٰ کی جناب کے لائق ہے وہ مراتب وجوب سے صادر ہوتی ہے نہ کسی اور سے تو وہی عابد ہوتا ہے وہی معبود۔"

---

[1] کسی کام کریم لوگوں پر دشوار نہیں ہوتے ۱۲

اور اس مرتبۂ مقدسہ میں کمال وسعت اور بے چون امتیاز ہے کہ اگر حقیقت کعبہ ہے تو اس کا جزو ہے، اور اگر حقیقت قرآن ہے تو بھی اس کا بعض ہے اس لئے نماز عبادات کے مراتب کے تمام کمالات کی جامع ہے اور درک بہ نسبت اصل الاصل کے ثابت ہے کیونکہ نفس معبودیت اسی کے لئے ثابت ہے اور نماز کی حقیقت جو کہ تمام عبادات کی جامع ہے اس مرتبہ میں وہ اپنے سے اوپر کے مرتبہ مقدسہ کے لئے عبادت ہے، کہ معبودیت کا استحقاق صرف اسی اوپر کے مرتبہ کے لئے ثابت ہے جو کہ کل کا اصل اور تمام کی جائے پناہ ہے اس مقام میں وسعت بھی کوتاہی کرتی ہے اور امتیاز بھی راہ میں رہ جاتا ہے اگرچہ وہ بے چون و بے چگون ہوتا ہے۔ کامل انبیاء اور اکابر اولیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے اقدام کی انتہا حقیقت نماز کے مقام کی نہایت تک ہے جو عابدوں کی عبادت کا آخری مرتبہ ہے اور اس سے اوپر خالص معبودیت کا مقام ہے کہ اس دولت میں کسی کو بھی کسی طرح سے شرکت نہیں ہے تاکہ وہ اس سے بلند تر قدم رکھے کیونکہ ہر وہ مقام جہاں عبادت اور عابدیت کی آمیزش ہے وہاں تک نظر کی طرح قدم کو گنجائش ہے اور جب معاملہ خالص معبودیت تک پہنچا تو قدم کوتاہی کرتا ہے اور سیر انجام کو پہنچ جاتا ہے۔

لیکن اللہ سبحانہٗ کی تعریف ہے کہ نظر کو اس جگہ سے منع نہیں فرمایا ہے اور اس کو استعداد کے مطابق گنجائش دی ہے ؎

بلا بودے اگر ایں ہم نہ بودے[1]

ہو سکتا ہے کہ امر قِفْ یَا مُحَمَّدُ (اے محمد ٹھہر جا) میں اسی کوتاہی قدم کی طرف اشارہ ہو یعنی ٹھہر جا اے محمد اور قدم آگے نہ رکھ کہ نماز کے مرتبہ سے اوپر جو کہ مرتبۂ وجوب سے صادر ہے اللہ تعالیٰ کا مرتبہ تجرد و تنزہ ہے اس جگہ قدم کی جولانگاہ نہیں ہے اور نہ گنجائش ہے اور کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ کی حقیقت اس مقام میں متحقق ہوتی ہے اور غیر مستحق الٰہ کی عبادت کی نفی اس جگہ صورت با حقیقی ہے اور معبود حقیقی کا اثبات کہ اس کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں ہے اس مقام میں حاصل ہوتا ہے اور عابدیت اور معبودیت میں کمال درجہ کا امتیاز اس جگہ ظاہر ہوتا ہے اور عابد معبود سے کما حقہ جدا ہو جاتا ہے اور معلوم ہو جاتا ہے کہ لا الٰہ الا اللہ کا معنی منتہی کے حال کی نسبت سے لَا مَعْبُوْدَ اِلَّا اللّٰہُ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے) جیسا کہ شرع میں اس کا معنی مقرر ہو چکا ہے اور لَا مَوْجُوْدَ وَلَا وُجُوْدَ وَلَا مَقْصُوْدَ (کوئی موجود نہیں کسی کا وجود نہیں، کوئی مقصود نہیں) کہنا ابتدا اور وسط کی نسبت سے ہے اور لَا مَقْصُوْدَ کا مرتبہ لَا مَوْجُوْدَ اور لَا وُجُوْدَ کے مرتبہ سے بلند ہے کیونکہ وہ لَا مَعْبُوْدَ اِلَّا اللّٰہُ کا دریچہ ہے۔

[1] اگر یہ بھی نہ ہوتا تو مصیبت ہوتی ۱۲

جاننا چاہیئے کہ اس مقام میں نظر میں ترقی اور بصارت میں تیزی نماز کی عبادت سے وابستہ ہے وہ نماز ہی ہے جو منتہی لوگوں کا کام ہے دوسری عبادتیں شاید نماز کی تکمیل میں مدد دیتی ہیں اور شاید اس کے نقصان کی تلافی کریں۔ یہی وجہ ہے کہ نماز کو ایمان کی طرح حسن لذاتہٖ کہتے ہیں اور دوسری عبادتیں ما بہٖ حسن نہیں ہیں۔

مکتوب نمبر ۷۸

حضرت مخدوم زادگان عالی خواجہ محمد سعید و خواجہ محمد معصوم کی طرف صادر فرمایا

(ان کی ملاقات کے شوق اور ان پر شفقت اور لشکر گاہ کے نتائج کے بیان میں)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ۔ میرے گرامی قدر بیٹے جتنا ہماری صحبت کے خواہاں اور مشتاق ہیں ہم بھی اتنا ہی ان کی حاضری اور ملاقات کے آرزو مند ہیں لیکن کیا کیا جائے کہ تمام آرزوئیں پوری نہیں ہوتیں ؎

تَجْرِی الرِّیَاحُ بِمَا لَا تَشْتَہِی السُّفُنُ[1]

لشکر گاہ میں اس طرح بے اختیار اور بے رغبت ہونا غنیمت سمجھتا ہوں اور اس عرصہ کی ایک ساعت کو دوسری جگہوں کی بہت سی ساعتوں سے اچھا سمجھتا ہوں۔ اس جگہ وہ چیزیں میسر ہیں جو دوسری جگہوں میں معلوم نہیں کہ اس کی مثال میسر ہو سکے۔ اس مقام کے علوم و معارف جدا ہیں اور اس مجموعہ کے احوال و مقامات علیحدہ ہیں وہ پابندی جو بادشاہ کی طرف سے ہے اس کو اپنے مولا کی رضا مندی اور کمال مہربانی کا ذریعہ سمجھتا ہوں اور اپنی خوش قسمتی میں اس قید میں دیکھتا ہوں خصوصاً ان اختلافات کے دنوں میں عجیب کاروبار ہے اور ان پر تفرقہ اوقات میں عجیب و غریب ناز و ادا ہیں۔ لیکن ہر وقت تازہ و عجیب جوہر بطرز مسلسل پہنچتی رہتی ہے وہ دل میں فرزندوں کی کھٹک ہے اور ان کی دوری اور عدم ملاقات سے جگر میں ایک بے چینی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ میرا شوق تمہارے شوق پر غالب ہے اور یہ مسلم ہے کہ جتنا باپ اپنے بیٹے کو چاہتا ہے بیٹا اتنا باپ کو نہیں چاہتا اگرچہ اصل اور فرع کا تقاضا اس معنی کے عکس کا تقاضا کرتا ہے کیونکہ اصل کو محتاجی نہیں ہے اور فرع (شاخ) سراسر اصل کی محتاج ہے لیکن ابتدا ہی سے ایسا چلا آیا ہے کہ اصل کو زیادہ شوق ہوتا ہے ؎

در خانہ بگنجد انچہ ماند ہمہ چیز

---

[1] ہوائیں کشتیوں کے الٹ رخ چلتی ہیں ۱۲

اگر وہ بل ہے تو وہ آپ کے ہمسایہ میں ہے اور اگر گرہ ہے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے قریب ہے، والسلام

مکتوب نمبر ۹۰

مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم کی طرف صادر فرمایا

(عارف کو نہایت کی مولیٰ ذات کی بے چونی کے اسرار اور تجلی ذات و رویت اُخروی کے بیان میں)

جب عارف کا معاملہ شیون وصفات سے اوپر چلا جاتا ہے اور ذات تعالیٰ کے اعتبارات اور وجوہ سے اوپر پہنچتا ہے اور اس مقام سے کہ جس کو ہم نے فنا کی حقیقت کہا ہے برتری پیدا کرتا ہے تو توجہ اور متوجہ بھی متوجہ الیہ (جس کی طرف توجہ کی جائے) کی طرح بے چون ہو جاتے ہیں کیونکہ چون کو بے چون سے کوئی راہ نہیں ہے اور وہ متوجہ (توجہ کرنے والا) عارف کی ذات ہے جبکہ تمام وجوہ و اعتبارات اس سے الگ ہو جائیں اور کُنہ و ذات اللہ تعالیٰ کی ذات مجردہ سے عبارت ہے جو کہ بذاتِ خود ہے نہ کہ وجوہ و اعتبار کی رُو سے اور جو ذات اور کُنہ کی طرف توجہ کرنے والا ہے وُہ خود اپنا مطلوب و معروف ہے۔

اور یہ جو ہم نے کہا ہے کہ کُنہ (حقیقت) ذات مجردہ سے عبارت ہے وہ اس لئے کہا ہے کہ کسی چیز کی کُنہ وہ ہے جو شے کے تمام وجوہ و اعتبارات سے ماوراء ہو اور کسی شے کی ذات وُہ ہے جو تمام وجوہ و اعتبارات شے سے الگ ہو۔ کیونکہ جو کچھ بھی وجوہ و اعتبارات شے سے اعتبار کیا جائے گا تو ذات شے ان سب سے بلند ہوگی۔ مرتبۂ ذات میں کسی امر کا اثبات کوئی گنجائش نہیں رکھتا اور اس جگہ جو بھی اثبات کیا جائے گا وہ وجوہ و اعتبارات میں داخل ہوگا اور ذات اس سے دُور بہت دُور ہے۔ نفی اور سلب کے سوا اس مقام میں کوئی چیز متصور نہیں ہے اگر امتیاز کا علم ہے تو وُہ بھی سلب سے ہے اور اگر تعبیر و تفسیر ہے تو وہ بھی سلب سے ہے اور ہر وہ چیز کہ اثبات کو اس میں گنجائش نہ ہو اور بغیر سلب کے تعبیر میں نہ آسکے تو وہ مجہول الکیفیۃ ہے اور بے چونی سے حصہ رکھتا ہے اور وُہ توجہ جو مرتبۂ ذات میں ثابت کی جاتی ہے وہ عین متوجہ کی ذات ہوتی ہے نہ کہ ذات کی وجہ و اعتبار۔ کیونکہ تمام وجوہ و اعتبارات اس جگہ مسلوب (منفی) ہو چکے ہیں اور ایک ذات کے بغیر کچھ نہیں رہا تو لازماً وہ توجہ جو عین ذات ہے وہ بھی بے چونی سے حصہ رکھتی ہے پس یہ بات صحیح ثابت ہوئی کہ توجہ اور متوجہ بھی متوجہ الیہ کی طرح بے چون ہونگے اگرچہ بے چون سے بے چون تک بڑا فرق ہے مَا لِلتُّرَابِ وَ رَبِّ الْاَرْبَابِ (مٹی اور رب الارباب کی آپس میں کیا نسبت ہے؟)

یہی وجہ ہے کہ توجہ اور متوجہ میں بے چونی کا حصہ ثابت کیا ہے کہ متوجہ الیہ بے چون حقیقی ہے اور بس، اور جبکہ ممکن کی کنہ مجہول الکیفیت اور بے چون ہوتی ہے اور کسی طرح اثبات میں نہیں آسکتی تو اللہ تعالیٰ کی ذات جو کمال لطافت و تقدس و تنزہ میں ہے اس کا ادراک کس طرح ہو سکتا ہے اور کونسا حاصل اس سے ہاتھ آسکتا ہے ؎

اگر آز خویشتن چوں نیست جنیں ² چہ خبر دارد از چناں و چنیں

ارحم الراحمین نے اپنی کمال مہربانی و شفقت سے ممکن کو جو کہ سراسر چون ہے بے چونی کا حصہ عطا فرمایا تاکہ بے چون حقیقی سے آگاہی پیدا کرے اور اس کے ساتھ گرفتاری حاصل کرے ؎

وَلِلْاَرْضِ مِنْ کَاسِ الْکِرَامِ نَصِیْبُ ²

اور وہ جو کنہ ذات کی معرفت کو محال کہا ہے وہ متعارف معرفت ہوگی جو کہ عالم کیف اور چون سے ہے اور اس کا بے چون سے تعلق محال ہے لیکن وہ امر جو عالم بے چون سے ہو اور بے چون کا بے چون سے اتصال ہو اور اس دولت عظمیٰ سے حصہ حاصل کرے تو وہ کیوں محال ہوگا" یہ ایک عجیب معرفت ہے اور نہایت دقیق اور غریب مسئلہ ہے اور وہ اہل کشف و عرفان سے آج تک بہت ہی کم ظاہر ہوا ہے"۔

یہ ذات مجرد جو بے چونی سے حصہ رکھتی ہے اور جس کا بیان تفصیل سے ہو چکا ہے پوری معرفت والے عارف سے خاص ہے جو کہ ذات مجردہ کی بارگاہ سے واصل ہو چکا ہے اور اس درجۂ بلند میں فنا و بقا حاصل کر چکا ہے اور یہ دولتِ اثر اس بقائے ذات سے ہے اور تمام ممکنات کو سوائے اس عارف کے جو کبھی اس ذات سے حصہ نہیں ہے اور وہ ہرگز ایسی ذات نہیں رکھتے کہ ان کی صفات اس سے قائم ہوں ان کا تمام وجود اسماء و صفات کے ظلال ہیں اور شیون و اعتبارات کے عکوس کہ وہ اپنے اصل کے ساتھ قیام رکھتے ہیں جو کہ اسماء و صفات ہیں نہ کہ ایسا امر کہ ذات سے اس کی تعبیر کریں۔

انسان کے سات لطائف جو کہ جامع ترین ممکنات ہے اگر خفی ہے تو بھی صفات کا اثر ہے اور اس کے جسمانی اور روحانی لطائف اللہ تعالیٰ کی ذات کے اعتبارات و اسماء ہیں۔ نفسِ ذات کو اس میں اس کو پیدا نہیں کیا ہے اور ان کا قیام ذات سے نہیں رکھا ہے۔

سوال :- اسماء و صفات تو بذاتِ خود قائم نہیں ہیں بلکہ ان کا قیام اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے تو پھر کوئی دوسری چیز ان کے ساتھ کیسے قائم ہو سکتی ہے ؟

جواب :- میں کہتا ہوں وہ دوسری چیز اس وقت ان سے قائم نہ ہو سکے گی جبکہ وہ موجود ہو اور اگر

---

¹ پیٹ کا بچہ جب اپنے آپ کی خبر نہیں رکھتا تو وہ اس طرح اور اس طرح کی کیا خبر رکھے گا ۱۲ ² شریفوں کے پیالے سے زمین کو حصہ ملتا ہے ۱۲

وہ دوسری چیز مرتبہ وہم میں ثبوت اور استقرار پیدا کرے تو کیوں ان کے ساتھ قائم نہیں ہو سکے گی کہ وہ بہت زیادہ کمزور ہے اور وہ جو میں نے کہا اور لکھا ہے کہ ممکن کی ذات عدم ہے وہ اسی طرح ہے جیسے کہ کہیں کہ ممکن کی کوئی ذات نہیں ہے۔ ذَاتُہٗ عَدَمٌ، وَلَا ذَاتَ لَہٗ: اس کی ذات عدم ہے اور اس کی کوئی ذات نہیں، ان دونوں عبارتوں کا ایک ہی معنی ہے اگرچہ فلسفی موشگافیاں ان دونوں کے مفہوم میں تغایر پیدا کریں لیکن اس کا کچھ حاصل نہیں ہے اور حقیقت میں ان کا مرجع ایک ہے۔ عدم اپنے لئے بھی نہیں ہے دوسروں کے کیا کام آئے گا۔ وہ اپنے آپ کو نہیں اٹھا سکتا دوسروں کو کیا اٹھائے گا۔

اس بحث کی تحقیق یہ ہے کہ چونکہ اسماء وصفات کے عکوس عدم کے آئینہ میں ظاہر ہوتے ہیں بظاہر ان کا قیام ان آئینوں سے معلوم ہوتا ہے اور وہ آئینے ان کی ذات کی طرح باعتبار اس کے قیام کے تخیل ہوتے ہیں اور حقیقت میں ان کا قیام اپنے اصول سے ہے آئینوں سے کوئی تعلق نہیں رکھتے اور سوائے توہم کے ان کو عدم کے مرآت سے کوئی کام نہیں ہے ان آئینوں کی ذاتیت اور جوہریت کی اس جگہ کیا گنجائش ہے وہ تو عرض ہونے کی قابلیت بھی نہیں رکھتے جوہر کس طرح ہو سکیں گے۔

اور یہ پوری معرفت والا عارف جو مرتبہ ذات سے واصل ہے اور ذات سے ہمیشہ کی بقا پا چکا ہے، ایک نادر الوجود عنقا کا حکم رکھتا ہے اور نہایت غریب الوقوع ہے۔ فنا و بقا کے بعد اس کو ایک ایسی ذات عنایت کی گئی ہے کہ اسماء وصفات کے عکوس وظلال کا قیام جو کہ اس کی حقیقت ہے اسی ذات سے ہوتا ہے جیسا کہ ان کے اصول کو جو کہ اسماء ہیں اللہ تعالیٰ کی ذات سے قیام ہے تو ان اسماء کے ظلال کو اس ذات کے پرتو سے قیام ہوگا جو کہ عارف کو عطا ہوتا ہے۔

پس یہ عارف جوہر و عرض ہوتا ہے اور باقی ممکن کے تمام افراد صرف اعراض ہوتے ہیں جن میں جوہریت کا شائبہ نہیں ہوتا۔ صاحب فتوحات مکیہ نے کیا ہی اچھا کہا ہے کہ عالم عین واحد میں اعراض مجتمعہ کا نام ہے یعنی سب اعراض کا قیام ایک ذات سے ہے لیکن شیخ نے اس جگہ دو نکات میں فروگذاشت کی ہے ایک یہ کہ کامل ترین عارف کو اس سے مستثنیٰ نہیں کیا اور دوسرا یہ کہ اس کا قیام ذات احد سے رکھا ہے حالانکہ اس کا قیام اپنے اصل سے ہے جو کہ اسماء وصفات ہیں نہ کہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے اگرچہ اسماء وصفات کا قیام ذات سے ہوتا ہے، کیونکہ حضرت ذات کو عالم سے ذاتی استغنا و بے نیازی حاصل ہے۔ عالم کا قیام اس بلند مرتبہ سے کیونکر ہو سکتا ہے اور عالم کی کیا حقیقت ہے کہ اس بلند درجہ کے ساتھ قیام کی ہوس کرے ۔

ما تماشا کنانِ کوتاہ دست¹ تو درختِ بلند و بالائی

---

¹ ہم تو شوقِ کھینے والے کے ہاتھ چھوٹے ہیں اور تو ایک بلند و بالا درخت ہے ۱۲

اور اس عارف کا معاملہ عالم سے جدا ہے اور اس کا حکم عالم کے احکام سے مستثنےٰ ہے وہ اپنی محبت فناتی کی وجہ سے بحکم اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (آدمی اس کے ساتھ ہے جس سے اس کی محبت ہو) اپنے اصل سے گذر کر اپنے اصل الاصل سے معیت پیدا کرچکا ہے اور اپنے آپ کو اس اصل اصول میں فانی کرچکا ہے اکرم الاکرمین نے بہ تقاضائے آیت کریمہ هَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ (نیکی کا بدلہ نیکی ہے) اس کی فنا کا بدلہ اس کو اس کی بقا سے دیا ہے اور جس چیز میں وہ فانی ہوا تھا اسی کے ساتھ اس کو باقی کیا ہے اور اپنی ذات و اسماء و صفات کا مظہر بناکر ایک جامع آئینہ بنایا ہے۔

پس تمام افراد عالم اس عارف کی جامعیت کے مقابلہ میں کاش اتنی ہی نسبت رکھیں جتنی ایک قطرے کو دریائے محیط سے ہوتی ہے کیونکہ اسماء و صفات کو اللہ تعالےٰ کی ذات کے مقابلہ میں کوئی قدر اور مقدار نہیں ہے قطرہ کو تو پھر بھی دریائے محیط سے کوئی نہ کوئی نسبت ہوگی اور ان کو تو کہا جاسکتا ہے کہ وہ نسبت بھی نہیں ہے۔ اس جگہ سے اس عارف کے ذوق و ادراک اور علم و معرفت کا دوسروں کی نسبت سے قیاس کرنا چاہیئے اور اس کی بڑائی اور بلندی درجہ کو اس جگہ سمجھنا چاہیئے "اور اللہ اپنی رحمت سے جسے چاہے خاص کر لیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔"

اس صاحب دولت کو جس کو ذاتی بقا سے مشرف کیا ہے اور ایسی ذات عطا کی ہے کہ اس کی صفات کا قیام مثلاً علم اور قدرت وغیرہ اس ذات سے ہے جیسا کہ پہلے ان کا قیام دوسرے افراد عالم کی طرح ان کے اصول سے تھا۔ باوجود اس بقاء اکمل کے کلمۂ "انا" (میں) کا اطلاق جو اس سے زائل ہو چکا تھا واپس نہیں آتا اور مراتب بقا میں سے کسی مرتبہ میں بھی "انا" کا اطلاق اپنے اوپر نہیں کرسکتا کیونکہ اس کی بقائے اکمل اس کی فنائے اتم پر متفرع ہے کہ جس نے کلمۂ "انا" کے اطلاق کا نام و نشان بھی اس سے مٹا دیا ہے اور واپس آنے کی گنجائش نہیں چھوڑی ہے اَلزَّائِلُ لَا یَعُوْدُ (زائل ہونے والا واپس نہیں آسکتا) مشہور مقولہ ہے اور جو واپس آجائے وہ زائل نہیں ہوا ہے بلکہ وہ مغلوب و مستور ہوا ہے اور کسی پیش آنے والے عارضہ کی وجہ سے اس نے سر نکالا اور غالب آگیا کیونکہ کبھی "مغلوب بھی غالب آجاتا ہے"۔

جاننا چاہیئے کہ حضرت ذات کے مرتبۂ عُلیا سے حصہ اس صاحب دولت کے لئے خاص ہے جو ذات کے حصول سے باقی ہوا ہے اور صفات نے اس کے ساتھ قیام پایا ہے سوائے اس کے جس قسم کی بھی وہ فنا و بقا پیدا کرے گا اس کا حصہ اسماء و صفات سے ہے نہ کہ ذات تعالےٰ و تقدس سے اگرچہ اسماء و صفات کو ذات سے علیحدگی نہیں ہے لیکن ذات جدا کچھ اور چیز ہے اور صفات سے حصہ اور چیز ہے۔ اگرچہ اسی ذات سے صفات کے علیحدہ نہ ہونے نے ایک جماعت کو وہم میں ڈالا اور انہوں نے صفات کے حصہ کو ذات کا حصہ

سمجھا لیکن ہر ایک کی علامات اور نشان الگ الگ ہیں اور علوم و معارف علیحدہ علیحدہ ہیں جو کہ اس دولت عظمیٰ پر پہنچنے والوں پر مخفی نہیں ہیں۔

لیکن پوشیدہ نہ رہے کہ تجلی ذاتی اس بزرگ سے خاص نہیں ہے جائز ہے کہ اس کے سوا دوسروں پر بھی تجلی ذات ہو لیکن وہ نفس ذات کا حصہ نہ ہوگا۔ کیونکہ ایک طرح کی ظلیت طلب کرتی ہے کہ وہ مرتبہ ثانی میں ظہور ہے اور نفس ذات کا حصہ جو کہا گیا ہے وہ ظلیت کا شائبہ نہیں رکھتا اور نفس تجلی اور ظہور سے بھی پوشیدہ ہو جاتی ہے اور وہ ظہور ذات جو صفات میں سے کسی صفت کے ساتھ موجود ہو وہ بھی مرتبہ ثانی میں ذات کا ظہور ہے لیکن تجلی ذات نہیں بلکہ وہ ذات کے اعتبارات میں سے کسی اعتبار کی تجلی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات تمام اعتبارات کی جامع ہے بلکہ تمام سے منزہ و پاک ہے پس وہ تجلی جو اعتبارات میں سے کسی اعتبار سے ہوگی وہ ذات کی تجلی نہ ہوگی۔

سوال: شیخ محی الدین ابن عربی اور اس کی پیروی کرنے والوں نے تعین اول کو تجلی ذات کہا ہے اور وہ تعین علمی جملی کے ساتھ ہو کہ ذات کے اعتبارات میں سے ایک اعتبار ہے اگرچہ اس میں جامعیت ہے ذات کا ظہور ہے

جواب: جو کچھ اس فقیر کا عقیدہ ہے وہ یہ ہے کہ ظہور علمی جملی کہ جس کو تعین اول سے تعبیر کرتے ہیں، وہ بھی تجلی ذات نہیں ہے اس لئے کہ وہ ذات کے شیونات میں سے کسی شان سے ماخوذ ہے اور تجلی ذات تمام شیون و اعتبارات کی جامع ہے بلکہ تمام شیون و اعتبارات سے بلند ہے۔ علم کا اعتبار اس جگہ ذات کے دوسرے اعتبارات کی طرح ہے کہ ان کے وصول کا ہاتھ اس مرتبہ مقدسہ کے دامنِ عنقا سے چھوٹا ہے۔

اگر یہ کہیں کہ مرتبہ ثانی میں ظہور علم پر منحصر ہے کیونکہ نفس ذات سے خارج میں ہے پس مرتبہ ثانی میں اس کا ظہور علم کے خانہ میں ہوگا کیونکہ ظہور یا تو علم میں ہے یا علم سے خارج، بلکہ کی تیسری شق تو ہے ہی نہیں تاکہ اس ظہور کا اثبات کیا جائے؟

میں کہتا ہوں کہ وہ قادر جل و علا جس نے شان علم سے جو ذات کے اعتبارات میں سے ایک اعتبار ہے ظہور فرمایا ہے وہ اس پر بھی قادر ہے کہ ایسے طریقہ پر ظہور فرمائے کہ اعتبار ظہور علم اس ظہور جامع کا بعض ہو بلکہ ایسے طریقہ پر ظہور فرمائے کہ اعتبار علم اور دوسرے اعتبارات کو اس جگہ گنجائش نہ ہو اور وہ ظہور جامع کا مرتبہ، مرتبہ خارج و مرتبہ علم سے جو کہ خارج کا ظل ہوتا ہے ماوراء ہو اور علم سے کوئی کام نہ رکھتا ہو اور تجلی ذات کو تعین علم سے مقید کرنا دریا کو کوزے میں بند کرنا ہے بلکہ پانی کو سراب میں تلاش کرنا ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے ؎

[illegible] [۱] أَضَاعَ الْعُمْرَ فِي طَلَبِ الْمُحَالِ

۱؎ جو آدمی حلوے کے تھال میں گوشت کی بوٹیاں تلاش کرے وہ ایک محال کام میں اپنی عمر ضائع کرے گا ۱۲

اس علم کا اعتبار ذات کے تمام اعتبارات سے جامع ترین اعتبار ہے جتنے ذات کے کمالات کو علم کا اعتبار شامل ہے اتنے کمالات کسی اعتبار میں نہیں ہیں اور اگر بطریق مجاز ظہور علمی کو ظہور ذات کہیں اور اس پر تجلی ذات کا اطلاق کریں تو اس کی گنجائش ہے اگرچہ ان کے اطلاقات سے بعید ہے اور انکے مفہوم سے دور ہے جیسا کہ ان کے کلام کو دیکھنے والے پر مخفی نہیں ہے۔

سوال:۔ شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ نے رویت اُخروی کو لطیفہ جامعہ مثالیہ کی صورت میں مقرر کیا ہے آپ کا اس مسئلہ میں کیا عقیدہ ہے؟

جواب:۔ صورت جامعہ مذکورہ کی رویت اللہ تعالےٰ کی رویت نہیں ہے بلکہ اس کے کمالات کے مظاہر میں سے ایک مظہر کی رویت ہے جس نے عالم مثال میں ثبوت پیدا کیا ہے ؎

یرَاہُ الْمُؤْمِنُوْنَ بِغَیْرِ کَیْفٍ ۔ وَ اِدْرَاکٍ وَضَرْبٍ مِّنْ مِّثَالٍ[1]

اللہ تعالےٰ کی روایت کو صورت کی رویت قرار دینا اصل میں اللہ تعالےٰ کی رویت کی نفی کرنا ہے اور پھر یہ بھی ہے کہ وہ صورت جو عالم مثال میں حاصل ہوتی ہے خواہ وہ کتنی ہی جامع ہو آخر عالم مثال کے اندازہ کے مطابق ہی ہوگی اور عالم مثال اگرچہ وسعت رکھتا ہے پھر بھی اللہ تعالیٰ کے مخلوق عوالم میں سے ایک عالم ہے اس صورت کی جامعیت جو اس میں ہوگی کیا گنجائش رکھتی ہے کہ خدا تعالےٰ کے تمام کمالات کی جامع ہو اور سب کو ضبط کر سکے تاکہ اس مرتبہ مقدسہ کا آئینہ بنے اور اس کی رویت اللہ تعالےٰ کی رویت ہو۔

اگرچہ صفت علم کہ صفات وجوبیہ میں سے ہے اور صفات ذاتیہ میں سے جامع ترین ہے اس کی گنجائش نہیں رکھتا کہ تمام صفات و اعتبارات ذاتیہ کا جامع ہو جیسا کہ اس کی تحقیق اوپر گذر چکی ہے۔ عالم مثال جو کہ ممکن اور مخلوق ہے اس کی کیا حیثیت ہے کہ اس میں کوئی ایسی صورت ہو جس میں اللہ تعالیٰ کے تمام کمالات جمع ہوں اور اگر بالفرض ہم اُس کو جامع بھی کہیں تو پھر بھی وہ اس مرتبہ مقدسہ کے ظلال میں سے ایک ظل ہوگی۔ اور ظل کی رویت اصل کی رویت نہیں ہوتی۔ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے اُخروی رویت کو لیلۃ البدر میں چاند کی رویت سے تشبیہ دی ہے اور پردہ نہیں چھوڑا ہے اور ظل کی روایت ایسی ہے جیسے چاند کو پانی کے تھال میں دیکھا جائے کہ بلند فطرت والے اس کو پسند نہیں کرتے۔

اور تنگ میں اس قدر آتا ہے کہ اس مرتبہ مقدسہ کا ظہور ہو سکتا ہے کہ علم کے خزانہ سے باہر ہو اور مرتبہ خارج کے ظل میں ثبوت پیدا کرے جیسا کہ پہلے گذر چکا اور اس ظہور جامع کا خانۂ علم میں کوئی جامع ظل ہو کہ اس کو تعین اوّل سے تعبیر کریں اور اس ظل جامع کا عالم مثال میں ایک دوسرا ظل ہو جامع جو کہ ظل جامع علمی کی مرآتیت

[1] مومن اللہ تعالیٰ کو بغیر کیف و ادراک اور مثال کے دیکھیں گے۔ ۱۲

کرے اور یہ جامع مثالی تعلق جو کہ لطیفہ کی صورت میں عالم مثال میں ظاہر ہوا اور انسانی صورت میں ثابت ہو جو کہ جامع ترین مخلوق ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ (اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا) ہو سکتا ہے کہ اسی اعتبار سے آیا ہو۔

لیکن اللہ تعالیٰ کی رویت وہ ہے جو ظہورات اور صور سے ماوراء ہو اور عالم بے کیف و بے چگون سے ہو۔ رویت اُخروی پر ایمان لانا چاہیئے اور کیف و چند و چون میں مشغول نہ ہونا چاہیئے۔ آخرت کی خلق و وجود کو دُنیا کے خلق و وجود سے کوئی نسبت نہیں ہے تاکہ ایک کے احکام کو دوسرے پر قیاس کیا جائے اس جگہ کلمہ دوسری ہے اور فہم و ادراک دوسرا ہے اُس کو دوام ابدی ہے اور اس کے پیچھے فنا اور زوال ہے وہ سراسر نظافت و لطافت ہے اور یہ خبیث اور کثیف ہے اور شیخ قدس سرہٗ اللہ تعالیٰ کے لئے مافوق علم سے باہر ظہور ثابت نہیں کرتے اور مجالی و مظاہر کے سوا شہود اور مشاہدہ اور رویت تجویز نہیں کرتے ؎

آں ایشا نند و من چنینم یارب[۱]

کیا کیا جائے کہ اس میدان میں شیخ قدس سرہٗ ہے کہ کبھی اس سے جنگ ہے اور کبھی صلح۔ وُہی ہے جس نے معرفت اور عرفان کی باتوں کی بنیاد رکھی ہے اور اُن کو شرح و بسط دیا ہے اور وُہی ہے جس نے توحید و اتحاد کے متعلق تفصیل سے بات کی ہے اور تکثر و تعدد کا منشا بیان فرمایا ہے اور وُہی ہے جس نے وجود کو کلی طور پر خدا تعالیٰ کے لئے مقرر کیا ہے اور عالم کو موہوم و متخیل قرار دیا ہے اور وُہی ہے جس نے وجود کے لئے تنزلات ثابت کئے ہیں اور ہر ایک کے احکام کو جدا کیا ہے اور وُہی ہے جس نے عالم کو عین حق سمجھا ہے اور "ہمہ اوست" (سب کچھ وُہی ہے) کہا ہے اور اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی تنزیہ کے مرتبہ کو عالم سے علیحدہ پایا ہے اور اپنی دید و دانش سے اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کو منزّہ اور مبرّا جانا ہے۔

وہ مشائخ جو شیخ سے پہلے تھے اُنہوں نے اگر اس باب میں کوئی بات کہی بھی ہے تو وہ اشارات سے کہی ہے اور اس کی شرح و تفصیل میں مشغول نہیں ہوئے اور وہ لوگ جو شیخ کے بعد اس طائفہ میں آئے ہیں ان میں سے اکثر نے شیخ کی تقلید کی ہے اور اسی کی اصطلاح کے موافق بات کی ہے۔ ہم عاجز لوگوں نے بھی اس بزرگوار کی برکات سے بہت سے استفادے کئے ہیں اور اس کے علوم و معارف سے بہت سا حصہ لیا ہے اللہ تعالیٰ اسے ہماری طرف سے اچھی جزا دے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ چونکہ بحکم بشریت خطا کا منشا اور محل صواب آپس میں ملے جُلے ہیں اور انسان احکام میں کبھی غلطی کرتا ہے اور کبھی درست بات کہتا ہے تو لازمی طور پر اہل حق کے سواد اعظم کے مطابق صواب کو سمجھنا چاہیئے

---

[۱] اے اللہ وہ اُس طرح ہیں اور میں اس طرح ہوں۔

اوراس کی مخالفت کو خطا کی دلیل سمجھنا چاہیے خواہ قائل کوئی ہو اور منقول بھی کوئی ہو۔ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے عَلَيْكُمْ بِالسَّوَادِ الْأَعْظَمِ (بڑی جماعت سے ملحق رہو)

اور یہ بھی مقررہ قاعدہ ہے کہ کسی پیشہ کی تکمیل افکار کے ملنے اور نظریوں کے اختلاف سے ہوتی ہے سیبویہ کے متعلق اگرچہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ وُہ علم نحو کے احکام کا بانی ہے لیکن وہ نحو جس نے پچھلے لوگوں کے افکار کے ملنے اور ان کے نظریوں کے اختلافات سے کمال درجہ کی تنقیح پیدا کی ہے وُہ چیز ہی دُوسری ہے اوراس نے دوسری زیب و زینت پائی ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ وُہ ایک دوسری قسم بن گئی ہے اوراس نے علیحدہ احکام پائے ہیں۔ اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما اور ہمارے کام میں بھلائی پیدا کر۔ والسلام۔

مکتوب نمبر ۸۰

بجناب مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم سلمہ اللہ تعالیٰ نے صادر فرمایا

(عارف کو بخشی ہوئی ذات کی طرف چیزوں کی نسبت کرنے کے بیان میں)

تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے ہمیں اس کی راہنمائی فرمائی اور اگر ہمیں اللہ تعالیٰ راہ نہ دکھاتا تو ہم کبھی راہ نہ پا سکتے یقیناً ہمارے رب کے رسول حق لے کر آئے علیہم الصلوات والتسلیمات۔

ہر ایک ظل کو اپنے اصل کی طرف ایک شاہراہ ہے اور کوئی کانٹا اور تنکا ان کے درمیان حائل نہیں ہے اگر کوئی کانٹا اور تنکا ہے بھی تو اس کی توجہ اپنی طرف ہے اور اصل سے اعراض (منہ پھیرنا) ہے اور ظل کی حیثیت اصل کے امانت دار ہونے سے زیادہ نہیں ہے کیونکہ وہ جو کچھ بھی رکھتا ہے یعنی وجود اور توابع وجود کے کمالات وہ اصل سے مستفاد ہیں وہ صرف عدم ہی ہے جو اصل کے واسطہ کے بغیر اس کو حاصل ہو سکتا ہے اور وہ محض لاشے ہے اور صرف ایک اعتبار ہے اور اس ظل نے اپنی کمال نادانی سے اپنے اصل کو فراموش کر دیا ہے اور اس کی امانتوں کو اپنی طرف سے سمجھ لیا ہے اور امانت میں خیانت کی ہے اور باوجود ذاتی قباحت کے جو وہ عدم کی رو سے رکھتا ہے اپنے آپ کو اس نے اچھا اور کامل سمجھ لیا ہے۔

لیکن اپنی طرف توجہ کرنے اور اصل سے منہ پھیرنے کے باوجود بھی اس کو اپنے اصل سے طبعی لگاؤ اور محبت ثابت ہے اسے وہ جانے یا نہ جانے بلکہ وہ محبت جو وہ اپنے آپ سے رکھتا ہے وُہی محبت حقیقت میں اصل سے متعلق ہے کیونکہ حسن و کمال جو کہ محبت کا متعلق ہے اصل سے ہے نہ کہ اس سے کہ وہ سوائے عدم

اور قباحت کے اپنی طرف سے کوئی چیز نہیں رکھتا کہ محبت اس سے تعلق پیدا کرے جیسا کہ کئی بار تحقیق کیا جا چکا ہے۔

اور جب اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے یہ خود بینی کا مرض اس سے دُور ہو جاتا ہے اور وہ اپنے جہل مرکب سے باز آ جاتا ہے اور امانت کو اہل امانت سے سمجھتا ہے اور اس کی توجہ کی بجائے جو وہ اپنی طرف رکھتا تھا اپنے آپ سے مُنہ پھیرتا ہے اور وہ اعراض جو وہ اپنے اصل سے رکھتا تھا اس کی طرف توجہ کرنے سے تبدیل ہو جاتا ہے تو اس وقت اس کو سعادت کا سر رشتہ ہاتھ میں آ جاتا ہے اور اصل سے وصول کی امید حاصل ہو جاتی ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ جبکہ عالم اللہ تعالیٰ کی صفات و اسماء کا ظل ہے تو اس کے اصول بھی اسماء و صفات ہوں گے اور ظلال اعراض ہیں کہ جن کا قیام اپنے اصول سے ہے جو کہ اسماء و صفات ہیں اور ان میں کوئی چیز بھی جوہر نہیں ہے کہ وہ اس کے ساتھ قائم ہوں نظّام معتزلی بحکم ان الکذوب قد یصدق (کبھی جھوٹا بھی سچی بات کہہ دیتا ہے) اس راز پر آگاہ ہوا اور اس نے کہا کہ عالم سب کا سب اعراض ہے اور ان میں کوئی جوہر نہیں ہے جس کے ساتھ وہ قائم ہوں۔ لیکن اس نے اس بات میں غلطی کی ہے کہ وہ کہتا ہے کہ "ان اعراض کا قیام ان کی اپنی ذات سے ہے" اور ان کے اصول سے غافل رہا کہ جس کے ساتھ وہ قیام رکھتے ہیں۔

اور صوفیاء میں سے شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ نے عالم کو اعراض مجتمعہ فرمایا ہے اور ان کے قیام کو اللہ تعالیٰ کی ذات سے کہا ہے نہ کہ اسماء و صفات سے جو کہ ان کے اصول ہیں۔ مجھے سمجھ نہیں آتی کہ تمام وجوہ و اعتبارات سے خالی صرف ذات سے قیام کا کیا مطلب ہے حالانکہ اس جگہ قیام کا معنی صرف اختصاص ناعت ہے (یعنی تعلق خاص جو قائم اور محل قیام کے درمیان ہو) ہے اور اس جگہ نعت ہی نہیں ہے تو قیام کیسا؟ اور یہ بھی ہے کہ قیام عبارات و وجوہ منفیہ کے اقسام میں سے ہے تو اس مرتبہ مقدسہ میں اس کے اثبات کا کیا معنی ہے؟

اور جب افراد عالم اسماء و صفات کے ظلال ہوں گے تو لازماً ان کا وصول بھی ان کے اصول سے ہوگا جو کہ اسماء و صفات ہیں اور اگر اصول کے اصول تک بھی پہنچ جائیں تو ذات مجرد و مقدس تک منتہی ہوں گے اور اس سے آگے نہ گذر سکیں گے کہ اصل کو بھی اس جگہ گنجائش نہیں ہے کہ اس جگہ سب سے غنا ذاتی ہے خواہ وہ اسم ہو خواہ صفت اور خواہ شان ہو اور خواہ اعتبار۔ پس عالم کو اللہ تعالیٰ کے مرتبہ مقدسہ سے سوائے حرمان کے اور کچھ نصیب نہیں ہوتا اور وصل و اتصال کی اس جگہ گنجائش نہیں ہے لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی عادت جاریہ ہے کہ اپنی کمال شفقت و مہربانی سے بڑی لمبی مدت اور دراز عرصہ کے بعد کسی صاحب دولت کو فنائے اتم کے بعد بقائے اکمل بخشتے ہیں اور ذاتِ اقدس کا نمونہ اس کو عطا فرماتے ہیں کہ اس کا قیام جیسا کہ پہلے اس کے اصل سے تھا جو کہ اسماء و صفات ہیں اب وہ اس نمونہ سے قائم ہے اور ان اعراض سابقہ کا مجموعہ جو وہ رکھتا تھا اور یہ ذات موہوب (بخشی ہوئی) اس کی حقیقت ہوتی ہے اور اس کا انسانی کمال انجام تک پہنچتا ہے اور اس کے

حق میں اللہ تعالیٰ کی نعمت پوری ہوتی ہے۔

میں ایک بات کہتا ہوں اس کو غور سے سُن کہ عارف کا قیام اس ذات موہوب کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ تمام افرادِ عالم جو کہ اعراض مجتمعہ ہیں جیسا پہلے قیام اسماء وصفات سے رکھتے ہیں اب ان کا قیام اس ذات موہوب سے وابستہ کر دیتے ہیں اور اس ایک ذات سے سب کو قائم کرتے ہیں ؎

خاص کند بندۂ مصلحت عام را[1]

انسان کی خلافت کا راز جو آیت کریمہ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً (میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں) میں آیا ہے اس جگہ متحقق ہو جاتا ہے اور اس حدیث کی حقیقت کہ إِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ آدَمَ عَلٰى صُوْرَتِهٖ (اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا) اس مقام میں واضح ہو جاتی ہے اور وہ جو ہم نے کہا ہے کہ اس کو ذاتِ اقدس کا نمونہ عطا فرماتے ہیں یہ میدانِ عبارت کی تنگی کی وجہ سے ہے ورنہ نمونے کی اس جگہ گنجائش نہیں ہے اور کونسی چیز ہے جو اس کی صورت پر آئے اور صورت کو اس جگہ کیا مجال ہے؟

جاننا چاہیئے کہ اس قسم کے بزرگ ایک زمانہ میں متعدد نہیں ہوتے بلکہ وہ بڑی مدت کے بعد پیدا ہوتا ہے تو ایک زمانہ میں ان کا متعدد ہونا کس طرح متصور ہو سکتا ہے۔ اگر اس قسم کی دولت کے ظہور کی مدت مقرر کروں تو شاید بہت تھوڑے لوگوں کو اس کا یقین آئے۔ اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما اور ہمارے معاملہ میں بھلائی پیدا کر۔

جاننا چاہیئے کہ وہ عارف جس کو لقائے ذات سے مشرف کرتے ہیں تو وہ ذات موہوب بے چون ہوگی اور وجوہ و اعتبارات سے بلند تر ہوگی کیونکہ جو بھی چون ہے وہ وجوہ و اعتبارات کا مقید ہے جب تک وہ بے چون نہ ہوگا وجوہ و اعتبار سے رہائی نہ پائے گا اور وہ ذات جس کو بے چونی سے حصہ ملا ہے، اس کو ذات بے چون حقیقی جل شانہٗ کی طرف شاہراہ ہے جس طرح کہ وجوہ و اعتبار ظل کو وجوہ و اعتبار کی طرف راہ ہے جو کہ اس کا اصل ہے اور اس ذات کو جو ظل سے مجرد ہے اس کو بھی ذات مجرد و بے چون کی طرف شاہراہ ہے اور یہ ذات موہوب عارف کی حقیقت ہے کیونکہ حقیقت وہ ہوتی ہے کہ جو تمام وجوہ و اعتبارات سے ورا ہو اور یہ ذات تمام اعتبارات سے ماوراء ہے اور باقی افرادِ عالم کی حقیقت نہیں ہے کہ ان کا تمام وجود وجوہ و اعتبارات ہے اس جگہ اعتبارات کے علاوہ کوئی ذات نہیں ہے کہ جس کو حقیقت کہا جائے پس چونکہ ان میں کنہ (حقیقت) نہیں ہے تو اصل کنہ سے ان کو کیا حصہ مل سکتا ہے؟ حقیقت کو حقیقت سے راہ ہوتی ہے وجہ کو کنہ سے کیا مناسبت ہے۔ گویا کہ کنہ کنہ کے متقابل ہے اور وجہ کو کنہ سے انحراف ہے وہ کنہ تک کیسے پہنچ

---

[1] وہ کسی بندے کو تمام لوگوں کی مصلحت کے لئے خاص کر لیتا ہے۔

سکتا ہے جتنا وہ دُور جائے گا اتنا ہی وُہ دُور تر جا پڑے گا۔

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی کیں راہ کہ تُو میروی بترکستان است

اور گنہ کو کُنہ کے متقابل کہنا عبارت کے میدان کی تنگی کی وجہ سے ہے ورنہ اس بارگاہ میں محاذات (برابری) کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔ لیکن یہ بے چون معنی مثالی صورت میں چونکہ محاذات کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اس لئے محاذات کا اطلاق بر سبیل مجاز کیا گیا ہے۔ اے ہمارے رب اگر ہم بھول جائیں یا ہم غلطی کریں تو ہم پر مواخذہ نہ فرما۔

سوال: جب افراد عالم کو جو کہ اعراض مجتمعہ ہیں عارف کی ذات موہوب سے قیام پیدا ہوتا ہے جیسا کہ گذر چکا تو ان کو اللہ تعالےٰ سے نسبت بھی اسی عارف کی ذات کے ذریعہ سے ظاہر ہوتی ہے اور ان کے افراد کو اسی راہ سے اس مرتبۂ مقدسہ سے حصہ حاصل ہوتا ہے کیونکہ ان کی ذات وہی عارف کی ذات ہے گویا کہ اپنی ذات کے ذریعہ سے ذات بے چون سے تعلق پیدا کیا ہے۔ اور اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی ذات سے ان کی نسبت اس عارف کے ذریعہ سے ہے کہ وہ ذات حقیقت میں ذات عارف ہے۔

ایک عجیب بات سُن کہ جس کو بھی اپنی ذات سے نسبت بذات خداوندی جل شانہ اور اس مرتبۂ مقدسہ سے بے چون وصول ہے تو اس مرتبۂ مقدسہ سے فیوض و برکات اخذ کرنے میں اصالت و استقلال رکھتا ہے اور درمیان میں کوئی واسطہ نہیں ہے وسائط اس مرتبۂ مقدسہ سے بہت نیچے ہیں جس کو بھی واصلین میں سے اپنی استعداد کے مطابق حصہ ملتا ہے وہ بطریق اصالت ملتا ہے اور اللہ سبحانہ وتعالےٰ ہی تمام امور کے حقائق کو خوب جانتا ہے۔ والسلام علی من اتبع الہدیٰ۔

مکتوب نمبر ۸۱

خواجہ جمال الدین حسین کی طرف صادر فرمایا

(ایک معاملہ کے حل اور واقعہ کی تعبیر کے بیان میں)

حمد وصلوٰۃ و دُعاگوئی کے بعد فرزند عزیز کو بتاتا ہوں کہ جو صحیفہ شریفہ آپ نے ارسال کیا تھا پہنچا۔ چونکہ اس میں عافیت اور صوری و معنوی جمعیت کے متعلق لکھا تھا اس لئے خوشی ہوئی۔ وہ کشف و واقعہ جو پیش آیا تھا لکھا تھا اور اس کی تعبیر پوچھی تھی، لکھا تھا کہ "میں وضو کرنے کے خیال میں تھا کہ یکبارگی بے ہوش ہو کر

لہ اے اعرابی میں ڈرتا ہوں کہ تو کعبہ تک نہ پہنچ سکے گا کیونکہ یہ راہ جس پر تو جا رہا ہے ترکستان کو جاتا ہے۔

گر پڑا گویا جان بدن سے نکل آئی اور جب پھر آفاقہ ہوا تو ایک نور دیکھا جو سورج کی طرح روشن تھا جس نے اپنی انتہائی لطافت سے بے ہوش کر دیا تھا جیسا کہ کوئی شخص اپنے محبوب کو دیکھے اور اس کے جمال کے پرتو میں محو ہو جائے اور اس کا اپنا کوئی نام و نشان باقی نہ رہ جائے۔

عزیز بیٹے کو معلوم ہونا چاہیئے کہ انسان لطائف سبعہ مشہورہ سے مرکب ہے اور ہر ایک لطیفہ کا کاروبار الگ ہے اور احوال و مواجید علیحدہ ہیں اس وقت تک فرزند کے احوال و اذواق لطیفۂ قلب سے تعلق رکھتے تھے اور تلوینات قلب سے متلون تھا۔ اب یہ قوی وارد جو بے شعور تیرے روح پر اترا اور روح کو اپنے تصرف میں لایا۔

ان الملوک اذا دخلوا قریۃ افسدوھا وجعلوا اعزۃ اھلھا اذلۃ (سورہ نمل پارہ ۱۹)

بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اسکو تہس نہس کر دیتے ہیں اور اس کے عزت والوں کو ذلیل کر دیتے ہیں۔

جب دانش و شعور کا منشا جو کہ روح ہے ایک وارد سے مغلوب ہوگیا تو بیہوش ہو گئی۔ اس وقت آپ کا کاروبار لطیفہ روح سے متعلق ہے۔ آج کے حلقہ میں اس نسبت کی تکمیل کے لئے کچھ تھوڑی سی امداد و اعانت توجہ میں آئی ہے اور اس کے اثر کا ظہور مشہود ہوا ہے۔ معلوم ہوا کہ وسعت پیدا کی ہے اور سرایت کرنے کے درپے ہے خداوند تعالیٰ انجام تک پہنچائے۔

اور دوسرا واقعہ جو لکھا تھا کہ "تمہارے گھر میں بنات النعش اور پروین اکٹھے ہو گئے ہیں" اس کی تعبیر بھی پہلے واقعہ کی تعبیر کے مطابق ہے کہ نسبت قلبی اور نسبت روحی کو ان دو قسم کے ستاروں کی ملاقات سے ظاہر کیا ہے۔ پروین میں چونکہ ستاروں کی جمعیت ہے وہ دل کے مناسب ہے اور بنات النعش میں چونکہ ستاروں کی پراگندگی ہے وہ روح کے مناسب ہے۔ دوسرا واقعہ اگر پہلے واقعہ کے بعد ظاہر ہوا ہے تو درست ہے اور دو نسبتوں کے حصول کو جمع کیا ہے اور اگر اس سے پہلے ہے تو بھی درست ہے کیونکہ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ کوئی نسبت حاصل ہو جاتی ہے اور ظاہر نہیں ہوتی اس کے حصول کو دکھایا ہے اور اس کے بعد ایک دوسرے واقعہ سے اس کو ظاہر کیا ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ ہی درست بات کو بہتر جانتے، تو پاک ہے ہمیں تیرے بتائے ہوئے کے بغیر کچھ بھی علم نہیں ہے۔ والسلام

مکتوب نمبر ۲

حضرات مخدوم زادگان خواجہ محمد سعید و خواجہ محمد معصوم سلمہما کی طرف صادر فرمایا

(فراق کے درد کے اظہار اور بعض بشارتوں کے بیان میں)

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ فرزندان گرامی ظاہری و باطنی جمعیت سے رہیں۔ ان سفروں میں دونوں بیٹوں کی مفارقت کے برابر کوئی تکلیف نہیں دیکھی اور بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ ان کی یاد سے فارغ ہوں۔ جتنی بھی خدا تعالیٰ کی نعمتیں زیادہ آرہی ہیں اتنی ہی دور افتادہ دوستوں کی یاد بھی زیادہ آرہی ہے۔ روزمرہ کے حالات روز بروز لکھے جا رہے ہیں اور ان کو صاف کر کے تحریر کیا جا رہا ہے لیکن ان کو سمجھنے والا کون ہے اور جو ان سے فائدہ اٹھائے وہ کون ہے۔ خواجہ محمد ہاشم بھی غنیمت ہے کہ بات سمجھنے کا ملکہ رکھتا ہے اور مختصر یہ کہ ان سے لذت بھی حاصل کرتا ہے لیکن اس سفر اجمیر میں محنت کی شدت سے صحیح اندر پیچھے رہنے والوں سے جو چکا ہے شاید کچھ لوگ موافقت کریں "ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہتر کارساز ہے"۔ ساتھی بھی کم ہیں اور راہ کا خرچ اور خوراک وغیرہ بھی کم ہے "کیا اللہ اپنے بندے کو کافی نہیں ہے؟" کیوں نہیں۔

دوسری یہ بات ہے کہ تمہاری جدائی سے آزردہ ہو کر ایک رات نماز تہجد کے بعد کیا دیکھتا ہوں کہ تم دونوں بھائی اپنے دوستوں میں سے ایک آدمی کے ساتھ بادشاہ کے وکیل کے سامنے گئے ہو کہ بادشاہ کے نوکر ہو جاؤ اور نوکری کی تجویز کو اس وکیل کے سپرد کر دیا گیا ہے جس کو قابل سمجھے اسے نوکر رکھ لے اور جس کو وہ تجویز کرے ایک کاغذ پر اس کا حلیہ لکھ دے اور اس ورق کے کنارہ پر لکھے کہ اس کو نوکر رکھ لیں۔ ان تین آدمیوں میں سے تم دونوں بھائیوں کا حلیہ اس نے لکھا ہے اور نوکری تجویز کی ہے اور اس تیسرے دوست کا حلیہ اس نے نہیں لکھا اور نہ نوکر رکھا ہے۔ میں تم سے پوچھتا ہوں کہ اس تیسرے آدمی کا حلیہ کیوں نہیں لکھا تو تم نے کہا ہے کہ حلیہ لکھتے وقت اپنے چہرہ کو اس کے چہرہ کے قریب لایا ہے اور اچھی طرح ملاحظہ کیا اور کہا کہ یہ چہرہ سیاہ ہے یا اس کے قریب قریب کچھ الفاظ کہے اور حلیہ نہ لکھا۔

اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی تعریف ہے کہ تم دونوں کی جانب سے دل مطمئن ہو گیا کہ ان کو قبول کر لیا ہے لیکن اس تیسرے دوست کی طرف سے دل آزردہ ہے جو کہ تجویز نہیں ہو سکا۔ شاید بادشاہ کے نوکروں کی نوکری کے لئے اس کو قبول کر لیں۔ عاقبت بخیر ہو۔

مکتوب نمبر ۴۳

حضرات مخدوم زادگان کبار سلمہا اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا

(شکستگی برکات کے بیان میں کہ ان میں رہنا اپنے اختیار میں نہیں ہے)

فرزندان گرامی جمعیت خاطر سے رہیں۔ آدمی ہر وقت ہماری محنت کو نظر میں رکھتے ہیں اور اس تنگی سے خلاصی چاہتے ہیں وہ نہیں جانتے کہ نامرادی اور بے اختیاری اور ناکامی میں کس بلا کا حسن وجمال ہے اور کونسی نعمت اس کے برابر ہے کہ اس آدمی کو بے اختیار اختیار سے باہر لائیں اور اپنے اختیار سے اس کو زندگانی دیں، اور اس کے اختیاری امور کو بھی اس بے اختیاری کے تابع کردیں اور اس کو دائرۂ اختیار سے باہر لے آئیں اور جیسے مُردہ غسال کے ہاتھ میں ہوتا ہے اس کو بھی ایسا ہی بنا دیں۔

قید کے دنوں میں کبھی اپنی ناکامی و بے اختیاری کا مطالعہ کرتا تو عجیب طرح کی لذت پاتا اور عجیب ذوق معلوم ہوتا۔ ہاں ارباب فراغت ارباب بلا کے ذوق کو کیا پائیں اور ان کی بلا کے جمال کا وہ کیا ادراک کرسکیں ہر تلخ کے لئے لذت صرف مٹھائی میں ہے اور جس نے تلخی سے حصہ پایا ہو وہ شیرینی کو ایک جو سے بھی نہیں خریدتا۔

مرغ آتش خوارہ کے لذت شناسد دانہ را[1]

والسلام علی من اتبع الہدیٰ

مکتوب نمبر ۴۴

حافظ عبد الغفور کی طرف صادر فرمایا

(اس طریقہ علیہ کے آداب کے بیان میں)

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ اس راہ کے طالب کو چاہیئے کہ اہل حق شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کی درست آراء کے مطابق عقائد کی درستی کے بعد اور احکام فقہیہ ضروریہ کے بعد اور اس علم کے مطابق عمل کرنے کے بعد اپنے تمام اوقات کو ذکر الٰہی جل شانہٗ میں مصروف رکھے لیکن شرط یہ ہے کہ اس ذکر کو کسی شیخ کامل مکمل سے اخذ کیا ہو کیونکہ ناقص سے کامل نہیں آتا اور اپنے اوقات کو ذکر سے اس طرح

---

[1] آگ کھانے والا پرندہ دانہ کی لذت کب جانتا ہے۔ ۱۲۔

پر آباد رکھے کہ فرائض و سنن مؤکدہ کی ادائیگی کے بغیر کسی چیز میں مشغول نہ ہو یہاں تک کہ تلاوت قرآن مجید اور نفلی عبادتوں کو بھی موقوف رکھے اور باوضو ذکر کرے اور کھڑے بیٹھے اور لیٹتے ہوئے بھی اسی کام میں مشغول رہے اور آمد و رفت اور خورد و نوش اور سوتے جاگتے کسی وقت بھی ذکر سے خالی نہ رہے ؎

ذکر گو ذکر تا ترا جان است — پاکیٔ دل ز ذکر رحمان ست[1]

اس طرح ہمیشہ ذکر میں مشغول رہے کہ مذکور کے سوا ہر چیز اس کے سینہ کے میدان سے اپنا سامان باندھ کر کوچ کر جائے اور اس کے باطن میں ماسوا کا کوئی نام و نشان باقی نہ رہے یہاں تک کہ بطور وسوسہ بھی ماسوا اس کے دل میں گذر نہ کرے اور اگر تکلف سے بھی غیر کو دل میں لانا چاہے تو اس نسیان کی وجہ سے جو اس کے دل کو مذکور کے سوا حاصل ہو چکا ہے میسّر نہ ہو اور یہ نسیان جو دل کو مطلوب کے سوا تمام ماسوا سے حاصل ہوا ہے حصولِ مطلوب کا مقدمہ ہے اور اس کے وصل کی بشارت دینے والا ہے اور حصولِ مطلب اور وصولِ حقیقی بمقصود کے متعلق کیا لکھوں کہ وہ وراء الوراء ہے ؎

كَيْفَ الْوُصُوْلُ اِلٰى سُعَادَ وَدُوْنَهَا — قُلَلُ الْجِبَالِ وَدُوْنَهُنَّ حُيُوْفُ[2]

اور جب برادرِ عزیز اللہ تعالیٰ کی عنایت سے اس سبق کو انجام تک پہنچائے گا تو دوسرے سبق کی طلب کرے گا اور اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ ہی توفیق دینے والے ہیں۔

مکتوب نمبر ۸۵

حضرت ذوی البرکات مخدوم زادگان خواجہ محمد سعید و محمد معصوم سلمہا اللہ کی طرف صادر فرمایا

(اوقات کی حفاظت کے متعلق نصیحت کے بیان میں)

اس علاقہ کے احوال و اوضاع قابلِ تعریف ہیں اور اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ ہی کی مشیت کے مطابق تمہاری سلامتی اور عافیت کی دُعا ہے۔

اگر اجمیر پہنچ گئے اور راہ کی سختیوں کی گھاٹیوں اور شدید گرمی سے نجات میسر ہو گئی تو تمہیں لکھوں گا اور انشاء اللہ تعالیٰ بلاؤں گا جمعیت خاطر سے رہیں اور اپنی تمام محبت کو اللہ جل شانہٗ کی رضامندی میں مصروف رکھیں ایسا نہ ہو کہ فراغت میں پڑ جائیں اور نفس کو خوش کریں اور اہل و عیال سے پوری محبت کرنے لگیں اور اس ضروری کار خانہ میں

---

[1] جب تک تجھ میں جان ہے ذکر کرتا چلا جا دل کی پاکیزگی خدا تعالیٰ کے ذکر سے ہے۔۱۲

[2] سعاد تک کس طرح پہنچا ہو سکے اس کے سامنے پہاڑوں کی چوٹیاں ہیں اور ان سے پہلے کئی بلندیاں اور پستیاں ہیں۔

فتور پڑ جائے کہ پھر سوائے محرومی اور ندامت کے اور کچھ ہاتھ نہ آئے گا اس صحبت و اس دولت کو غنیمت جانیں اور اہم امور میں وقت گزاریں، اطلاع دینا شرط ہے نئے معارف جو لکھے گئے ہیں یہ سب یکے بعد دیگرے آپ کے سبق ہیں ان کو سرسری طور پر نہ پڑھیں اور ان کے مطالعہ کی جدوجہد کریں شاید ان کے پوشیدہ رازوں کا دریچہ کھل جائے اور سرمایہ سعادت بن جائے۔

میں نے تمہارے بارے میں ایک بشارت پائی ہے جسے ایک خط میں لکھ کر محمد ہاشم کشمی کے سپرد کیا ہے کہ تمہیں پہنچا دے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے تم کو ضائع نہ کرے گا اور قبول فرمائے گا لیکن ترساں و لرزاں رہیں اور لہو و لعب میں نہ گزاریں صحبت کی دُوری ایسا نہ ہو کہ کوئی تاثیر پیدا کرے اور خداوند تعالیٰ سے ملتجی اور متضرع رہیں اور بقدر ضرورت اہل حقوق سے اختلاط رکھیں اور ان کی خاطرداری کریں اور عورتوں کی جماعت سے وعظ و نصیحت سے زندگی گزاریں اور ان کے حق میں امر معروف اور نہی منکر سے دریغ نہ کریں اور اپنے تمام گھر والوں کو نماز اور درستی اور شرعی احکام کی تعمیل کی ترغیب دیں کہ تم اپنی رعیت کے متعلق پوچھے جاؤ گے۔ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے تم کو علم دیا ہے اس کے مطابق عمل کرنے کی توفیق بھی عطا فرمائے اور اس پر استقامت دے آمین۔

مکتوب نمبر ۸۶

درویش حبیب خادم کی طرف صادر فرمایا۔

(کرامات کے کم یا زیادہ ظاہر ہونے کے اسرار کے بیان میں)

ضرورت سے زیادہ مباح چیزوں کا ارتکاب کرامات کے کم ظاہر ہونے کا سبب ہے خصوصاً جبکہ زائد چیزوں کی کثرت مباشرت مشتبہ مد تک پہنچ جائے اور پھر اس جگہ سے خدا کی پناہ کہ حرام کے ارد گرد پھرنے لگے کرامات کہاں اور خوارق کونسے؟ جتنا بھی مباح چیزوں کا دامن تنگ کر دیا جائے گا اور ضرورت کے اندازہ پر اکتفا کیا جائے گا۔ اتنی ہی کشف و کرامات کی گنجائش زیادہ ہوگی اور ظہور خوارق کی راہ اتنی ہی کشادہ تر ہوگی۔

ظہور خوارق نبوت کی شرط ہے نہ کہ شرط ولایت کیونکہ نبوت کا اظہار واجب ہے نہ کہ اظہار ولایت بلکہ اس مرتبہ میں چھپنا اور پوشیدہ رکھنا زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس جگہ خلق کو دعوت دینا ہے اور اس جگہ اللہ جل شانہٗ کا قرب ہے اور معلوم ہے کہ دعوت کے لئے اظہار لازم ہے اور قرب کے لئے پوشیدگی مناسب ہے کسی ولی سے خوارق کے ظہور کی کثرت اس کی دوسروں پر افضلیت پر دلالت نہیں کرتی کہ جس سے اس قدر خوارق

ظاہر نہیں ہوتے بلکہ ہو سکتا ہے کہ کوئی ایسا ولی ہو جس سے کوئی بھی کرامت ظاہر نہ ہوتی ہو اور وہ ان اولیاء سے افضل ہو جن سے کرامات کا ظہور بکثرت ہوتا ہے۔

چنانچہ شیخ الشیوخ نے اس معنی کی تحقیق کتاب عوارف المعارف میں فرمائی ہے جب کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں ظہور کثرت و قلت خوارق جو کہ نبوت میں شرط ہے فاضلیت و مفضولیت کا سبب نہیں ہے اور ولایت جس میں شرط نہیں ہے تفاضل کا سبب کیسے ہوگا۔ میں سمجھتا ہوں کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے ریاضات و مجاہدات اور اپنے نفس پر مباح چیزوں کے ارتکاب کا دائرہ تنگ کرنے کا اصل مقصد ظہور خوارق ہے جو کہ ان پر واجب ہے اور ان کی نبوت کی شرط ہے نہ کہ قرب الٰہی جل شانہٗ کے درجات تک وصول کیونکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام مجتبا ہیں کہ جن کو جذب محبت کی کنڈی سے کھینچ کھینچ کر لے جاتے ہیں اور بے مشقت ان کو قرب الٰہی کے درجات تک پہنچا دیتے ہیں وہاں صرف انابت و ارادت ہے۔ کیونکہ ریاضات و مجاہدات قرب الٰہی جل شانہٗ کے درجات تک پہنچنے کے لئے درکار ہے جو کہ مریدوں کی راہ ہے اور مُرادوں کی راہ اجتبا، مرید مشقت سے اور اپنے پاؤں کی محنت سے خود چلتے ہیں اور مُرادوں کو ناز و نعمت سے لے جاتے ہیں اور بغیر محنت کے ان کو قرب کے درجات تک پہنچا دیتے ہیں۔ جاننا چاہئے کہ ریاضات و مجاہدات انابت و ارادت کی راہ کی شرط ہے اور اجتباء کی راہ میں مجاہدات شرط نہیں ہیں اس کے باوجود نفع بخش ضرور ہیں۔ مثلاً وہ شخص جس کو کھینچ کر لے جاتے ہیں وہ اس کشش کے ساتھ اپنے لے جانے میں خود بھی محنت اور کوشش کرے تو اپنے مطلب پر جلدی پہنچ جائے گا اور اس آدمی سے بہت آگے نکل جائے گا جو اپنی کوشش نہیں کرتا اگرچہ ہو سکتا ہے کہ کبھی تنہا کشش بھی جبکہ بہت زیادہ طاقتور ہو بہت سا کام کرتی ہے اور اس کشش مرکب سے زیادہ فائدہ دیتی ہے۔ پس راہ اجتباء میں کوشش و تردد و مشقت کمال وصول کی شرط نہیں ہوتی جیسا کہ نفس وصول کی شرط نہیں ہے ہاں نفع کا احتمال ضرور رکھتی ہے اگرچہ بعض مقامات میں ہو۔

اور ریاضات و مجاہدات جو کہ ضروریات مباحہ پر اقتصار کرنے کا نام ہے کے فوائد و منافع ارباب اجتبا کے لئے بھی اس فائدہ کے بغیر کہ جس کا ذکر ہوا بہت ہیں۔ مثلاً جہاد اکبر کا دوام اور کمینی دُنیا کی آلودگیوں سے نظافت و طہارت کیونکہ جس قدر بھی حوائج ضروری ہیں وہ دُنیا میں داخل نہیں ہیں اور جو زائد ہیں وہ دنیا سے ہے اور ریاضات اور ضرورت پر اقتصار کرنے میں دُوسرا فائدہ آخرت کے محاسبہ و مواخذہ کی کمی ہے اور پھر اُخروی درجات کی بلندی کا سبب بھی ہے کیونکہ جس قدر بھی دنیا میں محنت ہے اس سے کئی گنا زیادہ آخرت میں راحت ہے۔

پس دُوسرے وجوہات بھی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ریاضات و مجاہدات کے لئے سوائے

مذکورہ بالا وجہ کے پیدا ہو گئے۔ پس واضح ہوا کہ ریاضات اور جائز ضروریات پر اکتفا کرنا اگرچہ راہِ اجتباء میں وصول کی شرط نہیں ہے لیکن نجاتِ اُخروی وہ محمود و مستحسن ہے بلکہ مذکورہ فوائد کی بنا پر ضروری اور لازم ہے۔ اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما اور ہمارے کام میں بھلائی پیدا کر۔ والسلام علےٰ من اتبع الہدیٰ۔

مکتوب نمبر ۷۰

مولینا صالح کولابی کی طرف صادر فرمایا

(حضرت مجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مُرادی و مریدی کے اسرار کے بیان میں)

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ مَیں اللہ تعالےٰ کا مُرید بھی ہوں اور اللہ تعالیٰ کا مُراد بھی، میری ارادت کا سلسلہ بلا واسطہ اللہ تعالیٰ سے متصل ہے اور میرا ہاتھ اللہ تعالےٰ کے ہاتھ کے قائم مقام ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میری ارادت بہت سے واسطوں سے ہے طریقہ نقشبندیہ میں درمیان میں اکیس[21] واسطے ہیں اور طریقہ قادریہ میں پچیس[25] اور طریقہ چشتیہ میں ستائیس[27]، اور میری اللہ تعالےٰ سے جو ارادت ہے وہ واسطے کو قبول نہیں کرتی جیسا کہ پہلے گذر چکا۔ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مُرید بھی ہوں اور ان کا تبع، ہم پیر بھی اس دولت کے دسترخوان پر اگرچہ مَیں طفیل ہوں لیکن بن بلائے نہیں آیا ہوں اور اگرچہ میں تابع ہوں لیکن اصل سے بے نصیب نہیں ہوں اور اگرچہ میں امتی ہوں لیکن دولت میں شریک ہوں لیکن وہ شرکت نہیں جس سے ہمسری کا دعویٰ پیدا ہو کہ وہ کفر ہے بلکہ یہ شرکت خادم کی اپنے مخدوم کے ساتھ شرکت ہے مجھے جب تک بُلایا نہیں گیا میں اس دسترخوان پر حاضر نہیں ہوا ہوں اور جب تک انہوں نے خود نہیں چاہا میں نے اس دولت کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا ہے۔ اگرچہ میں اُویسی ہُوں لیکن مَیں اپنا حاضر و ناظر مربی رکھتا ہوں اگرچہ طریقہ نقشبندیہ میں میرا پیر عبد الباقی ہے لیکن میری تربیت کا کفیل خود اللہ الباقی ہے میری تربیت اللہ تعالےٰ کے فضل سے ہوئی ہے اور میں اجتباء کی راہ چلا ہوں میرا سلسلہ سلسلہ رحمانی ہے کہ مَیں عبد الرحمان ہوں کیونکہ میرا رب رحمان ہے اور میرا مربی ارحم الراحمین، اور میرا طریقہ طریقہ سُبحانی ہے کہ مَیں تنزیہ کی راہ پر چلا ہوں اور اللہ تعالےٰ کی ذات کے سوا کسی اسم اور صفت کو نہیں چاہا ہے یہ میرا سُبحانی کہنا وہ سُبحانی نہیں ہے جس کا بسطامی قائل ہُوا ہے کہ اس کو اس سے کوئی ربط نہیں ہے کہ وہ انفس کی چوٹی سے باہر نہیں آیا ہے اور یہ انفس و آفاق سے ماورا ہے اور وہ تشبیہ ہے جس نے تنزیہ کا لباس پہنا ہے اور یہ تنزیہ ہے کہ جس کو تشبیہ کی بو بھی نہیں

پہنچی ہے اور اس نے شکر کے چشمے سے جوش مارا ہے اور یہ عین صحو سے برآمد ہوا ہے۔ ارحم الراحمین نے میرے حق میں تربیت کے اسباب کو موقوف علیہ نہیں رکھا ہے اور میری تربیت میں اپنے فضل کے سوا کسی کو علت فاعل نہیں بنایا اور اپنے کمال کرم سے اور اس غیرت کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ میرے حق میں رکھتا ہے جائز نہیں رکھا ہے کہ میری تربیت میں کسی دوسرے کے فضل کا کوئی دخل ہو یا میں اس معنی میں دوسروں کی طرف متوجہ ہوں، میں اللہ تعالیٰ کا پروردہ ہوں اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم نامتناہی کا مجتبا ہوں ؎

باکریماں کارہا دشوار نیست[1]

الحمد للہ ذی الجلال والاکرام والمنۃ والصلوٰۃ علیٰ رسولہ والتحیۃ اولاً وآخراً

مکتوب نمبر ۸۸

حضرت مخدوم زادہ عالی مرتبہ خواجہ محمد سعید سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا

(خُلّتِ خلیل اور تعیین وجوہِ حسن کے اثبات کے اسرار کے بیان میں)

اللہ تبارک و تعالیٰ جس بندہ کو اپنی خُلّت کی دولت سے جو کہ بالاصل حضرت ابراہیم علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے مخصوص ہے مشرف فرماتا ہے اور ولایت ابراہیمی سے سرفراز کرتا ہے تو اس کو اپنا انیس و ندیم بنا لیتا ہے اور اُنس اور اُلفت کی نسبت جو کہ خُلّت کے لوازم سے ہے درمیان میں لاتا ہے تو خلیل کے اوصاف اور اس کے اخلاق کی کراہت اور قباحت نظر سے مرتفع ہو جاتی ہے کیونکہ قباحت اگر نظر میں ہو تو وہ نفرت اور بے اُلفتی کا سبب بن جاتی ہے جو کہ خُلّت کے مقام کے منافی ہے کہ وہ سراسر اُلفت ہے۔

سوال:- خلیل کے اوصاف کے قبح کا نظر سے مرتفع ہونا مجاز میں تو ظاہر ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس مقام میں خُلّت کی نسبت غالب آئے اور خلیل کے اوصاف کی قباحت کو پوشیدہ کر دے لیکن مرتبہ حقیقت میں کہ اس جگہ کسی شے کا علم اپنی اصل صورت میں ہے تو قبیح کو غیر قبیح جاننا اور خُلّت کی نسبت سے مغلوب ہونا جائز نہیں ہے۔

جواب:- ہر قبیح میں حُسن کے وجوہات میں سے کوئی نہ کوئی وجہ ثابت ہے پس ہو سکتا ہے کہ قبیح کو اس وجہ حسن کی وجہ سے حسن جانے اور اس کے حسن ہونے کا حکم فرمائے۔ جاننا چاہیئے کہ اگرچہ اس قبیح میں حسنِ مطلق پیدا نہیں ہوا ہے لیکن جب اس کے حُسن کی وجہ اللہ تعالیٰ کو منظور و ملحوظ ہوتی ہے تو لازماً وہ بحکم اَلْاِرَاقِ جَذْب

---

[1] شرفاء کے لئے کوئی کام مشکل نہیں ہوتے۔

اللّٰہِ ھُمُ الْغَالِبُوْنَ (خبردار! اللہ تعالےٰ کا لشکر وہی غالب آنے والا ہے) دوسرے وجوہ قبیح پر وہ غالب آجاتی ہے اور تمام کو اپنے رنگ میں رنگین کر دیتی ہے اور پسندیدہ بنا دیتی ہے۔ اُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِہِمْ حَسَنَاتٍ (یہ وہ لوگ ہیں جن کی برائیوں کو اللہ تعالےٰ نیکیوں سے تبدیل کر دیتا ہے)

جان لے اللہ تعالےٰ تجھے سیدھے رستے کی طرف راہنمائی کرے کہ محبت اور خُلت میں عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے خُلت عام ہے اور محبت اس کا ایک کامل فرد ہے کیونکہ انس والفت کا حد سے گذرنا محبت ہے جو کہ گرفتاری کا باعث ہوتی ہے اور بے قراری اور بے آرامی لاتی ہے۔ خُلت سراسر اُنس و اُلفت و آرام ہے اور محبت وہ ہے جس نے گرفتاری کا عالم پیدا کیا ہے اور خُلت کے دوسرے افراد میں سے الگ ہوئی ہے گویا کہ دوسری جنس بن گئی اور وہ ہنر جو محبت نے اس امتیاز میں خُلت کے دوسرے افراد کے علاوہ پیدا کیا ہے وہ درد اور غم ہے اور نفس خُلت سب عیش اور سرور ہی سرور اور خوشی ہی خوشی اور انس در انس ہے۔

یہی وجہ ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے خلیل علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو دنیا میں بھی جو کہ محنت کا گھر ہے عمل کا اجر عطا فرمایا ہے اور آخرت میں بھی اللہ تعالےٰ نے ان کے حق میں فرمایا۔ وَاٰتَیْنٰہُ اَجْرَہٗ فِی الدُّنْیَا وَاِنَّہٗ فِی الْاٰخِرَۃِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ (اور ہم نے اس کو دنیا میں بھی اس کا اجر دیا اور یقیناً وہ آخرت میں نیک لوگوں سے ہے) پس جبکہ محبت درد و حزن کا منشا ٹھہری تو جس فرد میں بھی محبت غالب ہوگی اس میں درد و حزن زیادہ ہوگا یہی وجہ ہے کہ کہا ہے کہ "رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم دائم الفکر اور ہمیشہ حزن میں رہتے" اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

مَا اُوْذِیَ نَبِیٌّ مِثْلَ مَا اُوْذِیْتُ ــ جتنی مجھے تکلیف دی گئی ہے اتنی کسی نبی کو تکلیف نہیں دی گئی۔

کیونکہ افراد انسانی میں سے کامل فرد محبت کے حصول میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے اور اگرچہ آپ محبوب تھے (صلے اللہ علیہ وسلم) لیکن جب محبت کی نسبت درمیان میں آگئی تو محبوب بھی محب کی طرح شیدا و گرفتار ہوا۔ حدیث قدسی ہے اَلَا طَالَ شَوْقُ الْاَبْرَارِ اِلٰی لِقَائِیْ وَاَنَا اِلَیْہِمْ لَاَشَدُّ شَوْقًا (کہ میری ملاقات کے لئے نیک لوگوں کا شوق بڑا لمبا ہو گیا اور میں ان کی طرف زیادہ شوق رکھتا ہوں) اس جگہ ایک مشہور ہے۔

سوال:- جبکہ شوق تو مفقود میں ہوتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مفقود نہیں ہے تو شوق کیا ہے اور اشد شوق کیا ہوتا ہے؟

جواب:- میں کہتا ہوں کہ کمال محبت کی آرزو ہوتی ہے کہ دوئی ختم ہو جائے اور محب اور محبوب کا

اتحاد ہو جائے اور جب یہ بات مفقود ہے تو شوق موجود ہے اور چونکہ بالاصل اتحاد کی تمنا محبوب میں ثابت ہے کیونکہ محبت شاذ صرف وصل محبوب پر ہی قناعت کرے تو لازماً زیادہ شوق محبوب کی جانب ہی ہوگا اور ہمیشہ غمگین رہنا حبیب کی صفت ہوگی۔

سوال :- اگر کہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ تمام امور پر قادر ہے وہ جو چاہے اس کو میسر ہے پس اللہ تعالیٰ کے حق میں کوئی چیز مفقود نہ ہوگی تاکہ شوق متحقق ہو۔ جواب :- کسی چیز کی تمنا اور چیز ہے اور اس چیز کا ارادہ کرنا اور چیز ہے اللہ تعالیٰ کی مراد اس کے ارادہ سے پیچھے نہیں رہتی اور یہ ہوسکتا ہے کہ تمنا ہو اور اس کے حصول کا ارادہ نہ ہو اور اس کے وجود کو نہ چاہے ؎ درعشق چنیں بوالعجبیہا باشد

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ عشق میں صرف مطلوب کا ورود ہوتا ہے اور وصل ملحوظ نہیں ہوتا بلکہ وصل کو نہیں چاہتا اور محبوب کے اتصال سے گریز کرتا ہے اور یہ عشق کی دیوانگیوں میں سے ہے بلکہ عشق کے ہنرولی میں سے ہے "جس نے نہ چکھا نہ جانا"

اب ہم اصل بات پر آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خلت بہت بلند مقام ہے اور کثیر البرکت ہے۔ عالم مجاز میں جس کسی کو بھی کسی سے کوئی انس والفت وسکون وآرام ہے وہ سب خلت کے مقام کا ظلال ہیں۔ مثلاً وہ محبت جو باپ کو بیٹے سے ہے اور بھائی کو بھائی سے اور عورت کو شوہر سے یہ سب اسی خلت کی جنس سے ہے اور اسی طرح ہر حظ اور لذت اور آرام جو کہ صور حسنہ اور مظاہر جمیلہ سے ثابت ہے وہ مقام خلت سے ہے۔ محبت دوسری چیز ہے جو کہ ایک اور عالم رکھتی ہے اور اگر خلت وانس والفت درمیان میں نہ ہو تو کوئی مرکب وجود میں نہ آتے اور اس کا کوئی جزو دوسرے جزو کے ساتھ خاص طور پر جبکہ ان میں تضاد کی نسبت ہو پیوستہ نہ ہوتا بلکہ کوئی وجود بھی کسی ماہیت کے ساتھ نہ ملتا بلکہ کوئی عالم بھی اللہ تعالیٰ کی ایجاد کے تحت داخل نہ ہوتا۔ کیونکہ یہ محبت ہی ہے جس نے ایجاد کے سلسلہ کو حرکت دی ہے اور وجود اشیاء کی باعث ہوئی ہے فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ (پس میں نے پسند کیا کہ میں پہچانا جاؤں سو میں نے مخلوق کو پیدا کیا) حدیث قدسی ہے اور حُبّ خلت کا فرد کامل ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا پس اگر خلت نہ ہوتی تو کوئی چیز بھی موجود نہ ہوتی اور کوئی چیز بھی کسی کے ساتھ جمع نہ ہوتی اور الفت نہ پکڑتی۔ عالم کا وجود اور اس کا نظام دونوں خلت سے وابستہ ہیں اگر خلت نہ ہوتی تو وجود کی طرح نظام بھی مفقود ہوتا پس خلت ایجاد کا اصل ہوئی۔ موجد کی جانب بھی اور موجود کی جانب بھی کیونکہ وہ خلت ہی ہے جس نے ممکن کو وجود قبول کرنے کے لئے مانوس کیا ہے اور ایجاد کی قید میں لایا ہے بلکہ عدم میں بھی اپنے خلوت خانہ میں خلت کی دولت ہی سے آرام پایا ہے اور اپنی نیستی کے ساتھ موافقت کی ہے بلکہ اپنے نقیض (وجود) سے بھی الفت وانس

کرکے اس کے کمالات کا آئینہ ہوا ہے اور ممکنات کے وجود کا ذریعہ بنا ہے۔ پس خُلّت تمام اشیاء سے زیادہ مبارک ہوئی اور اس کی برکات موجود اور معدوم کو شامل ہیں۔ جب تونے خُلّت کے باریک نکات معلوم کرلئے اور اس کے عموم برکات کو معلوم کرلیا اور یہ بھی جان لیا کہ مقام خُلّت اصل میں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے اور اس کی ولایت ولایتِ ابراہیمی ہے۔

پس جان لو کہ اب اس فقیر پر ان معارف کی برکات کے وسیلہ سے ظاہر ہوا ہے کہ تعین اوّل اللہ تعالیٰ کی ذات کا حضرت وجود سے تعین ہے اور وہ تعین اوّل وجودی حضرت خلیل علیٰ نبینا و علیہ وعلیٰ جمیع الانبیاء الصلوٰۃ والسلام کا رب ہے لہٰذا وہی سب کے امام ہوئے اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا (میں تجھے سب لوگوں کے لئے امام بنانے والا ہوں) اور سید البشر ان کی ملت کی متابعت کے مامور ہوئے۔ اِتَّبِعْ مِلَّۃَ اِبْرَاھِیْمَ حَنِیْفًا (آپ ملت ابراہیم حنیف کی پیروی کریں) اور ان کے بعد جو پیغمبر بھی مبعوث ہوا سے ابراہیم علیہ السلام کی متابعت کا حکم دیا گیا۔ اور تمام تعینات اس تعین وجودی کے ضمن میں مندرج ہیں اگر تعین علمی جملی ہے تو وہ بھی اس کے ضمن میں ہے اور اگر تفصیلی ہے تو وہ بھی اس میں مندرج ہے۔

اس وجہ سے یہ ہو سکتا ہے کہ ہمارے پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کو "باپ" کے لفظ سے یاد کرتے تھے اور باقی انبیاء علیہم السلام کو "بھائی" کے لفظ سے اور اگر تمام انبیاء کو "بیٹے" کے لفظ سے یاد کرتے تو گنجائش رکھتا تھا کیونکہ ان بزرگواروں کے تعینات اس کے تعین کے ضمن میں کہ جس کو تعین علمی جملی کہا ہے مندرج ہیں علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات، اور وہ جو نماز ماثورہ میں آیا ہے کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ (جیسا کہ تونے ابراہیم پر رحمت کی)، ہو سکتا ہے کہ یہ اس لئے ہو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات تک وصول بغیر وسیلہ تعین اوّل وجودی اور بغیر وسیلہ ولایت ابراہیمی کے تمام کمالات کے میسر نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات مقدسہ کے لئے سب سے پہلا خیمہ وہی ہے جس نے غیب الغیب کی آئینہ داری کی ہے اور باطن سے باطن کو بھی ظہور میں لایا ہے پس کسی کو بھی اس کے واسطے سے چارہ نہیں ہے خاتم الانبیاء کو ان کی متابعت کا حکم فرمایا ہے تاکہ آپ کی متابعت سے ولایت ابراہیمی تک پہنچیں اور اس جگہ سے اللہ تعالیٰ کی ذات تک ناز سے خراماں خراماں چلے جائیں علیہ وعلیٰ جمیع الانبیاء الصلوات والتحیات۔

سوال:۔ اس بیان سے لازم آیا کہ حضرت ابراہیم حضرت خاتم الرسل سے افضل ہوں علیٰ جمیع الانبیاء الصلوٰۃ والسلام حالانکہ حضرت خاتم الرسل صلے اللہ علیہ وسلم کی افضلیت پر اجماع ہے اور یہ بھی لازم آیا

کہ تجلی ذات بالاصل حضرت خلیل صلے اللہ علیہ وسلّم کا حصہ ہو اور دوسروں کے لئے بالتبعیت ہو حالانکہ اکابر صوفیاء کا مقررہ مقولہ ہے کہ تجلی ذات اصل میں حضرت خاتم الرسل صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے اور دوسروں کے لئے آپ کی تبعیت میں ہے۔

جواب۔ ذات تک وصول بھی تجلی ذات کی طرح دو قسم پر ہے ایک باعتبار نظر ہے اور دوسرا باعتبار قدم یعنی یا نظر وہاں ہے یا ناظر بنفس خود واصل ہے اور جو قسم وصول نظری ہے وہ اصل میں حضرت خلیل علیہ الصلوات والسلام کا حصہ ہے کیونکہ اللہ تعالٰے کی ذات سے اقرب تعینات تعین اول ہے جو کہ حضرت ابراہیم کا رب ہے

جیسا کہ اوپر گذر چکا اور جب تک اس تعین تک نہ پہنچے اس سے آگے نظر نفوذ نہیں کرتی اور وہ قسم جو باعتبار قدم ہے وہ اصل میں حضرت حبیب صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات کے مخصوص ہے جو کہ رب العالمین کے محبوب ہیں۔ محبوبوں کو اس مقام تک لے جاتے ہیں کہ خلیل اس جگہ سے عاجز ہیں مگر یہ کہ ان کی تبعیت میں جائیں۔ کوئی خلیل ہی چاہیئے کہ اس کی نظر رئیس محبوبان کے وصول کے مقام تک پہنچ سکے صلے اللہ علیہ وسلم اور راہ میں کوتاہی نہ کرے۔

مختصر یہ کہ تجلی ذات ایک وجہ سے تو بالاصل حضرت خلیل سے مخصوص ہے اور دوسرے ان کے تابع ہیں علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اور دوسری وجہ سے وہ تجلی اصل میں حضرت خاتم الرسل صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے اور دوسرے ان کے تابع ہیں اور چونکہ دوسری وجہ زیادہ طاقتور اور مراتب قرب میں زیادہ دخل پانے والی ہے تو لازماً تجلی ذات کو حضرت خاتم الرسل سے زیادہ مناسبت حاصل ہوئی اور ان کے ساتھ خصوصیت پیدا کی اور آپ حضرت خلیل اور باقی دوسرے تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے افضل ٹھہرے پس انبیاء میں سے کلی فضیلت ان دو بزرگواروں کو ملی اگرچہ ان میں سے ہر ایک دوسرے سے افضل ہے علیہما وعلیہم الصلوات والتسلیمات اور موسٰی علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام چونکہ محبتین کے رئیس ہیں جب کہ ہمارے پیغمبر محبوبین کے رئیس ہیں علیہ وعلی اتباعہ الصلوٰۃ والسلام تو لازماً حضرت موسٰی علیہ السلام کو بحکم اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (آدمی اس کے ساتھ ہے جس سے اس کی محبت ہو) اللہ تعالٰے کی ذات کے ساتھ ایک طرح کی معیت ہے جو دوسروں کو نہیں ہے۔

اور یہ بھی ہے کہ اس بارگاہ میں ان کو ایسا مرتبہ ملا ہے جو کہ ان کی محبت کی وجہ سے ہے اور دوسرے کو اس جگہ کوئی دخل نہیں ہے لیکن یہ فضیلت جزوی ہے جس کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ کلی کے برابر ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ایک بہت بڑی جماعت اس مقام میں ان کے تابع ہے اور

اس کے باوجود کلی فضیلت وہی ہے جو حضرت خلیل وحبیب کے حصہ میں آئی ہے علیہما الصلوٰۃ والسلام۔ اور اگرچہ ہر ایک ایک طرح سے دوسرے کا تابع ہے۔ وصول نظری میں حضرت خلیل اصل ہیں اور حضرت حبیب ان کے تابع ہیں علیہما الصلوات والتحیات والبرکات اور وصول قدمی میں حضرت حبیب اصل ہیں اور حضرت خلیل ان کے تابع ہیں علیہما الصلوٰۃ والسلام اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مخصوص فضائل وکمالات کہ جتنے کہ وہ اس فقیر پر ظاہر ہو گئے ہیں دل میں ہے کہ ایک علیحدہ کاغذ میں تحریر کروں ان شاء اللہ تعالےٰ

جاننا چاہیئے کہ وہ انبیاء جو کسی نبی کے وسیلہ سے اللہ تعالےٰ کی ذات تک پہنچتے ہیں تو وہ نبی اللہ تعالےٰ کی ذات اور ان انبیاء کے درمیان حائل نہیں ہے اور ان انبیاء کو بالاصل اللہ تعالیٰ کی ذات سے حصہ ملتا ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ ان کا اپنے درجہ تک پہنچنا اس نبی کی تبعیت سے وابستہ ہے برخلاف کسی نبی کی امت کے جو کہ نبی کے وسیلہ سے پہنچے تو وہ پیغمبر درمیان میں حائل ہے مگر اس صورت میں کہ افراد امت میں سے کسی فرد کو بالاصل اللہ تعالےٰ کی ذات سے حصہ ملے تو اس وقت وہ نبی درمیان میں حائل نہیں ہوتا اور اس کی تابعداری موجود ہوتی ہے علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ایسے بندے تھوڑے ہیں بلکہ بہت ہی تھوڑے ہیں۔

سوال:۔ اس صورت میں اس امتی فرد اور دوسرے انبیاء میں کیا فرق ہوگا کہ دونوں میں حیلولت مفقود ہے اور تبعیت موجود۔

جواب:۔ فرد امت میں تبعیت بطور تشریع ہے کہ جب تک نبی کی متابعت نہ کرے گا نہ پہنچے گا اور انبیاء میں تبعیت اس اعتبار سے ہے کہ نبی متبوع کا وصول پہلے ہے اور بالذات ہے اور دوسروں کا وصول ثانوی حیثیت میں ہے اور بالعرض ہے۔ کیونکہ دعوت کا مطلوب تو محبوب ہے اور دوسروں کو اس کی طفیل سے بلاتے ہیں اور اس کی تبعیت میں طلب کرتے ہیں لیکن وہ سب ایک ہی دسترخوان پر بیٹھتے ہیں اور ایک ہی مجلس میں اپنے درجات کے مطابق لذتوں اور نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور امتوں کی کیفیت یہ ہے کہ وہ ان انبیاء کے حاشیہ بردار ہیں اور ان کا پس خوردہ (بچا کھچا) کھانے والے ہیں شاید ان کے افراد میں سے کوئی فرد اللہ تعالےٰ کے فضل وکرم سے مخصوص ہو جائے اور ان کی مجلس میں ہم نشین ہو جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے

بَاکریماں کارہا دشوار نیست[1]

---

[1] شرفاء کے لئے کوئی کام مشکل نہیں

اس کے باوجود امت امت ہے اور پیغمبر پیغمبر۔ امت خواہ کتنی ہی سربلند ہو جائے اور خواہ کتنی ہی بلندی پیدا کرلے بہت بڑی دولت ہے اگر اس کا سر پیغمبر کے پاؤں تک پہنچ جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ وَإِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ	اور یقیناً ہمارا حکم پہلے اپنے پیغمبر بندوں کے لئے گزر چکا ہے کہ وہی مدد دیئے جائیں گے اور یقیناً ہمارا لشکر وہی غالب آنے والا ہے۔

سوال:۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملت کی متابعت کہ ہمارے پیغمبر اس کے مامور ہوتے ہیں کیا وجہ ہے؟ اور باوجود آپ کی شریعت مستقل ہونے کے ان کی تبعیت کا حکم کیا ہے علیہم الصلوٰۃ والسلام۔

جواب:۔ شریعت کا مستقل ہونا تبعیت سے منافات نہیں رکھتا۔ جائز ہے کہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے شریعت کو بلاواسطہ اخذ کیا ہو لیکن کسی امر کے حصول کے ذریعہ حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کے مامور ہوئے ہوں کیونکہ وہ امر متبوع کے خصائص میں سے ہے جس کی متابعت کا حکم دیا گیا ہے اور اس امر کا حصول اس متابعت کے حصول سے وابستہ ہے مثلاً ایک شخص فرائض میں سے کسی فرض کو ادا کرتا ہے اور اس کے ساتھ متابعت کی نیت بھی کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اس فرض کو ہمارے نبی نے ادا کیا ہے ہم بھی ادا کرتے ہیں تو اس تقدیر پر امید ہے کہ اس کو ادائے فرض کے ثواب کے علاوہ متابعت کا ثواب علیحدہ ملے اور چونکہ اس نے نبی سے مناسبت پیدا کی ہے۔ لہٰذا اس کی برکات سے استفادہ بھی کریگا۔

اور اس بات کی تفتیش کہ متابعت ملت سے مراد تمام ملت کی متابعت ہے یا بعض کی اگر تمام کی ہے تو باوجود بعض احکام کے منسوخ ہو جانے کے کل کی متابعت کس طرح ہوسکے گی اور اگر بعض مراد ہے تو بھی بے خدشہ نہیں ہے۔ اس کا حل علمائے تفسیر نے کیا ہے اس جگہ رجوع کرنا چاہئے کہ یہ باب علمائے ظواہر کا ہے علوم صوفیہ سے یہ بہت کم مناسبت رکھتا ہے۔

سبحان اللہ ایسے معارف مجھ سے ظاہر ہوتے ہیں کہ ان کی غرابت سے نزدیک ہے کہ ابنائے جنس بھی مجھ سے نفرت کریں اور محرم بھی برخلاف اٹھ کھڑے ہوں اور مجرم ہو جائیں۔ میرا ان معارف کے حصول میں کیا اختیار ہے اور ان کے اظہار میں کیا کاروبار ہے۔ انہوں نے خود ہی بتایا ہے کہ تعین اول تعین وجودی ہے، اور وہ حضرت خلیل کا رب ہے اور سارے تعینات کا مبدا ہے علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام۔ اس ہزار سال میں کیا کسی نے جانا ہے یا سنا ہے کہ تعین اول تعین وجودی ہوتا ہے اور وہ حضرت خلیل الرحمٰن کا رب ہے علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام۔ متقدمین میں یہ عبارت متعارف نہ تھی اور نہ تعین و تنزل کی گنجائش تھی پچھلے لوگوں میں اس قسم کی باتیں متعارف ہوئیں تو تعین اول تعین علمی جملی قرار پایا اور وہ حضرت خاتم الرسل کا رب قرار

پایا۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

آج اگر کسی سے اس کے خلاف ظاہر ہو تو خیال کرنا چاہیئے کہ اس کے سر پر کیا گذرے گی اور وہ کس طرح مطعون و ملام ہو گا۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ خلیل کو حبیب پر فضیلت دیتا ہے اور حبیب کو خلیل کا جزو بنانا ہے علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ کیونکہ تمام تعینات کو تعین اول میں مندرج جانتا ہے اگرچہ اوپر اس وہم کا ازالہ کیا ہے اور جواب شافی دیا ہے لیکن معلوم نہیں کہ اس پر اکتفا کریں اور اس شفا سے تشفی حاصل کیا جائے کہ جہالت اور عناد اور تعصب کا کوئی علاج نہیں ہے مگر یہ کہ مقلب القلوب اپنی قدرت کاملہ سے ان کے دلوں کو پھیر دے اور حق سننے اور اس کو قبول کرنے کے قابل بنا دے۔

حضرت خلیل کی بزرگی اور ان کی بلندی مرتبہ کو حکم اتخذ بہ کرنا ہے جو کہ اپنے حبیب کو دیا ہے دریافت کرنا چاہیئے علیہم الصلوٰۃ والسلام کو تبوع کو تابع سے کیا نسبت ہے لیکن وہ محبوبیت جو خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے حصہ میں آئی ہے وہ قرب کے تمام مراتب و فضائل پر غالب ہے اور سب سے آگے ہے قرب کے ہزار مراتب بھی محبوبیت کی ایک نسبت سے برابر نہیں ہو سکتے۔ محب اپنے محبوب کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز رکھتا ہے دوسروں کی کیا طاقت ہے کہ اس کے ساتھ مشارکت طلب کریں۔

سوال:۔ تم نے اپنے مکاتیب میں لکھا ہے کہ حضرت خلیل کا رب بھی شان العلم ہے جیسا کہ وہ حضرت حبیب کا رب ہے علیہما الصلوات والتسلیمات۔ بس اس قدر فرق ہے کہ اس جگہ تفصیل ہے اور اس جگہ اجمال۔

جواب:۔ یہ معرفت ولایت خلت کی حقیقت کے وصول سے پہلے کی ہے اور جب اس ولایت کی حقیقت سے متصف ہوا تو معاملہ جیسا کہ تھا ظاہر ہو گیا گویا کہ وہ معرفت اس حقیقت کے ظل سے متعلق تھی، اور اللہ تعالیٰ ہی درستی کا الہام کرنے والا ہے۔

ان معارف سے واضح ہوا کہ وجود عین ذات نہیں ہے بلکہ وہ خدا تعالیٰ کے تعینات میں سے سب سے پہلا تعین ہے اور جس نے وجود کو عین ذات کہا ہے تو اس نے تعین کو لاتعین سمجھا ہے اور غیر ذات کو ذات جانا ہے اور غیریت میں مناقشہ فائدہ نہیں رکھتا کیونکہ وہ تنگی عبارت سے ہے۔

سوال:۔ یہ تعین اول وجودی جس کو تم نے پایا ہے اس تعین علمی جملی سے کہ جس کو دوسروں نے پایا ہے کیا نسبت ہے اور ان دو تعین کے درمیان کوئی اور تعین بھی ہے یا نہیں؟

جواب:۔ تعین وجودی، تعین علمی سے بلند ہے اور تعین علمی سے اوپر کہ جس کو مرتبہ ذات و لاتعین کہتے ہیں یہی تعین وجودی ہے جس کو عین حضرت ذات پایا ہے اور وجود کو عین ذات سمجھا ہے اور ان دو تعین کے درمیان شان الحیوٰۃ ہے جو تمام شیونات سے پہلے ہے اور اس کے بعد شان العلم ہے اجمالاً و

تفصیلاً اور اس کے تابع ہے لیکن اس درمیانے تعین کا مظہر نظر میں نہیں آتا اور اللہ تعالیٰ کی ذات سے سب سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے اور استغنائے ذاتی اس میں بہت جلوہ گر ہے اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ اس کے فیوض و برکات خصوصاً روحانیوں پر انڈیلے جاتے ہیں اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہی حقیقتِ حال کو بہتر جانتے۔ اے اللہ تو پاک ہے ہمیں تیری بتائی ہوئی چیزوں کے بغیر کچھ علم نہیں ہے یقیناً تو ہی جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

تنبیہ:۔ وہ جو اوپر گذرا ہے کہ وصال نظری اصل میں حضرت خلیل کا حصہ ہے اور وصول قدمی اصل میں حضرت حبیب کا حصہ ہے علیٰ نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام۔ یہ اس معنی سے نہیں ہے کہ اس جگہ شہود و مشاہدہ ہے یا قدم کو اس جگہ گنجائش ہے اس جگہ بال کی بھی گنجائش نہیں ہے قدم کا کیا معنی بلکہ اس جگہ مجہول الکیفیت وصول ہے اگر صورت مثالیہ میں نظر میں منقش ہو تو وصل نظری ہے اور اگر قدم مرتسم ہو تو اسے وصول قدمی کہتے ہیں ورنہ قدم و نظر دونوں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حیران و پریشان ہیں۔ والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ۔

مکتوب نمبر ۹

قاضی اسمٰعیل فرید آبادی کی طرف صادر فرمایا

(شیخ روزبہان بقلی کے سخن کی شرح میں اور بعض دقائق توحید وجودی کے بیان میں)

شیخ روزبہان بقلی قدس سرہٗ نے متصوفین کے غلطات بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے "دوسری غلطی وہ ہے جو کہتے ہیں کہ ہمہ اوست "سب کچھ وہی ہے" اور ان تمام جزئیات متفرقہ حادثہ کے باوجود ایک ہی ذات مراد رکھتے ہیں اور اشارے سے ایک دوسرے کو کہتے ہیں کہ "ہم خود بھی وہی ہیں" پس ان کا قول ہے کہ لاکھوں خدا ہیں اور خداوند تعالیٰ محدثات کے تفرقہ اور جمع سے پاک ہے وہ ایک ہے کہ جزو کو اس میں کوئی راہ نہیں ہے وہ حلول قبول نہیں کرتا اور متلون نہیں ہوتا وہ اپنے اس قول کی وجہ سے کافر ہیں نہ اپنے آپ کو جانتے ہیں نہ خدا کو کہ اگر کوئی ان میں سے خدا ہوتا تو فنا کیوں ہوتا ایک قوم کی غلطی روح میں ہے اور ان کی جسم میں اللہ تعالیٰ انہیں برباد کرے۔"

پوشیدہ نہ رہے کہ عبارت "ہمہ اوست" اگرچہ قدمائے صوفیاء قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم میں متعارف نہیں رہی ہے لیکن کلمات اَنَا الْحَقُّ اور سُبْحَانِیْ اور لَیْسَ فِیْ جُبَّتِیْ سِوَی اللّٰہِ اور اس جیسے اور کلمات بھی بہت تھے کہ ان عبارات کا حاصل اور اس کا حاصل ایک ہے۔ مصرع: آب[1] چوں از سر گذشتہ است چہ یک نیزہ چہ صد

[1] پانی جب سر سے گذر گیا تو کیا ایک نیزہ اور کیا سو نیزہ ۱۲

شکل موزوں مشہور ہے اور متاخرین صوفیہ میں یہ عبارت عام رائج ہے اور بے تکلف ہمہ اوست کہتے ہیں اور اس قول پر اصرار کرتے ہیں۔ ان میں سے تھوڑے لوگ ایسے ہیں جو اس عبارت اور اس جیسی اور عبارتوں سے تردد رکھتے ہیں بلکہ انکار کی صورت میں اُن کا اظہار کرتے ہیں اور وہ جو یہ فقیر ان کے اطلاقات ہمہ اوست سے سمجھا ہے یہ ہے کہ "یہ تمام جزئیات متفرق حادث ایک ذات پاک کا ظہور ہیں اس کی مثال ایسی ہے کہ اگر زید کی صورت جو کہ مختلف آئینوں میں منعکس ہو اور اس جگہ ظہور پیدا کرے تو کہیں گے کہ "سب وہی ہے"۔ یعنی یہ سب صورتیں جو مختلف آئینوں میں ظاہر ہوئی ہیں یہ ایک ذات زید کا ظہور ہیں اس جگہ کونسی جزئیت اور اتحاد ہے اور کونسا حلول اور تلون۔ ان تمام صُور کے باوجود زید کی ذات اپنی خاص اصلی حالت پر ہے اور ان تمام صورتوں نے نہ اس میں کوئی چیز زیادہ کی ہے اور نہ کم کی ہے جس جگہ زید کی ذات ہے اس جگہ ان کا نام و نشان نہیں ہے تاکہ اس کے ساتھ کوئی نسبت جزئیت واتحاد اور حلول و سریان کی نسبتوں میں سے پیدا کریں اَلْآنَ کَمَا کَانَ (جیسا تھا ویسا ہی اب بھی ہے) کا راز اس جگہ تلاش کرنا چاہیئے کیونکہ جس جگہ میں اللہ تعالیٰ ہے عالم کی ظہور سے پہلے اس جگہ کوئی گنجائش نہ تھی اور ظہور کے بعد بھی اس جگہ کوئی گنجائش نہیں ہے تو لازمی طور پر وہ اَلْآنَ کَمَا کَانَ (جیسا تھا ویسا ہی اب بھی ہے) ہوگا۔

عجیب معاملہ ہے کہ متقدمین صوفیاء میں سے بہت سے اکابرین اس توحید آمیز عبارت کا معنی حلول اور اتحاد سمجھتے ہیں اور ان عبارات کے قائلین کو کافر اور گمراہ کہتے ہیں اور ان میں سے بعض ان عبارتوں کی ایسی توجیہات کرتے ہیں جو کہ قائلین کے مذاق سے کوئی نسبت اور مناسبت نہیں رکھتیں۔

صاحبِ عوارف فرماتے ہیں کہ منصور کا قول اَنَا الْحَقُّ (میں حق ہوں) اور بایزید بسطامی کا قول "سُبْحَانِیْ" (میں پاک ہوں) حکایت کے طور پر تھے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اگر بطریقِ حکایت نہ ہوں بلکہ حلول و اتحاد کا شائبہ درمیان میں ہو تو ہم ان اقوال کے قائلین کا رد کریں گے جیسا کہ ہم نصاریٰ کا رد کرتے ہیں جو کہ حلول و اتحاد کے قائل ہیں یہ اور سابقہ تحقیق سے واضح ہوا کہ ان شطح نما عبارات میں حلول و اتحاد کچھ بھی نہیں ہے اور اگر یہ ان معانی پر محمول بھی ہیں تو باعتبار ظہور ہیں نہ کہ باعتبار وجود جیسا کہ ان لوگوں نے سمجھا ہے اور ان کو حلول و اتحاد کی طرف لے گئے ہیں۔

شاید کہ یہ مسئلہ توحید متقدمین صوفیاء میں اچھی طرح ملخص ہو کر تحریر نہ ہوا تھا کہ جو بھی ان میں سے مغلوب الحال ہو جاتا تو توحید میں کوئی اتحاد نما کلمہ اس سے ظاہر ہو جاتا اور غلبہ سکر کی وجہ سے اس کے راز کو نہ پاتا اور ان عبارات کے ظاہر کو حلول و اتحاد کے شائبہ سے نہ پھیرتا۔ پھر جب شیخ بزرگوار محی الدین ابن العربی قدس سرہ تک نوبت پہنچی تو انہوں نے کمال معرفت سے اس دقیق مسئلہ کو شرح و بسط سے بیان کیا اس میں باب اور فصلیں

قائم کیں اور صرف و نحو کی طرح اس کی تدوین کی اور اس کے باوجود اس جماعت میں سے کچھ لوگوں نے اس کی مُراد کو نہ سمجھا اور اس کی غلطیاں پکڑنے لگے اور اس پر طعن اور ملامت کی بوچھاڑ کرنے لگے۔

اور اس مسئلہ میں اکثر تحقیقات میں شیخ حق پر ہے اور اس پر طعن کرنے والے صواب سے دُور ہیں شیخ کے علم کی بزرگی اور زیادتی کو اس مسئلہ کی تحقیق سے معلوم کرنا چاہیئے نہ کہ اس پر رد اور طعنہ زنی کرنا چاہیئے یہ مسئلہ جتنا بھی چلتا جاتا ہے پچھلے لوگوں کے افکار کے ملنے سے واضح اور صاف تر ہوتا جاتا ہے اور حلول و اتحاد کے شبہات سے دُور تر ہوتا جاتا ہے بلکہ نحو جو کہ اب پچھلے لوگوں کے افکار کے ملنے سے واضح اور منقح ہو چکا ہے ہرگز وہ سیبویہ اور اخفش کے زمانہ میں اس طرح واضح اور منقح نہیں تھا کیونکہ کسی پیشہ کی تکمیل افکار کے ملنے سے ہے۔ امام اعظم (ابو حنیفہ) اور امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہما چھ ماہ تک آپس میں خلق قرآن کے مسئلہ کے متعلق جھگڑتے رہے اور رد و جدل کرتے رہے اور چھ ماہ کے بعد یہ طے ہوا کہ جو آدمی قرآن کو مخلوق کہے وہ کافر ہے۔ یہ اتنا لمبا جھگڑا اس وجہ سے ہوا کہ یہ مسئلہ اس وقت ابھی صاف نہیں ہوا تھا اور اب جبکہ افکار کے ملنے سے صاف ہو چکا ہے تو میں کہتا ہوں کہ محل نزاع اگر حروف و کلمات ہیں جو کہ کلام نفسی پر دلالت کرنے والے ہیں تو کوئی شک نہیں کہ وہ حادث اور مخلوق ہیں اور اگر معانی مراد ہوں تو وہ قدیم اور غیر مخلوق ہیں اور یہ تنقیح تلاحق افکار کی برکت سے ہے۔

اب ہم اصل بات پر آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان عبارات کا ایک دوسرا مطلب بھی ہے جو کہ حلول و اتحاد سے دور ہے یعنی "یہ سب نہیں ہیں صرف وہی موجود ہے"۔ یہ مطلب نہیں کہ یہ بھی ہیں اور اس کے ساتھ متحد ہیں یہ بات تو کوئی بے وقوف بھی نہیں کہے گا ان بزرگوں سے اس کا تصور کیسے ہو سکتا ہے اور جب غلبہ محبت میں محبوب کے ماسوا ان بزرگواروں کی نظر سے پوشیدہ ہو جاتا ہے اور اس کے سوا ان کے شہود میں کوئی چیز نہیں رہتی تو وہ کہتے ہیں کہ "سب کچھ وہی ہے" یعنی یہ سب جو ثابت اور موجود نظر آتے ہیں یہ سب وہم اور خیال میں ہیں اور موجود صرف اللہ تعالیٰ ہے اس صورت میں بھی نہ جزئیت کا شائبہ ہے نہ اتحاد کا اور نہ حلول کا محل ہے نہ قرون کا۔

اس کے باوجود یہ فقیر ایسی عبارتوں کو پسند نہیں کرتا اگرچہ یہ عبارتیں ان معانی سے مبرا ہیں کیونکہ وہ خداوندی تقدیس و تنزیہ کے مرتبہ کے لائق نہیں ہیں۔ ان کی کیا حیثیت ہے کہ اس کے مظاہر ہوں ؎

درکدام آئینہ در آید او (وہ کونسے آئینہ میں سما سکتا ہے)

ان کو ایسی ہمت کہاں ہے کہ وہ باعتبار ظہور بھی اللہ تعالیٰ پر محمول ہو سکیں اگر وہ مظہر ہیں تو بھی اللہ تعالیٰ کے کمالات کے ظلال میں سے کسی ظل کا مظہر ہیں اور وہ ظل کہ وہ اس کے مظہر ہیں خدا تعالیٰ ہی جانتا

ہے کہ اس کو کتنے ہزار ظلال اللہ تعالیٰ کی ذات کے درمیان میں ہیں اِنَّ لِلّٰہِ سَبْعِیْنَ اَلْفَ حِجَابٍ مِنْ نُوْرٍ وَظُلْمَۃٍ (اللہ تعالیٰ کے لئے نور اور ظلمت کے ستر ہزار پردے ہیں) آپ نے سنا ہی ہوگا پس بے تحاشا اس کے کمال کے ظلال میں سے کسی ظل کے مظہر کو اللہ تعالیٰ پر محمول کرنا اور "اوست" (وہی ہے) کہنا بے ادبی اور کمال جرأت ہے لیکن وہ غلبہ سکر حال میں لئے مذموم نہیں ہیں اور اس طرح توجیہ ثانی پر اپنے مشہود کو عین خدا تعالیٰ سمجھنا اور اس کے اعتبار سے محمول کرنا سوء ادبی ہے بلکہ خلاف واقع ہے کہ وہ مشہود بھی اللہ تعالیٰ کے کمالات کے ظلال میں سے ایک ظل ہے اور اللہ تعالیٰ وراء الوراء ہے پھر وراء الوراء ہے۔

اور یہ بھی ہے کہ جو کچھ مشہود ہے وہ نفی کے قابل ہے پس وہ اللہ تعالیٰ نہ ہوگا۔ خواجہ نقشبند قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ جو کچھ دیکھا جائے اور سنا جائے اور جانا جائے وہ سب اللہ تعالیٰ کے سوا ہے۔ کلمہ "لا" (نہیں) کی حقیقت سے اس کی نفی کرنا چاہیئے اور جو کچھ اس مسئلہ میں اس حقیر کے نزدیک محقق اور اللہ تعالیٰ کی شان تقدیس و تنزیہ کے مناسب ہے یہ عبارت اس طرح ہے "ہمہ از اوست" (سب کچھ اسی سے ہے) نہ اس معنی کے لحاظ سے کہ علماء ظاہر اس پر اقتصار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ صدور و خلق سب اسی سے ہے یہ معنی بھی صحیح ہے۔

لیکن اس کے باوجود اس جگہ ایک دوسرا تعلق بھی ہے جس کی طرف علماء کی راہنمائی نہیں ہوئی ہے اور صوفیاء اس کی دریافت سے ممتاز ہوئے ہیں اور وہ اصالت و ظلیت کا تعلق ہے یعنی اگر وجود ممکن ہے تو اسی وجود واجب سے پیدا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ کے وجود کا پرتو ہے اور اسی طرح اگر حیوٰۃ ہے تو اسی کی صفت حیوٰۃ سے پیدا ہوئی ہے اور اسی حیوٰۃ مقدسہ کا پرتو ہے اور اسی پر علم اور قدرت اور ارادہ وغیرہ کو قیاس کرلیں۔

پس صوفیاء کے طور پر عالم صادر بھی اسی سے ہوا ہے اور اسی کے کمالات کا ظل بھی ہے اور اسی کے پاک کمالات سے پیدا ہوا ہے مثلاً وہ وجود جو ممکن کو دیا ہے وہ ایسا امر نہیں ہے جو خود مختار ہو اور اس کو استقلال حاصل ہو بلکہ وہ وجود اللہ تعالیٰ کے وجود کے ظل کا پرتو ہے اور اسی طرح حیوٰۃ اور علم وغیرہ تمام جو کہ ممکن کو بخشی ہیں وہ ایسے امور نہیں ہیں کہ جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے مستقل ثبوت پیدا کیا ہو بلکہ اللہ تعالیٰ سے صدور کے باوجود یہ اللہ تعالیٰ کے کمالات کے ظلال ہیں اور ان کمالات کے صور و امثال ہیں۔

یہی ظلیت اور اصلیت کا تعلق ہے جس کی رہنمائی صوفیہ کو ہوئی ہے اور اس نے صوفیاء کے معاملہ کو اعلیٰ علیین تک پہنچا دیا ہے اور فناء و بقا تک پہنچا کر ولایت خاصہ سے متصف کیا ہے اور چونکہ علماء ظواہر کو یہ دید میسر نہیں ہوئی ہے اور فناء و بقا سے حصہ نہیں ملا ہے لہٰذا وہ ولایت خاصہ سے متصف نہیں ہوئے اور صوفیاً

نے چونکہ اپنے کمالات کو اللہ تعالیٰ کے کمالات کا ظلال پایا ہے اور وجود اور وجود کے تمام توابع کو اس کے کمالات کا عکس جانا ہے تو لازماً اپنے آپ کو انہوں نے اس کے کمالات کے انتظار کی حیثیت سے زیادہ نہیں دیکھا ہے اور سوائے ان کمالات کے آئینہ ہونے کے اپنے آپ کو کچھ نہیں پایا اور جب بحکم اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا (اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو اس کے اہل کے سپرد کرو) اس امانت کو اس کے اہل کے سپرد کرتے ہیں اور ان کمالات کو پورے ذوق سے اصل کو دے دیتے ہیں اور اپنے آپ کو معدوم پاتے ہیں اور میت جانتے ہیں کیونکہ وجود وحیات جب اصل کے پاس چلی گئی تو معدوم ومیت رہ گئے۔ اور فنا متحقق ہوگئی۔ مولوی رومی فرماتے ہیں ؎

(۱) چونکہ دانستی تو اورا از نخست سوئے آنحضرت نسب کردی درست

(۲) وانکہ دانستی کہ ظلِ کیستی فارغی گر مردہ ای وگر زیستی[ل]

فنا کے بعد اس کو بقا سے مشرف کریں گے اور دوسری مرتبہ وجود اور توابع وجود یعنی صفات کاملہ اس کو عطا کریں گے اور ولادت ثانیہ سے اس کو متصف کریں گے۔

لَنْ یَّلِجَ مَلَکُوْتَ السَّمٰوٰتِ مَنْ لَّمْ یُوْلَدْ مَرَّتَیْنِ جو آدمی دو مرتبہ پیدا نہیں ہوا وہ آسمانوں کے ملکوت میں ہرگز داخل نہ ہوگا۔

ھَنِیْئًا لِّاَرْبَابِ النَّعِیْمِ نَعِیْمُھَا

اے میرے خداوند! تنگی عبارت کی وجہ سے کچھ ایسے الفاظ ہیں کہ شریعت نے استعمال نہیں کیا ہے مثلاً ظلیت وغیرہ میں ان کو استعمال کرتا ہوں اور یہ بھی کہتا ہوں کہ ممکن کا وجود وجود واجب کا ظل ہے اور اس کی صفات اللہ تعالیٰ کی صفات کاملہ کے ظلال ہیں۔ میں ایسے الفاظ استعمال کرنے سے ترساں و لرزاں ہوں اور چونکہ تیرے اولیاء نے ان الفاظ کو پہلے استعمال کیا ہے لہٰذا میں معافی کا امیدوار ہوں۔ اے ہمارے رب اگر ہم بھول جائیں یا خطا کریں تو ہم پر مواخذہ نہ فرما۔

جاننا چاہیئے کہ اس تحقیق سے جو پہلے گذر چکی ہے واضح ہوا کہ صوفیہ جو کلام "ہمہ اوست" کے قائل ہیں عالم کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ متحد نہیں جانتے اور حلول وسریان ثابت نہیں کرتے اور اگر حمل کرتے ہیں تو باعتبار ظہور وظلیت کے ہے نہ باعتبار وجود وتحقق کے اور اگرچہ ان کے ظاہری الفاظ سے اتحاد وجودی کا وہم ہوتا ہے لیکن خدا کی پناہ کہ یہ ان کی مراد ہو کہ کفر اور الحاد ہے۔ اور جب ایک کا دوسرے پر محمول کرنا باعتبار ظہور جدا

ل (۱) جب تو نے اس کو پہلے سے جان لیا تو اس بارگاہ کی طرف درست نسبت کر دی (۲) اور جب تم نے جان لیا کہ تو کس کا ظل ہے تو تو زندگی اور موت دونوں حالتوں میں فارغ ہے۔ ے نعمت والوں کو ان کی نعمتیں مبارک ہوں۔

نہ باعتبار وجود تو "ہمہ اوست" کا معنی "ہمہ از وست" (سب کچھ اسی سے ہے) ہوا کہ کسی چیز کا سایہ اس شے سے پیدا ہوتا ہے اور اگرچہ وہ غلبۂ حال میں "ہمہ اوست" کہتے ہیں لیکن اصل میں ان کی مراد اس عبارت سے "ہمہ از وست" ہوتی ہے تو اس صورت میں ان کے کلام پر طعن کرنے اور ان کو گمراہ و کافر کہنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

جان لینا چاہیے کہ ظل شے سے مراد مرتبۂ ثانی یا ثالث یا رابع میں ظہور شے ہے مثلاً زید کی صورت جو آئینہ میں منعکس ہوتی ہے اور مرتبۂ ثانی میں زید کا ظہور ہے اور زید اپنی اصل حیثیت سے اپنے اصلی وجود کے مرتبہ میں ہے کہ جس نے اپنے سایہ سے اپنے آپ کو آئینہ میں ظاہر کیا ہے بغیر اس کے کہ اس کی ذات وصفات میں کوئی تغیر وتبدیلی پیدا ہو جیسا کہ گزر چکا۔ اے ہمارے رب ہمارے نور کو پورا کر اور ہمیں معاف کر دے یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔ والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ۔

مکتوب نمبر ۹۰

فقیر ہاشم کشمی کی طرف صادر فرمایا

(ان کے اس سوال کے جواب میں کہ مرشد جو دل سے خدا تعالیٰ کا مشاہدہ کرتے ہیں اس کی حقیقت کیا ہے؟)

آپ نے پوچھا ہے کہ بعض محققین صوفیہ دل کی آنکھوں سے دنیا میں اللہ تعالیٰ کی رویت ومشاہدہ کو ثابت کرتے ہیں جیسا کہ شیخ عارف قدس سرہٗ نے اپنی کتاب العوارف میں کہا ہے کہ "مشاہدہ کی جگہ دل کی آنکھ ہے" اور شیخ ابو اسحاق کلاباذی قدس سرہٗ نے جو کہ اس طائفہ علیہ کے قدما میں سے ہے اور ان کا سردار ہے اپنی کتاب "تعرف" میں بیان کیا ہے کہ سب نے اتفاق کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں نہ آنکھوں سے دیکھے جا سکتے ہیں نہ دل سے مگر یقین کی جہت سے" ان دونوں تحقیقوں میں تطبیق کی کیا صورت ہے؟ اور اس میں آپ کی کیا رائے ہے؟ اور اختلاف کے باوجود اجماع کا کیا معنی ہے؟

جان لے اللہ تمہیں بھلائی کی راہنمائی کرے کہ اس مسئلہ میں فقیر کے نزدیک پسندیدہ صاحب تعرف قدس سرہٗ کا قول ہے اور یہ فقیر جانتا ہے کہ دل کو اس دنیا میں سوائے یقین کے اللہ تعالیٰ کی ذات سے اور کچھ حصہ نہیں ہے اس کو رویت کہہ لیں یا مشاہدہ، اور جب دل کو بھی رویت نہ ہوگی تو آنکھوں کی کیا حقیقت ہے کہ وہ اس دنیا میں اس معاملہ میں بےکار اور معطل ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ یقین کا معنی جو دل کو حاصل ہوا ہے عالم مثال میں رویت کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے

اور جس پر یقین کیا گیا ہے (مُوقَن بہٖ) وہ مرئی (دیکھا گیا) کی صورت میں کیونکہ عالم مثال میں ہر معنی کی ایک صورت ہے جو عالم شہادت کے مناسب ہے اور چونکہ عالم شہادت میں کمال یقین رویت میں ہے تو وہ یقین بھی عالم مثال میں رویت کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور جب یقین رویت کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے تو اس کا متعلق جو کہ مُوقَن بہٖ ہے لازماً اس جگہ میں مرئی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور جب سالک اس کو مثال کے آئینہ میں مشاہدہ کرتا ہے تو آئینہ کے واسطے سے غافل ہو جاتا ہے اور صورت کو حقیقت جانتے ہوئے سمجھتا ہے کہ اس کو حقیقی رویت حاصل ہوئی ہے اور مرئی ظاہر ہوا ہے وہ نہیں جانتا کہ وہ رویت اس کے یقین کی صورت ہے اور وہ مرئی اس کے مُوقَن بہٖ کی صورت ہے۔

یہ صوفیہ کی غلطیوں میں سے ہے اور حقائق اشیاء سے صور اشیاء کا اشتباہ ہے اور یہی دیکھنا جب غالب آ جاتا ہے اور باطن سے ظاہر کی طرف ٹپکتا ہے تو سالک کو وہم میں ڈال دیتا ہے کہ رویت بصری بھی حاصل ہوئی ہے اور مطلوب گردش سے آغوش میں آیا ہے وہ نہیں جانتا کہ اس معنی کا حصول جب اصل میں بھی جو کہ بصیرت ہے وہم اور تلبیس (اشتباہ) پر مبنی ہے تو آنکھ کو جو اس کا فرع ہے کیا حاصل ہوگا، اور اس کو رویت کہاں سے حاصل ہو جائے گی۔

اور رویت قلبی میں صوفیاء کی ایک بہت بڑی جماعت وہم میں مبتلا ہوئی ہے اور اس کے وقوع کا حکم کیا ہے اور رویت بصری میں شاذ کوئی ناقص ہی اس طائفہ میں سے ہوگا جو اس کے وقوع کے وہم میں پڑا ہو اور اہل سنت و جماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کے اجماع کے مخالف ہوا ہو۔

سوال:- جب عالم مثال میں موقن بہٖ کی صورت پیدا ہوئی تو لازم آیا کہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی اس جگہ صورت ہے۔

جواب:- تجویز کیا ہے کہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی اگرچہ مثل نہیں ہے لیکن مثال ہے اور جائز رکھا ہے کہ مثال میں کسی صورت میں ظہور فرمائے جیسا کہ صاحب فصوص قدس سرہٗ نے رویت اخروی کو بھی بصورت جامعہ لطیفہ مثالیہ مقرر کیا ہے اور اس جواب کی تحقیق یہ ہے کہ وہ مُوقَن بہٖ صورت مثال میں اللہ تعالیٰ کی صورت نہیں ہے بلکہ صاحب یقین کے مکشوف کی صورت ہے کہ اس کے ایقان نے اس کے ساتھ تعلق پیدا کیا ہے اور وہ مکشوف اللہ تعالیٰ کی ذات کے بعض وجوہ و اعتبارات سے ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کی ذات۔ لہٰذا جب عارف کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی ذات تک پہنچتا تو اس قسم کے تخیلات پیدا نہیں ہوتے اور کوئی رویت اور مرئی متخیل نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی مثال میں کوئی صورت ثابت نہیں ہے کہ اس کو صورت مرئی میں ظاہر کرے اور اس کے ایقان کو رویت کی صورت میں معلوم کرائے۔

یا ہم اس طرح کہتے ہیں کہ عالم مثال میں معانی کی صورتیں ہیں ذکر ذات کی اور جب عالم سارے کا سارا

اسماء و صفات کا مظہر ہے اور ذات سے کوئی حصہ نہیں رکھتا جیسا کہ کئی مواضع میں ہم اس کی تحقیق کر چکے ہیں تو لازماً سارے کا سارا معانی کی قسم سے ہوگا اور عالم مثال میں اس کی صورت ثابت ہوتی ہے اور کمالات وجوبی میں جس جگہ بھی صفت و شان ہے جو کہ ذات سے قیام رکھتی ہے وہ معانی کے قبیل سے ہے اگر اس کی مثال میں کوئی صورت ہو اگرچہ ناقص ہی ہو تو اس کی گنجائش ہے۔ لیکن اس کی ذات پناہ بخدا کہ مراتب میں سے کسی مرتبہ میں بھی صورت ہو کیونکہ صورت تحدید و تقیید کو مستلزم ہے وہ جس مرتبہ میں بھی ہو جائز نہیں ہے تمام مراتب جو کہ اس کے مخلوق ہیں کہاں گنجائش رکھتے ہیں کہ اپنے خالق کو محدود و مقید کریں جس نے بھی اللہ تعالیٰ کے لئے مثال کو تجویز کیا ہے وہ باعتبار وجوہ و اعتبارات ہے نہ باعتبار عین ذات۔

اور اگرچہ مثال کی تجویز اللہ تعالیٰ کے اعتبارات اور وجوہ میں ہے یہ بھی فقیر پر گراں ہے مگر اس صورت میں کہ ظلال میں سے کسی دور کے ظل میں اس کو تجویز کیا جائے۔ اس بیان میں سے واضح ہوا کہ عالم مثال میں معانی و صفات کی صورتوں کے نقش ثابت ہیں نہ کہ اللہ تعالیٰ کے۔ پس وہ جو صاحب فصوص نے رویت اخروی بصورت مثالی تجویز کی ہے جیسا کہ گزر چکا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رویت نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی صورت کی رویت بھی نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی کوئی صورت نہیں ہے کہ اس سے رویت تعلق پیدا کرے اور اگر مثال میں کوئی صورت ہے تو ظلال بعیدہ میں سے کسی ظل کی صورت ہوگی پس اس کی رویت اللہ تعالیٰ کی رویت کیوں ہوگی۔

شیخ قدس سرہ اللہ تعالیٰ کی رویت کی نفی میں معتزلہ اور فلاسفہ سے پیچھے نہیں رہتا بلکہ رویت کا اثبات بھی ایسے طریقہ پر کرتا ہے جو نفی رویت کو مستلزم ہے اور یہ نفی صریح نفی سے زیادہ بلیغ ہے لِاَنَّ الْكِنَايَةَ اَبْلَغُ مِنَ الصَّرِيْحِ (کیونکہ کنایہ صریح سے زیادہ بلیغ ہوتا ہے) تفصیل مقررہ ہے ہاں اس قدر فرق ضرور ہے کہ فلاسفہ کی رہبر ان کی عقل علیل ہے اور شیخ کا راہنما اس کا صحت سے بعید کشف ہے شاید کہ مخالفین کی نامکمل دلیلیں جو کہ شیخ کے خیال میں بیٹھ چکی تھیں انہوں نے اس کے کشف کو بھی اس مسئلہ میں صواب سے منحرف کر دیا ہے اور ان کے مذاہب کی طرف مائل ہو گیا ہے اور چونکہ وہ اہل سنت سے تھا تو اس کے لئے صورت کا اثبات کیا ہے اور اسی پر اکتفا کیا ہے اور اسی کو رویت سمجھا ہے۔ اے ہمارے رب اگر ہم بھول جائیں یا خطا کریں تو ہم پر مواخذہ نہ فرما۔

اور اس دقیق مسئلہ کی تحقیق کتاب عوارف کے بعض مقامات کے حل میں بھی تحریر ہوئی ہے اور وہ جو آپ نے اجماع کے متعلق فرمایا تھا تو ہو سکتا ہے کہ اس وقت تک ایسا اختلاف جو اعتبار کے قابل ہو

ظہور میں نہ آیا ہو یا اپنے زمانہ کے مشائخ کا اجماع مراد رکھا ہو اور اللہ تعالیٰ ہی حقیقتِ حال کو بہتر جانے۔

مکتوب نمبر ۹۱

مولانا طاہر بدخشی کی طرف صادر فرمایا

ایمانِ حقیقی اور معرفت کے درمیان فرق کے متعلق ان کے سوال کے جواب اور اس کے مناسبات کے بیان میں

حمد و صلوٰۃ اور دعا گوئی کے بعد عرض ہے کہ میرے بھائی عزیز کا گرامی نامہ جو شیخ سجاول کے ہاتھ بھیجا تھا پہنچا اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی تعریف ہے کہ تم سلامتی اور عافیت سے ہو۔ چند ایک سوال درج تھے ان کے جواب میں جو کچھ آیا لکھا گیا ہے اچھی طرح توجہ کریں۔

پہلا سوال ۱۔ یہ ہے کہ معرفت اور ایمانِ حقیقی میں کیا فرق ہے ؟

اس کا جواب ۱۔ یہ ہے کہ معرفت اور چیز ہے اور ایمان اور چیز کیونکہ معرفت "پہچاننا" ہے اور ایمان گرویدہ ہونا۔ کبھی شناخت تو ہوتی ہے لیکن ایمان نہیں ہوتا۔ اہل کتاب کو ہمارے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق معرفت تھی وہ پہچانتے تھے کہ پیغمبر ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَاءَهُمْ (وہ آپ کو ایسا پہچانتے ہیں جیسا کہ اپنے بیٹوں کو) لیکن اپنے عناد کی وجہ سے چونکہ وہ گرویدہ نہیں ہیں ایمان متحقق نہ ہوا، اور ایمان کی طرح معرفت بھی دو طرح پر ہے ایک معرفت کی صورت ہے ایمان کی صورت کی طرح، اور ایک معرفت کی حقیقت ہے ایمان کی حقیقت کی طرح۔ ایمان کی صورت تو وہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے اپنی کمال مہربانی اور شفقت سے شریعت میں نجاتِ اخروی کے لئے اس پر اکتفا کیا ہے اور وہ دل کا قبول کرنا ہے باوجود نفس امارہ کے انکار و سرکشی کے۔ اور معرفت کی صورت بھی اسی لطیفہ پر بند ہے باوجود جہالتِ نفس امارہ کے۔

اور معرفت کی حقیقت یہ ہے کہ نفس امارہ اپنی پیدائشی جہالت سے نکل آئے اور شناسائی پیدا کرے اور ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ شناسائی کے بعد نفس گرویدہ اور مطمئن ہو جائے اور طبعی امارگی چھوڑ دے۔ اگر کہیں کہ شریعت میں تصدیق قلبی کو اعتبار کیا ہے اور یہ گرویدہ ہونا اس تصدیق کا عین ہے یا اس تصدیق سے الگ کوئی امر ہے۔ اگر تصدیق سے الگ ہے تو لازم آئے گا کہ ایمان میں تین چیزوں کا اعتبار ہو۔ اقرار اور تصدیق اور گرویدہ ہونا۔ اور یہ علماء کے مقررہ اصول کے برخلاف ہے اور بعض نے عمل کو بھی ایمان میں داخل کیا ہے تو عمل ایمان کا چوتھا جزو ہو جائے گا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ گرویدہ ہونا عین تصدیق ہے کیونکہ تصدیق جو حکم ہے وہ یقین سے عبارت ہے جس کو گرویدہ ہونے سے تعبیر کیا ہے۔

اگر یہ سوال کریں کہ اہل کتاب ہمارے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کو جب نبوت کے عنوان سے جانتے ہیں تو لازماً ان کی نبوت کا حکم بھی کریں گے اور ان کو یقین اور گرویدہ ہونا بھی حاصل ہو جائے گا کیونکہ اس صورت میں حکم لگانا عین گرویدہ ہونا ہے پس ان کے حق میں ایمان کیوں متحقق نہ ہوگا اور کس وجہ سے وہ کفر سے باہر نہ نکلیں گے؟

تو اس کا جواب میں یہ کہوں گا کہ وہ عنوان نبوت سے جانتے ہیں لیکن تعصب اور عناد کی وجہ سے ان کے دل کو یقین حاصل نہیں ہوتا تھا تاکہ اس کی نبوت کا حکم لگائیں وہ صرف معرفت اور تصور تھا یقین نہ تھا تاکہ وہ تصدیق ہوتا اور ایمان تک پہنچاتا اور کفر سے باہر لاتا۔ بڑا باریک فرق ہے اس کو سمجھ اور اپنے وجدان سے اس کی تہ تک پہنچ باوجود عناد کے نَبِیُّ اللّٰہِ فَعَلَ کَذَا (اللہ کے نبی نے ایسا کیا) کہا جا سکتا ہے لیکن جب تک یقین پیدا نہ ہو اِنَّہٗ نَبِیُّ اللّٰہِ (یقیناً وہ اللہ کا نبی ہے) نہیں کہا جا سکتا اس لئے کہ پہلی صورت میں تصور ہے اور معرفت شعور کا حال ہے اور دوسری صورت میں تصدیق ہے جو کہ یقین اور گرویدہ ہونے پر مبنی ہے اور جب تک یقین نہ ہو تو تصدیق کس طرح ہو سکتی ہے۔

اور پھر یہ بھی ہے کہ پہلی صورت میں نبوت کا اثبات نہیں ہے بلکہ نبی کے فعل کا اثبات ہے اور دوسری صورت میں مقصود اثبات نبوت ہے کہ عناد اس کی طاقت نہیں رکھتا پھر یقین کی کیا صورت ہو اور اگر بالفرض بغیر یقین کے حصول کے یقین پیدا ہو اور حکم لگایا جائے تو وہ بھی تصورات میں داخل ہے اگرچہ اس کی صورت تصدیق کی ہے۔ جب تک یقین پیدا نہ ہو۔ تصدیق کی حقیقت کی کوئی صورت نہیں ہے اور نہ ایمان حاصل ہوتا ہے یہ مسئلہ علم کلام کے اشکالی مسائل میں سے ہے اور بحث دقیق ہے بڑے بڑے متبحر علماء اس کے حل میں عاجز ہیں اور بعض نے ان میں سے مجبور ہو کر تیسرے رکن کو ایمان میں بڑھایا ہے اور گرویدہ ہونے کو تصدیق پر زائد رکھا ہے اور کچھ اور لوگ ہیں جنھوں نے تصدیق کو عین گرویدہ ہونا کہا ہے۔ وہ اس مسئلہ کو صحیح طور پر حل نہیں کر سکے اور اجمالاً اس کو بیان کر کے گذر گئے ہیں۔ سب تعریف اس اللہ کو ہے جس نے ہمیں اس کی راہنمائی فرمائی اور اگر وہ ہماری راہنمائی نہ کرتا تو ہم کبھی راہ نہ پا سکتے۔

سُنو! سُنو! مرکب اضافی اور مرکب توصیفی مثلاً نَبِیُّ اللّٰہِ (اللہ کا نبی) اور هٰذَا النَّبِیُّ (یہ نبی) اگرچہ اس حکم کے متضمن ہیں کہ اَنَّہٗ نَبِیٌّ (کہ وہ نبی ہے) اور آپ کی عنوان نبوت سے معرفت پر مشتمل ہے لیکن تصدیق کا حصول کہ اَنَّہٗ نَبِیٌّ (وہ نبی ہے) یہ یقین پر موقوف ہے جو کہ ایمان کا مثبت ہے۔ غُلَامُ زَیْدٍ فَعَلَ کَذَا (زید کے غلام نے اس طرح کیا) اور رَجُلٌ صَالِحٌ حَکَمَ بِکَذَا (نیک آدمی

نے ایسا حکم کیا)، دونوں بغیر یقین کے ثابت اور صحیح ہیں اور دونوں میں خلافیت اور صلاحیت کے عنوان کی معرفت ثابت ہے لیکن یقین نہیں ہے تاکہ خلافیت اور صلاحیت میں ہر ایک کی تصدیق حاصل ہو۔

اگر یہ کہا جائے کہ تم نے نفس کے یقین کو دل کے یقین کے بعد کہا ہے اور نفس کے یقین کو ایمان حقیقی سے تعبیر کیا ہے حالانکہ فلاسفہ اور ارباب معقول نے تصدیق میں مطلق اذعان نفس کہا ہے اور اذعان قلب کی بات بھی نہیں کی ہے۔ تو میں اس کے جواب میں کہوں گا کہ ارباب معقول کبھی نفس سے روح مراد لیتے ہیں اور کبھی اس سے دل مراد لیتے ہیں۔ مختصر یہ کہ ان کی فلسفی موشگافیاں دوسری جگہوں میں ہیں کہ ان میں سے اکثر بے فائدہ ہیں اور اس جگہ وہ سب معطل و بیکار ہیں اور عوام کا حکم رکھتے ہیں۔ اس میدان میں تدقیق کی نوبت صوفیاء کو پہنچی ہے جو کہ ہر لطیفہ کے احکام سے موصوف ہوتے ہیں اور ہر ایک لطیفہ سے سیر و سلوک کے ساتھ اوپر گذر جاتے ہیں اور نفس کو دل سے جدا کرتے ہیں اور روح کو سِر سے علیحدہ اور خفی کو اخفیٰ سے الگ کرتے ہیں۔

ارباب معقول کو ان کے ناموں کی معرفت کے سوا کچھ بھی حصہ عطا معلوم نہیں فلاسفہ نے نفس امارہ کو بہت بڑی شے سمجھ رکھا ہے اور اس کو مجردات (از مادہ) سے شمار کیا ہے اور قلب و روح کا نام تک نہیں لیا اور سِر اور خفی اور اخفیٰ کا ان کے ہاں نشان تک نہیں ملتا کہ "اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہے جو اہل کو اہل کے ساتھ ملاتا ہے"۔

اور دوسرا جواب میں یہ کہتا ہوں کہ ارباب معقول نے عادی عرفی احکام کے مطابق نفس کے یقین کو عوام کے فہم کے قریب تھا ذکر کیا ہے اور ہماری بات احکام شرعیہ کی تصدیقات کے متعلق ہے کہ نفس کو بالذات ان سے انکار ہے، یقین کیا ہوتا ہے؟ اور یہ وہ انکار ہے جو منکر کو ان احکام والے کی عداوت کی حد تک پہنچا دیتا ہے۔ ہم اپنے نفسوں کی شرارت اور اعمال کی برائیوں سے اللہ کی پناہ لیتے ہیں۔ حدیث قدسی میں آیا ہے۔

عَادِ نَفْسَكَ فَإِنَّهَا انْتَصَبَتْ بِمُعَادَاتِي[1] اپنے نفس سے عداوت رکھ کہ وہ میری دشمنی پر کھڑا ہے

ارحم الراحمین نے کمال مہربانی سے اوائل حال میں نفس کے یقین کو منظور نہیں رکھا اور دل کے یقین سے نجات کو وابستہ کیا ہے اور اگر اس کے بعد محض اللہ کے فضل و کرم سے نفس کا یقین بھی میسر ہو جائے تو نور علیٰ نور اور خوشی پر خوشی اور ولایت کے درجات تک وصول اور ایمان کی حقیقت کا حصول ہے۔

آپ نے لکھا تھا کہ "اس فقیر کی فہم و دانش کے مطابق جواب لکھا جائے کہ جس کو میں معلوم کر سکوں"

---

[1] یہ خطاب حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلمات قدسیہ میں سے ہیں۔ ۱۲

کیا کیا جائے کہ مسئلہ نہایت دقیق ہے اور اس کا حل بھی بغیر وقت کے مشکل ہے بلکہ نفس حل بھی وقت طلب ہے"
گناہ کس کا نام ہے چاہیئے تو یہ تھا کہ پہلے سوچتے اور اس طریقہ پر اس سربستہ راز کو حل کرنے کے سوال کی جرأت نہ کرتے فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ (سو مجھے ملامت نہ کرو بلکہ اپنے آپ کو ملامت کرو)

دُوسرا سوال یہ تھا کہ زہّاد اور عبّاد ایمان حقیقی سے مشرف ہیں یا نہیں؟

جواب:۔ اگر مقربین کے مرتبہ میں پہنچ جائیں اور ان کے نفس مطمئن ہو جائیں تو ایمان حقیقی تک پہنچ جاتے ہیں۔

تیسرا سوال یہ تھا کہ اجمال معرفت والے کو جو کہ کفر حقیقی کا منشأ (پیدا ہونے کی جگہ) ہے تمام کو عارف کس طرح کہا جا سکتا ہے؟

جواب:۔ اس عبارت کا مطلب صحیح طور پر معلوم نہ ہو سکا کہ آپ کا مقصد کیا ہے: خود مطلق عبارت لکھتے ہو اور دُوسروں کو منع کرتے ہو اگر یہ مقصود ہے کہ کافر طریقت کو عارف کس معنی سے کہا جا سکتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ کافر طریقت بھی خدا تعالٰے کو وحدت کے سوا پہچانتا ہے اور اس کے ماسوا کو اس نے نابود اور ناچیز کر دیا ہے لہٰذا عارف ہے۔ لیکن عارف کامل نہیں ہے کیونکہ وُہ تمیز سے باہر آچکا ہے پھر جب تمیز تک پہنچے گا تو عارف کامل ہو جائے گا اور ایمان حقیقی سے مشرف ہوگا۔ والسلام

مکتوب نمبر ۹۲

فقیر ہاشم کشمی کی طرف صادر فرمایا

(ان کے سوال کے جواب میں جو انہوں نے صوفیا کے خدا تعالٰے کے کلام کو سننے اور اللہ تعالٰے کے ساتھ ہمکلام کرنے کے متعلق کیا تھا)

آپ نے پوچھا تھا کہ بعض عرفا نے فرمایا ہے کہ ہم اللہ تعالٰے کے کلام کو سنتے ہیں یا ہمارا اللہ تعالٰے کے ساتھ مکالمہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ امام بزرگ جعفر صادق رضی اللہ تعالٰے عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا، "میں بار بار آیت کو پڑھتا رہا یہاں تک کہ میں نے اس کو اس کے کلام کرنے والے سے سُنا" اور رسالہ غوثیہ سے بھی جو کہ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ کی طرف منسوب ہے یہی مفہوم ہوتا ہے اس کا کیا معنی ہے اور اس کی تحقیق آپ کے نزدیک کیا ہے؟

جان لے کہ اللہ تیری رہنمائی کرے کہ اللہ تعالٰے کا کلام اللہ تعالٰے کی ذات اور باقی صفات کی طرح بے چون و بے چگون ہے اور اس بیچون کلام کا سماع بھی بے چون ہے اس لئے کہ چون کو بے چون سے کوئی راہ

نہیں ہے پس وہ سماع حاسۂ سمع سے وابستہ نہیں ہوتا کیونکہ وہ سراسر بیچون ہے اس جگہ اگر بندہ سے بھی استماع ہے تو وہ روحانی قبولیت سے ہے کہ وہ بے چونی سے حصہ رکھتا ہے اور حروف اور کلمات کے وسیلہ کے بغیر ہے اور اگر بندہ کی طرف سے کلام ہے تو وہ بھی بغیر حروف و کلمات کے روحانی القاء سے ہے اور یہ کلام بے چونی سے حصہ رکھتی ہے جو بے چون کو سنی جاتی ہے۔

اس کے باوجود ہم یہ کہتے ہیں کہ لفظی کلام جو بندہ سے صادر ہوتا ہے اللہ تعالٰی اس کو بھی بے چونی کے سماع سے سنتا ہے اور حروف و کلمات کے واسطہ کے بغیر اس کو سنتا ہے اور اس کے سننے میں تقدیم و تاخیر نہیں ہوتی کیونکہ "اللہ تعالٰی پر زمانہ جاری نہیں ہوتا جس میں تقدیم و تاخیر کی گنجائش ہو" اور اگر اس مقام میں بندہ سے سماع ہے تو وہ کلی طور پر پورے کا پورا سامع ہے اور اگر کلام ہے تو بھی پورے کا پورا متکلم ہے، وہ سب کا سب کان ہے اور سب کا سب زبان ہے۔ میثاق کے روز جو ذرات آدم کی پیٹھ سے نکالے گئے تھے انہوں نے اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟) کا قول بے واسطہ پورے طور پر سنا اور پورے کے پورے ذرے نے بَلٰی (ہاں کیوں نہیں) کا جواب دیا وہ سب کان تھے اور سب زبان تھے کیونکہ اگر کان زبان سے الگ ہوتا تو بے چون کے کلام کا سماع حاصل نہ ہوتا اور مرتبۂ بے چون کے تعلق کے لائق نہ ہوتا "بادشاہ کے تحائف کو اس کی سواریاں ہی اٹھا سکتی ہیں"۔

خلاصۂ کلام یہ کہ وہ معنی متلقّٰی جو انہوں نے روحانیت کی راہ سے اخذ کیا ہوتا ہے جب دوسری مرتبہ عالم خیال میں کہ وہ انسان میں عالم مثال کی شکل ہے حروف و کلمات مترتبہ کی صورت میں متشکل ہوتا ہے اور وہ تلقی (سیکھنا)، والقاء سماع و کلام لفظی کی صورت میں منقش ہوتا ہے کیونکہ ہر معنی کے لئے اس عالم میں ایک صورت ہے اگرچہ وہ معنی بے چون ہو۔ لیکن بے چون کا منقش ہونا بھی اس جگہ میں بصورت چون ہے کہ فہم و افہام اس کے واسطہ سے وابستہ ہے جو کہ اس نقش کا مقصود ہے۔

اور جب متوسط سالک اپنے اندر حروف اور کلمات مترتبہ کو پاتا ہے اور سماع اور کلام لفظی کا احساس کرتا ہے تو خیال کرتا ہے کہ ان حروف و کلمات کو اصل سے سنتا ہے اور بغیر کسی فرق کے اسی جگہ سے اخذ کیا ہے لیکن وہ یہ نہیں جانتا کہ یہ حروف و کلمات اس معنی متلقّٰی کے صُوَر خیالیہ ہیں اور یہ سماع اور کلام لفظی بے چون کلام اور سماع کی شکل ہے۔ پوری معرفت والا عارف چاہیئے جو کہ ہر مرتبہ کے حکم کو الگ کرے اور ایک کو دوسرے کے ساتھ مختلط نہ ہونے دے پس ان کا بڑا سماع و کلام جو کہ بے چونی کے مرتبہ سے وابستہ ہے یہ القاء روحانی اور تلقی کے قبیل سے ہے اور یہ کلمات و حروف جو کہ اس معنی متلقّٰی کی تعبیر کرتے ہیں۔ وہ عالم صُوَر مثالیہ سے ہے۔

اور وہ گروہ جنہوں نے خیال کیا ہے کہ ہم حروف و کلمات اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے سنتے ہیں ان کے دو فریق ہیں ان میں سے ایک فریق جو دوسرے سے اچھے حال والا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ حروف اور کلمات حادثہ جو سنے جاتے ہیں یہ کلام نفسی قدیم پر دلالت کرتے ہیں اور دوسرا فریق کہتا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کا کلام سنتے ہیں اور انہی حروف اور کلمات مترتبہ کو اللہ تعالیٰ کا کلام جانتے ہیں اور اس چیز میں فرق نہیں کرتے کہ کونسی چیز اللہ تعالیٰ کی جناب کے لائق ہے اور کونسی چیز جناب قدس کے لائق نہیں ہے۔ یہ لوگ جاہل اور باطل پرست ہیں ان لوگوں کو پتہ نہیں کہ کونسی چیز اللہ تعالیٰ کے لئے جائز ہے اور کونسی چیز اللہ تعالیٰ کے لئے جائز نہیں ہے۔ تو پاک ہے ہمیں تیرے بتائے ہوئے کے بغیر کچھ علم نہیں ہے یقیناً تو ہی ہے جاننے والا حکمت والا۔ والصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر البشر وآلہ واصحابہ الاطہر۔

مکتوب نمبر ۹۳

حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید کی طرف صادر فرمایا۔

(تعین اول وجودی کی تحقیق اور تعینات حبیب و خلیل وکلیم علیہم الصلوات والتسلیمات کے مبادی میں فرق کا بیان)

وہ جو آخر کار اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے معلوم ہوا ہے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا تعین اول تعین حضرت وجود ہے جو تمام اشیاء کو محیط ہے اور تمام اضداد کا جامع ہے اور خیر محض اور کثیر البرکت ہے یہاں تک کہ اس طائفہ علیہ کے اکثر مشائخ نے اس کو عین ذات کہا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر اس کی زیادتی کو منع کیا ہے یہ بڑا لطیف اور باریک مقام ہے کہ ہر ایک کی آنکھ اس کو معلوم نہیں کر سکتی اور ذات اصل سے الگ نہیں کر سکتی یہی وجہ ہے کہ اس کا تعین اس حد تک مخفی رہا اور تعین سے الگ نہ ہوا اور ایک بہت بڑی جماعت نے اس کو خدا سمجھ کر پوجا ہے اور اس کے بعد کوئی مطلوب معبود نہیں سمجھا ہے اور اسے آثار خارجی کا مبدا جانا ہے اور حوادث یومیہ کا موجد و خالق مانا ہے اور یہ غیر حق سے حق کی تمیز ایک ایسی دولت تھی جو اس عاجز اور مسکین کے لئے ذخیرہ کر رکھی تھی اور غیر معبود کی معبود سے مشارکت کی نفی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا نپس خوردہ تھا جو ان کے خادم کے لئے نگاہ رکھا تھا۔ تمام تعریفیں اس اللہ کو ہیں جس نے ہمیں اس کی رہنمائی کی اور اگر اللہ تعالیٰ ہماری راہنمائی نہ کرتا تو ہم کبھی راہ نہ پا سکتے یقیناً ہمارے رب کے رسول حق لے کر آئے۔

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ تعین اول وجودی خلیل الرحمٰن علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا رب ہے اور ان کا اور ان کی خلقت کا مبدا تعین بھی یہی ہے اور یہ بھی بتایا گیا کہ اس تعین کا مرکز اس کا بہترین حصہ ہے جو اپنے اصل سے

بہ نسبت دوسرے اجزاء کے اقربیت کی نسبت رکھتا ہے یہ حضرت حبیب اللہ کا رب ہے اور ان کا اور ان کی محبت کا مبدأ تعین ہے علیہ وعلی جمیع الانبیاء الصلوات والتسلیمات۔

سوال :- تعین اول جب حضرت خلیل کا رب ہے تو ہمارے پیغمبر علیہ وعلی خلیل الرحمٰن الصلوٰۃ والسلام نے کس حیثیت سے فرمایا ہے کہ

اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ[1] — کہ سب سے پہلے جو چیز اللہ تعالیٰ نے پیدا کی وہ میرا نور ہے۔

جواب :-

دائرہ کا مرکز اجزائے دائرہ میں سے سب سے پہلے (اسبق) ہے اور ظاہر بھی ہے کہ جزء کو کل پر تقدم حاصل ہے۔ پس لازماً آنحضرت کا مبدأ تعین جس کو آپ نے اپنے نور سے تعبیر فرمایا ہے سب سے اسبق ہوگا علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام۔ دائرہ کا مرکز اگرچہ دائرہ کا جزء ہے اور دائرہ اس کا کل ہے لیکن یہ وہ جزء ہے کہ کل کے سارے اجزاء اس سے پیدا ہوتے ہیں اس لئے کہ دائرہ کے محیط کے تمام اجزاء اس جزء کے ظلال ہیں جو کہ اس دائرہ کا مرکز ہے۔ اگر وہ جزء نہ ہوتا تو دائرہ کا نام و نشان نہ ہوتا۔

پس واضح ہوا کہ حضرت خلیل کا رب اور ان کا مبدأ تعین، تعین اول ہے اور تعین اول کا منشا پیدا ہونے کی جگہ جو کہ اس کا اشرف ترین جزء اور مرکز ہے وہ حضرت خاتم الرسل علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات کا رب اور مبدأ تعین ہے۔ پس سب سے زیادہ سبقت لے جانے والی خاتم نبوت کی حقیقت ہے اور دوسروں کے ظہور کا منشا بھی وہی ہے علیہ وعلی جمیع الانبیاء الصلوات والبرکات۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث قدسی میں حبیب اللہ کی شان میں آیا ہے۔

لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ وَلَمَا اَظْهَرْتُ الرُّبُوْبِيَّةَ[2] — اگر تو نہ ہوتا تو میں افلاک کو پیدا نہ کرتا اور نہ اپنی ربوبیت کا اظہار کرتا۔

اور چونکہ حضرت خاتم الرسل علیہ علیہم الصلوات والتسلیمات کا مبدأ تعین، تعین اول کے دائرہ کا مرکز ہے جو کہ حضرت خلیل علی نبینا وعلیہ الصلوات والتسلیمات کا مبدأ تعین ہے تو لازماً ولایت محمدی جس کا منشا محبت

---

[1] اس حدیث کو علامہ زرقانی نے شرح المواہب میں ذکر کیا ہے اور محافظ الاوائل میں ہے کہ حدیث اول ما خلق اللہ نوری حسن حدیث ہے اور شیخ محی الدین ابن عربی نے فتوحات میں بھی اسے ذکر کیا، اور محدث عبد الرزاق نے بروایت جابر بن عبداللہ اسی مضمون کی ایک حدیث روایت کی ہے۔

[2] دیلمی نے مسند فردوس میں ابن عباس سے اسی مضمون سے ملتی جلتی ایک حدیث روایت کی، اسی طرح مواہب میں ہے نیز حاکم نے بھی اپنے مستدرک میں اس مضمون کی حدیث روایت کی۔ علامہ سبکی نے شفاء السقام میں اسے برقرار رکھا اور علامہ بلقینی نے اپنے فتاویٰ میں برقرار رکھا۔ لہٰذا اس حدیث کی صحت میں کوئی شبہ نہیں۔

ہے خلیل ولایت کا مرکز ہو گا جس کا منشا خلت ہے علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ولایت خلیل با وجود اولیت مطلقہ کے ولایت محمدی اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے درمیان حاجز اور حائل نہیں ہوتی کیونکہ دائرہ کا مرکز ذاتی طور پر دائرہ سے سبقت رکھتا ہے پس پچھلا پہلے کے آگے حائل نہیں ہو سکتا بلکہ معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے۔

اور اس مرکز کے قرب و سبقت کی دوسری وجہ بھی سُن جب اللہ تعالیٰ کی عنایت سے اس مرکزی نقطہ میں دُور دُور تک جایا جائے گا کہ اس دائرہ کا مرکز محبت ہے مُحِب اور محبوب الگ الگ ہو جائیں گے اور دائرہ کی صُورت پیدا ہوتی ہے کہ اس دائرہ کا مرکز محبوبیت ہے اور اس کا محیط محبیت۔ تو وہ محبیت ولایتِ موسوی علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبداء ہے اور اس مبدائی محبوبیت ولایتِ محمدی ہے علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام۔ پس یہ محبوبیت کا مرکز اس مرکز محبیت سے کہ دائرہ ہو چکا ہے پہلے ہُوا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے زیادہ نزدیک ہُوا کیونکہ مرکز کو ایک ایسا قُرب اور سبقت ہے جو دائرہ کو نہیں ہے اور اسی طرح اس مرکز کو دائرہ کے محیط کی نسبت سبقت اور قُرب ہے جو محیط کو نہیں ہے پس ولایت محمدی ولایت موسوی سے بھی اسبق و اقرب ہُوئی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام۔

اور ولایت محمدی کی سبقت اور قُرب کی ایک اور وجہ بھی سُن کہ جب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس مرکز محبوبیت کے اندر دُور دُور تک جایا جائے گا تو وہ مرکز بھی دائرہ کی صورت پیدا کرتا ہے کہ جس کا مرکز خالص محبوبیت نظر آتی ہے اور اس محبوبیت کا محیط محبیت سے ملا ہُوا ظاہر ہوتا ہے جو کہ آپ کی امت کے افراد میں سے کسی فرد کو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی میں نصیب ہوتا ہے بلکہ جو ولایت موسوی علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی تبعیت میں بھی جو کہ محیط دائرہ کے مناسب ہے اسی وجہ سے آیا ہے کہ ولایت محمدی ہر وقت مرکز ہے اور محبیت کا منشا بھی اسی ولایت کے برکات سے ہے کہ جس کے طفیل سے مرکز ثانی دائرہ ہُوا ہے اور ایک اور مرکز اس سے پیدا ہُوا ہے جاننا چاہیئے کہ یہ خیر امر کز کام کو بہت آگے لے جاتا ہے اور نزدیک سے نزدیک تر بنا دیتا ہے ے

با کریماں کارہا دشوار نیست

ان دقائق و اسرار پر اور زیادہ کیا لکھا جائے اور تعین اول سے اوپر اس سے زیادہ کیا کہا جائے۔ اگرچہ تعین اول کے اُوپر اور کچھ نہیں ہے کہ وہ اس کا جزو ہے یا جزو کا جزو ہے ایک واسطہ سے یا دو واسطہ سے لیکن کشفی نظر میں تعین اول سے کئی مراتب سبقت رکھتا ہے اور اس سے کئی منزل مطلوب کے زیادہ قریب ہے۔

ے کریم لوگوں پر کوئی کام مشکل نہیں

سوال :- ہر وہ کمال جو جزو کو میسر ہوتا ہے کُل کو بھی میسر ہے کیونکہ کل اس جزو اور دوسرے اجزاء سے عبارت ہے پس وُہ سبقت و قُرب جو جزو میں پیدا ہوتا ہے کل میں نہیں ہوتا اس کی کیا وجہ ہے۔

جواب :- وُہ کمال جو جزو میں بطریقِ اصالت پیدا ہوتا ہے وہ کل میں جزو کی وساطت و تبعیت سے ہوتا ہے نہ کہ بطریقِ اصالت اور اس میں شک نہیں ہے کہ اصل کو ایک سبقت ہے جو تبعیت کو نہیں ہے اور اصل کو ایک قُرب ہے جو فرع کو نہیں۔ پس اگر مرکزِ دائرہ اپنے خصوص کمالات میں دائرہ سے پیش قدمی کرے تو گنجائش رکھتا ہے۔ اور تحقیقی جواب یہ ہے کہ جزو کا کمال کُل میں اس وقت سرایت کرتا ہے کہ وہ کمال اس جزو کی اصلی ماہیت سے پیدا ہُوا ہو اور اگر جزو میں کوئی ایسا کمال ہو جو جزو کی ماہیت کے انقلاب کے بعد پیدا ہُوا ہو تو لازم نہیں ہے کہ کُل میں سرایت کرے کہ وُہ جزو اپنی ماہیت کے انقلاب کے بعد اس کُل کا جزو نہیں رہا ہے کہ وہ اس میں سرایت کرے۔ مثلاً چاندی کہ اس کا ایک جزو اکسیر کے عمل سے سونا ہو جائے اور چاندی کی ماہیت سے سونے کی ماہیت میں تبدیل ہو جائے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس جزو کے سونے کے کمالات چاندی میں جو کہ اس کا کل ہے سرایت کر جائیں گے کہ وُہ جزو انقلاب کے بعد اس کا جزو نہیں رہا ہے کہ وُہ اس میں سرایت کرے اس کو سمجھ اور اس پر ہمارے مسئلہ کی معرفت کو قیاس کر۔

سوال :- تعین اوّل وجودی کا وجود خارج میں ہے یا وہ صرف ثبوتِ علمی ہی رکھتا ہے اور بس اور ان دو شقوں میں سے کوئی بھی درست نہیں آتی کیونکہ خارج میں ان بزرگواروں کے نزدیک سوائے ایک ذاتِ تعالےٰ کے کوئی موجود نہیں ہے اور اس خارج میں بھی تعینات اور تنزلات کا کوئی نام و نشان نہیں ہے اور اگر ثبوت علمی کہیں تو لازم آتا ہے کہ تعینِ علمی اس سے سابق ہو اور یہ مفروضہ کے خلاف ہے۔

جواب :- میں کہتا ہوں کہ نفس الامر میں ثابت ہے اور اگر خارج میں بھی اس معنی سے کہیں کہ علم کے علاوہ بھی اس کا ثبوت ہے تو اس کی بھی گنجائش ہے اور اللہ تعالیٰ ہی درست بات کا الہام کرنے والے ہیں۔

مکتوب نمبر ۹۴

حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا

(کمال و جمال ذاتی اور اس مرتبۂ مقدسہ کا بیان جو اوپر ہے اور حبیب و خلیل و کلیم علیہم السلام کے ان دو مراتب یعنی تعینات کا حصہ اور ان دو مراتب میں حضرت مجدد رضی اللہ عنہ کے حصہ کا بیان)

اللہ تعالےٰ کی ذات پاک بذاتِ خود جمیل ہے اور اس کے لئے حُسن و جمال ذاتی ثابت ہے لیکن وہ

حسن وجمال نہیں جو ہمارے لئے مدرک ومکشوف ہو اور ہمارے عقل وخیال میں آسکے اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ایک مقدس مرتبہ ہے کہ یہ حسن وجمال بھی اللہ تعالیٰ کی عظمت وکبریائی کی وجہ سے اس مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا اور اس کے حسن وجمال سے متصف نہیں ہو سکتا۔ تعین اول جو کہ تعین وجودی ہے۔ اس جمال وکمال ذاتی کا تعین ہے اور اس کا پہلا ظل ہے اور اس مرتبۂ قدس سے کہ کمال وجمال کو بھی وہاں گنجائش نہیں ہے اس تعین میں کچھ بھی ثابت نہیں ہے کہ وہ اپنی انتہائی عظمت وکبریائی کی وجہ سے کسی تعین سے متعین نہیں ہو سکتا۔ ؏

دُر کدام آئینہ در آید او

اس کے باوجود اس تعین اول کے دائرہ کے مرکز میں ایک راز اور کیفیت رکھ دی گئی ہے اور اس بے نشان کا نشان اسی جگہ میں پوشیدہ کر رکھا ہے۔ جیسا کہ تعین اول ولایت خلیلی کا منشا ہے تو وہ راز اور کیفیت جو اس تعین کے مرکز میں رکھی ہے وہ ولایت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اور وہ حسن وجمال ذاتی کا تعین اول اس کا ظل ہے صباحت (سپیدی) کے مشابہ ہے جو کہ عالم مجاز میں رخسار کے حسن اور خال کے جمال کے قبیل سے ہے اور وہ راز وکیفیت جو مرکز میں ودیعت کی ہے ملاحت سے مشابہت رکھتا ہے جو کہ قد کی خوبی اور رخسار کی صباحت سے بلند مرتبہ چیز ہے اور آنکھ کے حسن اور خال کے جمال کے علاوہ ایک ذوقی امر ہے جب تک وہ ذوق نصیب نہ ہو معلوم نہیں ہو سکتا۔ ایک شاعر کہتا ہے ؎

آں شیوۂ دار و آں نگار کہ آنست جز چہ ہست ۔۔۔ آں را طلب کنند حریفاں کہ آں کجاست

اس بیان سے ان دونوں ولایتوں کا درمیانی فرق سمجھ آگیا کہ یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ قدس سے پیدا ہوئے ہیں لیکن ایک کا مرجع ذات کے کمالات ہیں اور دوسرے کا مآل صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور چونکہ ملاحت، صباحت سے بلند مرتبہ ہے پس ملاحت تک وصول کی صورت اس وقت ہو سکتی ہے۔ جبکہ صباحت کے مراتب طے کرتے جائیں۔ جب تک ولایت ابراہیمی کے تمام مقامات کا وصول میسر نہ ہو جائے اس ولایت کی حقیقت تک جو کہ ولایت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی بلند چوٹی ہے وصول میسر نہیں آسکتا۔ یہی وجہ ہو سکتی ہے کہ خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کو ملت ابراہیمی کی متابعت کا حکم ہوا علیہما الصلوٰۃ والسلام تاکہ اس متابعت کے وسیلے سے ان کی ولایت کی حقیقت تک پہنچ سکیں اور اس جگہ سے اپنی ولایت کی حقیقت تک پہنچ سکیں کہ جس کو ملاحت سے تعبیر کیا ہے۔

اور چونکہ ہمارے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کو ولایت خلت کے دائرہ کے مرکز سے ذاتی مناسبت ہے کہ

لہ وہ کونسے آئینہ میں سما سکتا ہے ۱۲ لہ وہ معشوق وہ کچھ رکھتا ہے کہ جو کچھ ہے وہ وہی ہے اس کو حریف طلب کرتے ہیں کہ وہ کہاں ہے ۱۲

وہ کمال ذات کے زیادہ قریب ہے اور اس دائرہ کے محیط سے اس کی مناسبت کمتر ہے کیونکہ وہ کمالات ذات کی طرف توجہ رکھتے ہیں پس جب تک اس دائرہ کے محیط کے کمالات سے بھی متصف نہ ہو ولایت خلت پوری نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ صلوٰۃ ماثورہ میں آیا ہے کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ تاکہ ولایت خلت کے کمالات پورے کے پورے آپ کو میسر ہو جائیں جیسا کہ اس ولایت والے کو میسر تھے علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اور چونکہ ولایت محمدی کا طبعی مقام دائرہ خلیل کا مرکزی نقطہ ہے علیہما الصلوٰۃ والسلام اور اس کی سیر بھی اس دائرہ کی مرکزی سیر پر مقصور ہے تو لازماً اس جگہ سے باہر آنا اور محیط دائرہ میں پہنچنا اور اس کے کمالات کا اکتساب کرنا مشکل ہوتا ہے اور طبیعت کے برخلاف ہوتا ہے پس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے کوئی فرد واسطہ چاہیئے جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کی وجہ سے اس مرکز کے عین میں ہو اور دوسرے طریقہ سے اس دائرہ کے محیط سے مناسبت رکھتا ہو، تاکہ وہ اس مرتبہ کے کمالات حاصل کرے اور اس مرتبہ کی حقیقت سے متصف ہو اور اس کا تبوع پیغمبر بحکم۔

مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهٗ اَجْرُهَا وَ اَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا۔[1]	جو کوئی اچھا طریقہ رائج کرے تو اس کو اپنا اجر بھی ملتا ہے اور ان کا بھی جو اس پر عمل کریں،

اس فرد کے وصل کے ذریعہ سے ان کمالات سے بھی متصف ہوتا ہے اور مراتب خلیل پورے کرتا ہے، اس مقام کا راز جو اس فقیر پر ظاہر کیا ہے کہ دائرہ ولایت خلت کے مرکز کا نقطہ جو کہ اس کے تمام نقاط میں سے محبت کے ساتھ ممتاز ہوا ہے اگرچہ بسیط ہے لیکن چونکہ وہ محبیت اور محبوبیت کے اعتبار کا متضمن ہے لہٰذا وہ دائرہ کی صورت پیدا کرتا ہے اور اس مرکز سے دائرہ پیدا ہوتا ہے جو کہ اس اعتبار محبیت کا محیط ہے اور اس محبوبیت کے اعتبار کا مرکز ہے اور موسوی ولایت علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا منشا اعتبار محبیت ہے جو کہ اس دائرہ کا محیط ہے اور ولایت محمدی کا منشا اعتبار محبیت ہے جو کہ اس دائرہ کا مرکز ہے حقیقت محمدی کا حصول اس جگہ تصور کرنا چاہیئے۔ اور ہزار سال کے بعد اس دائرہ ثانی کے مرکز کے نقطہ نے بھی جو کہ حقیقت محمدی اس کے ساتھ وابستہ ہے وسعت پیدا کی اور اس میں دو اعتبار ظاہر ہوئے اور دائرہ کی صورت میں باہر آیا کہ وہ اس محبوبیت خاص کا مرکز ہے اور اس محبوبیت کا محیط محبیت سے ملا ہوا ہے اور ولایت احمدی کا منشا اس دائرہ کا مرکز ہے اور احمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا نام ہے کہ آسمان والوں میں وہ اس نام سے معروف ہے جیسا کہ کہا گیا ہے۔

---

[1] مسلم شریف۔

یہی وجہ ہو سکتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو کہ آسمان والوں سے ہو چکے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کی بشارت اسم احمد سے دی ہے اور اس اسم مبارک کو ذات اقدس جل شانہٗ کے ساتھ بہت تقرب ہے اور دوسرے اسم (محمد) سے ایک منزل اللہ تعالیٰ کی ذات سے زیادہ قریب ہے جیسا کہ ظاہر ہو چکا ہے اور یہ میم، اسم مبارک احمد سے ایک حلقۂ میم سے جدا ہوا ہے کہ وہ مبدا محبت ہے جو کہ ظہور و اظہار کا سبب ہوا ہے

اور پھر یہ بھی ہے کہ میم جو کہ احمد میں مندرج ہے وہ قرآن مجید کے حروف مقطعات میں سے ہے جو کہ سورتوں کے اوائل میں نازل ہوا ہے اور بڑے دقیق اسرار میں سے ہے اور اس مبارک حرف میم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک خاص خصوصیت ہے جو کہ اس کی محبوبیت کا سبب ہوا ہے اور اس کو تمام سے بلندی دی ہے

اب ہم اصل بات پر آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس دائرہ کا محیط جو کہ محبوبیت سے عبارت ہے اور جو محبت سے ملا ہوا ہے تو وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی امت کے افراد میں سے کسی فرد کی ولایت کا منشا ہے جو ولایت محمدی مرکزی کے حصول کے باوجود محیط دائرہ سے مناسبت رکھتا ہے اور اس کے کمالات کو بھی حاصل کیا ہے اور معلوم ہوا کہ دولت ثانی اس کو ولایت موسوی سے حاصل ہوئی ہے اور وہ ان دو عظیم ولایتوں کی طفیل سے مرکز و محیط کے کمالات کا جامع ہوا ہے اور یہ تو طے شدہ بات ہے کہ ہر وہ کمال جو امت کو میسر آتا ہے وہ کمال اس امت کے نبی کو بھی حاصل ہے۔ بحکم مَنْ سَنَّ سُنَّۃً حَسَنَۃً (جو اچھا طریقہ نکالے) پس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی[1] اس فرد کے

---

[1] کچھ لوگ کم فہمی اور کچھ تعصب کی بنا پر حضرت امام ربانی رضی اللہ عنہ کے مکتوبات قدسیہ کی بعض عبارات پر اعتراض و طعن کی زبان دراز کر کے بے ادبی کے مرتکب ہوتے ہیں اور ایک گروہ کھل کر تنقید کرتا ہوا نظر آتا ہے حالانکہ خود امام ربانی قدس سرہٗ نے مکتوبات شریف میں نافہم لوگوں کے اعتراضات کے شافی جواب دیئے ہیں۔ اس کے بعد کسی اور جواب کی ضرورت باقی نہیں رہتی اس کے باوجود مزید تسکین و تشفی کے لئے آپ کے صاحبزادے شاہ محمد یحییٰ اور آپ کے نبیرگان حضرت محمد فرخ حضرت عبد الاحد مرزا محمد بیگ بدخشانی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی شافی جوابات دیئے ہیں اور اعتراضات کی تردید کی ہے

آپ پر کئے جانے والے اعتراضات میں سے ایک اعتراض آپ کی اس عبارت پر کیا جاتا ہے

"پس آں سرور را علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام بتوسط آں فرد کمالات آں دائرہ نیز میسر شد ولایت خلت و حبی او علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نیز تمام گشت"

حالانکہ آپ کی کسی عبارت سے ظاہر نہیں ہوتا کہ اس فرد سے آپ نے اپنی ذات مراد لی ہے اور اگر علی سبیل التنزل "آں فرد" سے شیخ مجدد علیہ الرحمۃ ہی مراد ہوں تو بھی اعتراض اور شبہے کی کوئی گنجائش نہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے

ذریعے سے اس دائرہ کے محیط کے کمالات حاصل ہو گئے اور ولایت خُلّت بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پوری ہو گئی اور دُعا۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ	اے اللہ حضرت محمد پر بھی اسی طرح رحمت فرما جیسی تُو نے ابراہیم پر رحمت کی۔

ایک ہزار سال کے بعد قبول اور مستجاب ہو گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ولایت خُلّت پورا ہونے کے بعد اس سترہ اور نشاۃ سے کاروبار ہے جو کہ مرکز میں ودیعت کئے ہیں اور ان کی تعبیر ملاحت سے ہوئی ہے اور اس فرد کو امت کی پاسبانی اور حفاظت کے لئے اس قیام سے واپس کیا اور خود غیب الغیب کے خلوت خانہ میں محبوب کے ساتھ خلوت اختیار کر لی۔ شعر ۔

هَنِیْئًا لِاَرْبَابِ النَّعِیْمِ نَعِیْمُهَا ۔۔۔ وَلِلْعَاشِقِ الْمِسْكِیْنِ مَا یَتَجَرَّعُ

ے نعمت والوں کو ان کی نعمتیں مبارک ہوں عاشق مسکین کے لئے تو وہی ہے جو وہ گھونٹ گھونٹ پیتا ہے۔

بقیہ صفحہ :۔ فرمایا ہے زمین کے خزانوں کی چابیاں مجھے عنایت کر دی گئی ہیں۔ حالانکہ زمین کے وہ خزانے اور ملک پر تسلط حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال مبارک کے بعد خلفاء راشدین اور سلاطین اسلام کے توسط سے ہوا۔ اور ہوا رہے گا۔ ظاہر ہے کہ ملک پر تسلط و قبضہ مدافعت کفار کی خاطر جنگیں جو غلبہ اسلام و ایمان کا موجب ہیں۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے حصول ثواب کا ذریعہ ہیں کیونکہ آپ نے ہی ایسا کرنے کا حکم دیا ہے اور حکم دینے والا اور اس کے مطابق عمل کرنے والا دونوں ثواب میں شریک ہیں اور یہ ثواب اور حصول درجات اگرچہ خلفاء راشدین اور سلاطین اسلام کے واسطہ سے ہے۔ نیز حضور کے لئے بعد از انتقال بھی ترقی درجات ثابت ہے۔ کیونکہ قیامت تک آپ کی اُمت جو بھی نیک کام بجا لائے گی۔ الدال علی الخیر۔ کفاعلہ کے مطابق ان کا ثواب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی یقیناً پہنچتا ہے اور اس طرح امت کے اعمال صالحہ کے واسطہ سے ہر گھڑی آپ کے درجات بلند ہوتے ہیں اور کمالات میں اضافہ ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ آپ کو کمالات و درجات میں جو بلندی امت کے اعمال صالحہ کے واسطے سے ہوتی ہے وہ پہلے سے حاصل نہیں۔ تو اگر مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ آشکارا فرمائیں کہ کچھ کمالات آپ کو اس فرد کے توسط سے حاصل ہوتے تو اس پر اعتراض کی کیا گنجائش ہے قرآن حکیم میں ہے ھو الذی ایدک بنصرہ و بالمومنین۔ اللہ وہ ذات ہے جس نے اے نبی تجھے اپنی مدد اور ایمان والوں کے ساتھ قوت دی۔ پھر مسلم شریف کی اس حدیث کے الفاظ پر بھی غور فرمائیں۔

قال صلی اللہ علیہ وسلم ثم سلوا اللہ لی الوسیلۃ فانھا منزلۃ فی الجنۃ لا ینبغی الا لعبد من عباد اللہ وارجوان اکون انا ھو فمن سأل لی الوسیلۃ حلت علیہ الشفاعۃ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر میرے لئے اللہ سے وسیلہ مانگو بیشک وہ جنت میں ایک مرتبہ ہے جو اللہ کے خاص بندوں میں سے کسی بندے کے لائق ہے اور مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہوں تو جو شخص میرے لئے وسیلے کی دعا کرے گا اس پر شفاعت حلال ہو گئی۔

اس حدیث میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی امت سے فرمایا کہ میرے لئے اللہ تعالیٰ سے مقام وسیلہ مانگو۔ اور میرا جو امتی ایسا کرے گا میں اس کی شفاعت کروں گا۔ پھر اس مکتوب میں تنبیہ کے عنوان کے تحت آپ نے متعدد دلائل سے اس اعتراض کا

شافی جواب دے دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ معاندین اور غلط فہمی کے شکار لوگوں کو ہدایت کی توفیق دے۔

جاننا چاہیئے کہ مرکزِ ثالث کا محیط اگرچہ تعین اول کے مرکز کے محیط کی نسبت چھوٹا نظر آتا ہے لیکن وہ سب سے
زیادہ جامع ہے کیونکہ جو چیز بھی اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب ہے وہ زیادہ جامع ہے تو اس کے چھوٹا ہونے کو انسان
کے چھوٹا ہونے کی طرح سمجھنا چاہیئے کہ باوجود چھوٹا ہونے کے عالم کی تمام اقسام میں سے زیادہ جامع ہے
اور یہ بھی ہے کہ وہ شخص جو اس محیط کے کمالات سے متصف ہوا ہے اور مرکز کے اجمال سے محیط کی تفصیل میں
آیا ہے اب وہ بے مناسبتی جو محیط اور تفصیل سے رکھتا تھا زائل ہو گئی اور بے تکلف اجمال سے تفصیل میں چلا گیا
اور اس تفصیل کے کمالات سے بھی متصف ہوا۔

سُن ! باوجود کمالِ اقتدار کے چونکہ نظامِ عالم کو حکمت سے وابستہ کیا ہے لہٰذا مسببات کی ترتیب میں بھی
اسباب کے وجود سے چارہ نہیں ہوتا اگرچہ اسباب کا وجود بہانے سے زیادہ نہیں ہوتا اور قدرت کے پردہ سے زیادہ
اس کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔

سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ وَلَنْ — یہی اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے جو پہلے سے آرہا ہے
تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا — اور تو اللہ تعالیٰ کے طریقہ میں کوئی تبدیلی نہ پائیگا۔

تنبیہ :- نبی اگرچہ بعض کمالات کو اپنے افرادِ امت میں سے کسی فرد کے ذریعہ حاصل کرتا ہے اور اس
کے وسیلہ سے بعض مقامات پر پہنچتا ہے لیکن اس طرح سے نبی کو کوئی نقص لازم نہیں آتا اور اس فرد کو اس وسیلہ
بننے سے نبی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہوتی کیونکہ اس فرد نے اس کمال کو اس نبی ہی سے حاصل کیا ہے اور
اسی کے طفیل سے اس دولت تک پہنچا ہے پس حقیقت میں وہ کمال اسی نبی کی ملکیت ہے اور اسی کی متابعت
کا نتیجہ ہے اور وہ فرد اس کا خادم ہونے سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ اس نے اسی کے خزانوں سے خرچ کیا
ہے اور خوشنما لباس اور قیمتی فرش تیار کرکے لایا ہے جو کہ مخدوم کے حسن و جمال میں مزید اضافہ کا باعث
ہیں اور اس کی عظمت و کبریائی بڑھاتا ہے اس جگہ مخدوم کا نقص کیا ہے اور خادم کو کونسی فضیلت ہے۔
اپنے برابر والوں سے امداد و اعانت حاصل کرنا نقص ہے۔ اور جو امداد و اعانت خادموں اور غلاموں سے
واقع ہو وہ عین کمال ہے اور جاہ و جلال میں زیادتی کا باعث ہے کوئی بے وقوف ہی ہوگا جو ایک کو دوسرے کے
ساتھ خلط ملط کرے اور نقص کے وہم میں پڑے بادشاہ اپنے خادموں اور نوکروں کے ذریعہ ملک حاصل کرتے
ہیں اور کئی قلعے فتح کرتے ہیں اور اس امداد سے سوائے بادشاہوں کی عظمت و بزرگی کے اور کوئی چیز معلوم
نہیں ہوتی اور اس سے خادموں اور نوکروں کی عزت و شرف بھی ظاہر ہوتا ہے۔
امتیں اپنے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی خادم اور غلام ہیں اگر ان سے ان بزرگواروں کو امداد پہنچے تو

ف سورۃ فتح پارہ مختصر ۱۲

نقص کا خیال کرنے کا کونسا مقام ہے؟ اور وہ جو کہتے ہیں کہ ان بزرگواروں کو امداد کی بالکل حاجت نہیں ہے اور کمال کے تمام مراتب بالفعل ان کو حاصل ہیں۔ یہ صرف فضول جھگڑا ہے۔ کیونکہ یہ بزرگوار بھی خدا تعالےٰ کے بندے ہیں اور ہمیشہ اس کے فضل و فیض و برکات کے اُمیدوار ہیں اور ہمیشہ ترقی کے خواہشمند ہیں۔ حدیث میں آیا ہے۔

مَنِ اسْتَوٰی یَوْمَاہُ فَهُوَ مَغْبُوْنٌ جس کے دونوں دن برابر ہوں وہ خسارے میں ہے۔

اور رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو فرمایا ہے سَلُوْا لِیَ الْوَسِیْلَۃَ (میرے لئے مقام وسیلہ کا سوال کیا کرو)

اور یہ بھی صحیح حدیثوں میں آیا ہے۔ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَسْتَفْتِحُ بِصَعَالِیْكِ الْمُھَاجِرِیْنَ (کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم غریب مہاجرین کے وسیلے سے فتح کی دعا مانگا کرتے تھے)

یہ سب کچھ امداد و اعانت کی طلب ہے۔ وہ لوگ جو امتوں کی امداد و اعانت کو ان بزرگواروں کے حق میں جائز نہیں سمجھتے اور ان بزرگواروں کو ان کی امداد کا محتاج نہیں جانتے ان کی نگاہ انبیاء علیہم الصلوات و التسلیمات کی بزرگی پر پڑی ہے اور ان کی نگاہ میں ان کی بلندی درجات ہے۔ اس کے باوجود اگر ان کی نظر ان بزرگواروں کی عبودیت پر بھی پڑتی اور ان کی محتاجی جو ان کو اپنے خداوند تعالےٰ سے ہے ان کو معلوم ہو جاتی تو وہ امتوں کی امداد سے انکار نہ کرتے اور ان کے غلاموں اور خادموں کی مدد کو بعید نہ سمجھتے۔ اے ہمارے ربّ ہمارے نور کو پورا کر اور ہمیں بخش دے یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔ والصلوٰۃ والسلام علی نبینا وعلی جمیع الانبیاء و علی الملائکۃ الکرام العظام۔

مکتوب نمبر ۹۵

مولانا صالح کولابی کی طرف صادر فرمایا

(ان اسرار کے بیان میں جو حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی ولایت سے مخصوص ہیں)

اس فقیر کی ولایت اگرچہ ولایت محمدی اور ولایت موسوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی پروردہ ہے اور ان دو اکابر علیہما الصلوٰۃ والسلام کی طفیل نسبت محبوبی و نسبت محبّی سے مرکب ہے کہ محبوبین کے رئیس

۱؎ دیلمی شریف بروایت علی رضی اللہ عنہ ۲؎ مسلم شریف بمشکوٰۃ
۳؎ مشکوٰۃ بروایت امیہ بن خالد بن عبداللہ بن اسید

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور محبین کے سردار حضرت کلیم اللہ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں لیکن حضرت خاتم الرسل علیہ وعلیہم وعلی آل کل الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کے وسیلہ سے میری ولایت کا کاروبار ہی دوسرا ہے اور اس سے علیحدہ معاملہ وابستہ ہے اگرچہ اس ولایت کا اصل اپنے پیغمبر علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی ولایت ہے جو کہ ولایت محمدی ہے کہ اس کا اصل منشا خالص محبوبیت کی نسبت ہے لیکن چونکہ اس میں ولایت موسوی کی کیفیت بھی ہے جو کہ اصل میں خالص محبیت سے پیدا ہوتی ہے اور اس ولایت سے مل گئی ہے اور اس کے رنگ میں بھی رنگین ہے اس نے ایک دوسری حیثیت پیدا کرلی ہے بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ ایک دوسری حقیقت بن چکی ہے اور اس نے اور طرح کا پھل دیا ہے اور دوسرا نتیجہ پیدا کیا ہے۔ کسی نے کیا ہی اچھا کہا ہے ؎

ازیں افیون کہ ساقی درمے افگند | حریفاں را نہ سر ماند نہ دستار

اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما اور ہمارے کام میں بھلائی پیدا کر۔ والسلام علی من اتبع الہدیٰ۔

فصل بالخیر

اگر اس کاروبار کا تھوڑا سا حصہ بھی جو اس ولایت سے وابستہ ہے ظاہر کروں یا ان معاملات کی طرف اشارہ کروں جو ان دو ولایتوں سے وابستہ ہیں تو گلا کاٹ دیا جائے اور حلقوم کو ذبح کر دیا جائے جبکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ بعض علوم کے اظہار میں جو انہوں نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے اخذ کئے تھے قُطِعَ الْبُلْعُوْمُ (حلق کاٹ دیا جائے) کہتے ہیں تو دوسروں کی کیا حیثیت ہے۔ خدا تعالٰی کے نہایت گہرے اسرار ہیں جو وہ اپنے خاص الخاص بندوں پر ظاہر کرتا ہے اور کسی نامحرم کو اس کے گرد نہیں چھوڑا جاتا۔ حضرت خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات نے جو کہ جہان والوں کے لئے سراسر رحمت ہیں، اپنی کمال معرفت سے اور جوش قدرت سے ان اسرار کو حضرت ابوہریرہ وغیرہ پر ظاہر فرمایا اور سننے والوں کی قابلیت کو جانا تو ان چھپے ہوئے موتیوں کو ان پر نچھاور کیا اور میرے جیسا مفلس اور بے بضاعت آدمی ان دولت کے خطرہ اور یاد کرنے سے ہر سال اور لرزاں ہے اور اس خرابی و آوارگی کے باوجود ان بلند مطالب سے پند کسی چیز کی کوئی مناسبت نہیں دیکھتا لیکن اتنا جانتا ہوں مصرع

باکریماں کارہا دشوار نیست

؎ اس افیون سے جو ساقی نے شراب میں شامل کر دی ہے میخواروں کے نہ ہوش ٹھکانے رہے نہ پگڑی ۱؎ کریموں کیلئے کوئی کام مشکل نہیں

واں خداوند تعالیٰ ایسا ہی چاہیئے اور خدا تعالیٰ کا کرم و بخشش بھی اسی طرح کا ہونا چاہیئے اور اللہ تعالیٰ کا ہم پر کرم کوئی آج سے نہیں ہے۔ اس نے ہماری مشتِ خاک کو زمین سے اٹھایا اور اپنا خلیفہ بنا دیا اور اپنی نیابت میں ہر چیز کا قیوم (قائم رکھنے والا) گردانا اور بلا واسطہ علم اشیاء کے ناموں کی اس کو تعلیم دی اور فرشتوں کو جو اس کے برگزیدہ بندے ہیں اس کا شاگرد بنایا اور فرشتوں کو اس بزرگی کے باوجود اس کو سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ اور ابلیس کو جو معلم ملکوت (فرشتوں کا استاد) کے لقب سے ملقب تھا اور اطاعت و عبادت میں ایک شان عظیم رکھتا تھا اس نے جب آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کیا اور اس کی توقیر و تعظیم نہ کی تو اس کو اپنی بلند بارگاہ سے ملعون قرار دے کر ہانک دیا اور اس پر ملامت اور طعنہ کیا اور اس مشتِ خاک کو ایسی قدرت و ہمت بخشی کہ اس نے امانت کے بوجھ کو اٹھا لیا وہ امانت جس کو اٹھانے سے آسمان اور زمین اور پہاڑ کانپ اٹھے اور انکار کر دیا اور پھر اس کو ایسی قوت عطا فرمائی کہ اس قوت سے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے کی رویت کی قابلیت پیدا کرلی جو کہ بے چون و بے چگون ہے حالانکہ یہ خود باچون اور باچگون ہے اور کیفیت یہ ہے کہ پہاڑ اس سختی کے باوجود اللہ تعالیٰ کی ایک تجلی سے پارہ پارہ ہو گیا اور خاک سیاہ ہو گیا وہ قدیم الاحسان اور ارحم الراحمین خدا طاقت رکھتا ہے کہ میرے جیسے عاجز آدمی کو سابقین کے درجات تک پہنچانے اور ان کی طفیل ان کی دولت میں شریک کرے ؎

اگر[1] بادشاہ بر درِ پیر زن بیاید تو اے خواجہ سبلت مکن

تنبیہ: حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ ہمیشہ اپنی تسبیح و تقدیس پر ہے اور صفات حدوث اور نشانات نقص سے منزہ اور پاک ہے تغیر اور تبدل کو اس کی بارگاہ میں رسائی نہیں ہے اور اتصال و انفصال کی اس درگاہ میں کوئی گنجائش نہیں ہے وہاں کسی میں حلول کرنے اور کسی کے اس میں حلول کرنے کو جائز سمجھنا کفر ہے اور اتحاد و عینیت کا حکم لگانا عین الحاد اور زندقہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے خاص بندے جتنا بھی اس بارگاہ میں قرب اور وصل پیدا کریں وہ جسم کے جسم سے قرب کے قبیل سے نہیں ہے اور نہ وہ جوہر سے عرض کے اتصال کی طرح ہے۔ اس جگہ اگر قرب ہے تو بے چون ہے اور اگر وصل ہے تو وہ بھی بے چون۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان بزرگواروں کا تمام کاروبار بے چونی کے عالم سے ہے اور عالم چون عالم بے چون کی نسبت وہی حکم رکھتا ہے جو دریائے محیط کے مقابل ایک قطرہ، کہ وہ ممکن ہے اور یہ واجب تعالیٰ۔

اور یہ بھی ہے کہ عالم چون زمان و مکان کی تنگی میں ثابت ہے اور عالم بے چون اس تنگی سے آزاد ہے اور زمان و مکان سے گزر چکا ہے وہاں عبارت اور تعبیر کا میدان اس عالم میں بڑا وسیع ہے اور اس

---

[1] اگر بادشاہ کسی بڑھی عورت کے دروازہ پر آجائے تو اے خواجہ تو اپنی مونچھوں کو نہ اکھاڑ۔ ۱۲

عالم میں تنگ و تاریک ہے کیونکہ وہ عبارات سے بلند ہے اور اشارات سے دُور ہے۔ ارحم الراحمین نے اپنے خاص بندوں کو بے چونی سے حصّہ دیا ہے اور عالم بے چون میں ان کو دخل دیا ہے اور بے چونی کے معلات سے مشرف کیا ہے۔

اگر بالفرض اس بے چونی کی تعبیر چون میں سے کریں تو اس سے بہت دُور ہے کہ بالغ نابالغوں کے سامنے جماع کی لذت کو قند اور شکر کی لذت سے تعبیر کریں کہ یہ دونوں لذتیں تو ایک عالم چون سے ہیں اور وہ تعبیر اور مُعبّر دو الگ الگ عالموں سے ہیں اور مجبوراً جب کوئی بے چون کی تعبیر چون سے کرے گا، اور بے چون پر چون کے احکام جاری کرے گا تو وہ محل طعن و الزام ہوگا اور اُسے زندیق اور ملحد کہیں گے پس ان اسرار کی دقت اور پوشیدگی عبارت اور تعبیر کی وجہ سے ہے نہ کہ تحقیق و وصول کی راہ سے کیونکہ ان اسرار سے متصف ہونا کمال ایمان ہے اور اس بے چون کو چون کی عبارت سے تعبیر کرنا عین کفر و الحاد ہے مَنْ عَرَفَ اللّٰهَ كَلَّ لِسَانُهٗ (جس نے اللہ کو پہچان لیا اس کی زبان گُنگ ہوگئی) کو اس جگہ دیکھنا چاہیے اے ہمارے رب ہمارے نور کو پورا کر دے اور ہمیں بخش دے یقیناً تُو ہر چیز پر قادر ہے۔ الحمد للّٰہ اوّلاً و آخراً والصلوٰۃ علی رسولہ دائماً و سرمداً۔

مکتوب نمبر ۹۶

فقیر ہاشم کشمی کی طرف صادر فرمایا

(ان اسرار کے بیان میں جو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو ناموں محمّد اور احمد سے متعلق ہیں)

ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم دو ناموں سے موسوم ہیں اور دونوں اسم مبارک قرآن مجید میں لکھے ہوئے ہیں فرمایا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ (محمد اللہ کے رسُول ہیں) اور عیسٰے روح اللہ کی بشارت کی حکایت کرتے ہوئے فرمایا اِسْمُهٗ اَحْمَدُ (اس کا نام احمد ہوگا) اور ان دونوں مبارک ناموں کی ولایت علیحدہ ہے ولایت محمدی اگرچہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت کے مقام سے پیدا ہوئی ہے لیکن اس جگہ صرف خالص محبوبیت ثابت نہیں ہے بلکہ اس میں محبیّت کی کیفیت کی آمیزش بھی ہے اگرچہ وہ آمیزش اس کے اصل میں ثابت نہیں ہے لیکن محبوبیت خالص کے مقام سے مانع ہے اور ولایت احمدی خالص محبوبیت سے پیدا ہوئی ہے جس میں محبیّت کا شائبہ تک نہیں ہے اور یہ ولایت پہلی ولایت سے بلند تر ہے اور ایک منزل مطلوب سے نزدیک تر ہے اور محب کو زیادہ مرغوب ہے کیونکہ محبوب جتنا بھی محبوبیت میں مکمل ہوگا

اس کی بے نیازی اور استغنا بھی کامل تر ہوگا اور محب کی نگاہ میں زیادہ خوبصورت اور زیبا تر ہوگا اور محب کو اپنی طرف زیادہ کھینچے گا اور اسے زیادہ سرگشتہ اور شیفتہ بنا دے گا۔ ؎

نہ تنہا آنقدم زیبائی اوست ۔۔۔ بلائے من ز ناپروائی اوست[1]

بلا سے مراد عشق کا حد سے گزرنا ہے جو کہ عاشق کو مطلوب ہے۔ سبحان اللہ! احمد عجیب مبارک نام ہے جو کہ لفظ مقدس اَحَد سے مرکب ہے اور حرفِ میم کے حلقہ سے جو کہ اللہ تعالیٰ کے عالم بے چون میں پوشیدہ اسرار میں سے ہے اور اس کی گنجائش نہیں رکھتا کہ عالم چون میں اس پوشیدہ راز کو حلقہ میم کے بغیر تعبیر کیا جا سکے۔ اور اگر اس کی گنجائش ہوتی تو اللہ تبارک و تعالیٰ اس سے تعبیر فرماتے اور اَحَد اَحَد ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور حلقۂ میم طوقِ عبودیت ہے کہ جس نے بندہ کو مولا سے الگ کیا ہے پس بندہ وہی میم کا حلقہ ہے اور لفظ اَحَد اس کی تعظیم کے لئے آیا اور اس کے اختصاص کا اظہار کیا ہے

چوں نام ایں است نام آور چہ باشد[2] ؎

ہزار سال کے بعد کہ اسکو امرِ عظام کے تغیر میں ایک تاثیر ودیعت کی ہے اس ولایت کا معاملہ اس ولایت تک کھینچا اور ولایت محمدی ولایت احمدی پر منتہی ہوئی۔ اور کاروبار عبودیت کے دو طوق سے ایک طوق تک پہنچا اور پہلے طوق کی جگہ حرف الف جو کہ اس کے رب سے اشارہ ہے متمکن ہوا جہاں تک کہ محمد احمد ہوا۔ علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام۔ اس کا بیان یہ ہے کہ عبودیت کے دو طوق میم کے دو حلقوں سے عبارت ہیں کہ جو اسم مبارک محمد میں مندرج ہیں ہو سکتا ہے کہ وہ دو طوق ان کے دو تعینوں کی طرف اشارہ ہو۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ان دو تعینوں میں سے ایک تعین بشری ہے اور دوسرا تعین روحی ملکی اور تعین جسدی میں اگرچہ موت آجانے کی وجہ سے سستی و نقص آجاتا ہے اور تعین روحی نے اور قوت حاصل کر لی لیکن اس تعین کا اثر باقی رہا تھا ہزار سال چاہئیے تھا کہ اس کا اثر بھی زائل ہو اور اس تعین کا کوئی نشان نہ رہے اور جب ہزار سال ختم ہوا اور اس تعین کا اکثر حصہ نہ رہا اور ان دو طوق میں سے ایک طوق عبودیت کھینچ لیا گیا اور اس پر فنا اور زوال طاری ہوا اور الف الوہیت کہ اس کو بقا باللہ کے رنگ میں کہا جا سکتا ہے اس کی جگہ بیٹھا تو لازماً محمد احمد ہوا اور ولایت محمدی نے ولایت احمدی میں انتقال فرمایا پس محمد دو تعینوں سے عبارت ہے اور احمد ایک تعین سے کنایہ ہے اور بس۔ پس یہ نام حضرتِ حق سے زیادہ قریب ہوگا اور عالم سے دور تر ہوگا۔

---

[1] اس کی خوبصورتی ہی میرے لئے اکیلی آفت نہیں ہے بلکہ میرا فتنہ تو اس کی بے پروائی بھی ہے۔ ۱۲

[2] جب نام ایسا ہے تو جس کا نام ہے وہ کیسا ہوگا۔ ۱۲

سوال:۔ فنا و بقا جو مشائخ نے قرار دی ہے اور ولایت کو اس سے وابستہ کیا ہے اس کا کیا مطلب ہے اور یہ فنا و بقا جو تعین محمدی میں کہی جاتی ہے اس کا کیا معنی ہے؟

جواب:۔ وہ فنا و بقا جس کے ساتھ ولایت وابستہ ہے فنا و بقا شہودی ہے اگر فنا و زوال ہے تو باعتبار نظر ہے اور اگر بقا و ثبات ہے تو بھی باعتبار نظر ہے اس جگہ صفات بشری پوشیدہ ہو جاتی ہیں نہ کہ زائل، اور اس تعین کا فنا اس طرح نہیں ہے بلکہ اس جگہ صفات بشری کو زوال وجودی ثابت ہے اور تعین جسدی کا پراگندہ ہونا اور تعین روحی کا ثابت ہونا ہے اور اس جگہ جانب بقا میں بھی اگرچہ بندہ اللہ نہیں بن جاتا اور بندگی سے باہر نہیں آ جاتا لیکن اللہ تعالیٰ سے نزدیک تر ہو جاتا ہے اور معیت زیادہ پیدا کر لیتا ہے اور اپنے آپ سے دُور ہو جاتا ہے اور اس سے احکام بشری مسلوب ہو جاتے ہیں۔

جاننا چاہیئے کہ یہ عروج محمدی جو کہ صفات بشری کی نفی سے وابستہ ہے اگرچہ ان کے کاروبار کو بلند تر لے گیا اور ان کو بلند چوٹی پر پہنچا دیا۔ اور ان کو غیر اور غیریت کی کشاکش سے آزاد کر دیا صلے اللہ علیہ وسلم، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا معاملہ زیادہ تنگ ہو گیا اور آپ کا نور ہدایت جو کہ بشریت کی وجہ سے تھا وہ بہت کم ہو گیا اور وہ توجہ جو ان عاجز لوگوں کے حال پر تھی وہ کم ہو گئی اور آپ پوری طرح قبلہ حقیقی کی طرف متوجہ ہو گئے۔

اس رعایا پر افسوس کہ جس کا بادشاہ اس کے حال میں مشغول نہ ہو اور کلی طور پر اپنے محبوب کی طرف متوجہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ہزار سال کے بعد کفر اور بدعت کے اندھیرے غالب آ چکے ہیں اور سنت و اسلام کا نور کم ہو چکا ہے۔ اے ہمارے رب ہمارے نور کو پورا کر اور ہمیں بخشش دے یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔

مکتوب نمبر ۹۷

صوفی قربان جدید کی طرف صادر فرمایا

(عالم کے موہوم ہونے کے راز کے بیان میں)

صوفیا نے جو عالم کو موہوم کہا ہے تو وہ اس معنی سے نہیں ہے کہ عالم محض وہم کی اختراع و پیداوار ہے کہ وہ بے وقوف سوفسطائی کا مذہب ہے بلکہ اس معنی سے موہوم ہے کہ خداوند تعالیٰ کی پیدائش سے وہ مرتبہ وہم میں پیدا ہوا ہے اور اس مرتبہ میں اللہ تعالیٰ کی صنعت سے اس لئے ثبوت اور استقرار پیدا کیا ہے لیکن وہ خیر و کمال جو اس میں ثابت ہے وہ حضرت وجود تعالیٰ و تقدس کے مرتبہ سے مستعار ہے اور اس

مرتبۂ مقدسہ کے کمالات کے ظلال میں سے ایک ظل ہے، اور اس میں جو شر و نقص ہے وہ عدم سے مستعار ہے اور وہ عدم کے شرور و نقائص جو کہ اس میں ودیعت کئے گئے ہیں کہ وہ ہر شر و نقص کا منشا ہے کے ظلال میں سے ایک ظل ہے اور جب سالک مستعد خداوند تعالٰے کی تربیت کی وجہ سے ان امانتوں کو پورے طور پر ادا کرتا ہے خیر و کمال کو اس کے اہل کے سپرد کر دیتا ہے اور شر و نقص کو اس کے اہل کے حوالہ کر دیتا ہے تو لازماً وہ فنا کی دولت سے متحقق ہو جاتا ہے اور اس کا اپنا کوئی نام و نشان نہیں رہتا نہ خیر کا اس میں کوئی اثر ہوتا ہے اور نہ شر سے اس کو کسی ضرر کا احتمال رہتا ہے کیونکہ جو کچھ بھی وہ رکھتا تھا خیر یا شر وہ سب وجود و عدم سے مستعار تھا وہ اپنے باپ کے گھر سے کوئی چیز نہیں لایا ہے اس میں کوئی جز اس کے سوا نہیں تھا کہ وہ ایک امانتدار تھا اور جب وہ امانتوں کو ان امانات کے اہل کی طرف واپس کر دیتا ہے تو لازمی طور پر خودی اور انانیت کی زحمت سے خلاص ہو جاتا ہے اور فنا و نیستی سے ملحق ہو جاتا ہے۔

مکتوب نمبر ۹۸

حاجی عبداللطیف خوارزمی کی طرف صادر فرمایا

(حُسن صوری سے زیادہ لذت حاصل کرنے کے راز کے بیان میں)

خیر و کمال اور حُسن و جمال جس جگہ بھی ہے وُہ وجود کا اثر ہے جو خیر محض ہے اور واجب الوجود جل سلطانہٗ کے ساتھ خاص ہے لیکن میں جس طرح وجود اللہ تعالٰے کی بارگاہ سے بطور ظلیت منعکس ہُوا ہے حُسن و جمال بھی اسی مرتبۂ مقدسہ سے بطریق ظل آیا ہے ممکن ذاتی جو اپنے ذاتی عدم کی وجہ سے جو کہ محض شر ہے۔ قبح و نقص ہے لیکن یہ حُسن و جمال جو ممکن میں مشہود ہے اگرچہ وجود کی طرف سے آیا ہے لیکن چونکہ وہ عدم کے آئینہ میں ظاہر ہُوا ہے اس نے آئینے کا حکم حاصل کر لیا اور قبح سے حصّہ لیا اور نقص پیدا کیا اور ممکن چونکہ ذاتی قبح رکھتا ہے تو اس قدر حظ و لذت جو وہ اس حُسن سے حاصل کرتا ہے اُس حُسن خالص سے جو کہ اس حُسن کا مبدأ ہے حاصل نہیں کرتا کیونکہ اس کی مناسبت اس حُسن سے زیادہ ہے بہ نسبت اُس حُسن کے۔

خاکروب کو مناسبت کی وجہ سے جتنی لذت گندی بُو سے حاصل ہوتی ہے اچھی بو سے حاصل نہیں ہوتی۔ مشہور قصہ ہے کہ ایک خاکروب عطاروں کے محلے سے گذرا وہ خوشبو کی کثرت کی وجہ سے بیمار ہو گیا اور بیہوش ہو کر گر پڑا ایک بزرگ اس راہ سے گذر رہے تھے جب وہ اس کے معاملہ پر مطلع ہوئے تو فرمایا کہ اس کے ناک کے پاس نجاست لا کر رکھ دو کہ اس کی بدبو سے یہ تندرست ہو کر ہوش میں آ جائے گا چنانچہ انہوں نے لیا

ہی کیا تو وہ ہوش میں آگیا۔

مکتوب نمبر ۹۹

جناب سیادت مآب وارشاد وپناہ میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ مَنْ لَّمْ یَشْکُرِ النَّاسَ لَمْ یَشْکُرِ اللّٰہَ۔ جس نے لوگوں کا شکریہ ادا نہ کیا اس نے خدا کا شکریہ بھی ادا نہ کیا۔

علماء و مشائخ ماوراء النہر شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کے حقوق ہم عاجز اور دور افتادہ لوگوں پر بلکہ ہندوستان کے تمام مسلمانوں پر اتنے نہیں ہیں جو تقریر اور تحریر میں آسکیں۔ اعتقاد کی درستی اہل سنت وجماعت کثرہم اللہ سبحانہ فی الاعصار کی صائب رائے کے مطابق ان بزرگواروں کی تحقیقات سے ہم نے حاصل کی ہے اور عمل کی صحت بھی بموجب مذہب علماء حنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم انہی کی تدقیقات سے حاصل کی ہے اور طریقہ علیہ صوفیہ قدس اللہ اسرارہم کا سلوک بھی ہندوستان کے علاقہ میں اسی بزرگ زمین کی برکات سے مستفاد ہے اور مقام جذبہ و سلوک و فنا و بقا و سیر الی اللہ و سیر فی اللہ جو کہ مرتبہ ولایت خاصہ سے وابستہ ہے کی تحقیق بھی اسی علاقہ کے اکابرین کے فیوض سے ہم پر اتری گئی ہے۔

مختصر یہ کہ اگر ظاہر ہے تو اس کی اصلاح بھی وہیں سے ہوتی ہے اور اگر باطن ہے تو فلاح اسی جگہ سے حاصل کی ہے ۔

شکر[1] فیض تو چمن چوں کند اے ابر بہار ۔۔۔ کہ اگر خار و اگر گل ہمہ پروردہ تست

اللہ تعالیٰ اس علاقہ اور اس کے رہنے والوں کو بطفیل سید السادات صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم آفات ومصائب سے محفوظ رکھے۔

اس کے باوجود وہ دوست جو اپنی ضروریات کے لئے اس بلند علاقہ (توران) سے نچلے علاقہ (ہندوستان) میں آتے ہیں وہ اس علاقہ کے ذوی البرکات حضرات کی مہربانیوں خصوصاً ارشاد و ہدایت پناہ افادہ و افاضہ دستگاہ سلمہ اللہ تعالیٰ کی بہ نسبت اس حقیر کے نوازشوں کا تذکرہ کرتے ہیں کہ ان عالی جناب نجابت آیات کو آپ کے متعلق حسن ظن ہے اور آپ کے بعض علوم و معارف کو جو آپ نے لکھے تھے مطالعہ فرمایا ہے اور پسند کیا ہے۔ بزرگوں سے اس قسم کی بشارتیں زیادہ امیدواری کا باعث ہوتی ہیں اور بعض

---

[1] اے ابر بہار! باغ تیرے فیض کا شکریہ کس طرح ادا کر سکتا ہے کہ اگر کانٹے ہیں یا پھول ہیں تو وہ سب تیرے ہی پروردہ ہیں۔

اذواق و مواجید کی تحریر پر دلیر کرتی ہیں
اور جب ان دنوں شیخ ابوالمکارم صوفی نئے نئے آئے ہیں تو انہوں نے مجھ پر ان کی مہربانیوں کا اظہار فرمایا ہے تو مجبوراً ان کے کرم پر اعتماد کرتے ہوئے چند کلمات کے پڑھنے کی تکلیف دی ہے اور اپنے آپ کو آپ کی یاد میں دے دیا ہے۔ چونکہ اس فقیر کے بعض مسودات کی نقول بھائی خواجہ محمد ہاشم کشمی نے جو کہ مخلص دوستوں میں سے ہیں صوفی مشار الیہ کے ہمراہ بھیجی ہیں تو انہی پر اکتفا کرتے ہوئے اس طائفہ علیہ کے علوم و معارف سے کوئی منقولہ اس خط میں درج نہیں فرمایا ہے۔ آپ حضرت کی عنایات و مہربانیوں سے امید ہے کہ قبولیت کے اوقات میں دعائے خیر اور فاتحہ سلامتی خاتمہ سے فراموش نہ کریں گے۔ اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عطا فرما اور ہمارے کام میں بھلائی پیدا کر۔

اس حقیر کی فقیرانہ دعاؤں کو حضرتِ عالی درجات نقابت و نجابت پناہ اہل اللہ کے ملجا و ماویٰ سید میرک شاہ اور جناب افادہ دستگاہ علامۃ الورٰی مولانا حسن اور جناب ناصر الشریعۃ حافظ الملۃ قاضی تولک ادام اللہ تعالیٰ جاہکا ہم کی خدمت میں پہنچا دیں اور مخدوم زادگان گرامی کی خدمت میں فقیرزادے بھی دعا کی درخواست اور فاتحہ کی التماس کرتے ہیں۔

مکتوب نمبر ۱۰۰

شیخ نور الحق کی طرف صادر فرمایا

(حضرت یعقوب علیہ السلام کی حضرت یوسف علیہ السلام سے گرفتاری کا راز بیان کرنے اور بعض اسرار غریبہ اور علوم عجیبہ بیان میں)

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ فضائل و کمال دستگاہ میرے عزیز بھائی شیخ نور الحق نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی حضرت یوسف علیہ السلام سے گرفتاری کے متعلق اہتمام اور پورے شوق سے استفسار کیا ہے اور یہ فقیر بھی بہت مدت سے اس معنی کے انکشاف کا شوق رکھتا تھا۔ جب ان کا شوق اس شوق کے علاوہ پیش آیا تو بے اختیار اس دقیقہ کو کھولنے کی طرف متوجہ ہوا۔

ابتدائی طور پر یہ ظاہر ہوا کہ یوسف علیہ السلام کی پیدائش اور ان کا حسن و جمال اس دنیاوی خلقت و حسن و جمال کی جنس سے نہیں ہے اور یہ ظاہر ہوا کہ آپ کا جمال بہشتیوں کے جمال کی جنس سے ہے اور مشہور ہوا کہ باوجود اس پیدائش کی صباحت کے ان کو حور و غلمان کے حسن سے مشابہت ہے اور اس کے بعد جو کچھ تفصیل اس باب میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے فائض ہوئی ہے اسے قید کتابت میں لا کر بھیجا جا

رہا ہے اے اللہ تو پاک ہے تیرے بتائے ہوئے کے بغیر ہمیں کچھ علم نہیں ہے ؎

در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند آنچہ استاد ازل گفت ہماں مے گویم

سوال : یہ تمام فرط محبت اور گرفتاری جو حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام سے تھی یہ کس طرح کی تھی حالانکہ خداوند تعالیٰ نے ان کو اور ان کے آباء کرام علی نبینا وعلیہم الصلوات و البرکات کو أُولِي الْأَيْدِي وَالْأَبْصَارِ (ہاتھوں اور آنکھوں یعنی عمل اور علم والے) فرمایا ہے اور پھر ان کے متعلق اور ان کے آباء کرام کے متعلق یہ بھی فرمایا ہے انا اخلصنٰھم بخالصۃ ذکری الدار وانھم عندنا لمن المصطفین الاخیار (یقیناً ہم نے ان کو ایک پاک خصلت میں خاص کیا کہ وہ آخرت کی یاد ہے اور یقیناً وہ ہمارے پاس پسندیدہ اور برگزیدہ لوگوں سے ہیں)

اور برگزیدہ اور مخلص لوگوں کو مخلوق سے ایسا تعلق رکھنا کیا گنجائش رکھتا ہے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ گرفتاری اللہ تعالیٰ کے سوا نہ تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حسن و جمال کے آئینہ سے زیادہ نہیں ہے جیسا کہ صوفیہ نے کہا ہے اور شہود وحدت کو کثرت کے آئینہ میں تجویز کیا ہے اور اخروی رویت کے سوا اس دنیا میں مجالی و مظاہر میں ممکنات کی صورتوں کا مشاہدہ و مکاشفہ ثابت کیا ہے کیونکہ اس قسم کے کشف و شہود جو کہ سالکین صوفیاء کو توحید کے غلبات میں اس فانی دنیا میں میسر آتے ہیں قریب ہے کہ انبیاء کی امتوں کے خواص اس سے انکار کریں اور یہ لوگ ایسے کشوف و شہود سے یکسوئی اور پرہیز کرتے ہیں اور جب معاملہ اس طرح کا ہو تو انبیاء برگزیدہ کے متعلق اس طرح کے سوال کا کیا احتمال ہو سکتا ہے بلکہ اس معنی کا تصور کرنا بھی ان بزرگواروں کے متعلق عین وبال ہے۔

جواب : یہ سوال ایک مقدمہ پر مبنی ہے اور وہ یہ ہے کہ آخرت کا حسن و جمال اور اسی طرح اس مقام کی نعمتیں اور لذتیں بھی دنیا کے حسن و جمال کی طرح نہیں ہیں

کیونکہ وہ حسن و جمال سب خیر ہی خیر ہے اور لذتیں اور نعمتیں سب اللہ تعالیٰ کو مقبول و پسندیدہ ہیں اور یہ حسن و جمال سب شر اور نقص ہے اور یہ لذتیں اور نعمتیں سب نامقبول اور غیر مستحسن ہیں یہی وجہ ہے کہ آخرت کا گھر اللہ تعالیٰ کی رضا کا گھر ہے اور دنیا کا گھر خدا تعالیٰ کے غضب کی جگہ ہے۔

سوال : ممکن میں جو بھی حسن و جمال ہے چونکہ وہ حضرت وجوب سے مستعار ہے اور ممکن اس مرتبہ کے آئینہ اور مظہر سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا اس لئے کہ ممکن اپنے پاس کوئی چیز نہیں رکھتا اور جو کچھ بھی وہ رکھتا ہے حضرت وجوب سے مستعار ہے۔ پس ان دو مقامات میں فرق کہاں سے آگیا کہ ایک تو پسندیدہ اور

لے مجھے آئینہ کے پیچھے طوطی کی طرح رکھا ہے جو کچھ استاد ازل نے کہا ہے میں وہی کہتا ہوں۔ ۱۲

مقبول ہو اور دوسرا نامقبول اور غیر مستحسن۔

جواب: چند ایک مقدمات پر مبنی ہے پہلا مقدمہ یہ ہے کہ عالم تمام کا تمام اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کا مظہر اور جلوے کی جگہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے اسمائی و صفاتی کمالات کا آئینہ ہے۔

دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات اگرچہ وجوب کے دائرہ میں داخل ہیں لیکن چونکہ ان کو اپنے قیام اور وجود میں اللہ تعالیٰ کی ذات کی احتیاج ثابت ہے لہٰذا ان میں امکان کی بُو موجود ہے اور وجوب ذاتی ان کے حق میں غیر یقینی ہے کیونکہ ان کا وجوب اپنی ذات سے نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے اور اگرچہ ان کو غیر ذات بھی نہیں کہتے لیکن غیریت سے چارہ بھی نہیں ہے کیونکہ ان میں دوئی ثابت ہے اور "دو چیزیں آپس میں غیر ہوتی ہیں" یہ ارباب معقول کا مقررہ قاعدہ ہے لیکن اس کے باوجود ان پر امکان کا لفظ نہیں بولنا چاہیئے کیونکہ وہ حدوث کا وہم ڈالتا ہے کیونکہ ان کے نزدیک ہر ایک ممکن حادث ہے اور وجوب بالغیر بھی اس مقام میں تجویز کرنا چاہیئے کہ وہ ان کے خداوند تعالیٰ کی ذات سے علیحدہ ہونے کا وہم ڈالتا ہے۔

اور تیسرا مقدمہ یہ ہے کہ جس جگہ بھی امکان کی بُو ہے عدم کو بذات خود اس جگہ گنجائش ہے اگرچہ اس عدم کا حصول محال ہو لیکن وہ استحالہ اس کے اپنے نفس سے نہیں پیدا ہوا ہے بلکہ دوسری جگہ سے آیا ہے

چوتھا مقدمہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کو جس طرح ان کی جانب وجود میں حسن و جمال ثابت ہے ان کے احتمال عدم کی جانب میں بھی حسن و جمال ثابت ہے اگرچہ اس حسن کا ثبوت مرتبہ حس و وہم میں ہو جو کہ عدم کے مناسب ہے اگرچہ وہ ہمسائیگی سے مستعار ہو کہ عدم کو اپنی ذات میں سوائے شر اور قبح کے کوئی حصہ نہیں ہے وہ وجود ہی ہے جو سراسر کمال و خیر ہے اور سارے کا سارا حسن و جمال۔ جاننا چاہیئے کہ وہ حسن و جمال جو عدم میں نمودار ہوتا ہے اس کی مثال یہ ہے کہ جیسے حنظل (تمہ) چینی کے غلاف میں لپیٹ دیں اور بتائیں کہ یہ میٹھا ہے۔

پانچواں مقدمہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے لفظ کشفی سے معلوم ہوا ہے کہ اس دنیا میں ممکن کی جانب عدم کو کمال اقتدار سے تربیت کی ہے اور اپنی کمال صنعت سے مرتبہ حس و وہم میں ثبات و استقرار بخشا ہے اور صفات کے حسن و جمال کا مظہر کہ ان کے احتمال عدم کی جانب میں نمودار ہوتا تھا بنایا ہے اور یہ بھی واضح ہوا ہے کہ آخرت کی زندگی میں ممکن کے وجود کی جانب کو ترجیح دیں گے اور صفات کے حسن و جمال کا مظہر جو کہ ان کے وجود کی جانب میں ثابت ہے بنائیں گے

جب یہ پانچوں مقدمے معلوم ہو گئے تو اس دنیا کے حسن و جمال اور اس آخرت کے حسن و جمال میں فرق

واضح ہوگیا اور ایک کا قبح اور دوسرے کا حسن بھی لائح ہوا اور پسندیدہ اور ناپسندیدہ میں تمیز بھی پیدا ہو گئی اس تحقیقات سے اس سوال کا حل بھی ہوگیا اور اس مقدمہ کی وضاحت بھی ہوگئی کہ پہلے سوال کا جواب جس پر مبنی تھا جیسا کہ ذہین غور کرنے والے پر پوشیدہ نہیں ہے۔

اور جب یہ مقدمہ واضح ہوا تو ہم پہلے سوال کے جواب میں کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے صریح کشف سے معلوم ہوا ہے کہ حضرت یوسف علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا وجود اگرچہ اس دنیا میں پیدا ہوا ہے لیکن تمام موجودات کے برخلاف ان کے وجود کی پیدائش آخرت کی پیدائش سے ہے اور ان کے وجود کی جانب کو ترجیح دے کر ان کو اس حسن و جمال کا مظہر بنایا ہے جس کا تعلق اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات سے ہے اور عدمیت کا شائبہ جو کہ ان کے نفس یا ان کے اصل سے تعلق رکھتا ہے منتفی کر دیا ہے اور ظلمت عدم سے ان کو اور ان کے اصل کو پاک کر دیا ہے اور وجود کے نور کی جانب کے غلبے کے سوا جو کہ بہشتیوں کا حصہ ہے اس میں کچھ نہیں چھوڑا ہے تو لا محالہ ان کے حسن و جمال کی گرفتاری بہشت و بہشتیوں کے حسن کی گرفتاری کی طرح محمود ہے اور کاملین کا حصہ ہے اور جتنا بھی رب کامل تر ہوگا اتنا ہی وہ آخرت کے حسن و جمال کا زیادہ گرفتار ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ کی رضا میں قدم بڑھا رکھے گا۔ کیونکہ اس پیدائش سے گرفتاری اس پیدائش والے کی گرفتاری کا عین ہے کہ وہ پیدائش اللہ تعالیٰ کی حکمت کے طلسم سے زیادہ نہیں ہے اور کبریائی کی چادر کی طرح اللہ تعالیٰ کے نقاب سے زیادہ نہیں ہے۔ وَاللّٰهُ يَدْعُوْا اِلٰى دَارِ السَّلَامِ (اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے) نص قطعی ہے۔ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ (اور اللہ تعالیٰ آخرت چاہتے ہیں) اس معنی پر حجت واضح ہے اور جس نے آخرت کی گرفتاری کو دنیا کی گرفتاری کی طرح برا سمجھا ہے اور اللہ تعالیٰ کی گرفتاری کے سوا جانا ہے اس نے آخرت کی حقیقت کو نہیں سمجھا ہے اور غائب کو شاہد پر باوجود فارق یقین کے قیاس کیا ہے رابعہ بصری بے چارہ اگر جنت کی حقیقت کو پوری طرح سمجھ لیتی تو اس کو جلانے کی فکر میں نہ پڑتی اور اس کی گرفتاری کو اللہ تعالیٰ کی گرفتاری کے سوا نہ جانتی۔

اور کسی اور نے کہا ہے کہ آیت مِنْكُمْ مَنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ (کہ بعض تم میں سے دنیا چاہتے ہیں اور بعض تم میں سے آخرت چاہتے ہیں) میں دونوں فریق سے شکایت ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو انصاف دیں کہ کس طرح متصور ہو سکتا ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ بہشت کی دعوت فرمائیں اور دعوت دینے کے بعد جو اس کو قبول کرلے اس سے شکایت کریں۔ اگر اس مقدس مقام کی گرفتاری بری ہوتی یا مذمت کا شائبہ رکھتی تو جنت رضا کا گھر نہ ہوتا کہ رضا تو ربوبیت کا انتہائی مرتبہ ہے اور وہ بھی دنیا کی طرح مغضوب ہوتی۔

غضب کی علت اور مذمت کا باعث عدم ہے جو کہ ہر قباحت و نقص کی جڑ ہے اور وہ دُنیا کے حصہ میں آئی ہے اور دُنیا کی لعنت کا سبب ہوئی ہے اور جب عدم سے بیزاری حاصل ہوگئی تو مذمت اور قبح کا شائبہ زائل ہوگیا اور نارضامندی اور نامقبولیت دشمنوں کے حصہ میں آئی اور سراسر رضا و قبول وجود اور نور اور وصل و وصول اور راحت و سرور کے اور کچھ باقی نہ رہا۔ مخبر صادق صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بہشت میں تسبیح و تہلیل و تحمید سے درخت لگاؤ یعنی سبحان اللہ کہو اور بہشت میں درخت لگاؤ۔ تنزیہی معنی جو اس جگہ حروف و کلمات کے لباس میں پیدا ہوا ہے اس جگہ درختوں کی صورت میں متشکل ہوتا ہے کہ اس درخت اور اس درخت سے لذت کی گرفتاری عین گرفتاری معنی تنزیہی ہے۔ علیٰ ہٰذا القیاس۔

صوفیہ علیہ کہ جنہوں نے تمام دقائق و اسرار کو توحید و اتحاد میں فرمایا ہے اور اس دُنیا کے مظاہر جمیلہ پر ان کو محمول کیا ہے اور عاشقی کی ہے اور ان کے ضمن میں شہود و مشاہدہ کا اثبات کیا ہے اور ان کے حسن جمال کو اللہ تعالےٰ کا حسن و جمال سمجھا ہے۔ ایک نے کہا ہے "میں نے تجھے ہر لذیذ کھانے میں چکھا ہے۔" اور دوسرا کہتا ہے ؎

امروز چوں جمال تو بے پردہ ظاہر است ؎[1] در حیرتم کہ وعدۂ فردا برائے چیست ؟

اور تیسرا کہتا ہے ؎

از عطش گر وعدہ ح آبے خورند ؎[2] در درون آب حق را ناظر اند

اس دُنیا میں ان جیسی باتوں کی سچائی اس فقیر کی دریافت اور فہم سے دور ہے کیونکہ اس دُنیا میں ان نازکیوں کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں پاتا اور ان کو اس قسم کی دولت کے قبول کرنے کی قابلیت نہیں جانتا۔ اگر قبول کی طاقت رکھتے تو اللہ تعالےٰ کے مغضوب و مبغوض نہ ہوتے اور پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم اَلدُّنْیَا مَلْعُوْنَۃٌ (دُنیا ملعون ہے) نہ فرماتے۔ وہ بہشت ہی ہے جو ان بزرگوں کے لائق ہے اور ان مقامات کے قابل ہے اور یہ قول کہ "میں نے تجھے ہر لذیذ کھانے میں چکھا ہے"۔ بہشتی کھانوں پر صادق آتا ہے نہ کہ دنیوی طعام میں کہ وہ عدم کے زہر آب سے مخلوط ہے لہٰذا اس کا ارتکاب مناسب نہیں ہے۔

اس فقیر کے نزدیک ہر شخص اس اسم الٰہی کے ظہور سے عبارت ہے جو کہ اس شخص کا مبدأ تعین ہے اور اس اسم نے اشجار و انہار اور حور و قصور کی صورت میں اور ولدان و غلمان کے لباس میں ظہور فرمایا ہے اور جس طرح اسماء الٰہی جل سلطانہٗ میں باعتبار بلندی اور پستی اور باعتبار جامعیت و عدم جامعیت کے فرق ہے

---

[1] آج جبکہ تیرا جمال بے پردہ ظاہر ہے میں حیرت میں ہوں کہ کل کا وعدہ کس لئے ہے ۱۲۔

[2] اگر وہ پیاس سے پیالے میں پانی پیتے ہیں تو وہ پانی کے اندر خدا تعالےٰ کو دیکھتے ہیں ۱۲۔

ان کی جنتوں میں بھی اسی اندازہ کے مطابق فرق ہے اگر اس ظہور کے ضمن میں شہود و مشاہدہ کا اثبات کیا جائے تو مستحسن اور زیبا ہے اور کسی چیز کو اس کے مقام پر رکھنا ہے لیکن اس مقام کے علاوہ ایسی باتوں کا اطلاق کرنا جہالت ہے اور کسی چیز کو غیر مقام میں رکھنا ہے۔

شاید کہ صوفیہ علیہ محبت کی زیادتی اور کمال شوق کی وجہ سے جو وہ اپنے مطلوب سے رکھتے ہیں جس قدر بھی مطلوب کی خوشبو ان کی جان کے دماغ میں پہنچتی ہے اسے غنیمت سمجھ کر اس کو شدّتِ محبت کے غلبہ سے عین مطلوب تصور و سمجھتے ہیں اور وہ عاشقی جو نفسِ مطلوب سے کرنی چاہیئے اس کے ساتھ درمیان میں لاتے ہیں۔ اور لذت حاصل کرتے ہیں اور مشاہدہ و مکاشفہ ثابت کرتے ہیں ایک بزرگ کہتا ہے ؎

بہ بوئے تو از جاج ہم مست و بے خود   ز ہر سو کہ آواز پائے برآید[1]

ہاں عاشقی اور محبت کی بے آرامی میں اس قسم کے معاملات جائز بلکہ مستحسن ہیں کیونکہ یہ خدا کے لئے ہیں اور مطلوب بے مثل کی ملاقات کے شوق کی وجہ سے ہیں ان کی غلطی بھی صواب کا حکم رکھتی ہے اور ان کا سکر صحو کا حکم رکھتا ہے حدیث میں آیا ہے "بلال کا سین اللہ کے نزدیک شین ہے"۔ ع

ترا اشہدِ تو خندہ زند اسہدِ بلال[2]

جاننا چاہیئے کہ اس فقیر کا مکشوف یہ ہے کہ بہشت میں ہر جنتی شخص کی رویت بھی اس اسم الٰہی کے کے اندازہ کے مطابق ہوگی جو اس کے تعیّن و تشخص کا مبدأ ہے اور اشجار و انہار اور حور و غلمان بہشتی کے لباس میں ظہور فرمایا ہے اس طرح کہ کچھ مدّت کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ اشجار و انہار جو کہ اس اسم مقدس کے مظاہر ہیں کچھ وقت کے لئے عینک کا حکم پیدا کر لیتے ہیں اور اس شخص کے لئے غیر مکیّفہ رویت کی دولت کا وسیلہ بن جاتے ہیں اور پھر اپنی اصلی حالت میں آجاتے ہیں اور اس کو اپنی طرف مشغول کر لیتے ہیں۔ اور اسی طرح ہمیشہ ہمیشہ تک ہوتا رہتا ہے۔

بالکل تجلی ذاتی برق کی طرح کہ صوفیا نے اس کو اس دنیا میں تجویز کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی تجلی اس دولت کے مستعد لوگوں کے لئے ہمیشہ اسمائے صفات کے پردہ میں ہے لیکن کچھ مدّت کے بعد تھوڑے سے وقت کے لئے ان اسماء و صفات کا حجاب اُٹھ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات اسماء و صفات کے پردہ کے بغیر تجلی کرتی ہے اور چونکہ وہ اسم الٰہی اللہ تعالیٰ کی ذات کے اعتبارات میں سے ایک اعتبار ہے تو لازماً ہر شخص کی رویت سے تعلق بھی وہی اعتبار ذاتی ہوگا جو کہ اس شخص کا رب ہے۔ اس جگہ کوئی آدمی

---

[1] تیری خوشبو سے آبگینے بھی بے طرف مست اور بے خود ہیں کیونکہ پاؤں کی آواز آرہی ہے۔ ۱۲

[2] تیرے اشہد کا بلال کا اسہد مذاق اڑاتا ہے۔ ۱۲

تبعض اور تجزّی کا گمان نہ کرے کہ اللہ تعالیٰ کی تمام ذات تو ذات تھا۔ ہے یہ نہیں کہ بعض ذات تو وہ اعتبار ہو اور صفات کا بعض حصہ دوسرا اعتبار ہو کہ یہ نقص اور حدوث کی علامت ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے۔

صوفیاء نے کہا ہے کہ "اللہ تعالیٰ کی ذات پوری کی پوری علم ہے تمام کی تمام قدرت ہے اور ساری کی ساری ارادہ ہے" اور اگرچہ ہر اعتبار پوری ذات ہے لیکن مرتی (نظر آنے والا) وہی اعتبار ہے کہ دوسرے اعتبار لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ (آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں) کا راز اسی جگہ تلاش کرنا چاہئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ جب اعتبارات میں تمیز نہیں ہے اور ہر ایک عین اللہ کی ذات ہے تو رویت کے متعلق ایک اعتبار کو مقرر کرنا اور دوسرے بہت سے اعتبارات کو نظر انداز کرنا کس معنی سے ہے؟ اس لئے کہ ہم کہتے ہیں کہ یہ اعتبارات اگرچہ عین ذات ہیں بلکہ ایک دوسرے کا عین بھی ہیں اور امتیاز چونی چونکہ عالم کے گرفتاروں کے نزدیک چون معتبر ہے نہیں رکھتے لیکن بے چونی امتیاز ان کے درمیان ثابت ہے اور وہ صاحب دولت جو عالم چون سے عالم بے چون کے ساتھ وابستہ ہیں بے چون سے پیوستہ ہونا اور بے چون اعتبارات کا امتیاز ان پر بھی واضح ہے اور اس امتیاز کو وہ کان اور آنکھ کے امتیاز کی طرح پاتے ہیں۔ ہاں وہ صاحب دولت جس کا مبدأ تعین اسم جامع ہوتا ہے اس کو اعتدال کے طور پر مختلف درجات میں اگرچہ اجمالی طور پر ہو، اللہ تعالیٰ کے تمام اعتبارات سے حصہ ہے اور اس کی رویت تمام کے ساتھ متعلق ہے اور چونکہ اجمال کی جامعیت کی تنگی چونکہ اس کا حصہ ہے ہر وقت اس کی دامنگیر ہے لہٰذا احاطہ اور ادراک اس کے حق میں بھی مفقود ہوتا ہے اور آیت لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ صادق ہوتی ہے کیونکہ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا (بات میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ کون سچا ہے)

جاننا چاہئے کہ جب بندہ کو اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے مخصوص کر لیتے ہیں اس کو فنائے اتم کی دولت سے مشرف کرتے ہیں اور عدم کی قید سے جو کہ اس کی ماہیت ہوتی ہے آزاد کر دیتا ہے اور اس کی ذات و صفات باقی نہیں رہتے اس کو اس طرح کی فنا کے بعد ایک ایسا وجود بخشتا ہے جو کہ آخرت کے وجود کے مشابہ ہوتا ہے اور وجود ممکن کی ترجیح کی جانب تعلق رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کے وجوب کی جانب کے کمالات کا مظہر ہوتا ہے جیسا کہ اس کی تحقیق پہلے گزر چکی ہے تو حضرت یوسف علیہ السلام اپنے وجود کے ساتھ اس دولت سے مشرف ہوئے تھے اور یہ عارف وجود ثانی کے ساتھ دوسری ولادت میں اس سے مشرف ہوتا ہے اور چونکہ وہ ایسے پیدائشی طور پر تھے لہٰذا ان کو حسن ظاہر بھی عطا کیا اور عارف میں چونکہ کسب کے بعد حاصل ہوا ہے لہٰذا نور باطن پر ہی اکتفا کی ہے اور اس کے ظاہری حسن کو آخرت کا ذخیرہ بنایا ہے اس طرح کا دولت مند انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد نادر الوجود ہے اور ایسے بہت ہی تھوڑے ہیں۔

بزرگوار اگرچہ نبی نہیں ہے لیکن انبیاء کی تبعیت میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی خاص دولت میں شریک ہے اور اگرچہ طفیل ہے لیکن انہی کے دستر خوانِ نعمت پر بیٹھا ہے اور اگرچہ وہ خادم ہے لیکن مخدوموں کا ہم نشین ہے اور وہ ایسا تابع ہے جو متبوعین کا ہمراز و مصاحب ہے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی ایسا راز اس سے کہتے ہیں کہ انبیاء بھی اس پر رشک کرتے ہیں اور اس کے ساتھ شرکت چاہتے ہیں علیہم الصلوات والتسلیمات جیسا کہ مخبر صادق صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی خبر دی ہے۔

لیکن اس قسم کا معاملہ جزئی فضیلت میں داخل ہے کلی فضیلت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہی کے لئے ہے اور چونکہ یہ فضیلت بھی اس کو ان کی متابعت کی دولت سے میسر ہوئی ہے لہٰذا انہی کی طرف سے ہے اور اس کی حیثیت ان کے اقتدار سے زیادہ نہیں ہے۔ آیت کریمہ

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ ۝ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ ۝ وَإِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ ۝

اور ہماری بات ہمارے بھیجے ہوؤں کے لئے پہلے گذر چکی ہے کہ وہی مدد دیئے جائیں گے اور یقیناً ہمارا لشکر وہی غالب آنے والے ہیں۔[1]

قرآنی نص ہے کہ ان بزرگواروں کی شان سب سے بڑھ کر ہے اور سب پر ان کو مدد دی ہے اور غالب کیا ہے۔

سوال:- یہ وجود جو عارف تام المعرفت کو بخشتے ہیں کیا وہ اس وجود کے ساتھ بھی اس دنیا کی دوسری موجودات کی طرح مرتبہ حس و وہم میں ہے یا اس سے باہر آچکا ہے اور اگر باہر آچکا ہے تو اس نے وجود خارجی پیدا کیا ہے یا نہیں حالانکہ قوم کا مقررہ قاعدہ ہے کہ خارج میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی چیز موجود نہیں ہے۔

جواب:- جو کچھ آخرکار معلوم ہوا ہے میں کہتا ہوں کہ وہ مرتبہ وہم سے باہر آچکا ہے اور نفس امری ہو چکا ہے۔ مرتبہ وہم نے بھی اگرچہ ثبات و تقرر کے اعتبار سے نفس امر کا حکم پیدا کیا ہے لیکن حقیقت میں وہ نفس امر نہیں تھا کہ نفس امر اس سے اوپر کا مرتبہ ہے گویا یہ مرتبہ وہم اور خارج کے درمیان برزخ ہے۔ آخرت کی پیدائش کے موجودات بھی مرتبہ نفس امر میں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی صفات بھی سوائے حقیقی آٹھ صفات کے سب اسی مرتبہ میں ہیں اور مرتبہ خارج میں سوائے اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی آٹھ صفات کے اور کوئی چیز موجود نہیں ہے پس موجودات کے تین مرتبے ظاہر ہوئے۔

اور مرتبہ وہم میں جو کہ اس پیدائش کے اکثر افراد کا حصہ ہے سارے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں جو کہ اس مرتبہ سے باہر آچکے ہیں اور اسی طرح ملائکہ کرام بھی علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کہ جن کا وجود آخرت کی پیدائش

---

[1] سورۃ والصافات پارہ ۲۳۔

کے وجود سے مناسبت رکھتا ہے اور اولیائے کرام سے بھی بہت سے کم لوگ ایسے ہیں جو اس دولت سے مشرف ہوئے ہیں اور وہم سے نکل کر نفس امر کے ساتھ ملحق ہو چکے ہیں۔

اور دُوسرا مرتبہ نفس امر کا ہے کہ اللہ تعالےٰ کی صفات و افعال اس جگہ موجود ہیں اور ملائکہ کرام بھی اس مرتبہ میں موجُود ہیں اور آخرت کی پیدائش کا وجود بھی اس مرتبہ میں ثابت ہے اور اسی طرح انبیاء اور اولیاء میں سے تھوڑے آدمی بھی اسی مرتبہ میں چلے گئے ہیں علیہم وعلی اتباعہم الصلوات والتسلیمات لیکن اتنا ضرور ہے کہ اللہ تعالےٰ کی صفات اس مقام کے مرکز میں ہیں جو کہ اس کے اجزاء میں سے اشرف ہے اور باقی موجودات اپنی اپنی استعداد کے مُطابق اس کے اطراف و اکناف میں ہے

اور تیسرا مرتبہ خارج اور موجود کا ہے اس جگہ اللہ تعالےٰ کی ذات اور اس کی صفات ثلاثہ میں سا گر فرق ہے تو مرکز اور غیر مرکز کا ہے کہ مرکز اللہ تعالےٰ کی ذات کے زیادہ مناسب ہے۔

سوال :۔ مرتبۂ وہم سے نکل کر مرتبۂ نفس امر میں جانا کونسی فضیلت رکھتا ہے اور کونسا قُرب اس سے وابستہ ہے؟

جواب :۔ ہر خیر اور کمال اور حسن و جمال کا منشا وجود ہے اور وجود کی جتنی قوت و استقرار زیادہ ہوگی ان صفات کا ظہور کامل تر ہوگا اور اس میں شک نہیں ہے کہ وجود نفس امری وہمی وجوُد سے زیادہ طاقتور اور زیادہ ثابت ہے تو لازماً اس میں خیر و کمال ہوگا اور قُرب کے متعلق کیا کہنا ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ کے افعال کی صفات میں چلا گیا ہے اور خالقیت اور رازقیت کی صفات سے ہمسائیگی کا حق پیدا کر لیا ہے۔

جاننا چاہیئے کہ عدم کا ثبوت اور اسی طرح ان کمالات کا ثبوت جن میں عدم کا شائبہ ممزوج ہے اگرچہ وہ کمالات صفاتیہ سے ہے یہ سب مرتبۂ حس و وہم میں ہیں اور جب تک پوری طرح عدم سے پاک نہیں ہوتے اور ان کی ذات و صفات زائل نہیں ہوتیں مرتبۂ نفس امر کے دخل کے لائق نہیں ہوتے اور اگرچہ عدم کے ضعف و قوت کے اعتبار سے ثبوت وہمی کے مختلف درجے ہیں جتنا عدم زیادہ طاقتور ہوگا اتنی ہی مرتبۂ وہم میں گرفتاری کامل ہوگی اور جب وہ کمزور ہوگا تو گرفتاری بھی کم ہوگی۔ بہت سے اولیاء جو سیر و سلوک سے عدم کے مراتب سے گذر چکے ہیں اور اُن میں عدم کے اثر کے سوا کوئی چیز باقی نہیں رہی ہے لیکن جب تک وہ اثر باقی ہے مرتبۂ نفس امر میں داخل نہیں ہو سکتے البتہ مرتبۂ وہم سے گذر کر اس کے آخری نقطہ تک پہنچ جاتے ہیں اور مرتبۂ نفس امر کا نظارہ کرتے ہیں اور اس مقام سے حصّہ حاصل کرتے ہیں۔

محسوس ہوتا ہے کہ انبیاء کرام اور ملائکہ عظام علیہم الصلوات والتسلیمات مُختلف مراتب پر اور اسی طرح انبیاء کے بعض متابع بھی اگرچہ وہ بہت تھوڑے ہیں مرتبہ نفس امر کے مقام کے اخیر تک پہنچے ہیں اور ہر ایک

کے لئے مختلف وجہات پر ایک خاص وطن ہے اور ایک علیحدہ مقام ہے اور قرآن کے کلمات اور حروف بھی اس جگہ مشہود ہوتے ہیں اور ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا مقام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مقام سے بلند تر ہے گویا کہ وہ اس مقام سے باہر آچکے ہیں اور اوپر کے مقام تک نہیں پہنچے اور درمیان میں برزخ بن کر اقامت کر رہی ہے کیونکہ اوپر کا مقام اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات مقدسہ کے لئے مخصوص ہے اور خارج میں اس کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہے۔

اور یہ حروف و کلمات چونکہ حدوث کا نشان رکھتے ہیں لہٰذا اس کے مقام کے وصل کی قابلیت نہیں رکھتے لیکن اس مرتبہ کی تمام موجودات سے آگے ہیں اور انہوں نے اپنے معانی کا دامن تھام رکھا ہے اور وہ بزرگ جو مرتبۂ نفس کے آخر میں اقامت رکھتے ہیں وہ اوپر کے مرتبہ کا نظارہ کرتے ہیں اور کمال گرفتاری کی وجہ سے نرگس کی طرح تمام آنکھ ہی آنکھ بن کر جناب مقدس کو دیکھتے ہیں۔

عجیب معاملہ ہے کہ یہ بزرگوار اس توطن واقامت کے باوجود بحکم اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (کہ آدمی اس کے ساتھ ہے جس سے اس کی محبت ہو) اپنے محبوب کے ساتھ مجہول الکیفیت معیت رکھتے ہیں اور بے خود اس کے ساتھ ہیں اور بے اتحاد اور بغیر حلول کے اپنے مطلوب سے مانوس و مالوف ہیں اس اثنا میں کہ قرآن کے کلمات و حروف کی معیت اس مرتبہ مقدسہ سے ملاحظہ ہوئی تو معلوم ہوا کہ اس معیت کو دوسروں کی معیت کے ساتھ کوئی نسبت ہی نہیں ہے۔ یہ معیت بہت بلند ہے اور ادراک میں کچھ بھی نہیں آسکتی کہ وہ باطن در باطن کے ساتھ وابستہ ہے مخلوق کے فہم کو اس جگہ کوئی گنجائش نہیں ہے اَلْقُرْاٰنُ کَلَامُ اللّٰہِ غَیْرُ مَخْلُوْقٍ (قرآن اللہ کا کلام ہے اور غیر مخلوق ہے) آیا ہے ان حروف و کلمات کی بلندی شان سے معلوم ہوتا ہے کہ کلام نفسی بھی یہی حروف و کلمات ہیں جیسا کہ قاضی عضد الدین نے اس کی تحقیق کی ہے اور بغیر تقدیم و تاخیر انہی کو کلام نفسی قدیم کہا ہے اور ان کی تقدیم و تاخیر کو اپنے آلۂ حادثہ کے قصور کی طرف راجع کیا ہے۔

سوال:- اگر یہی حروف و کلمات کلام نفسی ہوں تو چاہیئے کہ مرتبہ خارج میں داخل ہوں اور پہلے گذر چکا ہے کہ یہ اس مقام میں داخل نہیں ہو سکتے اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب:- یہ حروف و کلمات چونکہ اذہان میں تقدیم و تاخیر سے مذکور ہوتے ہیں تو لازماً اس ملاحظہ سے کشفی نظر میں ان کا مرتبۂ خارج میں داخل نہ ہونا ظاہر ہوتا ہے لیکن جب دوسری مرتبہ تقدیم و تاخیر کے ملاحظہ کے بغیر دیکھا گیا تو مشہود ہوا کہ اس میں داخل ہیں اور اپنے اصل کے ساتھ ملحق بلکہ متحد ہیں پس ان کی معیت دوسروں کی معیت سے کیا نسبت رکھتی ہے؟ کہ اس جگہ اتحاد ہے اور دوسروں میں اتحاد کی گنجائش

نہیں ہے۔

سبحان اللہ ایسے حروف و کلمات قرآنی جب اللہ تعالیٰ کا کلام قدیم ہوتے ہیں تو اس دنیا میں ان کا ظہور برخلاف دوسری صفات قدیمہ کے بنفس خود ہوتا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں حروف و کلمات خود اس کا اپنا نفس ہیں اور تقدیم و تاخیر عارضی کے سوا جو کہ آلۂ تکلم کے قصور کی وجہ سے ہے اس کا نقاب بنتے ہیں اور اس کے سوا اور کوئی حجاب نہیں ہے پس اللہ تعالیٰ کی ذات کے قریب ترین قرآن مجید ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ظاہر ترین بھی وہی ہے کہ ان میں ظلیت کی گرد کی بو بھی نہیں ہے۔ اور تقدیم و تاخیر کے خس و خاشاک کو محجوبین کی آنکھوں میں ڈال کر اپنے اصل سے عالم ظلال میں جلوہ گر ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ افضل عبادات تلاوت قرآن مجید ہے اور اس کی شفاعت دوسروں کی نسبت مقبول ترین شفاعت ہے کیا کسی مقرب فرشتہ کی شفاعت اور کسی نبی مرسل کی۔ وہ نتائج و اثرات جو قرآن مجید کی تلاوت پر مترتب ہوتے ہیں ان کی تفصیل کیا لکھی جائے۔ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ تلاوت کرنے والے کو اٹھا کر اس درجہ پر لے جاتا ہے جہاں بال کی گنجائش بھی متصور نہیں ہے۔

سوال: کیا قرآن مجید کے حروف و کلمات ہی اس دولت سے مخصوص ہوتے ہیں یا تمام منزلہ کتابوں کے حروف و کلمات بھی ان کے ساتھ اس دولت میں شریک ہیں اور کیا سب ہی کلام قدیم نفسی ہیں؟

جواب:۔ تمام اس دولت میں شریک ہیں نظر کشفی میں صرف اس قدر فرق معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید گویا دائرہ کا مرکز ہے اور باقی دوسری کتابیں بلکہ وہ سب کچھ جس سے ازل سے ابد تک تکلم واقع ہوا ہے سب گویا اس دائرہ کا محیط ہیں۔ پس قرآن سب کا اصل ہے اور تمام کتابوں سے اشرف ہے کیونکہ مرکز دائرہ کے اجزا میں سے سب سے اشرف ہے اور دائرہ کے تمام نقاط کا اصل ہے گویا کہ باقی تمام نقطے اسی کی تفصیل ہیں اور وہ سب کا اجمال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق فرمایا ہے۔

وَاِنَّهٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ اور یقیناً وہ پہلے لوگوں کی کتابوں میں بھی ہے۔

سوال:۔ تحقیق سابق سے معلوم ہوا اس دنیا میں جو مظاہر جمیلہ کے ضمن میں شہود اور مشاہدہ کہتے ہیں واقع نہیں ہے اور ان کو اس مرتبۂ مقدسہ کی مظہریت کی قابلیت نہیں ہے کیا ان مظاہر کے علاوہ بھی اس دنیا میں شہود و مشاہدہ متحقق ہے یا نہیں؛

جواب:۔ جو کچھ اس حقیر کا اعتقاد ہے وہ یہ ہے کہ اس دنیا کا نصیب صرف ایقان ہے کہ آنکھ کا دیکھنا اور مشاہدہ جو کہ دل کے دیکھنے سے عبارت ہے مختلف درجات پر اسی کا نتیجہ و ثمرہ ہے جو کہ آخرت کے ساتھ وابستہ ہے صاحب تعرف نے جو اس طائفہ علیہ کے اکابرین میں سے ہے اپنی کتاب میں اس باب میں مشائخ

کا اجماع نقل کیا ہے اور کہتا ہے کہ صوفیہ نے اجماع کیا ہے کہ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی رویت نہ آنکھ سے واقع ہے اور نہ دل سے اور ایقان کے علاوہ اس جگہ کوئی امر ثابت نہیں ہے۔

سوال:۔ اس طائفہ علیہ کا مقررہ اصول ہے کہ یقین کے تین درجے ہیں۔ علم الیقین۔ عین الیقین۔ حق الیقین۔ اور علم الیقین اس سے عبارت ہے کہ اثر سے مؤثر پر استدلال کیا جائے جیسا کہ آتش کے وجود کا یقین جو دھوئیں کے وجود کے علم سے استدلال کر کے حاصل کیا جائے اور عین الیقین یہ ہے کہ مثلاً آگ کو آنکھوں سے دیکھ لیا جائے اور حق الیقین مثلاً آتش کے تحقق ہونے سے عبارت ہے اور جب رویت قلبی بھی نہیں ہے تو عین الیقین کس صورت میں راست آئے گا اور مشائخ کا عدم رویت پر مطلقاً اجماع کس طرح صادق آسکتا ہے؟

جواب:۔ ہو سکتا ہے کہ اجماع سے مراد پہلے مشائخ کا اجماع ہو اور پچھلوں نے اس کے بخلاف حکم کیا ہو اور رویت قلبی کو جائز رکھا ہو اور اس فقیر کے نزدیک یہ حکم ثابت نہیں ہوا ہے اور اس تجویز کا کوئی ثبوت نہیں ہے اور یہ تین درجے جو یقین میں کہے ہیں یہ سب علم الیقین میں داخل ہیں اور یہ استدلال سے باہر نہیں آئے اور آنکھ سے دیکھنے کے علم تک نہیں پہنچے۔ اور وہ عین الیقین میں آتش کا دیکھنا کہا ہے یہ دھوئیں کا دیکھنا ہے کہ اس جگہ سے آتش کے وجود پر استدلال کیا ہے اور یہ دوسرا یقین پہلے یقین کی نسبت اپنی دلیل کی قوت کی وجہ سے زیادہ اتم ہے کیونکہ اس جگہ علم دلیل ہے اور اس جگہ رویت دلیل ہے اور اسی طرح حق الیقین میں بھی دھوئیں سے متصف ہوتا ہے نہ کہ آتش سے اور پھر اس جگہ سے آتش پر استدلال کرتا ہے اور یہ یقین پہلے دونوں یقینوں سے اتم و اکمل ہے کہ اپنے نفس سے جو کہ دھواں ہو چکا ہے آتش کے وجود پر استدلال کرتا ہے اور انفس سے آفاق تک فرق واضح ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

سنریهم ایاتنا فی الآفاق وفی انفسهم حتی یتبین لهم انه الحق۔

ہم ان کو آفاق میں اور ان کی اپنی جانوں میں بھی اپنی نشانیاں دکھائیں گے یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے کہ وہ حق ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ وَفِي أَنفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ

اور زمین میں یقین کرنے والوں کے لئے نشانات ہیں اور تمہاری اپنی جانوں میں بھی، کیا تم نہیں دیکھتے۔

جو کچھ آفاق و انفس میں دیکھا جاتا ہے وہ مطلوب کے نشانات ہیں نہ کہ عین مطلوب پس آفاق و انفس میں مرئی چیز دھواں ہوگا جو کہ آگ کی علامت ہے نہ کہ آگ۔ پس آفاق و انفس میں معاملہ استدلالی ہوتا ہے جو کہ علم الیقین کی حقیقت ہے اور عین الیقین اور حق الیقین کو آفاق و انفس سے ماوراء تشخیص کرنا چاہئے۔

سبحان اللہ! بزرگوں نے مطلوب کی یافت کو انفس میں مقرر کیا ہے اور انفس سے باہر کو بے حاصل جانا ہے۔ ایک فرماتا ہے ؎

ہیچ کس نابینا مبر بر سوئے دست — با تو در زیر گلیم است آنچہ ہست

دوسرا کہتا ہے ؎ چوں جلوۂ آں جمال بیروں ز تو نیست — پا در دامان و سر بجیب اندر کش

تیسرا کہتا ہے ؎ ذرہ گر بس نیک ور بس بد بود

گرچہ عمرے تگ زند در خود بود

صاحب فصوص فرماتا ہے "ذات کی تجلی صورت متجلی لہ (جس پر تجلی کی گئی) پر ہی ہوتی ہے"۔
ایک اور بزرگ فرماتے ہیں۔ اہل اللہ فنا و بقا کے بعد جو کچھ بھی دیکھتے ہیں اپنے اندر دیکھتے ہیں اور جو کچھ پہچانتے ہیں اپنے اندر پہچانتے ہیں اور ان کی حیرت اپنے وجود میں ہے وَفِیٓ اَنۡفُسِکُمۡ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ (اور تمہاری اپنی جانوں میں بھی کیا تم نہیں دیکھتے)

اور اس فقیر کے نزدیک آفاق کی طرح انفس بھی لاحاصل ہے اور مطلوب کے پانے سے خالی اور بے نصیب ہے وہ خبر جو آفاق و انفس میں ہے وہ مطلوب کا استدلال ہے اور مقصود پر دلالت ہے اور مطلوب تک پہنچنا آفاق و انفس کے ماوراء سے وابستہ ہے اور سلوک و جذبہ کے ماسوا سے تعلق رکھتا ہے کیونکہ سلوک سیر آفاقی ہے اور جذبہ انفسی پس سلوک و جذبہ اور سیر آفاقی و انفسی سب سیر الی اللہ میں داخل ہیں نہ وہ جو انہوں نے کہا ہے کہ سیر و سلوک آفاقی تو سیر الی اللہ ہے اور جذبہ اور سیر انفسی سیر فی اللہ ہے۔ کیا کیا جائے ان کو ایسا ہی معلوم کرایا ہے اور مجھے اس طرح۔ اے اللہ تو پاک ہے ہمیں تیرے بتائے ہوئے کے بغیر کسی چیز کا علم نہیں ہے۔

میں مسکین ان کا جھوٹا کھانے والا کو کیا طاقت ہے کہ ان کے مذاق کے خلاف بات کہوں لیکن جب معاملہ تقلید سے گزر چکا ہے تو لازماً جو کچھ میں پاتا ہوں کہہ دیتا ہوں وہ خواہ قوم کے مخالف ہو یا موافق، ابو یوسف کو تقلید کا زمانہ گزر جانے کے بعد ابو حنیفہ جو کہ ان کے استاد ہیں کی موافقت پر مجبور کرنا غلطی ہے۔ اے ہمارے رب ہم اگر بھول جائیں یا خطا کریں تو ہم پر مواخذہ نہ فرما۔

سوال:۔ یہ یقین کے تینوں درجات جب علم الیقین میں داخل ہیں تو تمہارے نزدیک عین الیقین کیا ہوتا ہے؟

جواب:۔ عین الیقین مثلاً عبارت اس حالت سے ہے کہ جو نفس دخان کو آتش کے ساتھ ثابت ہے اور جب استدلال کرنے والا دریعہ دلیل کی انتہا تک پہنچتا ہے جو کہ دخان (دھواں) ہے تو اس کو بھی

لے اندھوں کی طرح ہر طرف ہاتھ نہ مار جو کچھ بھی ہے وہ گودڑی کے نیچے تیرے ساتھ ہے ۱۲ ؎ جب اس جمال کا جلوہ تجھ سے باہر نہیں ہے تو پاؤں دامن میں اور سر گریبان میں ڈال لے ؎ ذرہ اگر بہت نیک یا بہت بد ہو اگر وہ اپنی عمر بھر بھی دوڑتا رہے تو اپنے اندر ہی رہے گا ۱۲۔

ایک حالت آتش سے پیدا ہو جائے گی جو کہ دھوئیں کو آتش سے ثابت ہے۔ فقیر کے نزدیک یہ حالت عین الیقین سے تعبیر ہے جو کہ علم استدلال سے اوپر ہے اور آفاق و انفس سے باہر ہے اور جب استدلال کا پردہ درمیان سے اُٹھ گیا ہے جو کہ مرتبۂ علم کی انتہا ہے تو لازماً علم سے کشف میں آ گیا اور غیب سے شہود و حضور انجام پایا۔ جاننا چاہیئے کہ شہود و حضور اور چیز ہے اور رویت و احساس اور چیز کیونکہ اور نظر والے کو نور آفتاب کے چمکنے کے وقت آفتاب کا شہود و حضور حاصل ہے اور اس کو رویت و احساس نہیں ہے۔

تنبیہ :۔ دھوئیں سے متحقق ہونا اس تحقیق کے مطابق جو ذکر ہو چکی ہے دو وجہ رکھتا ہے اور وہ علم الیقین و عین الیقین کو شامل ہے جب تک دھوئیں کے ساتھ تحقق میں اس کے تمام نقاط کو طے نہیں کر لیتا اور اس کے آخری نقطہ تک نہیں پہنچ جاتا، وہ علم الیقین ہے کیونکہ ہر نقطہ جو رہ گیا ہے وہ اس کا حجاب ہے جو کہ استدلال کو مستلزم ہے اور جب تمام نقاط سے متصف ہوا اور اس کے نقطہ آخر تک پہنچ گیا، تو استدلال سے باہر آ گیا کہ تمام حجاب اُٹھ گئے اور نفس دخان کی طرح اس کو عین الیقین ثابت ہوا اس کو سمجھ لے۔

اور حق الیقین سے کیا لکھا جائے کہ اس کا کمال تحقق اخروی نشاۃ سے وابستہ ہے اور اگر اس دولت کا کچھ حصہ دُنیا میں حاصل ہے تو وہ اخص خواص سے مخصوص ہے کہ سیر انفسی جو حق الیقین سے مشابہت رکھتی ہے ان کے نزدیک علم الیقین میں داخل ہو چکی ہے اور ان کے انفس نے آفاق کا حکم حاصل کیا ہے۔ اور ان کا علم حضوری جو نفس کے ساتھ تھا علم حصولی ہو چکا ہے اور عین الیقین ان کے حق میں ماوراء میں حاصل ہوا ہے اور ایسے لوگ بہت تھوڑے ہیں۔

خاتمہ حسنہ :۔ حسن و جمال محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے بیان میں جس سے جہانوں کے پروردگار کی محبت کا تعلق ہے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم اس جمال کے ساتھ رب العالمین کے محبوب ہوئے ہیں۔ حضرت یوسف اگرچہ اس صباحت کی وجہ سے جو وہ رکھتے تھے حضرت یعقوب کے محبوب ہوئے ہیں علی نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام، لیکن ہمارے پیغمبر جو کہ خاتم المرسلین ہیں اس ملاحت کی وجہ سے جو وُہ رکھتے ہیں خالق زمین و آسمان کے محبوب ہیں علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات اور زمین و زمان کو ان کی طفیل پیدا کیا ہے جیسا کہ وارد ہوا ہے۔

جاننا چاہیئے کہ خلق محمدی دوسرے افراد انسانی کی پیدائش کی طرح نہیں ہے بلکہ عالم کے افراد میں سے کسی

ل حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے اس عبارت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نور ہونے کے عقیدے کی تصریح فرما دی ہے اور یہ عقیدہ بھی بیان کر دیا ہے کہ چونکہ حضور کی ذات نور ہے اس لئے آپ کے جسم اطہر کا سایہ نہیں تھا۔ آپ کے اس بیان سے اہل سنت کے عقائد حقہ کی تائید و تصدیق ہوتی ہے۔ اس مسئلہ میں آپ کے مسلک کی مزید تفصیل بندہ کی تالیف مسلک امام ربانی میں دیکھیں۔ مترجم غفرلہٗ

فرد کی پیدائش سے بھی مناسبت نہیں رکھتی کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باوجود عنصری پیدائش کے اللہ تعالےٰ[1] کے نور سے پیدا ہوئے ہیں جیسا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ خُلِقْتُ مِنْ نُّوْرِ اللّٰہِ (میں اللہ کے نُور سے پیدا کیا گیا ہوں) اور دُوسروں کو یہ دولت حاصل نہیں ہوئی ہے۔

اس باریک نکتہ کا بیان یہ ہے کہ پہلے گزر چکا ہے کہ اللہ تعالےٰ کی حقیقی آٹھ صفات اگرچہ وجوب کے دائرہ میں داخل ہیں لیکن اس احتیاج کی وجہ سے جو اُن کو اللہ تعالےٰ کی ذات سے ہے امکان کی بُو اُن میں ثابت ہے اور جب اللہ تعالےٰ کی حقیقی قدیمی صفات میں امکان کی گنجائش ہوئی تو اللہ تعالےٰ کی صفات اضافیہ میں تو امکان کا ثبوت بطریق اولیٰ ہوگا اور ان کا قدیم نہ ہونا ان کے امکان پر بہت بڑی دلیل ہے اور کشف صریح سے معلوم ہُوا ہے کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی پیدائش اس امکان سے ہُوئی ہے جو صفاتِ اضافیہ سے تعلق رکھتا ہے نہ وہ امکان جو تمام ممکنات عالم میں ثابت ہے اور جتنا بھی دقتِ نظر سے ممکنات عالم کے صحیفہ کا مطالعہ کیا جاتا ہے رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا وجود اس جگہ مشہود نہیں ہوتا اور رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا امکان اور ان کی پیدائش کا منشا صفاتِ اضافیہ کا وجُود اور اُن کا امکان محسوس ہوتا ہے اور جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا وجود عالم ممکنات میں نہ ہوگا بلکہ اس عالم سے اوپر ہوگا تو لازماً اُن کا سایہ نہ ہوگا اور پھر یہ بھی ہے کہ عالم شہادت میں کسی شخص کا سایہ اس شخص سے زیادہ لطیف ہے اور جب آپ سے زیادہ لطیف کوئی چیز عالم میں نہ ہوگی تو ان کے سایہ کی کیا صُورت ہو سکتی ہے علیہ وعلیٰ آلہ الصّلوات والتسلیمات۔

مُحسن بھور سے سُن! صفتِ علم صفاتِ حقیقیہ سے ہے اور وجُود خارجی کے دائرہ میں داخل ہے اور جب اس صفت کو کوئی نسبت لاحق ہوتی ہے اور اس سے وُہ تقسیم ہو جاتی ہے۔ مثلاً علم اجمالی یا علم تفصیلی تو اس کی یہ اقسام صفات اضافیہ سے ہوں گی اور ثبوت نفس الامری کے دائرہ میں داخل ہوں گی جو کہ صفات اضافیہ کا مقام ہے۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے اور مشہود ہوتا ہے کہ علم تبل ہو کر صفات اضافیہ سے ہو گیا ہے وہ ایک ایسا نور ہے جو عنصری پیدائش میں جو اصلاب سے ارحام مُطہرہ میں گرنے کے بعد اللہ تعالےٰ کی حکمتوں اور مصلحتوں کے مطابق انسانی صورت میں جو کہ بہترین شکل وصورت ہے ظاہر ہُوا ہے اور اس کا نام محمد اور احمد ہُوا۔

---

[1] حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو صرف بشر بھائی کا درجہ دینے والے اور آپ کے نور اپنی مثل بشر تک کی رٹ لگانے والے حضرت امام ربانی کی اس عبارت کا بغور اور بنظرِ انصاف سے مطالعہ فرمائیں حضرت امام ربانی قدس سرہ مسلّم علیہ بزرگوں میں سے ہیں اور اللہ تعالےٰ نے سب مسلمانوں کو ان بزرگوں کے عقائد و اعمال کے مطابق زندگی بسر کرنے کی تلقین و تاکید کی ہے۔ اللہ تعالےٰ بے ادبی اور بد عقیدگی سے بچائے۔ آمین۔ اس عقیدہ کی مزید تفصیل و وضاحت کے لئے "نہج کی تالیف" مسلک امام ربانی" کا مطالعہ فرمائیں۔ مترجم عفی عنہ

اچھی طرح سننا چاہیئے کہ اس اجمال کی قید نے اگرچہ علم مطلق کو مقید کر دیا ہے اور حقیقت سے اضافت میں سے آئی ہے لیکن اس نے علم میں کوئی زیادتی پیدا نہیں کی ہے اور کسی چیز نے اس کو مقید نہیں کیا ہے کیونکہ اجمال علم نفس علم سے عبارت ہے نہ کہ کوئی امر زائد جو علم سے ملا ہو بہ خلاف تفصیل علم کے کہ وہ بے شمار جزئیات کا تقاضا کرتی ہے تاکہ تفصیل متصور ہو سکے عجیب قسم کی قید ہے جو اطلاق کی مُظہر ہے اور کتنا اچھا مقید ہے جو نفس مُطلق ہے اس قسم کی نادر کی مطلق علم میں جو اللہ کی ذات سے منسوب ہے ملاحظہ کرنا چاہیئے کہ نفسِ عالم اور نفس معلوم ہو سکتا ہے جیسا کہ علم حضوری میں ثابت ہے برخلاف دوسری صفات کے کہ وہ یہ قابلیت نہیں رکھتیں۔ نہیں کہا جا سکتا کہ قدرت عین قادر اور عین مقدور اور ارادہ عین مُرید اور عین مُراد ہے۔

پس علم کو ذات عالم سے اتحاد ہے اور ایسی نسبت ہے جو دوسروں کو حاصل نہیں ہے اس جگہ احمد کا احد سے قرب دریافت کرنا چاہیئے کہ وہ واسطہ جو ان کے درمیان ہے وہ صفت علم ہے وہ ایک ایسا امر ہے جو مطلوب سے اتحاد رکھتا ہے پس حجاب کو اس جگہ کیا گنجائش ہو سکتی ہے۔ اور پھر یہ بھی ہے کہ علم کا ایک ذاتی حُسن ہے کہ دوسری صفات کے لئے یہ حسن ثابت نہیں ہے لہٰذا اس فقیر کے خیال کے مطابق اللہ تعالےٰ کو محبوب ترین صفت علم کی صفت ہے اور چونکہ اس کا حُسن بے چونی کی آمیزش رکھتا ہے لہٰذا حس اس کے ادراک سے قاصر ہے اس حُسن کا پورا ادراک آخرت کی پیدائش سے وابستہ ہے جو کہ رویت کا مقام ہے جب خدا تعالیٰ کو دیکھیں گے محمدؐ کے جمال کو پالیں گے۔

اگرچہ اس دنیا میں دو تہائی حُسن حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے مسلّم ہے اور باقی تیسرا حصہ تمام میں تقسیم ہوا ہے لیکن عالم آخرت میں حُسن صرف حُسن محمدی ہے اور جمال صرف جمال محمدی علیہ الصلوات و التسلیمات۔ کہ وہ خدا تعالےٰ کے محبوب ہیں دوسرے کا حُسن ان کے حُسن سے کس طرح مشارکت رکھتا ہے کہ ان کا حسن اتحادیت کے واسطے سے عین مطلوب کا حسن ہے اور دُوسروں کو چونکہ یہ اتحاد نہیں ہے وہ حسن بھی نہیں ہے پس محمدی پیدائش علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام باوجود حادث ہونے کے اس کا اعتماد اللہ تعالےٰ کے قدم سے ہے اور ان کا امکان بھی اللہ تعالےٰ کی ذات تک منتہی ہُوا اور ان کا حُسن ذات الٰہی کا حُسن ہوا کہ اس میں غیر حُسن کی آمیزش نہیں ہے جب اس طرح ہُوا تو لازماً آنحضرتؐ سے محبت تعلق ہے جمیل مطلق ہوتے اور اللہ تعالےٰ کے محبوب ٹھہرے فَاِنَّ اللّٰہَ تَعَالیٰ جَمِیْلٌ یُحِبُّ الْجَمَالَ (اللہ تعالےٰ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے) مسلم و ترمذی شریف بحدیث ابن مسعودؓ

سوال:- آیت کریمہ یُحِبُّھُمْ (وہ ان کو دوست رکھتا ہے) اس پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالےٰ کی محبت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سوا اوروں سے بھی تعلق رکھتی ہے اور دُوسرے بھی اللہ تعالےٰ

کے محبوب ہوتے ہیں تو آپ کی تخصیص کی کیا وجہ ہے جو دوسروں میں موجود نہیں ہے ؟

جواب :- محبت دو قسم ہے ایک وہ محبت ہے جو محبت کرنے والے کی ذات سے تعلق رکھتی ہے اور ایک وہ محبت ہے جو اس کی ذات کے غیر سے تعلق رکھتی ہے پہلی قسم کی محبت ذاتی ہے، اور محبت کی اعلیٰ قسم ہے کہ کوئی آدمی بھی کسی چیز کو بھی اس طرح محبوب نہیں رکھتا جیسا کہ اپنے آپ کو اور محبت کی یہ قسم زیادہ مضبوط اور مستحکم ہے جو کسی سبب کے پیش آنے سے زوال پذیر نہیں ہوتی اور اس کا متعلق محبت محبوب خالص ہے جو محبیت کا شائبہ نہیں رکھتی برخلاف محبت کی دوسری قسم کے کہ وہ عارضی اور زوال پذیر ہے اور اس کا متعلق بھی ایک حیثیت سے محبوب ہے لیکن متعدد وجوہ سے محبیت بھی رکھتا ہے اور چونکہ حضرت خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کا حسن و جمال اللہ تعالیٰ کے حسن و جمال پر تکیہ رکھتا ہے جیسا کہ پہلے ذکر ہوا تو لازماً پہلی قسم کی محبت جو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے متعلق ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہوگی اور اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرح اس محبت کے تعلق کی وجہ سے نبی صلے اللہ علیہ وسلم بھی محبوب خالص ہوں گے اور چونکہ دوسروں کو یہ دولت میسر نہیں ہے اور حسن ذات سے نسبت تھوڑا حصہ رکھتے ہیں لہٰذا دوسری قسم کی محبت ان سے تعلق رکھتی ہے اور ایک وجہ سے ان کو محبوب بناتی ہے اور محبوب مطلق صرف نبی صلے اللہ علیہ وسلم ہیں جو کہ محب کی ذات کی طرح ہمیشہ محبوب ہیں۔

محسوس ہوتا ہے کہ جس قسم کا غلبۂ محبت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے اور وہ اس محبت کی وجہ سے محبین کے سردار اور رئیس ہوتے ہیں اسی طرح کی محبت مفرط اللہ تعالیٰ کو حضرت خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوات والتحیات سے ہے۔ جتنی بھی یہ فقیر محبت کے ان دو دریاؤں میں غوطہ لگاتا ہے کہ ان دو محبتوں میں ضعف و قوت کی بنا پر کوئی فرق پیدا ہو کر خدا تعالیٰ کی محبت کو مخلوق کی محبت سے زیادہ مضبوط و شدید پائے بحکم آیت کریمہ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغَالِبُوْنَ (خبردار اللہ تعالیٰ کا لشکر وہی غالب آنے والے ہیں) اتنا ہی کوئی فرق ظاہر نہیں ہوتا گویا ان دو محبتوں کو انصاف کے ترازو میں برابر تولا ہے اور بال کے سر کے برابر بھی کمی بیشی کا فرق تجویز نہیں کیا ہے۔

سوال :- صوفیاء علیہ نے عالم کے تمام افراد کو اسماء الٰہی کے مظاہر و مجالی سمجھا ہے اور حقائق اشیاء کو وہی اسماء پایا ہے اور اشیاء کو ان کا ظلال سمجھا ہے پس تمام ظہور اسماء الٰہی ہوگا اور وہ تخصیص جو بعض اسماء کے ظہور کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خلقت سے کی ہے جیسا کہ ذکر ہوا اس کی کیا وجہ ہے ؟

جواب : صوفیاء کے نزدیک حقائق اشیاء اعیانِ ثابتہ ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء کی صُورِ علمیہ ہیں نہ کہ اپنی ذات کے ساتھ اسماء الٰہی اور اس عالم کو انہوں نے صورِ علمیہ کا ظہور کہا ہے اگرچہ مجازی طور پر اس کو اسماء کا ظہور بھی کہتے ہیں بلکہ کسی چیز کی علمی صورت بھی ان کے نزدیک ایک شے کا عین ہوتی ہے نہ کہ اس شے کی مثال اور نظیر اور وہ جو اس فقیر نے آں سرور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے متعلق کہا ہے وہ اسم الٰہی کی ذات کا ظہور ہے نہ کہ اس اسم کی صورت علمی کا ظہور کسی چیز کی صورت علمیہ اور اس کے نفس شے کے درمیان بڑا فرق ہے۔

آتش کو اگر صورت علمیہ میں تصور کریں بھی تو وہ روشنی اور چمک کہاں ہے کہ آتش کا تمام وجود کا جمال جمال و کمال وہی ہے اور صورت علمی میں وہ آتش کی مثال و نظیر کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے فلاسفہ اس کو پسند کریں یا نہ بلکہ عین آتش کہیں گے لیکن ہمارا صریح کشف عینیت کی تکذیب کرنے والا ہے اور آتش کی صورت علمیہ سوائے آتش کی صورت کے نہیں ہے جو کہ خارج میں موجود ہے۔ محسوس ہوتا ہے کہ وہ جو اسماء کی صُوَرِ علمیہ کا ظہور ہے اس کا امکان وجود عالم کے امکان کے قبیل سے ہے اور عالم کا وجود کہ جس نے وہم کے مرتبہ میں صنعت خداوندی سے ثبات و تقرر پیدا کیا ہے اور وہ نفس اسم الٰہی کا ظہور ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش میں گذر چکا ہے اس کا امکان صفات اضافی کے امکان کے قبیل سے ہے اور ان کا وجود بھی ان صفات کے وجود کی طرح مرتبۂ نفس الامری میں متقرر ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر کوئی بھی ایسا نظر نہیں آتا جو کہ نفس اسم الٰہی کا ظہور ہو مگر قرآن مجید کہ وہ بھی ظہور نفس اسم الٰہی ہے جیسا کہ اس کا کچھ بیان اوپر گذر چکا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ ظہورِ قرآنی کا منشا صفاتِ حقیقیہ سے ہے اور ظہورِ محمدی کا منشا صفاتِ اضافیہ سے ہے تو لازماً اس کو قدیم اور غیر مخلوق کہا ہے اور اس کو حادث اور مخلوق اور کعبہ ربانی کا مطالعہ ان دو ظہور اسی سے بھی عجیب تر ہے کہ اس جگہ معنی تنزیہی کا ظہور ہے صُوَر و اشکال کے لباس کے بغیر کیونکہ کعبہ جو کہ خلقت کا مسجود الیہ ہے وہ پتھر اور اینٹ سے عبارت نہیں ہے اور اسی طرح دیواریں اور چھت بھی کعبہ نہیں ہے کیونکہ اگر یہ نہ بھی ہوں تو بھی کعبہ کعبہ ہے اور مسجود الیہ ہے پس اس جگہ ظہور تو ہے لیکن کوئی صورت و شکل نہیں ہے اور یہ عجیب چیزوں میں سے بھی عجیب تر چیز ہے۔

سنو سنو! اگرچہ اس دولت خاتمۂ محمدی میں کسی دوسرے کو شرکت نہیں ہے لیکن اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دولت خاصہ سے ان کی تخلیق و تکمیل کے بعد کچھ حصہ باقی بچا تھا کیونکہ شرفاء کی ضیافت کی دولت کے دسترخوان پر کچھ نہ کچھ بچ رہنا لازمی امر ہے جو کہ پس ماندہ کھانے والے خادموں

کا حصہ ہوتا ہے اس بقیہ کو آپ صلے اللہ علیہ وسلم کی امت سے کسی ایک دولت مند پس خوردہ کھانے والے کو عطا فرمایا ہے اور اس کو اس کے خمیر کا سرمایہ بنا کر اس کی مٹی کو خمیر کیا ہے اور ان کی وراثت و تبعیت میں آپ صلے اللہ علیہ وسلم کی دولت خاصہ کا شریک بنایا ہے سہ

با کریماں کارہا دشوار نیست

اور یہ بقیہ حضرت آدم علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مٹی کے بقیہ کی طرح ہے جو کہ کھجور کے درخت کی پیدائش کے نصیب ہوا جیسا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "اپنی پھوپھی کھجور کی عزت کیا کرو کہ وہ آدم علیہ السلام کی بچی ہوئی مٹی سے پیدا ہوئی ہے" ہاں سہ

وَلِلْاَرْضِ مِنْ کَاْسِ الْکِرَامِ نَصِیْبٗ (شرفاء کے پیالہ میں سے زمین کو بھی حصہ ملتا ہے)

سوال :۔ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی اور اس کے تابعین نے حقیقت محمدی کو علم جملی سے تعبیر کیا ہے اور اس کو تعین اول کہا ہے اور تجلی ذات جانا ہے اور اس مرتبہ کے اوپر لا تعین کا مرتبہ تصور کیا ہے جو کہ حضرت ذات محض کا مرتبہ ہے اور تم نے اس کو علم کی قسم سے کہا ہے اور صفات اضافیہ میں داخل کیا ہے جو کہ صفات حقیقیہ سے پیچھے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب :۔ شیخ محی الدین خارج میں سوائے ذات احدیت مجردہ کے اور کسی کو موجود نہیں جانتا اور صفات کے وجود کو اگرچہ وہ حقیقی ہوں سوائے علم کے ثابت نہیں کرتے تو لامحالہ اُن کے نزدیک تعین اول علم جملی ہوتا ہے اور صفات کا ثبوت اس کے بعد صورت پیدا کرتا ہے کہ ان کا ثبوت علم کے ثبوت کی شاخ ہے کہ سوائے علم کے وہ اُن کا ثبوت نہیں جانتے۔ پس علم سب سے اسبق ہوگا اور تمام کمالات کا جامع ہوگا اور اس فقیر کے نزدیک جو کچھ کشوف ہوا ہے یہ ہے کہ صفات حقیقیہ ثمانیہ ذات واجبی جل شانہٗ کی طرح خارج میں موجود ہیں اگر کچھ فرق ہے تو مرکز اور عدم مرکز کا فرق ہے جیسا کہ پہلے گزرا اور یہ قول علماء اہل سنت و جماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کی رائے کے موافق ہے کیونکہ انہوں نے صفات کے وجود کو ذات خداوندی کے وجود پر زائد فرمایا ہے اور اس صورت میں علم جملی کو تعین اول کہنا کوئی معنی نہیں رکھتا بلکہ تعین کے اطلاق کی بھی گنجائش نہیں ہے۔

ان تمام صفات میں سے اسبق صفت حیٰوۃ ہے کیونکہ صفت علم اس کے تابع ہے علم کو اس پر سبقت دینے کی کوئی صورت نہیں ہے خصوصاً اس صورت میں کہ علم کو مقید کر دیا جائے کہ وہ علم سے نیچے ہے اور اضافات میں داخل ہے جیسا کہ پہلے گزرا۔ ہاں اگر علم جملی کو علم کا تعین اول کہیں تو اس کی گنجائش ہے کہ اس کا

سہ کریم لوگوں کے لئے کوئی کام مشکل نہیں ۱۲

تعین ثانی علم تفصیلی ہے۔

سوال :- شیخ محی الدین نے جو علم جملی کو حقیقت محمدی کہا ہے اور اس عنصری پیدائش کو اس کا ظہور سمجھا ہے تو اس کی مراد ظہور نفس اسم ہے جیسا کہ تم نے کہا ہے یا وہ اس اسم کی صورت کا ظہور ہے جیسا کہ باقی تمام ممکنات میں ہے؟

جواب :- صورت اسم ہے کیونکہ تعین اول ان کے نزدیک تعین علمی ہے کیونکہ انہوں نے پہلے دو تعین کو علمی کہا ہے اور پچھلے تین تعین کو تعین خارجی فرمایا ہے اور تعین علمی صورت شان علم ہے کہ خارج میں اس کو عین ذات کہا ہے اور علم میں اس کی صورت کو اثبات کیا ہے اور وہ صورت علمی جو کہ حقیقت محمدی ہے، اس نے عنصری پیدائش میں بصورت انسانی محمدی ظہور کیا ہے۔ مختصر یہ کہ شیخ کے نزدیک جس جگہ بھی ظہور ہے وہ صورت علمیہ کا ظہور ہے اگرچہ صفات واجبی ہوں کیونکہ ان کے نزدیک صفات کو بھی علم کے سوا کوئی ثبوت نہیں ہے اور خارج میں ذات محض کے علاوہ اور کوئی چیز اس کے نزدیک موجود نہیں ہے۔

سوال :- اس مرتبہ میں علم اور عالم اور معلوم کا اتحاد ہے کہ اس کا حاصل علم حضوری ہے پس صورت اسم کی وہاں کیا گنجائش ہو سکتی ہے کیونکہ صورت کا حصول علم حصولی میں ہے اور علم حضوری میں حاضر نفس معلوم ہے نہ کہ صورت معلوم۔

جواب :- وہ مرتبہ اللہ تعالٰی کی ذات محض کا مرتبہ نہیں ہے اسی لئے اس کو تنزل اور تعین کہا ہے پس وہ خارج میں موجود نہ ہوگا اور جب خارج میں موجود نہ ہوگا تو ثبوت علمی سے چارہ نہ ہوگا اسی لئے اس کو تعین علمی کہا ہے اور ثبوتِ علمی کو صورت معلوم سے چارہ نہ ہوگا۔ اس بیان سے لازم آیا کہ علم حضوری میں بھی صورت معلوم باوجود حضور نفس معلوم کے ثابت ہے کیونکہ حاضر نفس معلوم خالص نہیں ہے بلکہ اس میں اعتبار نے راہ پائی ہے کہ اس کو نفس سے صورت میں لایا ہے ہر آدمی کا فہم اس دقت تک نہیں پہنچ سکتا اور جب تک ذات خالص جل شانہٗ سے بے چونی وصول سے واصل نہ ہو اس دقیقہ کو نہیں پا سکتا سبحان اللہ! مجھ حقیر، عاجز۔ ذرہ بے مقدار کو کیا طاقت ہے کہ حضرت خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی بعثت سے ہزار سال بعد اکابر انبیاء اولو العزم کے اسرار و معارف کی بات زبان پر لاؤں اور معاد کے دامن میں آ کر مبدا کے کمالات کے دقائق بیان کروں ؎

دستے چوں شاہ مرا بر داشت از خاک

سزد گر بگذرانم سر ز افلاک

لہ لیکن جب بادشاہ نے مجھ کو خاک سے اٹھایا تو مجھے حق پہنچتا ہے کہ میں اپنا سر آسمان سے بھی بلند کروں۔

خوشیٓ آں خاکم کہ ابرِ نوبہاری | کند از لطف برمن قطرہ باری
اگر بروید از تن صد زبانم | چوں سبزہ شکر لطفش کے توانم[1]

تمام تعریفیں اس اللہ کو ہیں جس نے ہمیں اس کی راہنمائی کی اور اگر وہ ہماری راہنمائی نہ کرتا تو ہم کبھی راہ نہ پا سکتے یقیناً ہمارے رب کے رسول حق لے کر آئے علیہم التسلیمات والصلوات۔

دل میں تھا کہ صباحت اور ملاحت کا کچھ حصہ جو کہ حدیث نبوی میں آیا ہے کہ میرے بھائی یوسف علیہ السلام زیادہ صبیح تھے اور میں (صلی اللہ علیہ وسلم) زیادہ ملیح ہوں لکھوں اور اس باب میں رمز و اشارہ سے کام لوں لیکن پھر دیکھا کہ رمز و اشارہ مقصود کے ادا کرنے میں قاصر ہے اور سننے والے اس کو سمجھنے سے عاجز ہیں قرآن مجید کے تمام حروف مقطعات حقائق احوال اور دقائق اسرار کے لئے رموز اور اشارے ہیں جو کہ محب اور محبوب کے درمیان ثابت ہیں لیکن کون ہے جو ان کو معلوم کر سکے۔ علمائے راسخین جو حبیب رب العالمین کے خادموں اور غلاموں کے حکم میں داخل ہیں اور خادموں کو جائز ہے کہ مخدوم کے بعض اسرار پر ان کو اطلاع ہو بلکہ مخدوم کی تبعیت میں خادم کے لئے بھی جائز ہے کہ اس کے ساتھ بھی معاملات درمیان میں لائے جائیں اور جھوٹا کھانے والے کی طرح وہ مخدوم کی دولت خاصہ میں شریک ہو لیکن اگر اس راز سے کچھ حصہ بھی ظاہر کرے گا تو خیانت کار ہوگا اور اپنے سر کو برباد کرے گا۔ اور وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے قُطِعَ الْبُلْعُوْمُ (گلا کاٹا جائے) فرمایا تھا اس کے حق میں صادق آئے گا۔ یَضِیْقُ صَدْرِیْ وَلَا یَنْطَلِقُ لِسَانِیْ (میرا سینہ تنگ ہوتا ہے اور میری زبان نہیں چلتی) میرا سر یہ ہے۔

اے ہمارے رب ہمارے گناہوں اور ہماری زیادتیوں سے درگذر فرما اور ہمارے قدم ثابت رکھ اور ہمیں کافروں کی قوم پر مدد دے، اور سلام ہو تم پر اور ان سب لوگوں پر جو ہدایت کی پیروی کریں اور مصطفےٰ کی پیروی کو لازم پکڑیں علیہ وعلٰی آلہ واصحابہ الصلوات التسلیمات اتمہا واکملہا۔

مکتوب نمبر ۱۰۱

شیخ عبداللہ کی طرف صادر فرمایا

(فلاسفہ کے مذاق کے مطابق قرآن مجید کی آیات کی تفسیر و تاویل کرنے سے روکنے کے بیان میں)

---

[1] میں وہ خاک ہوں کہ نوبہاری کا بادل لطف سے مجھ پر قطرہ باری کرتا ہے اگر میرے جسم میں سو زبانیں بھی اگ آئیں تو سبزہ کی طرح میں اس کے لطف کا شکریہ کیسے ادا کر سکتا ہوں۔۱۲

کتاب تبصیر الرحمٰن جو کہ آپ نے بھیجی تھی اس کے بعض مقامات دیکھ کر واپس کر رہا ہوں۔ میرے محترم اس کتاب کا مصنف فلاسفہ کے مذہب سے بہت لگاؤ رکھتا ہے۔ قریب ہے کہ حکما، کو انبیاء علیہم الصلوات و التسلیمات کے برابر کر دے۔ سورۃ ہود کی ایک آیت نظر سے گذری کہ اس کے بیان کو حکماء کے طرز پر جو کہ انبیاء علیہم السلام کے طریقے کے خلاف ہیں بیان کیا ہے اور انبیاء و حکماء کے قول کو برابر کر دیا ہے اور اس آیت کریمہ کے بیان میں کہا ہے أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ ۔ باتفاق الانبیاء والحکماء إِلَّا النَّارُ الحسی او العقلی الخ (یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے آخرت میں باتفاق انبیاء و حکماء آگ کے سوا اور کچھ نہیں ہے وہ آگ حسی ہو یا عقلی)

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اجماع کے باوجود حکماء کا اتفاق کیا گنجائش رکھتا ہے اور عذاب اخروی میں ان کے قول کا کیا اعتبار ہے خصوصاً جبکہ وہ قول انبیاء علیہم السلام کے قول کے مخالف ہو۔ فلاسفہ جو عذاب عقلی کا اثبات کرتے ہیں ان کا مقصود حسی عذاب سے انکار ہے جس کے اثبات پر تمام انبیاء علیہم السلام کا اجماع واقع ہوا ہے۔

اور ایک اور مقام پر قرآن مجید کی آیات کو حکماء کے مذاق کے مطابق بیان کرتا ہے اگرچہ وہ اہل مذاہب کے خلاف ہے۔ اس کتاب کا مطالعہ مخفی نقصان بلکہ جلی ضرر سے خالی نہیں ہے اس معنی کا اظہار لازم جانتے ہوئے چند کلمات لکھ کر آپ کو تکلیف دی ہے۔ والسلام

مکتوب نمبر ۱۰۲

جناب میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا

(مجاہدات کی ترغیب اور یکسوئی اور طالبان حق کی تربیت کے بیان میں)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ۔ اس علاقے کے فقراء کے حالات قابل تعریف ہیں اور ہر حال میں ہمیشہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی کی تعریف ہے۔ ایک مدت گذر چکی ہے کہ آپ نے اپنے حالات کی اطلاع نہیں دی امید ہے کہ آپ نے اب وہ ورق الٹ دیا ہوگا اور کتابی چھوڑ کر عمل کی طرف آگئے ہوں گے اور فراغت سے مجاہدہ کی طرف توجہ کی ہوگی۔ یہ کاشت کرنے کا وقت ہے کھانے اور سونے کا وقت نہیں ہے آدھی رات سونے کے لئے تیار رکھیں اور باقی آدھی رات اطاعت و عبادت کے لئے اگر اتنی ہمت نہ رکھیں تو تیسرا حصہ رات جو کہ نصف سے لے کر چھٹے حصے تک ہے لازم کریں اور کوشش کریں کہ اس دولت کی ہمیشگی

میں کوئی فتنہ واقع نہ ہو اور خلقت کے ساتھ صرف اسی قدر خلا ملا رکھیں کہ ان کے حقوق پورے ہو سکیں۔ اور "ضرورت اپنے اندازے کے مطابق مقرر کی جاتی ہے"۔ خلقت کے ساتھ فراخی و کشادگی ضرورت سے زیادہ فضول ہے اور لغو کام میں داخل ہے اور بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ اس پر بہت بڑا نقصان متفرع ہوتا ہے اور شریعت و طریقت کے ممنوعات میں داخل ہے۔

وہ شیخ جو اپنے مریدوں سے انبساط رکھتا ہے تو لازمی طور پر وہ مریدوں کو افادت سے روکتا ہے اور ان کی طلب میں فتور لاتا ہے۔ اس سے اللہ تعالےٰ کی پناہ اس چیز کی بُرائی کو اچھی طرح معلوم کر لیں اور طالبین کے ساتھ اس طرح کا سلوک کریں کہ ان کی الفت وانس کا سبب ہو نہ کہ ان کی ناشناسائی اور نفرت کا باعث۔ خلقت سے علیحدگی ضروری ہے کہ حاجت کے اندازے کے بغیر ان سے آشنائی رکھنا سم قاتل ہے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ کی توفیق سے یہ بات سانی سے میسر ہے مصائب میں مبتلا لوگ کیا کریں جو ہمیشہ ارباب تفرقہ کے ساتھ رہتے ہیں اس نعمت کا قدر جانو اور اس کے مطابق عمل کرو اور طالبین کے حالات سے اچھی طرح خبردار رہو اور ظاہر و باطن میں ان کی تربیت کی طرف متوجہ رہو زیادہ کیا لکھوں۔

مکتوب نمبر ۱۰۳

شیخ حمید اجمیری کی طرف صادر فرمایا

(کمال و تکمیل کے حصول کی ترغیب کے بیان میں)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى۔ میرے عزیز بھائی شیخ حمید کا گرامی نامہ پہنچا۔ بہت خوشی ہوئی کتنی بڑی نعمت ہے کہ پُرفتن زمانہ میں ایک آدمی کی صحبت میں ایک جماعت کو جناب قدس خداوندی جل شانہٗ سے رغبت پیدا ہو اور اللہ تعالےٰ کے ماسوا سے ان کے دل سرد ہو جائیں اور پھر اس کے باوجود وہ بھائی اس دولت سے مغرور نہ ہو اور اپنے کام سے فارغ نہ ہو کہ مثل مشہور ہے "ہنوز دہلی دور است" معلوم نہیں کہ سر ہیں سے کوئی ایک سرانجام پائے اور وہ احوال جو طالبوں کو ابتدا میں پیش آتے ہیں اور ذوق اور لذت بخشتے ہیں اس طرح ہیں کہ بچوں کو الف اور با کا سبق سکھاتے ہیں کام یہ ہے حروف تہجی سے بڑھ کر مولویت تک پہنچیں اور اذواق اور لذتوں سے بڑھ کر ولایت خاصہ کے درجہ میں داخل ہوں ؎

ہنوز ایوان استغنا بلند است　　　　تا فکر رسیدن ناپسند است

ؔ ابھی استغناء کا ایوان بلند ہے اور تجھے پہنچنے کی فکر ناپسند ہے ۱۲۰

چاہیئے کہ اپنے اوقات کو آباد رکھیں اور شریعت اور طریقت سے ظاہر و باطن میں آراستہ ہوں فرزندوں کو مکمل کرنا اپنے کمال کی شاخ ہے جو کہ ولایت خاصہ کا درجہ ہے لیکن جب آپ کی صحبت میں طالبین میں بھلائی پیدا ہو اور احوال و مواجید ظاہر ہونے لگیں اگرچہ فنا و بقا کی حد تک نہ پہنچیں تو یہ بھی غنیمت ہے اور اس وقت میں کبریت احمر (سرخ گندھک) کا حکم رکھتا ہے اتنا کام ہی کرتے جائیں لیکن استخارہ و توجہات کے بعد جس کو بھی طریقت کی تعلیم دیں مناسب ہے بلکہ لازم ہے اور اس عمل سے ترساں و لرزاں رہیں ایسا نہ ہو کہ اس راہ سے شیطان آپ پر غلبہ پا جائے اللہ تعالے ہمیں اس کے شر سے محفوظ رکھے۔ جتنی تعداد ذکر آپ سے کی تھی اگر وہ پوری ہو چکی ہو تو اب اس سے دگنی کر دیں اور اس کے بعد اطلاع دیں تاکہ مناسب حال آپ کو مطلع کیا جا سکے۔ انشاء اللہ تعالے۔

وہ دوست جو آپ سے تعلق رکھتے ہیں ان کو میرا سلام کہیں۔ سید یحییٰ نے جو گرامی نامہ لکھا تھا وہ بھی پہنچا۔ اللہ تعالے کی تعریف ہے ایسے وقت میں کہ قرب قیامت کمال درجہ کو پہنچ چکا ہے اور "قیامت برے لوگوں پر قائم ہو گی" حدیث میں آیا ہے کئی آدمیوں کے دل خدا تعالے کی بارگاہ کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں اور اسی درگاہ اقدس کے دلدادہ و شیدا ہیں۔ جل سلطانہ دوستوں سے غائبانہ دعا کی توقع ہے اور خاتمہ بالخیر کی دعا چاہتا ہوں۔ اے ہمارے رب ہمارے نور کو پورا کر دے اور ہمیں بخش دے یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے والسلام اولاً و آخراً۔

مکتوب نمبر ۱۰۴

حضرت ذوی البرکات مخدوم زادگان گرامی خواجہ محمد سعید و خواجہ محمد معصوم کی طرف صادر فرمایا

(ان حضرات کو بعض مقامات عالیہ کے حصول کی بشارت کے بیان میں)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ فرزندان گرامی ایک مدت گذر چکی ہے کہ آپ نے اپنے ظاہری اور باطنی احوال کے متعلق نہیں لکھا ہے۔ شاید جدائی کے ایام دراز ہونے کی وجہ سے ہم دور افتادہ لوگوں کے حال سے نسیان طاری ہو چکا ہو گا ہم بھی ایک ارحم الراحمین مالک رکھتے ہیں آیت کریمہ اَلَیْسَ اللّٰهُ بِکَافٍ عَبْدَهٗ (کیا اللہ اپنے بندے کو کافی نہیں ہے) ہم نامراد غریبوں کو تسلی دینے والی ہے۔ عجیب معاملہ ہے کہ باوجود تمہاری اس بے پروائی کے دل ہمیشہ تمہارے احوال کی طرف متوجہ رہتا ہے اور آپ کے کمال کا خواہشمند ہے۔

کل صبح کی نماز کے بعد خاموشی کی مجلس رکھتا تھا کہ ظاہر ہوا کہ وہ لباس جو میں پہنے ہوئے تھا مجھ سے الگ ہو گیا ہے اور ایک دوسرا لباس میری طرف متوجہ ہے جو کہ اس لباس کی جگہ بیٹھ گیا ہے میرے دل میں خیال آیا کہ یہ اترنے والا لباس معلوم نہیں کس کو دیں یا نہ دیں اور آرزو یہ ہوئی کہ وہ لباس میرے فرزند ارشد محمد معصوم کو دے دیں۔ ایک لمحہ کے بعد دیکھا کہ وہ میرے لڑکے کو دے دیا گیا ہے اور وہ پوری خلعت اس کو پہنا دی گئی ہے اور یہ اتاری جانے والی خلعت معاملہ قیومیت سے کنایہ ہے جو کہ تربیت اور تکمیل سے تعلق رکھتا ہے اور اس کے اس عرصۂ مجتمعہ کے تعلق کا سبب ہوا اور جب اس نئی خلعت کا معاملہ انجام کو پہنچے گا تو اترنے کا مستحق ہو جائے گا اور امید ہے کہ کمال کرم سے وہ میرے دوسرے عزیز فرزند محمد سعید کو عطا فرمائیں گے یہ فقیر ہمیشہ عاجزی سے یہ سوال کرتا ہے اور قبولیت کا اثر بھی سمجھتا ہے اور اپنے لڑکے (محمد سعید) کو اس کا مستحق بھی سمجھتا ہے ؎

باکریماں کارہا دشوار نیست[1]

اگر استعداد ہے تو وہ اسی (اللہ تعالیٰ) کی داد ہے ؎

نیاوردم از خانہ چیزے نخست[2] تو دادی ہمہ چیز من چیز تست

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

اِعْمَلُوْا آلَ دَاوُدَ شُکْرًا وَقَلِیْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّکُوْرُ۔

(اے داؤد کے گھرانہ والو شکر کرو اور میرے شکر گزار بندے تھوڑے ہیں)

جان لو کہ شکر عبارت ہے اس سے کہ بندہ ہر اس چیز کو ایسی جگہ میں صرف کرے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے اسے بنایا ہے خواہ وہ اعضاء ہوں یا ظاہری و باطنی قوتیں۔ اور اگر ایسا نہ کیا جائے تو شکر حاصل نہیں ہو سکتا اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہی توفیق دینے والے ہیں۔ اس قسم کے علوم مخفی اسرار سے ہیں۔ اگرچہ وہ سرزد کئے جاتے ہیں لیکن ان کا پوشیدہ رکھنا لازم ہے کہ آدمی فتنہ میں نہ پڑے اور دوسری وہ مشکل جو میرے سامنے تھی یہ تھی کہ وہ معاملہ شاید عالم مثال کا ہو وہ ان ایام میں حل ہو گئی اور کوئی چیز مخفی نہ رہی شاید روحانیت کے اس معنی میں خواجہ معین الدین کا بھی کچھ دخل ہو اور محمد معصوم نے اس مشکل کو ظاہر اول میں رکھا ہو۔ والسلام۔

---

[1] کریم لوگوں کے لئے کوئی کام مشکل نہیں۔ ۱۲

[2] میں اپنے گھر سے کوئی چیز نہیں لایا ہوں، تو نے ہی مجھے سب چیزیں دی ہیں اور میں خود بھی تیری چیز ہوں ۱۲

مکتوب نمبر ۱۰۵

شیخ حسن برکی کی طرف صادر فرمایا

(ان کے عریضے کے جواب میں جو انہوں نے اپنے حالات کے متعلق لکھا تھا اور احیائے سنت کی ترغیب اور بدعت سے تہدید کے بیان میں)

الحمد للہ و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ - میرے بھائی عزیز شیخ حسن اللہ تعالیٰ نے ان کی آرزوؤں کو اچھا کرے کا گرامی نامہ پہنچا خوشی ہوئی - وہ علوم و معارف جو اس میں درج تھے ان کے مطالعہ نے راحت پر راحت بڑھا دی - اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ علوم صحیحہ ہیں اور صادقہ اور کتاب و سنت کے مطابق ہیں اور فرقہ ناجیہ کے عقائد حقہ کے موافق ہیں اللہ سبحانہ و تعالیٰ استقامت کی کرامت عطا فرمائیں اور مقاصد علیہ کی انتہا تک پہنچائیں۔

کچھ بدعت کو مٹانے کے متعلق لکھا تھا یہ کتنی بڑی نعمت ہے کہ بدعت کی ایسی تاریکیوں کے دور میں کوئی صاحب دولت بدعتوں میں سے کسی بدعت کے اٹھانے کی توفیق پائے، اور سنتوں میں سے کسی سنت کو زندہ کرے صحیح احادیث میں آیا ہے کہ جو شخص سنت کو زندہ کرے بعد اس کے کہ اس سنت سے عمل اٹھ چکا ہو اس آدمی کو سو شہید کا ثواب ہے اس جگہ سے اس عمل کی بندگی کو معلوم کریں لیکن اس قدر اس نکتہ کی رعایت کریں کہ کوئی فتنہ نہ اٹھ کھڑا ہو کہ ایک نیکی بہت سی برائیوں کے حصول کا سبب بن جائے کہ زمانہ آخری ہے اور اسلام کی کمزوری کا وقت ہے۔

وہ رسالہ جو آپ نے بھیجا تھا اس کے مطالعہ سے خوشی ہوئی اللہ سبحانہ کا احسان ہے کہ علوم میں اس فقیر سے بہت موافقت ہے اور کشف میں مطابقت نظر آئی ہے اور آپ کی نگاہ بہت بلند چلی گئی ہے آپ کے خط کو جو کہ حال اور علوم اور استفسارات پر مشتمل تھا اپنے بھائی خواجہ محمد ہاشم کشمی کے سپرد کیا تھا کہ جواب لکھنے کے وقت حاضر کر دیں اتفاقاً وہ گم ہو گیا اس بنا پر جوابات کی تفصیل میں توقف واقع ہوا جو کچھ دل میں رہ گیا تھا اس کو لکھا ہے - مختصر یہ کہ احوال پسندیدہ ہیں اور علوم کی صحت ثابت ہے - دوسری بات یہ ہے کہ مغفرت پناہ مولانا احمد کے فرزندوں کی تعلیم و تربیت میں سعی بلیغ فرمائیں اور آداب ظاہری و باطنی کی راہنمائی کریں اور اس علاقہ کے تمام دوستوں کو بلکہ اس علاقہ کے تمام مسلمانوں کو شریعت کی دلالت اور التزام سنت کی تاکید کریں اور بدعت کے ارتکاب سے ڈرائیں اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والے ہیں۔

جلد ثالث کے بعض مکاتیب کو خواجہ محمد ہاشم نے لکھ کر آپ کو بھیجے ہیں ان سے فائدہ اُٹھائیں۔ فقیر کے
اوقات مختلف ہیں بعض اوقات بے اختیار علوم و معارف کو تحریر کرنے کی رغبت پیدا ہوتی ہے اور دوسرے
بعض اوقات میں باوجود اس کے کہ اسرار غریبہ کا فیضان ہوتا ہے لکھنے سے نفرت پیدا ہوتی ہے اس حد تک
کہ ہاتھ میں قلم پکڑنا گوارا نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ آپکے خطوط جو پہنچتے ہیں ان کے جواب کی تفصیل میں فتور پڑ جاتا ہے
اور میں تکلف سے بھی کوئی چیز نہیں لکھ سکتا باقی حالات قابلِ تعریف ہیں۔ لشکر کی ہمراہی سے اللہ تعالیٰ کی عنایت
سے خلاصی میسر ہو گئی ہے۔ حق سبحانہ و تعالیٰ استقامت رکھیں اور اس علاقہ کے دوستوں کے لئے
خاص دُعائیں ہیں۔ والسلام۔

مکتوب نمبر ۱۰۶

محمد و مرزادگان سلمہم اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا

(اس واقعہ کے بیان میں کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور ان سے بہت بڑی بشارتیں پائی ہیں)

فرزندان گرامی کا مکتوب شریف پہنچا۔ اللہ تعالیٰ کی تعریف ہے کہ آپ صحت و عافیت سے ہیں وہ معاملہ
جو تازہ تازہ آج ہی ظاہر ہوا ہے لکھتا ہوں۔ اچھی طرح سنیں۔

آج رات جو کہ ہفتہ کی رات تھی اور بادشاہ کی مجلس میں گیا ہوا تھا ایک پہر رات گذرنے کے بعد واپس
آیا اور حافظ سے تین پارے قرآن مجید سنا رات دو پہر سے زیادہ گذر چکی تھی کہ نیند آئی۔ صبح کے حلقہ کے بعد
چونکہ رات کی کوفت ابھی باقی تھی سو گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فقیر کے لئے
اجازت نامہ لکھا ہے جیسا کہ مشائخ کی عادت ہے کہ خلفاء کے لئے اجازت نامہ لکھتے ہیں اور میرے طرف دار
دوستوں میں سے ایک آدمی اس معاملہ میں ہے

اسی اثناء میں گویا ظاہر ہوا ہے کہ اجازت نامہ کے اجراء میں ایک طرح کا فتور ہے اور وجہ فتور کی تعیین
بھی اسی وقت معلوم ہے وہ دوست جو اس خدمت میں پیش کار ہے دوسری دفعہ اس اجازت نامہ کو رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اجازت نامہ کی پشت پر
ایک دوسرا اجازت لکھا ہے یا لکھوایا ہے اس کا اچھی طرح پتہ نہ چل سکا۔ البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی طرف نسبت صحیح ہے اور لکھنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنی مُہر سے مزین فرمایا ہے
اس اجازت نامہ کا مضمون یہ ہے کہ اجازت نامہ دنیا کے عوض اجازت نامہ آخرت دیا ہے اور مقام شفاعت

سے حصہ عنایت فرمایا ہے اور کاغذ بھی بڑا لمبا ہے اور سطریں بھی بہت سی لکھی ہیں۔ میں اس دوست سے پوچھتا ہوں کہ پہلا اجازت نامہ کونسا ہے اور دوسرا جو اب لکھا ہے وہ کونسا ہے؟

اور میں اس وقت ایسا محسوس کرتا ہوں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جگہ میں رہتا ہوں اور بیٹے کی طرح اپنے باپ کے ساتھ زندگی گذارتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اہلبیت میرے لئے اجنبی نہیں ہیں اور میں نے اس کاغذ کو لپیٹ کر اپنے ہاتھ میں پکڑ رکھا ہے اور فرزندان محرم کی طرح میں بھی ان کے حرم شریف میں داخل ہو گیا ہوں۔ امہات المومنین میں سے سب سے بڑی ماں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں مجھے بعض خدمات کا اہتمام سے حکم دیا ہے اور فرمایا ہے ہمیں تمہارا انتظار تھا۔ اس اس طرح کرنا چاہیئے اور اس وقت میں خواب سے بیدار ہو گیا۔

اور یہ چیز دل سے نکل گئی کہ اس تنزل کی وجہ کیا تھی جس قدر آنکھ کھلتی ہے اسی قدر معاملہ ہوتا ہے اور اس واقعہ کی خصوصیات دل سے چلی جاتی ہیں شاید آپ کو یہ بات یاد ہوگی کہ میں نے اس باب میں پہلے بھی آپ سے ذکر کیا تھا کہ یہ بلند نسبت عجیب ہے کہ اپنے اندازہ کے مطابق ظہور نہیں کرتی پس دل میں خیال گزرتا ہے کہ اس کا ظہور ظاہراً آخرت کے لئے ذخیرہ ہے اور اس کا نعم البدل میسر آئے گا اس واقعہ سے ان ترددات کی تسلی حاصل ہوئی۔ قیامت قریب ہے اور اندھیرے نہ جانے ہیں کونسی خیریت ہے اور کونسی نورانیت شاید حضرت مہدی علیہ الرضوان ہوں کہ جن کو ظاہری خلافت کی تائید بھی ہوگی اس کو رواج دے سکیں اور اس نعمت کا شکریہ ہے۔

آج مختلف کھانوں کے متعلق حکم دیا ہے کہ پکائیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کو ثواب پہنچائیں اور خوشی کی مجلس قائم کریں خط لے جانے والے بھی شاید ان کھانوں میں سے کچھ کھائیں۔

دوسری یہ بات ہے کہ میں نے ایک خط میں ایک واقعہ لکھا تھا جو کہ رونما ہوا تھا کہ تیسرے دوست کو ذکر کے لئے قبول نہ کیا ایک زمانہ کے بعد ظاہر ہوا کہ محض کرم سے اس کو بھی قبول کر لیا ہے اور قبولیت کے آثار پیدا ہوئے۔ اللہ سبحانہ وتعالےٰ کی اس پر اور تمام نعمتوں پر تعریف اور احسان ہے

ان دنوں میں معارف غریبہ اور علوم عجیبہ ظاہر ہو رہے ہیں گویا کہ وہ وقت مقررہ تمام ہو چکا ہے اور معاملہ ایک دوسرے پر ظاہر تھا۔ فرزند دور ہیں اور عمر کا معاملہ نزدیک ہے دیکھیئے کیا ہوتا ہے "بھلائی اسی میں ہے جو اللہ تعالےٰ کرے" میں یہی کہتا ہوں اور صبر کرتا ہوں۔ اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما، اور ہمارے کام میں بھلائی پیدا کر۔ والسلام علی من اتبع الھدیٰ۔

مکتوب نمبر ۱۰۷

خواجہ محمد اشرف کی طرف صادر فرمایا

(تعلق کی نسبت میں فتور واقع ہونے اور عبادات میں لذت نہ رہنے کے بیان میں)

حمد و صلوٰۃ اور دعاگوئی کے بعد عرض ہے کہ میرے بھائی عزیز کا گرامی نامہ پہنچا۔ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی تعریف ہے کہ آپ صحت اور عافیت سے ہیں آپ نے پوچھا ہے کہ "اس کی کیا وجہ ہے کہ جب تعلق کی نسبت میں فتور واقع ہوتا ہے تو تمام طاعات کے بجا لانے میں لذت نہیں رہتی"۔

جان لینا چاہیئے کہ وہی وجہ جو فتور رابطہ کا سبب ہوتی ہے وہی لذت کو بھی روک دیتی ہے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ فتور کا سبب قبض ہوتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی کدورت طاری ہو جاتی ہے کسی لغزش کے ارتکاب کی وجہ سے اگرچہ وہ لغزش چھوٹی ہی کیوں نہ ہو۔ پہلی وجہ بری نہیں ہے بلکہ سلوک طریقہ کے لوازمات میں سے ہے اور دوسری وجہ پیش آنے کا تدارک توبہ اور استغفار سے کرنا چاہیئے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے اس کا اثر زائل ہو جائے اور چونکہ قبض اور کدورت کے درمیان تمیز کرنا بڑا مشکل ہے ہر حال توبہ و استغفار فائدہ مند ہے۔ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ استقامت عطا فرمائیں۔ والسلام۔

مکتوب نمبر ۱۰۸

ملا طاہر خادم کی طرف صادر فرمایا

(ان معاملات کے بیان میں جو اصل الاصل سے تعلق رکھتے ہیں اور معرفت معضہ سے منقول ہے)

وہ معاملات جو اصل الاصل سے تعلق رکھتے ہیں دو قسم کے ہیں ایک قسم وہ ہے کہ اس جگہ سے صور مثالی یا کسی اور امر سے معلوم کیا جا سکتا ہے اور یہ معاملہ اس وقت تک ہے جب تک کہ سیر مقامات میں ہے اور ان کو عالم سے مناسبت یا مشارکت ہے اگرچہ کسی وجہ سے ہی ہو اور اس کی انتہا مقام رضا کی سیر تک ہے اور جب کسی شخص کو مقام رضا کے اوپر سیر میسر ہوتی ہے تو اس جگہ کوئی چیز اس کے علم میں نہیں آتی نہ صور مثالی سے اور نہ کسی اور امر سے اس وقت عارف کو صرف اوپر کے مقامات کے حصول کا علم ہوتا ہے بغیر اس کے کہ کوئی چیز اس کو معلوم ہو اور ان مقامات میں نبوت و رسالت وغیرہ کا نام بھی مفقود ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ حضرت

حق سبحانہ وتعالیٰ نے کل کو بہشت میں ان کا علم نصیب کریں گے اور اس سیر کی انتہا مرتبہ مخصوص تک ہے جو بالمشافہ مذکور ہوئی ہے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر ۱۰۹

حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم سلمہ اللہ سبحانہ کی طرف صادر فرمایا۔

اس بیان میں کہ عالم کی ایجاد مرتبۂ وہم میں ہے لیکن استقرار و تحقق ایجاد سے نفس امری ہو چکا ہے اور یہ مرتبہ علم اور خارج کے مرتبہ سے الگ ہے اور اس بیان میں کہ وحدت بھی نفس امری ہے اور کثرت بھی اور اس تحقیق میں کہ باوجود اثبات واستقرار کے سالک کی فنا کس معنی سے ہے اور یہ مکتوب حوادث ایام کی وجہ سے نا مکمل رہا)

مرتبۂ وہم اس مرتبہ سے عبارت ہے کہ اس جگہ نمود بے بود بھی مثلاً جیسا کہ صورت زید اگر آئینہ میں متوہم ہو تو اس جگہ نمود بے بود ہے اس لئے کہ آئینہ میں بالکل کوئی صورت موجود نہیں ہے اور نمود وہمی سے زیادہ اس جگہ ثبوت نہیں رکھتا اور صحیح کشف اور شہود صادق سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے کمال اقتدار سے عالم کو اسی مرتبہ میں پیدا فرمایا ہے اور اپنی کمال صنعت اور کارگیری سے نمود محض کو ہستی عطا کی ہے اور اس مرتبہ میں اگرچہ نمود بے بود ہے لیکن جب عالم اس مرتبہ میں مخلوق ہوا ہے تو اس کا ظہور بابود آیا ہے کیونکہ خداوند تعالیٰ کی ایجاد مُثبت بود وجود ہے اور جب ظہور بابود ہوا تو نفس امری ہو گیا اور احکام وآثار صادقہ اس پر مرتب ہوئے۔

اور وہم کا یہ مرتبہ مرتبۂ علم و مرتبہ خارج سے الگ ہے اور یہ مرتبہ علم کے مرتبہ سے زیادہ مرتبہ خارج سے مناسبت ومشابہت رکھتا ہے اور اس کا ثبوت ثبوتِ خارجی سے مشابہ ہے برخلاف ثبوت علمی کے کہ اس کا وجود ذہنی کہتے ہیں اور اس کے مقابل وجود خارجی ہے اور وہ ظہور جو مرتبۂ وہم ہے وہ بھی ظہور خارجی سے پوری مشابہت رکھتا ہے برخلاف مرتبہ علم کے کہ وہاں لطافت و کمون ہے گویا کہ مرتبۂ وہم میں مرتبۂ خارج کا ظل ڈال کر اس جگہ عالم کی ایجاد فرمائی ہے اور وجود خارجی کے ظل سے عالم کو ظل کے مرتبہ میں موجود کیا ہے پس نفس خارج میں سوائے ایک ذات احدیت کے کوئی چیز موجود نہیں ہے اور خارج کے ظل میں وجود ظلی سے عالم اس کثرت تعدد کے باوجود خداوند تعالیٰ کی ایجاد سے موجود ہوا خارج میں نفس امر وحدت ہے اور ظل خارج میں نفس امر کثرت ہے جیسا کہ علم میں بھی نفس امر کثرت ہے پس وحدت بھی نفس امری ہو گی اور کثرت بھی اور ہر ایک کا اعتبار الگ ہے اور اس میں کوئی استحالہ نہیں ہے۔

اور جیسا کہ خارج اور وجود عالم کے لئے ظل ہے ایسا ہی اس کی تمام صفات حیوٰۃ اور قدرت اور علم وغیرہ بھی اس ہی اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں جل سلطانہٗ بلکہ نفس امر جو کہ ثبوت عالم میں اثبات کیا جاتا ہے وہ بھی ترجہ خارج کے نفس امر کا ظل ہے ۔ ؎

نیاوردم از خانہ چیزے نخست ؎ تو دادی ہمہ چیز من چیز تست

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّکَ کَیْفَ مَدَّ الظِّلَّ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح سایہ کو بڑھا دیا۔

سوال :۔ تو نے اپنے رسائل میں لکھا ہے کہ ظل جو کچھ بھی رکھتا ہے وہ اصل سے ہے اور ظل میں اصل کی امانت داری سے کوئی چیز پیدا نہیں ہے اگر سالک مستعد بحکم ظلیت جو کچھ بھی خیر و کمال سے رکھتا ہے جو کہ وجود اور کمالات توابع وجود ہے اپنے اصل کو دیدے اور اپنے آپ کو تمام کمالات سے خالی پائے تو لازماً فنا اور نیستی سے متصف ہوگا اور اس کا اپنا نام و نشان نہ رہے گا۔ اس کلام کا حاصل کیا ہے ؟ اور کمالات اصل کو دینے کا کیا معنی ہے اور باوجود سالک کے استقرار اور ثبوت کے فنا اور نیستی کس اعتبار سے ہے ؟

جواب :۔ یہ فنا اس طرح ہے کہ کوئی شخص مانگ کر لباس پہنے ہوئے ہو اور اسے معلوم ہو کہ یہ کپڑے اس کے نہیں ہیں کسی دوسرے کے ہیں جو کہ مانگ کر پہنے ہوئے ہیں اور جب یہ خیال غالب آتا ہے تو پوری طرح غلبہ پیدا کر لیتا ہے تو ہو سکتا ہے کہ لباس پہنے ہوئے ہونے کے باوجود ان کپڑوں کو پوری طرح صاحب جامہ کو دے دے اور اپنے آپ کو برہنہ اور عریاں سمجھنے لگے اس حد تک کہ اپنے ہم نشینوں سے اپنی برہنگی کی وجہ سے شرمندگی اٹھائے اور اپنے آپ کو حیا سے کسی گوشہ میں لے جائے۔

اور چونکہ سالک کا وجود مرتبہ وہم و خیال میں پیدا کیا گیا ہے تو اس کے لئے خیال فنا ہی کافی ہے کہ اس تخیل کا غلبہ اس کو یقین قطعی تک پہنچاتا ہے اور ذوقی اور وجدانی بنا دیتا ہے اور جو کچھ فنا و نیستی میں مقصود ہے وہ جود میں میں آ جاتا ہے کیونکہ فنا کا مقصود ظل کی گرفتاری کا زوال اور اصل کی گرفتاری کا حصول ہے اور جب ظل کا رجوع اصل کی طرف یقینی ہوا اور وجدانی اور ذوقی ہوا تو لازماً ظل کی گرفتاری زائل ہوئی اور اس کی جگہ اصل کی گرفتاری آ بیٹھی اور اگر یہ خیال حاصل نہ ہوتا تو ظل کی گرفتاری کے زوال کی دولت میسر نہ آتی بلکہ اس راہ کے سلوک کا دار و مدار توہم اور تخیل پر ہے کیونکہ احوال مواجید جو کہ اس راہ کے معانی جزئیہ ہیں وہم سے متعلق ہوتے ہیں اور سالکین کی تجلیات اور تلوینات خیال کے آئینہ میں مشہود ہوتی ہیں۔ اگر وہم نہ ہو تو فہم قاصر رہتا اور اگر خیال نہ ہوتا تو حال مستور رہتا۔ اس راہ میں وہم و خیال سے زیادہ کوئی چیز بھی نفع مند نہیں پائی گئی ہے اور ان کا اکثر ادراک و انکشاف

لے میں شروع میں اپنے گھر سے کوئی چیز نہیں لایا ہوں تو ہی نے تمام چیزیں دی ہیں اور میں بھی تیری چیز ہوں ۱۲۰

واقع کے مطابق ہوتا ہے ۔ یہ وہم ہی ہے جو پنجاہ ہزار سالہ کی راہ کو جو بندے اور خدا کے درمیان ہے ۔ خدا تعالےٰ کے فضل و کرم سے تھوڑی سی مدت میں قطع کر لیتا ہے اور وصول کے درجات تک پہنچا دیتا ہے اور خیال ہی ہے جو غیب الغیب کے اسرار و دقائق کو اپنے آئینہ میں منکشف کرتا ہے اور سالک مستعد کو مطلع کر دیتا ہے اور یہ وہم کی بزرگی ہے کہ خداوند تعالےٰ نے خلق کی پیدائش کو اس مرتبہ میں اختیار فرمایا ہے اور اس کو کمالات کے ظہور کا محل بنایا ہے اور یہ خیال ہی کی بزرگی ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کو عالم مثال کا نمونہ بنایا ہے جو کہ تمام عوالم سے زیادہ وسیع ہے یہاں تک کہ خداوند کی صورت بھی اس عالم میں موجود کہتے ہیں اور حکم لگایا ہے کہ خداوند تعالےٰ کی مثل نہیں ہے لیکن مثال ہے وَلِلّٰہِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی (اور اللہ تعالےٰ کے لئے بلند مثل ہے) احکام وجوبیہ کی صورتیں ہیں کہ عارف ان کو اپنے خیال کے آئینہ میں محسوس کرتا ہے اور ان کی دریافت کے ذوق سے تسلی کرتا ہے۔

سوال :- سابق تحقیق سے واضح ہوا کہ فنا ذہنی خیال کے اعتبار سے ہے اگرچہ وہ یقین قلبی تک پہنچا دیتا ہے اور وجدانی و ذوقی بنا دیتا ہے اور اس پر احکام صادقہ مرتب ہوتے ہیں نہ کہ اعتبار تحقق وجود اور تم نے اپنے بعض رسائل میں لکھا ہے کہ یہ فنا باعتبار وجود ہے اور اس میں ذات و صفت کا زوال ہے اس معاملہ کی حقیقت کیا ہے ؟

جواب :- چونکہ وجود ظلی کا رجوع اصل یقین سے مل گیا تو ذوقی وجدانی ہو گیا تو لازماً وجود کے زوال کا حکم بھی کیا گیا اور ذات و صفت کے ارتفاع کے متعلق بھی کہا گیا۔

سوال :- فنائے وجودی کا یہ حکم ثبوت و استقرار فنا کے باوجود صادق ہے یا کاذب ؟

مکتوب نمبر ۱۱۰

حضرت مخدوم زادہ محمد معصوم سلمہ اللہ تعالےٰ کی طرف صادر فرمایا

اس بیان میں کہ عارف کا معاملہ اس حد تک پہنچتا ہے کہ کسی معلوم کی صورت اس میں حاصل نہیں ہوتی اس وقت اس کے ذرات میں سے ہر ذرہ مطلوب کی طرف ایک شاہراہ ہے اور اس کا بیان کہ اس عارف کی محبت خدا تعالےٰ کی محبت تک لے جاتی ہے اور اس کا بغض خدا تعالےٰ کے بغض تک پہنچا دیتا ہے اور اسی طرح اس کی توہین و تعظیم اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی آل اور آپ کے صحابہ کو بھی یہی نسبت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ہے اور یہ معاملہ بہت ہی دقیق ہے)

جب کوئی عارف مقامات ظلی کو طے کر کے معاملہ کو اصل الاصل تک پہنچا دیتا ہے تو اس وقت اس کا علم جو کہ اشیاء سے تعلق کریگا ، وہ ظلیت کی قید سے مبرا ہوگا یعنی اشیا اس کی معلوم ہونگی لیکن ایسے طریقہ پر کہ کوئی

بھی ان میں سے اس میں حصول نہ کر سکے گی کیونکہ جو بھی چیز اس میں حاصل ہوگی وہ اس شئے کی ظل اور صورت ہوگی نہ کہ اس شئے کی ذات جیسا کہ علم کی تعریف میں کہا گیا ہے کہ وہ عقل میں کسی شئے کی صورت کا حصول ہے اس لئے کہ اس میں شک نہیں ہے کہ عقل میں کسی چیز کی حاصل ہونے والی صورت اس شئے کی مثال اور شبیہ ہے نہ کہ اس کا عین جیسا کہ کشفِ صریح اور الہامِ صحیح اس کی شہادت دیتے ہیں۔

اس وقت عارف عالم کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے کوئی نسبت سوائے نسبت صانعیت و مصنوعیت کے کوئی چیز ثابت نہ کی جا سکے گی اور ظلیت اور عینیت اور مرآتیت سے تحاشی (بیزاری) ہو جائے گی کیونکہ یہ معاملہ کمالات ذاتیہ سے وابستہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کو عالم سے غناء ذاتی ہے اِنَّ اللّٰہَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ (اللہ تعالیٰ سب جہانوں سے بے نیاز ہے) برخلاف بعض اسماء وصفات کے مراتب کے کہ ان میں یہ نسبت متصور ہے پس جب تک کہ ان مقامات سے نہیں گزرتا اور اصل الاصل تک نہیں پہنچتا اس نسبت سے بے نصیب ہے۔ اس وقت میں عارف کے ذرات میں سے ہر ذرہ خداوند تعالیٰ کی ذات تک ایک شاہراہ ہے۔ برخلاف علم حصولی کے کہ اس صورت میں عالم ہر چیز کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور خود تمام اشیاء کا آئینہ بنتا ہے اور اسی طرح ظلیت اور مرآتیت کی صورت میں ہر شئے اس علم والے کو اپنی طرف کھینچتی ہے اور اس کی بصیرت کی نظر کو اپنے سے باہر نہیں چھوڑتی۔

اور جب اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ظلیت کے حصول کی قید سے آزاد ہو جاتا ہے تو موجودات کے ذرات میں سے ہر ذرہ خواہ وہ عرض ہو یا جوہر اور خواہ وہ آفاق ہو یا انفس اس کے لئے غیب الغیب کا دروازہ بن جاتا ہے۔ جاننا چاہیئے کہ جس طرح پہلے وہ شخص تمام اشیا کا آئینہ تھا اور جو کچھ وہ کرتا تھا اپنے لئے کرتا تھا اور جو کچھ اس سے صادر ہوتا تھا ناچار اسی آدمی کی طرف راجع ہوتا تھا خواہ نیت کرے یا نہ۔ اب جبکہ اس نے اپنے آئینہ کو آئینہ داری سے روک لیا اور ظل کی قید سے آزاد ہوا اور پانی کی نالی کی طرح ہو گیا کہ جو کچھ بھی اس میں پڑا نہ رہا بلکہ اس کو باہر نکال دیا تو لازماً جو کچھ بھی وہ کرے گا اپنے لئے نہ کرے گا بلکہ خدا تعالیٰ کے لئے کرے گا خواہ وہ نیت کرے یا نہ کرے، کیونکہ نیت اس میں ہوتی ہے جس میں احتمال ہو اور یقینی چیز میں نیت نہیں ہوتی۔

اس وقت اس عارف کی محبت اللہ تعالیٰ کی محبت تک لے جاتی ہے اور اس کا بغض خدا تعالیٰ کے بغض تک پہنچا دیتا ہے اور اسی طرح اس کی تعظیم و توقیر اللہ تعالیٰ کی تعظیم و توقیر ہے اور توہین اور بے ادبی خدا تعالیٰ کی توہین اور بے ادبی تک پہنچا دیتی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو بھی اپنے درجات کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی نسبت ہے کہ ان کی محبت اور بغض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور

بغض تک پہنچا دیتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس نے ان سے محبت رکھی سو میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت رکھی اور جس نے ان سے بغض رکھا تو میرے بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کو بھی ان سے یہی نسبت ہے لیکن اس بلند نسبت کا ظہور حضرت علی اور فاطمۃ الزہرا اور حسنین رضی اللہ عنہم میں کامل تر ہے اور بارہ آئمہ میں سے ان کے علاوہ باقی میں بھی یہ نسبت سرایت کرتی ہوئی مشہود ہوتی ہے اور پھر ان کے علاوہ یہ نسبت محسوس نہیں ہوتی۔ والسلام

مکتوب نمبر ۱۱۱

شیخ نور محمد تہاری کی طرف صادر فرمایا

(مقام قاب قوسین او ادنیٰ کے اسرار غریبہ کے بیان میں اور اس راز کا بیان کہ عارف اپنے بائیں جانب کے لکھنے والے کو نہیں پاتا اور یہ معارف بھی منقول معنی ہیں)

قَابَ قَوْسَیْنِ کے معاملہ میں ظاہر میں مظہر کا رنگ ظاہر ہوتا ہے کیونکہ سالک سے ذات و صفت کے زوال کا معاملہ حاصل نہیں ہوتا ہے بخلاف معاملہ اَوْ اَدْنٰی کے کہ اس جگہ مظہر سے کوئی حکم اور اثر باقی نہیں رہا ہے پس اس مرتبۂ ثانیہ میں لازماً مظہر ایک ایسا معاملہ ہوگا جو مرتبۂ وجوب سے مستفاد ہوگا اور وہ ایک خاص ظلمت ہے۔ جو عارف کو معاملہ پورا کر لینے کے بعد مرتبۂ اصل سے عنایت فرماتے ہیں اور اس کو افاضہ صورت سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے یہ ایک بڑا گہرا راز ہے ان شاء اللہ تعالیٰ اس کی تفصیل کسی اور موقع پر تحریر کی جائے گی پس مظہر اس معاملہ میں ایک ایسا امر ہوتا ہے جس میں عدم کی بو راہ نہیں پا سکتی اور امکان کے شائبہ کو اس میں دخل نہیں ہے پس اگر ہم اس مرتبہ میں انفعال (اثر قبول کرنا) کا اثبات کریں تو وہ اپنے آپ سے ہوگا نہ کہ غیر کی طرف سے کیونکہ غیر کا کوئی اثر اور نشان باقی نہیں رہا ہے ؎

وَلِوَجْهِهِ مِنْ وَجْهِهِ قَمَرٌ وَلِعَيْنِهِ مِنْ عَيْنِهِ كُحْلٌ[1]

اگرچہ وہ انفعال جو مرتبۂ قاب قوسین میں ثابت کیا جائے گا وہ بھی حق ہے اور وہ حصہ جو اس مرتبہ میں ہوتا ہے اصل کا ظہور ہے لیکن اس میں ظلیت کا شائبہ نہیں ہے اور مرتبۂ بلند کے لائق نہیں ہے۔ وہ انفعال جو اس مرتبۂ مقدسہ کے لائق ہوتا ہے وہ ہے جس میں ظلیت کی بو راہ نہ پاتی ہو اور کسی صورت میں بھی غیر کو درمیان میں کوئی دخل نہ ہو کیونکہ غیر عدم کی آلودگی سے خالی نہیں ہے اور امکان کے نقص سے باہر نہیں ہے اور

[1] اس کے چہرے کے لئے اس کا اپنا چہرہ ہی چاند ہے اور اس کی آنکھ کیلئے اس کی آنکھ ہی کا سرمہ ہے ۱۲

اگر مراتب ظلال کے انقطاعات اس طرح کے حصول قران کی گنجائش ہے

جاننا چاہیے کہ اس معاملہ میں اَوْ اَدْنیٰ کہ جس کا کچھ تذکرہ ہو چکا ہے عارف اپنے دائیں جانب کے لکھنے والے کو نہیں پاتا اس کا راز یہ ہے کہ اس وقت میں اس کی بائیں جانب، دائیں جانب کا حکم حاصل کر لیتی ہے کیونکہ شمال (بائیں جانب) عدم کے تقاضوں میں سے ہے پھر جب عدم کے احکام زائل ہو گئے اور خالص وجود باقی رہ گیا تو اب اس جگہ بائیں جانب ہے ہی نہیں بلکہ "اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں" اس کو سمجھ اور بے دینی میں مبتلا نہ ہو۔

جب تم نے ان گہرے اسرار اور معارف غریبہ کو معلوم کر لیا تو اب سنو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى الآیۃ (پھر وہ قریب ہوا پھر لپکا) جان لے کہ اس دَنُوّ (قرب) کا تحقق اَوْ اَدْنیٰ کے تحقق کے بعد ہے جو پہلے ذکر ہوا ہے کیونکہ جب تک عارف کا کوئی اثر اور حکم باقی ہے اور عدم کی آلودگی سے مبرا نہیں ہوا ہے اس کو اس دَنُوّ کی لیاقت نہیں ہے اور اس دَنُوّ کے تحقق کے بعد تَدَلّٰی (لپکنا) ہے جو نزول کے روبرو ہے جب تدلّی کا تحقق ہو جاتا ہے اور عارف کو خلق میں لاتے ہیں تو اس وقت قوسین کی صورت ظاہر ہوتی ہے اگرچہ قوس اول کا کوئی اثر اور حکم باقی نہیں رہا ہے لیکن جب اس کو تدلّی سے مشرف فرماتے ہیں تو اس وقت قوسین کی صورت متوہم ہوتی ہے۔

پس بعد از تدلّی فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنیٰ اس اعتبار سے فرمایا ہے کہ اس وقت قوسین کی صورت ثابت ہے نہ کہ اس کی حقیقت اَوْ اَدْنیٰ یعنی بلکہ اس سے بھی قریب کیونکہ اس جگہ قوس ثانی کا کوئی اثر اور حکم باقی نہیں رہا تو اس جگہ حقیقت میں دو قوس ہیں ہی نہیں۔ یہ معارف اللہ تعالیٰ کے اسرار سے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے اخص الخواص پر ظاہر فرماتے ہیں۔ والسلام علی من اتبع الھدیٰ والتزم متابعۃ المصطفیٰ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والبرکات العلی۔

مکتوب نمبر ۱۱۲

شریعت پناہ قاضی اسلم کی طرف صادر فرمایا

(اس بیان میں کہ اللہ تعالیٰ کی صفات حقیقیہ نہ اللہ تعالیٰ کا عین ہیں اور نہ اس کا غیر ہیں)

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ علمائے اہل سنت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم نے اللہ تعالیٰ کی صفات ثمانیہ کے متعلق کیسا اچھا کہا ہے کہ "نہ وہ اللہ تعالیٰ ہیں اور نہ اس کا غیر ہیں"۔ یہ معرفت عقل سے

بالاتر ہے جو کہ نور فراست اور انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کی برکت حاصل ہوتی ہے۔ عقلاء اس عبارت سے رفع نقیضین سمجھتے ہیں ان کو یہ نہیں معلوم کہ حصول تناقض کے لئے زمان و مکان کا اتحاد شرط ہے اور جبکہ اللہ تعالےٰ کی بارگاہ میں زمان اور مکان کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے تو تناقض کس طرح متصور ہو سکتا ہے۔

اور وہ جو علما نے دفع تناقض کے لئے لفظ غیر میں تصرف کیا ہے اور غیر سے ایک خاص معنی مراد لئے ہیں اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے بلکہ نظر کشفی اس تخصیص سے منع کرتی ہے اور غیر کی نفی جس صورت میں بھی ہو وہ اثبات کرتی ہے اور ہم یہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کی صفات جس طرح خدا تعالےٰ کی عین ذات نہیں ہیں کیونکہ وہ زائد ہیں اسی طرح وہ غیر ذات بھی نہیں ہیں اگرچہ وہ زائد ہیں اور دوئی کی نسبت پیدا کرتی ہے اس جگہ ارباب معقول کا مقررہ قاعدہ اَلْاِثْنَانِ مُتَغَایِرَانِ (کہ دو چیزیں آپس میں متغایر ہوتی ہیں) غلط ٹھہرتا ہے اور ان کے اصول کو توڑ دیتا ہے اور وہ جو کہا ہے کہ "وہ عقل سے بالاتر ہے" اس معنی سے ہے کہ عقل وہاں راہ نہیں پا سکتی اور وہ اس کے ادراک سے قاصر ہے نہ یہ کہ عقل اس کے برخلاف حکم کرتی ہے وہ اس کے برخلاف کس طرح حکم لگا سکتی ہے کہ اس نے اس کا تصور بھی نہیں کیا ہے بلکہ وہ اس کے ادراک کے احاطہ سے باہر ہے تو اس کے اثبات اور نفی کے حکم کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما اور ہمارے معاملہ میں بھلائی پیدا کر۔

مکتوب نمبر ۱۱۳

ملا سلطان سرہندی کی طرف صادر فرمایا

(اس بیان میں کہ اللہ تعالےٰ صفات حیوٰۃ اور علم اور باقی تمام کمالات سے متصف ہیں اور صفات کے ذات الٰہی سے قیام کا کیا معنی ہے)

اللہ تعالیٰ کی صفات جو کہ اس کی ذات کے ساتھ قیام رکھتی ہیں مثلاً حیوٰۃ و قدرت و علم وغیرہا وہ اپنے کمال تنزہ و تقدس کی وجہ سے ممکن کی صفات سے کوئی نسبت ہی نہیں رکھتیں کیونکہ ممکن کی صفات اعراض ہیں جو جواہر کے ساتھ قیام رکھتی ہیں اور اللہ تعالےٰ کی صفات جوہر کو قائم کرنے والی ہیں کہ جواہر کا قیام انہی سے ہے اور پھر یہ فرق بھی ہے کہ ممکن کی صفات میت کا حکم رکھتی ہیں اور جماد محض ہیں اور حیوٰۃ و علم وغیرہا سے بے نصیب ہیں البتہ اتنا ضرور ہے کہ ممکن ان کے ذریعے سے حی اور عالم اور قادر بن جاتا ہے لیکن یہ سب صفات بذات خود حی اور عالم نہیں ہیں برخلاف اللہ تعالےٰ کی صفات مقدسہ کے کہ اس حقیر کی نظر کشفی میں وہ بھی اپنے موصوف کی طرح حی اور عالم ہیں اور اپنے کمالات کی تفصیل سے واقف ہیں اور ان پر فریفتہ ہیں لیکن ان کا علم علم حضوری

کی جنس سے مفہوم ہوتا ہے نہ کہ علم حصولی کی جنس سے۔

اور اسی طرح ہر وہ صفت یا شان جو اللہ تعالےٰ کے لئے ثابت کی جائے ان سب میں حیوٰۃ و علم کا ثبوت معلوم ہوتا ہے اور خالص نور نظر آتی ہیں گویا کہ وہ نور سب کا سب علم اور انکشاف ہے اور سب کا سب حیوٰۃ ہے اور یہ دونوں کمال کی صفات اس جگہ ظاہر اور ہویدا ہیں برخلاف دوسری صفات قدرت و ارادت وغیرہ کے کہ اس وضاحت سے اس جگہ معلوم نہیں ہوتا۔ ہاں جو کچھ درکار ہے وہ اس مقام میں کمالات کا انکشاف ہے جو کہ صفت علم سے تعلق رکھتا ہے اور چونکہ علم حیوٰۃ کے تابع ہے لہٰذا صفت حیوٰۃ سے بھی چارہ نہیں ہے اور قدرت اور ارادت مقدور اور مراد سے وابستہ ہیں اور سمع و بصر سے علم کے ساتھ اکتفا کیا جا سکتا ہے اور کلام کا مقصود افادہ ہے اور تکوین مکونات کے حصول کے لئے ہے۔

اس کے باوجود ہر صفت چونکہ جامع ہے تو لازماً یہ صفات کمال ان میں ثابت ہیں ظاہر ہوں یا نہ ظاہر ہوں لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس بیان سے لازم آیا کہ "معنی کا قیام معنی سے ہو" کیونکہ صفات جب حی اور عالم ہوں گی تو ان سے حیوٰۃ و علم کے قیام سے چارہ نہ ہوگا۔ میں کہتا ہوں کہ دونوں کا قیام اللہ تعالےٰ کی ذات سے ہے ایک اصلی طور پر اور دوسری تبعیت میں چنانچہ علماء نے اعراض کی بقا میں کہا ہے کہ عرض اور بقائے عرض دونوں محل عرض سے قائم ہیں۔

اور اس بحث کی تحقیق یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کے صفات کا قیام خدا تعالےٰ کی ذات سے اس طرح کا نہیں ہے جیسے عرض کا قیام جوہر سے ہوتا ہے ہرگز نہیں بلکہ ان کا قیام اس طرح ہے جیسے مصنوع کا قیام صانع سے ہوتا ہے کہ صانع اپنے مصنوع کا قیوم ہے اگرچہ اس جگہ اتصاف ہے اور اس جگہ اتصاف نہیں ہے۔ بلکہ ان کا قیام کسی چیز کے اپنی ذات سے قیام کی طرح ہے اتنا فرق ہے کہ اس جگہ زیادتی ثابت ہے اور اس جگہ زیادتی متصور نہیں ہے لیکن وہ زیادتی غیریت کی حد تک نہیں پہنچاتی ہے کیونکہ علماء نے "نہ اس کا غیر ہیں" فرمایا ہے پس دونوں جگہوں میں تغایر اعتباری ثابت ہوا اور قیام متحقق ہوا اور اتصاف کا حصول اس جگہ انسان کے کاتب ہونے سے اتصاف کی طرح ہے یا جوہر کے جوہریت کے اتصاف کی طرح۔

بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ جس مقام میں اللہ تعالےٰ کی ذات اور اس کی صفات حقیقیہ مقدسہ ہیں جو کہ حضرت ذات سے قائم ہیں صفت اور اتصاف کا کوئی ملاحظہ اس جگہ ثابت نہیں ہے نہ تو اللہ تعالےٰ کی ذات میں موصوفیت کا ملاحظہ ہے اور نہ صفات مقدسہ میں صفاتیت ملحوظ ہے جس صورت میں کہ وجود اور وجوب وجود کو بھی اللہ تعالےٰ کی بارگاہ میں گنجائش نہیں ہے تو صفت و اتصاف کی کیا مجال ہے جو کہ وجود کی شاخ ہیں اس مقدس مقام میں سوائے نور کے اور کسی کو گنجائش نہیں ہے اور وہ بھی بیچون ہے اگر حیوٰۃ ہے تو بھی نور ہے اور اگر علم ہے تو بھی

نور ہے وعلیٰ ہذا القیاس۔ اور اس نور اقدس بے چون کو اگر مرتبۂ ثانی میں بے تغیر و انتقال اثبات کیا جائے تو یقیناً اس کی مظہریت کے قابل سوائے وجود کے اور کوئی چیز دوسری نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا اس فقیر کے نزدیک تعین اوّل تعین وجودی ہے اور باقی سب تعینات اس تعین کے تابع ہیں اگرچہ تعین کے لفظ کا اطلاق بھی اس فقیر کے علوم کے مطابق اس جگہ گنجائش نہیں رکھتا لیکن چونکہ قوم میں یہ لفظ متعارف ہو چکا ہے لہٰذا ہم بھی اس کے اطلاق میں کچھ نرمی کرتے ہیں۔ اے ہمارے رب ہمارے نور کو پورا کر اور ہمیں بخش دے یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے

مکتوب نمبر ۱۱۴

(اللہ تعالیٰ کی صفات اور ان کے کمالات سے تعلق کی کیفیت اور اس بیان میں کہ حق کو اپنے قیام کے لئے تعین سے چارہ نہیں لیکن اس کے لئے اثبات کل کی ضرورت نہیں ہے اور تعین وجودی اور انبیائے متبوعین اور انبیاء تابعین اور ملائکہ کرام علی الانبیاء وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے تعینات کے مبادی اور اولیاء وعوام مومنین کفار اور نوری پیدائش کے موجودات کے تعینات کا بیان)

صفات حقیقیہ جو کہ ہم مرتبہ حضرت ذات تعالیٰ و تقدس میں ثابت کرتے ہیں اس اثبات سے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک میں کوئی تعین اور تنزل پیدا نہیں ہوتا اور مرتبۂ اولیٰ کے علاوہ کوئی دوسرا مرتبہ ثابت نہیں ہوتا اور کسی طرح بھی ان کی علیحدگی کی کوئی صورت پیدا نہیں ہوتی اور جب تک مرتبۂ ثانی متحقق نہ ہو اور کسی طرح سے بھی انفکاک حاصل نہ ہو تعین اور تنزل کی کوئی صورت پیدا نہیں ہوتی اور اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات حقیقیہ گویا کہ ایک مرتبہ میں ثابت ہیں اور باوجود زیادتی کے گویا کہ عین اللہ تعالیٰ کی ذات ہیں اور اگرچہ صفات مقدسہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں مندرج کمالات کی تفصیل ہیں لیکن ان کا حکم باقی تمام اجمال و تفصیل سے علیحدہ ہے کیونکہ اجمال اس مرتبہ میں ہے جس مرتبہ میں تفصیل ثابت نہیں ہے بلکہ تفصیل کا مرتبہ اجمال کے مرتبہ سے نیچے ہے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ معنی مفقود ہے اور تفصیل عین مرتبۂ اجمال میں ہے اور یہ معرفت عقل کے طریقہ کے علاوہ ہے جس کی راہنمائی نظر کشفی کو ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا علم اس مرتبہ میں کہ اس صفات سے متعلق ہوا ہے اپنی ذات اور اپنے کمالات مندرجہ ذات کے علم کی طرح علم حضوری ہے اور یہ صفات باوجود زیادتی کے گویا عین عالم ہیں اور ان کا حضور حضور نفس عالم کی طرح ہے اور ان کے اللہ تعالیٰ کی ذات سے کمال اتحاد ہی کی وجہ سے صوفیاء کی ایک بہت بڑی جماعت نے صفات کو عین ذات کہا ہے اور صفات کی زیادتی کا انکار کیا ہے اور لَا هُوَ کے لفظ سے منع کر کے لَا غَیْرُہٗ سے اثبات فرمایا ہے اور کمال یہ ہے کہ باوجود تصدیق

لَا ھُوَ کے لَا غَیْرُہٗ کا اثبات کیا جائے اور زیادتی کے باوجود غیریت کی نفی کی جائے یہ کمال علوم انبیاؑ علیہم الصلوات والتسلیمات کے علوم کے مذاق کے موافق اور آرائے صائبہ فرقۂ ناجیہ اہل سنت وجماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کے مطابق ہے۔

جاننا چاہیئے کہ انکشافِ ذاتی اس مرتبہ میں کہ جو اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات مقدسہ سے تعلق رکھتا ہے علم حضوری کے قبیل سے ہے کیونکہ صفات مقدسہ کا حکم بھی اللہ تعالیٰ کی ذات ہی کا حکم ہے جیسا کہ گذرا اور وہ جو ہم نے کہا ہے کہ وہ علم حضوری کی جنس سے ہے وہ اس لئے کہ علم حضوری عبارت ہے حضور نفس عالم سے اور صفات نفس عالم نہیں ہیں تو چاہیئے کہ ان کا علم علم حضوری نہ ہو لیکن جب کوئی صورت ان سے الگ نہیں ہوتی اور ان کا حضور نفس ثابت ہے تو وہ علم حضوری کے قبیل سے ہوں گی اور وہ انکشاف جو صفت علم سے تعلق رکھتا ہے۔ علم حصولی کے قبیل سے ہے اور یہ جو ہم نے کہا ہے کہ علم حصولی کے قبیل سے ہے اور اس لئے کہ علم حصولی عقل میں معلوم سے حاصل ہونے والی صورت سے عبارت ہے۔

اور اس فقیر کے نزدیک محقق اور مکشوف ہوا ہے کہ کسی معلوم کی کوئی صورت اللہ تعالیٰ کے علم میں منقش نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کا علم کسی صورت معلومہ کا محتاج نہیں ہے پھر اللہ تعالیٰ (عالم) کی ذات میں صورت کا حصول کس طرح ہو سکتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا معلوم سے ایک قسم کا تعلق ہے اور اس کے متعلق ایک انکشاف ہے بغیر اس کے کہ معلوم کی کوئی صورت علم میں ثابت ہو اور علم کا خانہ تمام نقوش اور صُوَرِ علمیہ سے خالی اور صاف ہے اور اس کے باوجود اس کے علم سے ایک ذرہ کے برابر بھی کوئی چیز زمین میں یا آسمانوں میں اس سے مخفی نہیں ہے۔

اس قدر مکشوف ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا علم کسی معلوم سے تعلق پیدا کرتا ہے اور اس تعلق سے معلوم کی ایک صورت الگ ہو جاتی ہے اور اس علم سے قیام پیدا کرتی ہے بغیر اس کے کہ علم میں حلول و حصول پیدا کرے اور چونکہ علم کے تعلق سے معلوم کی ایک صورت متنزع ہوتی ہے اور علم بلکہ عالم سے قیام پیدا کرتی ہے تو یہ بات درست ہو جاتی ہے کہ وہ علم حصولی کے قبیل سے ہے اور جب صفتِ علم اللہ تعالیٰ کی ذات میں مندرج کمالات سے تعلق پیدا کرے گی تو لازماً ان کمالات سے اس تعلق کی وجہ سے علمی صورتیں الگ ہوں گی اور علم سے قیام پیدا کریں گی اگرچہ ان کا حلول و حصول علم میں ثابت نہیں ہوتا۔

سوال:۔ ان صُوَرِ علمیہ کا قیام تم نے صفت علم سے پیدا کیا ہے لیکن معلوم نہ ہوا کہ ان صورتوں کا محل ثبوت کونسا ہے جس طرح کہ جیسا کہ عین کے ساتھ قیام سے چارہ نہیں ہے اسی طرح محلیت عین سے بھی اس کو چارہ نہ ہوگا؟

جواب :- ہاں معنی کو عین کے ساتھ قیام سے کوئی چارہ نہیں ہے لیکن اس کے لئے محل کے اثبات کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ معنی کے لئے اثبات محل سے مقصود اس کے قیام کا اثبات ہے نہ کہ قیام پر کوئی امر زائد۔ جبکہ جواہر مجردہ فلکیہ جو کہ ان صور علمیہ کے لئے ظلال کی طرح ہیں اور وہ صُوَران جواہر کے تعینات کے مبادی ہیں فلاسفہ نے کہا ہے کہ ان کے لئے کوئی محل اور مکان ثابت نہیں ہے بلکہ کوئی ضرورت نہیں ہے اور اگر ان جواہر مجردہ کے اصول کا محل نہ ہو تو کونسا تعجب ہے! ان صور علمیہ کو اعراض کی طرح تصور نہ کرو جو کہ غیر کے ساتھ قیام رکھتے ہیں اور اعراض پر قیاس کرتے ہوئے ان کے محل کے اثبات میں نہ پڑنا کہ یہ صُوَر علمیہ اصول بلکہ تعینات جواہر کے مبادی ہیں کہ اعراض کا قیام ان سے ہے تو اعراض کی کیا حیثیت ہے بلکہ ہم اعراض میں بھی کہتے ہیں کہ ان کے لئے اثبات محل کا مقصود ان کے قیام محل کے ساتھ اثبات ہے نہ یہ کہ محل مستقل طور پر مقصود ہو۔

تحقیق یہ ہے کہ یہ صور علمیہ مرتبۂ وجوب میں موجود ہیں کہ محل ومکان کی وہاں کوئی گنجائش نہیں ہے اور قیام کے سوا اس جگہ کوئی چیز متحقق نہیں ہے

اللہ تعالیٰ کی صفات حقیقیہ جو کہ ذات اقدس کے ساتھ قیام رکھتی ہیں وہاں کوئی حالیت ومحلیت درمیان نہیں ہے اور ثبوت ذہنی وخارجی جو کہا ہے وہ مرتبۂ امکان میں تقسیم یا ترتیب ہے کیونکہ اس بارگاہ میں نہ خارج کو گنجائش ہے اور نہ علم کو۔ جب وجود کو اس بارگاہ میں کوئی دخل نہ ہوگا تو وجود ذہنی اور خارجی کہ جو اس کی قسمیں ہیں اس جگہ کیا مجال ہوگی اور علم اور خارج وجود کی ظرفیت کو وہاں کیا گنجائش ہوگی پس یہ صُوَر علمیہ ثابت ہوں گی اور علم کی صفت سے قائم ہوں گی اور کوئی ثبوت علمی وخارجی ان کو متحقق نہ ہوگا بلکہ وجود علمی وخارجی ان کے لئے عار ہوگا کیونکہ وہ امکان کی صفات اور حدوث کی علامات سے ہے کیونکہ ان کے نزدیک ہر ایک ممکن حادث ہے اور مرتبۂ وجوب وجود میں اگرچہ وجود ثابت ہوا ہے لیکن اس وجود کے لئے ظرفیت خارج وعلم پیدا نہیں ہوتی کیونکہ ظرفیت اور مظروفیت کو اس جگہ مجال نہیں ہے اچھی طرح سنو کہ صورت معلوم نفس علم سے عبارت ہے اس کا علم میں حصول اور حلول کا کیا معنی ہوگا

پچھلے صوفیہ کرام نے کہا ہے کہ صُوَر علمیہ جو کہ اعیان ثابتہ سے عبارت ہیں اور ممکنات کے حقائق ہیں ان کا ثبوت خانہ علم میں ہے اور بس اور خارج علم میں ان کے وجود کی بو بھی نہیں پہنچی ہے لیکن ان صور علمیہ کے عکوس جب ظاہر وجود کے آئینہ میں کہ اس کے سوا خارج میں کوئی چیز موجود نہیں ہے پڑتے ہیں تو متوہم ہوتا ہے کہ وہ صور خارج میں موجود ہیں اس صورت کی طرح کہ جب وہ آئینہ میں منعکس ہوتی ہے تو وہم ہوتا ہے کہ وہ صورت آئینہ میں ہے۔

اے کاش! میں سمجھ سکتا کہ ان بڑے لوگوں کی مراد کیا ہے اور علم میں صور کے حصول کا کیا مطلب ہے اور صور شہادت میں صرف نفس علم ہے اور غائب میں اللہ تعالیٰ کا علم ازلی قدیم۔ بسیط وحدانی ہے جو معلومات متکثرہ سے متعلق ہوا ہے اور اس کے تعلق سے ان معلومات کی صور متعددہ متمیزہ حاصل ہوئی ہیں بغیر اس کے کہ اس کے ازلی علم میں ان کا حصول و حلول ثابت ہو اور اس میں صور متعددہ کا حلول کس طرح ہو سکتا ہے کہ وہ مستلزم ہے تبعض اور تجزی اور محل کی تقسیم اور کسی چیز کو کسی چیز کے جزو فرض کرنے کو اور یہ ترکیب کا موجب ہے جو کہ قدم اور ازلیت کے منافی ہے

عجب معاملہ ہے کہ فلاسفہ معلوم کی صورت حاصلہ کو ذہن میں ثابت کرتے ہیں اور اس کے حلول کو ذہن میں جانتے ہیں نہ کہ علم میں کیونکہ وہ صورت ان کے نزدیک عین علم ہے نہ کہ علم میں حلول کرنے والی، اور متاخرین صوفیہ کی عبارات سے ابتداءً یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس صورت کا حصول علم میں ہے جس کو باطن وجود کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں۔ جاننا چاہیے کہ یہ صور علمیہ جو کہ صفت علم کے تعلق سے اللہ تعالیٰ کے ذاتی کمالات میں مندرج ثابت ہوتی ہیں۔ نظر کشفی سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو حیوٰۃ اور علم ثابت ہے اور انکشاف جو علم حضوری کے مناسب ہوتا ہے ان کو ان کمالات کی نسبت سے جو ان میں داخل ہیں ثابت ہے جیسا کہ اس بحث کی تحقیق ایک مکتوب میں تفصیل سے بیان کر دی ہے اگر اس معرفت کی غرابت کی وجہ سے کوئی پوشیدگی رہ جائے اور ضرورت محسوس ہو تو اس جگہ رجوع کریں۔

اور جب بیان سابق سے واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس اور اس کی صفات مقدسہ ایک ہی مرتبہ میں موجود ہیں اور صفات کی زیادتی کے وجہ سے کوئی تعین اور کوئی تنزل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیدا نہیں ہوا ہے تو جان لیں کہ اس مرتبہ مقدسہ کا جو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات مع الصفات کا مرتبہ ہے، مرتبہ ثانیہ میں بے شائبہ تغیر و تبدل پہلا ظہور ہے اور وہ اس حقیر کے نزدیک از روئے کشف و شہود یقیناً حضرت وجود کا مرتبہ ہے جو کہ خیر محض اور کمال خالص ہے اور تمام کمالات کے ظہور کی بطریق ظلیت قابلیت رکھتا ہے اور غیر وجود کو یہ دولت میسر نہیں ہے لہٰذا اگر کوئی علم اس مرتبہ مقدسہ سے متعلق ہو اور اس کے کمالات کا انتزاع کرے جیسا کہ گزر چکا ہے تو یقیناً سب سے پہلی چیز جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے منتزع ہوگی وہ حضرت وجود ہوگا اور دوسرے کمالات اس کے توابع ہوں گے۔

یہی وجہ ہے کہ صوفیاء کی ایک بہت بڑی جماعت نے وجود کو عین ذات تصور کیا ہے اور تعین وجودی کو تعین جانا ہے اور اس تعین اسبق کا ثبوت علم و خارج سے الگ ہے جیسا کہ اس معنی کی تحقیق کئی جگہ پر ہو چکی ہے اور یہ حضرت وجود بطریق ظلیت تمام کمالات ذاتیہ و صفاتیہ کا اجمالاً جامع ہے اور اس مرتبہ جامع اجمالیہ کی تفصیل ہے

کہ جسے تعین ثانی کہا جا سکتا ہے۔ سب سے پہلی چیز جس نے مرتبۂ تفصیل میں ثبوت پیدا کیا وہ حیوٰۃ کی صفت ہے جو تمام صفات کا اصل ہے اور یہ صفت حیوٰۃ گویا کہ اس صفت حیوٰۃ کا ظل ہے جو کہ اللہ تعالٰے کی ذات کے مرتبہ میں ثابت ہے اور "نہ وہ وہ ہے اور نہ وہ اس کا غیر ہے" اس کے حق میں ثابت ہے اور یہ ظل جب ایسے مرتبہ میں پیدا ہوا ہے جو کہ اللہ تعالٰے کی ذات کے مرتبہ سے الگ ہے تو یقیناً "نہ اس کا غیر ہے" اس کے حق میں ثابت نہیں ہوگا اور وہ غیریت کے داغ سے داغدار ہوگا اور صفت حیوٰۃ کے بعد صفت علم بطریق ظلیت جیسا کہ صفت حیوٰۃ میں گذرا ہے ثابت ہے اور یہ صفت تمام صفات کی جامع ہے

اور صفت قدرت اور ارادہ وغیرہ ہی باوجود استقلال کے گویا کہ اس کے اجزاء ہیں کیونکہ اس صفت کو اللہ تعالٰے سے اس طرح کا اتحاد ہے کہ اس کے غیر کو نہیں ہے کیونکہ علم حضوری کی صورت میں علم اور عالم اور معلوم کا اتحاد ہے اور قدرت ہرگز قادر اور مقدور سے متحد نہیں ہے اور ارادات میں جو دو مقدورات میں سے ایک کو ترجیح ہے اس میں بھی یہ اتحاد ثابت نہیں ہے علیٰ ہٰذا القیاس

اور اس فقیر کے نزدیک مبداء تعین حضرت خلیل علیٰ نبینا وعلیہ بالاصل تعین اول ہے۔ جو کہ تعین وجودی ہے اور اس تعین کا مرکز جو کہ اس کے اجزاء میں سے اشرف ہے وہ حضرت خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کا مبداء تعین ہے جیسا کہ اس بحث کی تحقیق ایک مکتوب میں تفصیل سے ذکر ہو چکی ہے اور چونکہ حضرت خلیل علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولایت اسرافیل علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ولایت ہے تو یقیناً حضرت اسرافیل کا مبداء تعین بھی یہی تعین وجودی ہوگا علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اور ہر پیغمبر اور ہر رسول کا مبداء تعین اصل میں اس تعین اول وجودی کے حصص میں سے ایک حصہ ہے اور اگر کسی کو امتوں میں سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کی برکت سے اس تعین اول وجودی سے کچھ حصہ ہو اور حصہ یا نقطہ اس تعین کے حصص یا نقاط میں سے اس شخص کا مبدأ تعین ہو تو جائز ہے بلکہ واقع ہے اور جب تک اس تعین میں مبداء تعین پیدا نہ ہو اس وقت تک بالاصل اللہ تعالٰے کی ذات تک وصول کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

اور علیین کے ملائکہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام جو کہ اللہ تعالٰے کے مقرب ہیں ان کے مبادیٔ تعینات بھی اسی تعین وجودی میں ہیں کہ اللہ تعالٰے کی ذات تک وصول اسی سے وابستہ ہے جاننا چاہیئے کہ یہ صفت علم جو کہ مرتبۂ تفصیل میں تعین وجودی میں پیدا ہوا ہے اگرچہ یہ حصہ ہے اس تعین وجودی کے حصص میں سے لیکن چونکہ وہ جامعیت رکھتا ہے تو گویا کہ نفس وجود کی طرح اس تعین کے تمام حصص کا جامع ہے اور اس کا اجمال بھی ہے اور تفصیل بھی اجمال مرکزِ دائرہ کا حکم رکھتا ہے اور تفصیل محیط کا حکم پس اس تعین علمی کا

مرکز جو اجمال ہے گویا کہ اس تعین اول وجودی کے مرکز کا ظل ہے اور اسی تعلق کی وجہ سے ایک جماعت نے یقین کر لیا ہے کہ حضرت خاتم الرسل علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کا مبدأ تعین حضرت علم کا اجمال ہے نہیں بلکہ یہ اجمال آپ کے مبدأ تعین کا ظل ہے علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام چونکہ تعین اول وجودی کا مرکز ہے جیسا کہ گذر چکا اور پھر اس اجمال علم کو تعین اول بھی کہا ہے اور مرتبۂ فوق کو لاتعین جانا ہے اور عین حضرت وجود سمجھا ہے ہاں عین وجود ضرور ہے لیکن تعین سے منسوب ہے جیسا کہ گذر چکا۔

پوشیدہ نہ رہے کہ تعین اول اگرچہ اس میں مندرج حصص انبیاء کرام اور ملائکہ علیین عظام علیہم الصلوات والتسلیمات کے مبادی تعین ہیں لیکن چونکہ اس مرتبہ میں اجمال ثابت ہے اس لئے ہر ایک کے مبادی علیحدہ علیحدہ تفصیل سے معلوم نہیں ہوتے اور ان کو کسی نام سے مسمّٰی نہیں کہا جا سکتا۔ اور جب اس میں تفصیل پیدا ہو گئی تو ہر ایک کے مبادی الگ ہو گئے اور ان کا نام بھی علیحدہ ہو گیا مثلاً اس تعین اول وجودی کا ایک حصہ اسم الحیاۃ ہے اور دوسرا حصہ اسم العلم ہے علیٰ ہذا القیاس اور ایسا مشہود ہوتا ہے کہ اسم الحیاۃ اپنی جامعیت کی وجہ سے ملائکہ علیین عظام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کا مبدأ تعین ہے۔

اور یہ بھی یاد رکھیں کہ حضرت روح اللہ کو جو کہ مناسبت ملأ اعلیٰ سے رکھتے ہیں اس مقام سے علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت مہدی علیہ الرضوان چونکہ حضرت روح اللہ سے ایک خاص مناسبت رکھتے ہیں اس مقام کے مبدأ ہیں جاننا چاہئے کہ صفات ثمانیہ میں سے جس صفت نے بھی مرتبۂ تعین ثانی میں تفصیل پائی ہے وہ ہر ایک پیغمبر بزرگ مقتدا کا مبدأ ہے۔ چنانچہ علم مثلاً حضرت خاتم الرسل علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کا مبدأ ہے اور قدرت حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبدأ تعین ہے اور تکوین حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبدأ تعین اور ان اسماء کلیہ مقدسہ کے جزئیات باقی انبیاء کے مبادی تعینات ہیں علیہم الصلوٰۃ والسلام ان بزرگواروں میں سے ہر گروہ جو کسی خاص اسم سے مناسبت رکھتا ہے اور کسی خاص مقتدا نبی سے نسبت رکھتا ہے تو ان کو اس اسم کے جزئیات سے جو کہ ان کے مبادی تعینات ہیں مناسبت ہے اور اولیاء جو کہ مقتداء پیغمبروں میں سے کسی پیغمبر کے قدم پر ثابت ہیں علیہم الصلوٰۃ والسلام تو ان کے مبادی تعینات اس اسم کے جزئیات کے جزئیات ہیں جو کہ اس پیغمبر کا مبدأ تعین ہے علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ اور اسی طرح تمام مومنوں کے تعینات اس اسم کے جزئیات کے جزئیات ہیں جو کہ اس پیغمبر کا مبدأ تعین ہے کہ یہ اس کے قدم پر ہیں علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

اور کفار کے مبادی تعینات اسم مُضِل سے تعلق رکھتے ہیں اور ان مبادی مذکورہ سے علیحدہ ہیں اور جب ممکنات کے مبادی تعینات معلوم ہو گئے تو اب یہ جان لو کہ وجوب کا تمام دائرہ ان تعینات کے انتہا تک ہے اس کے گذر جانے سے دائرہ ممکنات کا شروع ہے اور حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے جب چاہا کہ اپنے

کمال کرم اور اپنے احسان سے اپنے فیوض وانعامات کو دوسروں کو عطا فرمائے اور گنج بخشی کرے تو اس نے مخلوق کو پیدا کیا اور اپنے وجود اور توابع وجود کے کمالات ان کو بخشے بغیر اس کے کہ اس جگہ سے کوئی چیز جدا ہو اور اس جگہ خلل ہو جائے کہ وہ نقص کے علامات سے ہے اللہ تعالیٰ اس سے بلند ہیں۔ پیدا کرنے کا مقصد احسان و انعام ان کو عطا کرنا ہے نہ کہ ان کے ذریعہ سے اپنے اسمائی وصفاتی کمالات کو مکمل اور پورا کرنا حاشا وکلا۔ اسماء وصفات اپنی ذات میں کامل ہیں اور ظہور اور مظہر کی ان کو کوئی محتاجی نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات پاک میں تمام کمال بالفعل حاصل ہیں نہ کہ بالقوۃ کہ ان کا حصول کسی امر سے وابستہ ہو۔

اگر شہود ومشاہدہ ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں خود بخود ہے اور اگر علم ومعلوم ہے تو بھی خود عالم اور خود معلوم ہے اور اسی طرح خود متکلم ہے اور خود سامع ہے اس جگہ تمام کمالات مفصل اور متمیز ہیں لیکن بعنوان بے چونی کیونکہ چون کو بے چون میں کوئی راہ نہیں ہے مخلوق کی کیا حیثیت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے کمالات کا آئینہ بن سکے۔

در کدام آئینہ در آید او[1]

اور عالم کی کیا حیثیت ہے کہ اس اجمال کی تفصیل کرے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عین اجمال میں تفصیل ہے اور عین تنگی میں وسعت ہے اور چونکہ تفصیل و وسعت اس جگہ بے چون ہے لہٰذا متوہم ہوتا ہے کہ اجمال کو تفصیل درکار ہے جو کہ خلق عالم سے وابستہ ہے اور اس اجمال کی تکمیل اس تفصیل سے ہے اور حق یہ ہے کہ اس جگہ اجمال بھی ہے اور تفصیل بھی، جیسا کہ پہلے گزر چکا وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ۔

جاننا چاہیے کہ اس عالم کی پیدائش ایسے مرتبہ میں واقع ہوئی ہے کہ اس کو اس مرتبہ مقدسہ سے کوئی مزاحمت اور موافقت نہیں ہے دو موجودوں سے ایک کا وجود اگرچہ دوسرے کے وجود کی تحدید کا تقاضا کرتا ہے لیکن یہ قاعدہ اس جگہ مفقود ہے کہ وجود عالم نے اس مرتبۂ مقدسہ سے کوئی حد اور کوئی نہایت پیدا نہیں کی ہے اور کسی نسبت اور جہت کا اثبات نہیں کیا ہے وہ صورت جو آئینہ میں متوہم ہوتی ہے اس کا ثبوت مرتبۂ وہم ہی ثابت ہے اور اس ثبوت کو ثبوت زید سے کوئی مزاحمت اور کوئی موافقت نہیں ہے جو کہ اس صورت کا اصل ہے اور اس صورت کے ثبوت نے کوئی حد اور کوئی نہایت اپنے اصل کے ثبوت میں پیدا نہیں کی ہے اور کوئی نسبت اور کوئی جہت حاصل نہیں کی ہے۔ عالم کا وجود اس صورت کے وجود کی طرح ہے جو مرتبۂ وہم میں ثابت ہے اور اپنے اصل سے کوئی مزاحمت نہیں رکھتی جو کہ خارج میں موجود ہے اور اس مرتبہ کے وہمی ثبوت سے کوئی حد اور نہایت اور جہت اس ثبوت خارجی میں جو کہ اس صورت کا اصل ہے پیدا نہیں

[1] وہ کون سے آئینہ میں سما سکتا ہے ۱۲

ہوئی وَ لِلّٰہِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی (اور اللہ کے لئے بلند مثل ہے)

اس تحقیق سے اس بات کی حقیقت معلوم ہو گئی جو کہا ہے کہ عالم مرتبۂ وہم میں ثابت ہے یعنی عالم نے اس مرتبہ میں پیدائش حاصل کی ہے کہ وہ مرتبہ مرتبۂ وہم کے مشابہ ہے جو کہ آئینہ میں منعکس ہونے والی صورت کے لئے ثابت ہے اپنے اصل کی نسبت سے جو کہ خارج میں موجود ہے۔ بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ وجود خارجی کا اطلاق بھی اس مرتبۂ مقدسہ میں تشبیہ و تنظیر کے قبیل سے ہے کہ خارج کو بھی اس جگہ گنجائش نہیں ہے اور جب وجود بھی اس مرتبۂ مقدسہ میں کوتاہی کرے تو خارج کیا ہے کہ وہ وجود کی شاخ اور اس کی قسم ہے۔

خاتمۃ حسنۃ : یہ تمام مبادی تعینات جو مذکور ہوئے وہ خواہ تعینی وجودی جملی سے ہوں یا تفصیلی سے یہ اس دنیاوی پیدائش کے ممکنہ موجودات کی نسبت سے ہیں اور اس پیدائش کی موجودات کا وجود و تشخص ان مبادی عالیہ سے وابستہ ہے۔ لیکن موجودات اُخرویہ مشہود ہوتا ہے کہ مبادی مذکورہ سے وابستہ نہیں ہیں بلکہ ان کے مبادی تعینات امور دیگر ہیں اور وہ امور اس فقیر کے نزدیک کمالات ذاتیہ ہیں کہ ان کے پاک دامن پر ظلیت کی گرد نہیں پہنچی ہے اور وہ اس مرتبۂ اقدس میں اندراج رکھتے ہیں بلکہ اس مرتبۂ مقدسہ میں منفصل اور ممیز ہیں۔ لیکن تفصیل اور تمیز لئے ہوئی ہے۔

وہ کمالات منفصلہ ذاتیہ مقدسہ کہ ان میں ہر ایک اُخروی پیدائش کی موجودات سے کسی موجود کا مبدأ تعین ہے تو گویا کہ اس حیثیت کہ ان تعینات وجود جملی اور تفصیلی سے جو کہ دنیوی پیدائش سے تعلق رکھتے ہیں کوئی تعلق نہیں ہے اور اس پیدائش کی موجودات دائمہ کا کیا بیان کروں کہ اس مرتبۂ مقدسہ سے وہ کیا کیا حصے اور حظ رکھتے ہیں۔

ہَنِیْئًا لِاَرْبَابِ النَّعِیْمِ نَعِیْمُہَا

وَمِنْ بَعْدِ ہٰذَا مَا یَدِقُّ صِفَاتُہٗ ۔۔۔ وَمَا کَتْمُہٗ اَحْظٰی لَدَیَّ وَاَجْمَلُ

اے ہمارے رب اگر ہم بھول جائیں یا خطا کر جائیں تو ہم پر مواخذہ نہ فرما۔ والسلام علی من اتبع الہدیٰ

مکتوب نمبر ۱۱۵

عرفان پناہ میرزا حسام الدین احمد کی طرف صادر فرمایا
(ان کے سوالات کے جوابات کے متعلق)

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ اس علاقہ کے فقراء کے حالات قابل تعریف

۱؎ جنت والوں کو ان کی نعمتیں مبارک۔ ہوں ۱۲۔ ۲؎ اور اس کے بعد ایسی چیز ہے جس کا بیان نہایت دقیق ہے اور اس کا چھپانا میرے نزدیک کتنا لذت بخش اور کتنا اچھا ہے۔

ہیں اور اللہ تعالیٰ کی جناب سے تمہاری سلامتی اور عافیت کی دعا ہے۔

آپ کے گرامی نامہ سے جو آپ نے از روئے شفقت و مہربانی اس فقیر کے نام لکھا تھا اس کے مطالعہ سے مشرف ہوا آپ نے شوق کا اظہار فرمایا تھا کہ حرمین شریفین میں سے کسی ایک میں اپنے متعلقین کے ساتھ اقامت اختیار کروں اور وہیں مدفون ہوں۔

میرے مخدوم و مکرم! متعلقین کا جانا نظر میں نہیں آتا بلکہ نزدیک ہے کہ ان کی ممانعت معلوم ہو اگر آپ تنہا جائیں تو میرے دیکھنے میں اچھا ہے اور امید ہے کہ آپ سلامت پہنچ جائیں گے اور معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔

پھر آپ نے کچھ سید صاحب کے متعلق لکھا ہے کہ طبیب ان کی تکلیف کا فیصلہ کرتے ہیں میرے مخدوم شفقت آثار اس فقیر کی نگاہ میں اگرچہ غور سے دیکھا جائے کوئی تکلیف اس مکڑا میں معلوم نہیں ہوتی، سوائے اس کے کہ ایک تاریکی سی اس جگہ محسوس ہوتی ہے جو اس حضرت کی تاریکی کے علاوہ ہے معلوم نہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ مختصر یہ کہ طبیب جو وجہ بیان کرتے ہیں وہ نہیں ہے اور جو تاریکی ہے وہ کسی اور وجہ سے ہے اور معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے

اور میرے فرزند محمد سعید بہت کمزور ہو چکے ہیں اللہ تعالیٰ کی تعریف اور احسان ہے کہ اب رو بصحت ہیں اور عافیت سے ہیں آپ سے دعا کی درخواست ہے۔ آنکھوں کی ٹھنڈک خواجہ کمال الدین حسین اپنے بھائی بہنوں سمیت اخیر زمانہ کے صدمات سے محفوظ رہیں اور میرے مخدوم زادگان کرام ظاہر اور باطنی جمعیت سے آراستہ رہیں۔ والسلام

مکتوب نمبر ۱۱۶

خواجہ ابو المکارم کی طرف صادر فرمایا

(مخلوق خداوندی کی خدمت گذاری کی ترغیب کے بیان میں)

اللہ سبحانہ و تعالیٰ حد اعتدال اور مرکز عدالت پر استقامت عطا فرمائیں کتنی بڑی دولت ہے کہ اللہ تعالیٰ عطیات کے بخشنے والے اپنے کسی بندے کو بعض فضائل اور بزرگیوں سے مخصوص فرمائیں۔ اور اپنے بندوں کی ایک جماعت کی حاجتوں کی کنجی اس کے تصرف کے ہاتھ کے حوالہ کر دیں اور اس کو اس جماعت کا ملجا و ماویٰ بنا دیں۔

کتنی بڑی نعمت ہے کہ اپنی مخلوق کی ایک جماعت کو جن کو اپنے کمال کرم سے اپنا عیال فرمایا ہے اس کے ساتھ وابستہ کر دے اور ان کی تربیت اس کے سپرد کر دے بڑا خوش قسمت ہے جو اس دولت کا شکریہ ادا کرے اور بڑا ہوشمند ہے جو اس نعمت کے شکریہ کی طرف توجہ کرے اور اپنے مالک کے عیال کی خدمت گاری کو اپنی خوش قسمتی سمجھے اور اپنے مالک کے غلاموں اور لونڈیوں کی تربیت کو اپنی بزرگی خیال کرے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی تعریف ہے کہ اس علاقہ کے لوگ آپ کے اچھے تذکرہ سے رطب اللسان ہیں اور آپ کے کرم واحسان کی باتیں اپنی زبان پر لاتے ہیں۔

مکتوب نمبر ۱۱۷

مرزا شیخ غلام محمد کی طرف صادر فرمایا

(اس آیت کریمہ کے بیان میں اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰی الآیہ اور دوسرے استفسارات کے بیان میں)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ. اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ شیخ اجل قدس سرہ نے اپنی کتاب العوارف کے دوسرے باب میں اس آیت کا معنی بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰی لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِیْدٌ۔ — اس میں اس آدمی کے لئے نصیحت ہے جس کا دل ہو یا حاضر جمعیت سے کان لگائے۔

"ابو بکر واسطی نے کہا ہے کہ یہ ایک مخصوص قوم کے لئے نصیحت ہے سب لوگوں کے لئے نہیں اور وہ وہ لوگ ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اَوَمَنْ كَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنٰهُ "کیا وہ شخص جو مردہ تھا پھر ہم نے اسے زندہ کیا"۔ واسطی نے یہ بھی کہا ہے کہ "مشاہدہ ذہول پیدا کرتا ہے اور حجاب سمجھ لاتا ہے اس لئے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی چیز پر تجلی کرتے ہیں تو وہ جھک جاتی ہے اور دبک جاتی ہے"۔

شیخ (صاحب العوارف) نے کہا اور جو کچھ واسطی نے کہا ہے وہ کچھ لوگوں کے حق میں صحیح ہے اور یہ آیت کچھ دوسرے لوگوں کے لئے اس امر کے خلاف فیصلہ کرتی ہے اور وہ ہیں ارباب تمکین ان کے لئے مشاہدہ اور فہم دونوں اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ مخفی نہ رہنا چاہیئے کہ جو کچھ واسطی نے پہلے کہا ہے وہ دلالت کرتا ہے کہ نصیحت اہل تمکین کے لئے ہے خصوصاً کیونکہ وہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے موت کے بعد زندہ کیا ہے یعنی ان کو فنا کے بعد بقا سے مشرف کیا ہے اور اہل تلوین کے لئے نہ فنا ہے نہ بقا اور نہ ان کو دوسری زندگی عطا ہوئی ہے کیونکہ وہ وسط طریق میں ہیں اور فنا و بقا انتہا کے احوال ہیں اور ان کا دوسرا قول اگر اہل

نے آیت کے بیان میں کہا ہے تو دلالت کرتا ہے کہ نصیحت حجاب اور پوشیدگی کی حالت میں اہل تلوین کے لئے ہے نہ کہ مشاہدہ اور مکاشفہ کے وقت کیونکہ وہ نسیان کا وقت ہے تو یہ قول آپ کے پہلے قول کے منافی ہے اور اگر آپ نے اس معرفت کو اپنے توسط حال میں کسی اور مقام پہ نہ کہ اس آیت کے بیان میں کہا ہو پھر نہ کوئی منافات ہے اور نہ شیخ قدس سرہ کو کوئی اعتراض ہے کہ جو واسطی نے کہا ہے وہ کچھ لوگوں کے حق میں صحیح ہے اور وہ اہل تلوین ہیں اور یہ آیت اس امر کے خلاف کچھ اور لوگوں کے لئے فیصلہ کرتی ہے اور وہ ارباب تمکین ہیں کیونکہ واسطی نے آیت کے معنی میں بیان کیا ہے کہ نصیحت ارباب تمکین کے لئے مخصوص ہے کیونکہ وہی موت کے بعد زندہ ہونے ہیں نہ کہ اہل تلوین۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ آپ نے اہل تلوین کے احوال میں ایک مستقل معرفت کا بیان کیا ہے جس کا آیت کے بیان سے تعلق نہیں ہے تو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے کہ وہ آیت کے حکم کے خلاف کہتے ہیں اس لئے کہ آیت ایک قوم کے حق میں وارد ہوئی ہے اور یہ معرفت ایک دوسری قوم کے احوال کا بیان ہے اور اگر واسطی نصیحت کو ابتداء میں اہل تمکین سے مخصوص نہ کرتے اور نصیحت کو اہل تلوین کے لئے بھی ان کی حالت حجاب میں اپنے دوسرے قول سے ثابت کرتے تو آپ کے دونوں قولوں میں کوئی منافات نہ ہوتی اور نہ ہی شیخ کا اعتراض ان پر وارد ہوتا۔

اور میرے نزدیک ظاہری طور پر اس آیت میں دونوں فریق کے حال کا بیان ہے "جس کا دل ہے" وہ ارباب قلوب ہیں جن کے احوال بدلتے رہتے ہیں اور وہ اصحاب تلوین ہیں، اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ یہ اہل تمکین کے حال کا بیان ہے کیونکہ انہوں نے عین شہود کی حالت میں فہم کے لئے اپنے کان رکھے ہاں اتنا فرق ضرور ہے کہ پہلی قوم کے لئے نصیحت بعض اوقات میں ہے اور دوسری قوم کے لئے تمام احوال میں جیسا کہ تمہیں معلوم ہے اور اگر شیخ قدس سرہ اس طرح کہتے کہ یہ آیت اس امر کے خلاف ایک دوسری قوم کے لئے "بھی" فیصلہ کرتی ہے تو زیادہ مناسب ہوتا اور کلام کو سنو خلق کے لئے ہے وہ نصیحت میں فریقین کے جمع ہونے کے منافی نہیں ہے۔

پھر شیخ نے اس کے بعد کہا ہے کہ فہم کا مقام محادثہ اور مکالمہ کا محل ہے اور وہ ہے دل کا سننا اور مشاہدہ کا مقام دل کا دیکھنا ہے پھر جو آدمی حال کے شکر میں ہو اس کے کان اس کی آنکھوں میں گم ہو جاتے ہیں اور جو صحو اور تمکین کی حالت میں ہو تو اس کے کان اس کی آنکھوں میں گم نہیں ہوتے کیونکہ وہ حال کی پیشانی اپنے اختیار میں رکھتا ہے اور وجودی آلہ سے جو کہ بات سمجھنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے سمجھتا ہے کیونکہ فہم والہام اور سماع کا مورد ہے اور الہام اور سماع وجودی آلہ کے خواہاں ہیں اور یہ وجود عطا کیا

جاتا ہے۔ یہ مقام تتمہ میں تمکین کے لئے دوسری مرتبہ عطا کیا جاتا ہے اور یہ وجود اس وجود کے علاوہ ہے جو مشاہدہ کے نور کے چمکنے کے وقت اس آدمی کے لئے جو فنا کے راستے سے بقا کے مقام تک چلا جائے لاشے ہو جاتا ہے۔ انتہی،

تو منع فہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ محادثہ اور مکالمہ کا محل ہے اس کے کان اس کی آنکھوں میں گم ہو جاتے ہیں یعنی وہ مشاہدہ کے وقت سمجھ نہیں رکھتا اور وہ اہل تلوین کا حال ہے مشاہدہ کے وقت ان کو نسیان ہو جاتا ہے جیسا کہ واسطی نے کہا ہے اس کے کان اس کی آنکھوں میں گم نہیں ہوتے یعنی وہ عین مشاہدہ کی حالت میں بھی سمجھتا ہے اور یہ اہل تمکین کا حال ہے جو مشاہدہ اور فہم کو جمع کرتا ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا اور لیتوں جاذ (جو گزر جائے) یہ آپ کے قول مُنُوهُوْبًا سے متعلق ہے یعنی عطا کیا جاتا ہے اس آدمی کو جو فنا سے گزر جائے اور بقا تک پہنچ جائے۔ یہ تو مخفی نہیں ہے کہ اہل تلوین میں مشاہدہ کا کیا معنی ہے؟ اور مشاہدہ ذات میں ہوتا ہے جیسا کہ انہوں نے کہا ہے اور وہ ابھی ذات تک نہیں پہنچا ہے تو اس کے حق میں صفات متجلیہ متواردہ کا مکاشفہ بہتر ہے اور جو مکاشفہ ذات میں ہے اس میں تلوین ہے۔ فقیر اور اس مقدس مرتبہ میں ایسا نہیں ہوتا کہ کبھی نسیان ہو اور کبھی شعور ہو بلکہ عین ذہول میں بھی شعور ہے اور نفس شہود میں بھی فہم ہے۔

اور شیخ قدس سرہٗ کے ظاہر کلام سے دل کی آنکھوں سے دنیا میں مشاہدہ کا وقوع جائز معلوم ہوتا ہے اور صاحب تعرف (کلاباذی) قدس سرہٗ نے جو کہ صوفیاء کے امام ہیں اللہ تعالیٰ کی دل اور آنکھ سے رویت کو ناممکن کہا ہے اور اس پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے اس نے کہا ہے اور انہوں نے اجماع کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں نہ آنکھوں سے دیکھے جا سکتے ہیں نہ دل سے مگر یقین کی جہت سے اور جو کچھ صاحب تعرف قدس سرہٗ نے کہا ہے وہ میرے نزدیک صواب سے زیادہ قریب ہے بلکہ وہی صواب ہے کیونکہ متخیل ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہے جو دیکھا جا رہا ہے تو وہ صرف خیال کی رویت ہے یعنی یقین کے لئے خیال میں صورت کا کشف ہے جو دل کو حاصل ہوتا ہے اور موقن بہ (جس کا یقین کیا گیا ہے) کی بھی ایک صورت ہے جس کا دل پر کشف ہوتا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لئے مثال کو جائز رکھا ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ کی مثل نہیں ہے۔ فَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى اور خیال میں یقین اور موقن بہ صورت کی نقش ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ کی فی الواقع کوئی صورت نہیں ہے اس لئے کہ معانی جو دل کو حاصل ہوتے ہیں اور تمام لطائف کے لئے بلکہ ہر وہ چیز جو پائی جاتی ہے یا پائی جائے گی اس کے خیال میں ایک صورت ہے جو کہ عالم مثال کے مشابہ ہے جو کہ تمام عوالم سے زیادہ وسیع ہے پس اس جگہ صرف دل کا یقین ہے اور یقین کی صورت ہے اور موقن بہ کی صورت ہے جو کہ خیال میں صورت رویت اور صورت مرئی کی مثال ہے اور حقیقت میں دل کے لئے اللہ تعالیٰ کی رویت

نہیں ہے چہ جائیکہ آنکھ کے لئے رویت ہو وہ صرف دل کے لئے مثالی صُورت ہے جو کہ رویت کی صورت میں اس کا یقین متمثل ہوتا ہے اور موقوف بہ مرئی کی صورت میں متمثل ہوا ہے پس سالک خیال کرتا ہے کہ اس نے حقیقت میں اللہ تعالےٰ کو دیکھا ہے حالانکہ وہ صرف ایک خیالی رویت ہے۔

بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ موقوف بہ کی صورت اللہ تعالیٰ کی صورت مثالیہ نہیں ہے بلکہ وہ ایک کشفی صُورت ہے جس کے ساتھ یقین متعلق ہے جو کہ خیال میں ظاہر ہوتی ہے اور اس سے اللہ تعالےٰ کی پناہ کہ اس کی کوئی صورت ہو اگرچہ وہ خیال ہی میں ہو اور سوائے اس کے نہیں کہ وہ سالک کے دل کے بعض مکشوفات کی وجوہ و اعتبارات کے لحاظ سے ایک صورت ہے کہ جن کا تعلق اللہ تعالےٰ کی ذات سے ہے اور یہی ہے کہ جب عارف اللہ تعالےٰ کی ذات تک پہنچ جاتا ہے تو اس کے لئے ایسے خیال متخیل نہیں ہوتے پس اللہ تعالےٰ کی ذات کے لئے کوئی صورت نہیں ہے اگرچہ خیال اور مثال میں ہو اور میرے نزدیک اللہ تعالےٰ کی مثال نہیں ہے جیسا کہ اس کے لئے مثل نہیں ہے کیونکہ صورت حد اور نہایت کو مستلزم ہے اگرچہ مراتب میں سے کسی مرتبہ میں ہو اور اللہ تعالےٰ تحدید اور تقیید سے پاک ہے اور تمام مراتب اللہ تعالےٰ کی مخلوق ہیں۔ اس کو اچھی طرح سمجھ لے۔

تمام تعریفیں اس اللہ تعالےٰ کو ہیں جس نے ہمیں خیال کا بادشاہ دیا اور اس کو معانی کمال کی صورتوں کے حصول کے لئے آئینہ بنایا اور اگر خیال نہ ہوتا تو ہم کو درجات اتصال و درکات انفصال کا ادراک نہ ہو سکتا اور نہ ہی ہمیں احوال کی واردات کا علم ہوتا کیونکہ ہر ایک معنی اور حال کی اس میں ایک صورت ہے اگر اس کا کشف ہو جائے تو اس سے اس معنی اور حال کا ادراک ہو سکتا ہے پس سیر و سلوک کے ساتوں لطائف کی کیفیت اور ایک سے دوسرے حال میں تبدیل ہونا صاف ان میں خیال کی کیفیت یہ ہے کہ وہ سیر اور سلوک کے درجات جو کہ سالک کو حاصل ہوئے ہیں اس میں منقوش صورتوں کے ذریعے دکھاتا ہے اور اس کے دکھانے سے ترقی کی رغبت زیادہ ہو جاتی ہے اور اس کے دکھانے سے یہ فائدہ بھی ہے کہ سیر بصیرت پر حاصل ہوتی ہے اور سلوک معرفت پر میسّر ہوتا ہے اور اس کے غلبہ سے سالک جہالت سے نکل جاتا ہے اور اہل علم سے ہو جاتا ہے سو اللہ تعالےٰ ہی کے لئے اس کی بھلائی ہے۔ والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ۔

مکتوب نمبر ۱۱۸

مولانا عبد القادر انبالی کی طرف صادر فرمایا

شیخ شہاب الدین سہروردی رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب العوارف کے دوسرے باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس مرفوع حدیث کے بیان میں کہا ہے کہ قرآن کی جو بھی آیت اتری ہے اس کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن، اور ہر ایک حرف کی ایک حد ہے اور ہر ایک حد کے لئے ایک جھانکنے کی جگہ ہے۔

اور میرے دل میں خیال گزرتا ہے کہ مُطّلَع کا مطلب آیت میں گہرے اسرار اور دقیق معانی پر صفائے فہم کی وجہ سے واقف ہونا نہیں ہے بلکہ مُطّلَع یہ ہے کہ ہر آیت کی تلاوت کے وقت قاری کو اس آیت کے کلام کرنے والے کا شہود حاصل ہو کیونکہ اس کی اوصاف میں سے کسی وصف کی اور صفات میں سے کسی صفت کی سپردگی کا وہی مقام ہے تو اس کے لئے آیات کی تلاوت اور ان کے سماع کے وقت تجلیات نئی سے نئی ہوں گی جو اس کے لئے اللہ تعالےٰ کے عظیم جلال کی خبر دینے کے لئے آئینہ کا کام دیتی ہیں اور اس توجیہ اور اس کی شرح کی تائید میں آخر تک شیخ نے جو کچھ کہا ہے وہ یہی ہے۔

اور اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم سے میرے دل میں یہ خیال گزرتا ہے کہ ظہر سے مراد قرآن مجید کا نظم ہے جو کہ معجزے کی حد تک پہنچا ہوا ہے اور بطن سے مراد صفائے فہم کے اختلاف مراتب پر اس کے دقیق معانی اور گہرے اسرار پر اس کی تاویل و تفسیر ہے اور حد سے مراد کلام کے مراتب کی انتہا ہے اور وہ ہے کلام کرنے والے کا شہود اور وہ ہے تجلی صفاتی جو اللہ تعالےٰ کے عظیم جلال کی خبر دیتی ہے اور مُطّلَع وہ ہے جو اس تجلی صفاتی سے اُوپر ہے اور وہ ہے تجلی ذاتی جو نسبتوں اور اعتبارات سے خالی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کلام کی حد اور نہایت کے لئے ایک مُطّلَع ثابت کیا ہے تو مُطّلَع کلام سے اوپر ہوگا، اور اس کی نہایت سے بھی اوپر، اور کلام اللہ تعالےٰ کی صفت ہے اور اس صفت کے آئینہ میں متکلم کا شہود اس صفت کی تجلی ہے اور مراتب کی انتہا اس کا کمال ہے اور اس کی تجلی سے اوپر کی اطلاع اس سے ذاتی تجلی کی طرف ترقی کرنے سے ہوگی تو اس مجرد ذات کی طرف وصول صفت کلام کے ذریعہ اور نظم قرآنی کی تلاوت کے وسیلہ سے ہوگا جو اس صفت پر دلالت کرنیوالا ہے تو لازمی طور پر یہاں دو قدم ہوں گے۔ ایک قدم نظم سے لے کر جو کہ مدلول کی طرف دلالت کرنے والا ہے جو کہ صفت ہے اور دوسرا قدم صفت سے موصوف تک ہے۔

عارف شعرانی قدس سرہ نے کہا ہے یہ وہ قدم ہے جہاں تک تو پہنچا اور شیخ قدس سرہ نے صرف پہلے قدم کا ذکر کیا ہے اور اسی سے سیر کو پورا کر دیا ہے اور تلاوت کا ہی فائدہ بیان کیا ہے اور اس کے سوا کچھ نہیں۔ پاک ہے تو تیرے بتانے ہوئے کے بغیر ہمیں کسی چیز کا کوئی علم نہیں ہے یقیناً تو ہی جاننے والا حکمت والا ہے۔

شیخ شہاب الدین نے اس کے بعد کہا ہے کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ وعن آبائہ الکرام سے یہ

بھی منقول ہے کہ آپ نماز پڑھ رہے تھے کہ بیہوش ہو کر گر پڑے۔ آپ سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا میں اس آیت کی برابر تکرار کرتا رہا یہاں تک کہ میں نے اس کے کلام کرنے والے سے اس کو سُنا۔ پھر صوفی کے لئے جب توحید کی پیشانی ظاہر ہو جاتی ہے اور وعدہ اور وعید کے سماع کے وقت وہ کان رکھتا ہے اور دل کو اللہ تعالیٰ کے سوا سے خالص کر لیتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر اور شہید ہو جاتا ہے اور تلاوت میں وہ اپنی زبان اور دوسرے کی زبان کو موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے درخت کی طرح پاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس درخت سے اپنا خطاب سنا دیا کہ "میں اللہ ہوں"۔

پھر جب اس کا سماع اللہ تعالیٰ سے ہوتا ہے اور اس کا کان اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتا ہے تو اُس کے کان اس کی آنکھیں بن جاتے ہیں اور آنکھ کان بن جاتی ہے اور اس کا علم عمل ہو جاتا ہے اور اس کا عمل علم ہوتا ہے۔ اور اس کا آخر اوّل بن جاتا ہے اور اوّل آخر ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اُنھوں نے کہا جب صوفی اس صفت سے متصف ہو جاتا ہے تو اس کا وقت دائمی ہو جاتا ہے اور اس کا شہود ابدی ہوتا ہے اور اس کا سماع نئے سے نیا اور متواتر ہوتا ہے۔

شیخ کا یہ قول کہ "صوفی کے لئے جب توحید کی پیشانی ظاہر ہوتی ہے" یہ امام رضی اللہ عنہ کے قول کا بیان ہے اور متکلم سے سماع کی شرح ہے کہ صوفی پر جب توحید کے حال کا غلبہ ہوتا ہے اور اس کی نظر سے غیر کا شہود زائل ہو جاتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر اور شہید ہو جاتا ہے وہ ایسا محسوس کرتا ہے کہ جب وہ اپنے نفس یا کسی اور سے کوئی کلام سُنتا ہے تو سمجھتا ہے کہ اس نے اس کو اللہ تعالیٰ سے سُنا ہے وہ اپنی غیر کی زبان کو موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے درخت کی طرح دیکھتا ہے پس جب امام نے آیت کی تکرار کی تو اس کو اپنے نفس اور اپنی جان سے سُنا یہاں تک کہ تکرار کے اثنا میں توحید کی حالت میں ان کو ایسا معلوم ہوا کہ اس نے اس کو متکلم (اللہ تعالیٰ) سے سُنا ہے اگرچہ وہ ان کی اپنی طرف اور اپنی زبان سے صادر ہوا تو انھوں نے اس وقت اپنی زبان کو موسیٰ درخت کی طرح پایا تو اس وقت زبان سے ظاہر ہونے والا کلام اس درخت سے ظاہر ہونے والے کلام کی طرح ہے کہ وہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا کلام ہے۔

میں اللہ تعالیٰ کی عصمت اور توفیق سے کہتا ہوں کہ موسیٰ درخت سے سُنا جانے والا کلام یقیناً اللہ تعالیٰ ہی کا کلام تھا یہاں تک کہ اگر کوئی اس کا انکار کرے تو وہ کافر ہوگا اور زبانوں سے سُنا جانے والا کلام حقیقت میں اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں ہے اگرچہ صوفی غلبۂ توحید میں یہ خیال کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے یہاں تک کہ اگر کوئی اس کا انکار کرے تو وہ کافر نہیں ہوگا بلکہ وہ حق اور صداقت پر ہوگا۔

کیونکہ وُہ کلام زبان کی حرکت اور مخارج کے اعتقاد سے حاصل ہوئی ہے اور درخت کے کلام میں اس طرح نہیں ہے اور دونوں کلاموں میں زمین و آسمان کا فرق ہے کہ پہلا کلام تحقیقی ہے اور دوسرا تخییلی۔

اور تعجب ہے کہ شیخ اجل قدس سرہٗ نے توحید میں مبالغہ کیا ہے یہاں تک کہ انہوں نے تخییلی کو تحقیقی بنا دیا اور بندے سے صادر ہونے والے کلام کو غلبۂ حال میں اللہ تعالےٰ سے صادر ہونے والا کلام بنا دیا۔ اور اپنی کتاب کے کئی ایک مقامات پر توحید والوں نے غلبہ حال میں توحید کے متعلق صادر ہونے والے اقوال کا انکار کیا ہے اور ان کو اللہ تعالےٰ کی طرف سے حکایت پر محمول کیا ہے تاکہ حلول اور اتحاد کا شائبہ پیدا نہ ہو اور اس مقام پر انہوں نے حلول کی آمیزش سے گریز نہیں کیا بلکہ اتحاد اور عینیت کا حکم لگایا ہے۔

اور اس مقام میں حق یہ ہے کہ غلبۂ حال میں اتحاد اور عینیت کا حکم تخییل ہے تحقیق نہیں ہے برابر ہے کہ اتحاد ذات میں ہو یا صفات میں یا افعال میں۔ پس پاک ہے وہ اللہ جو حدوث اکوان کی وجہ سے اپنے اسماء اور صفات اور ذات میں متغیر نہیں ہوتا اور نہ اس کے ساتھ کوئی چیز متحد ہوتی ہے اور نہ اس کی صفات کے ساتھ کسی کی صفات متحد ہوتی ہیں اور نہ کسی کے افعال اس کے افعال کے ساتھ متحد ہوتے ہیں پاک ہے وہ۔ اللہ اللہ ہی ہے اور ممکن ممکن جو کہ اپنی ذات وصفات و افعال میں حادث ہے اور قدیم اور حادث میں اتحاد کا حکم لگانا عشق کی رنگا رنگی اور محبت اور سُکر کے غلبات ہیں تو حلول کے شائبہ اور اتحاد کے سلسلہ سے جو کہ کفر اور الحاد کو مستلزم ہے ان پر مواخذہ نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ اُن کی مُراد نہیں ہے۔ اور اللہ تعالےٰ اس سے پاک ہے کہ اُن کی مُراد وہ ہو جو اللہ تعالےٰ کی جناب کے لائق نہ ہو کہ وہ اللہ تعالےٰ کے دوست اور اس کے پیارے ہیں وہ اس سے محفوظ ہیں کہ کسی ایسی چیز کو جائز رکھیں جو اللہ تعالےٰ کے لئے جائز نہ ہو۔

اور وہ لوگ جنہوں نے حال کے بغیر ان سے مشابہت کی اور بغیر صداقت کے ان کے کلمات میں کلام کیا اور ان کی مُراد کے علاوہ ان سے کوئی اور مفہوم سمجھا تو وہ الحاد اور زندقہ میں جا پڑے یہاں تک کہ انہوں نے اللہ تعالےٰ کے ساتھ حلول اور اتحاد کو ثابت کیا اور ممکن کے واجب ہو جانے کا حکم لگایا پس یہی لوگ زندیق ہیں اور بحث سے خارج ہیں۔ اللہ ان کو برباد کرے یہ کدھر پھیرے جا رہے ہیں۔

اور یہ تو مخفی نہیں ہے کہ جو شیخ قدس سرہٗ نے امام رضی اللہ عنہ کے قول میں بیان کیا ہے اگرچہ یہ اہل تلوین کی قوم میں صحیح ہے جن پر سُکر کا غلبہ ہے اور ان پر توحید کا حال غالب آچکا ہے لیکن میں امام کی جلالتِ شان پر حسن ظن رکھتے ہوئے ان کے اپنے حق میں اس بات کو سچا نہیں سمجھتا کیونکہ وہ میرے نزدیک اکابر ارباب تمکین

مقرر ہے ہیں ان پر تخیّل تحقق سے ملتبس نہیں ہو سکتا اور نہ وہ غیر سے سماع کو اللہ تعالٰی سے سماع سمجھ سکتے ہیں تو ان کے کلام کے لئے ان کے حال کے مناسب کوئی اچھا محمل تلاش کرنا چاہئے جو اس توجیہ کے علاوہ ہو اور وہ یہ ہے کہ ممکن ہے کہ بندہ اللہ تعالٰی کا کلام بلاکیف سنے جیسا کہ موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے کوہ طور پر سنا تھا۔

اگر آپ یہ اعتراض کریں کہ اللہ تعالٰی کے کلام کے سننے کا کیا معنی ہے کیونکہ جو سنا جاتا ہے وہ حروف اور آواز ہیں؟ میں کہتا ہوں کہ یہ صحیح نہیں ہے کیا نہیں دیکھتے کہ اللہ بلاحرف اور آواز کے سنتے ہیں اور استبعاد وہم کی بلاہت ہے جو کہ غائب کو شاہد پر قیاس کرنے سے پیدا ہوتی ہے حالانکہ ان میں فارق موجود ہے اور یہ قیاس کس طرح کیا جا سکتا ہے کیونکہ حاضر (شاہد) زمانہ کی تنگی میں ہے جو ترتیب اور تقدیم اور تاخیر کا مقتضی ہے اور غائب اس پر نہ زمانہ جاری ہوتا ہے اور نہ تقدیم و تاخیر اور ترتیب۔ تو جائز ہے کہ غائب میں کچھ ایسی چیزیں ثابت ہوں جو شاہد میں جائز نہ ہوں اس کو سمجھ لینا چاہئے اور اللہ سبحانہٗ وتعالٰی ہی درست بات کو خوب جانتے ہیں۔

اور تحقیق یہ ہے کہ سماع اگر کان سے ہو تو لازمی ہے کہ سنا گیا کلام حرف اور آواز کی صورت میں ہو اور اگر سماع سننے والے کے اجزاء میں سے ہر جزء سے ہو اور حاسۂ (کان) سے نہ ہو تو جائز ہے کہ اس کا حصول مسموع (سنے گئے) سے بغیر حرف اور آواز کے ہو جیسا کہ ہم اپنے جسم سے سنتے ہیں اور اپنے اجزاء کے ہر جزو سے ایسا کلام سنتے ہیں جو حروف اور آواز کی جنس سے نہیں ہوتا اگرچہ وہ خیال میں حرف و آواز خیالیہ سے متخیل ہوتا ہے لیکن ہم جانتے ہیں کہ وہ کلام جو ہمارے پورے جسم سے سنا گیا ہے وہ پہلے حروف اور آواز سے خالی تھا اور پھر دوسرے مرتبہ میں خیال میں اس نے حروف اور آواز خیالی کا لباس پہنا تاکہ فہم اور افہام کے قریب ہو جائے۔ باوجود اس کے ایک بات کہتے ہیں جو اس سے بھی زیادہ عجیب ہے کہ اللہ تعالٰی ہمارے کلام کو جو حروف اور ترتیب دیئے ہوئے کلمات سے جو آگے پیچھے ہوتے ہیں مرکب ہوتا ہے سنتے ہیں لیکن اللہ تعالٰی کا سماع بغیر حروف اور کلمات کے واسطہ سے ہوتا ہے اور اس میں ترتیب اور تقدیم و تاخیر نہیں ہوتی کیونکہ وہ کلام جو مرکب اور ترتیب اور تقدیم و تاخیر والا ہوتا ہے وہ زمانہ کا تقاضا کرتا ہے اور اللہ تعالٰی پر زمانہ جاری نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ تعالٰی زمانہ کا خالق ہے پھر جب ایسے کلام کا سماع جو حروف اور کلمات سے مرکب ہو جائز ہے کہ حروف اور کلمات کے واسطہ کے بغیر ہو تو ایسا کلام جو حروف و اصوات کی جنس سے نہیں ہے اس کا زیادہ حق ہے کہ وہ بغیر حروف اور کلمات کے سنا جائے اس کو سمجھ اور قاصر لوگوں سے مت ہو۔

اور وہ بات جس کا مجھے الہام اس مقام کی تحقیق میں ان سطور کے لکھنے کے بعد ہوا یہ ہے کہ اس بندے کا فہم جو خطاب کے لئے مستعد اور اللہ تعالٰی کلام سننے کی اہلیت رکھتا ہو اولاً روحانی تلقی سے بغیر حرف اور

ملک کے ذریعہ سے ہوتا ہے اور اس میں آواز اور ندا کا وسیلہ نہیں ہوتا پھر یہ معنی جس پر القاء ہوا ہے خیال کی سلطنت میں آتا ہے جس میں تمام اشیاء کی صورتیں منقوش ہیں تو وہ حرف اور آواز کی شکل اختیار کرتا ہے کیونکہ عالم شہادت میں افادہ اور استفادہ الفاظ اور حروف کے واسطہ ہی سے ہوتا ہے اور جائز ہے کہ اس معنی کے حصول پر بلا کیف سماع کا اطلاق بھی کیا جائے کیونکہ کلام تو بلا کیف ہے اور اس کا سماع بھی بلا کیف ہوگا۔ کیونکہ کیف کو بے کیف سے کوئی نسبت ہی نہیں ہے تو صحیح ہوا کہ جائز ہے کہ اللہ تعالےٰ کا کلام سنایا جائے جو کہ حرف اور آواز سے خالی اور بلا کیف ہو پھر اس کے بعد یہ کلام خیال میں حرف اور کلمے کی صورت اختیار کرے تاکہ عالم اجسام میں افادہ اور استفادہ حاصل ہو۔

اور جو لوگ اس باریک نکتہ سے آگاہ نہیں ہوتے ان میں سے بعض نے تو یہ کہا ہے اور وہ حالت میں سب سے بہتر ہیں کہ وہ اللہ تعالےٰ کا کلام سنتے ہیں لیکن حروف اور کلمات کے ذریعہ سے جو کہ حادث ہیں اور اس پر دلالت کرتے ہیں اور بعض نے مطلقاً یہ بات کی ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ کا کلام سنتے ہیں اور وہ اس میں فرق نہیں کرتے کہ کیا چیز اللہ تعالےٰ کی شان کے لائق ہے اور کیا چیز لائق نہیں ہے اور یہ جاہل باطل پرست لوگ ہیں ان کو یہ معلوم نہیں کہ کیا چیز اللہ تعالےٰ کے لئے جائز ہے اور کیا جائز نہیں ہے اور حق وہی ہے جو میں نے اللہ سبحانہ وتعالےٰ کے فضل و کرم سے تحقیق کیا ہے۔

اور آپ کا یہ قول کہ "اس کے کان اس کی آنکھیں بن جاتے ہیں اور اس کی آنکھ اس کا کان ہو جاتی ہے یہاں تک کہ آپ نے کہا اور اس کا آخر اس کا اوّل ہو جاتا ہے اور اس کا اوّل آخر ہو جاتا ہے۔" یعنی اس کا کان اس کی آنکھ کا حکم حاصل کر لیتا ہے اور اس کی آنکھ اس کے کان کا حکم۔ یعنی وہ پورے اپنے آپ سے سنتا ہے اور پورے جسم سے دیکھتا اور پورے جسم سے جانتا ہے یہ نہیں کہ وہ کچھ حصے سے سنتا ہے اور کچھ دوسرے حصے سے دیکھتا ہے کیونکہ اس صورت میں تو کان کو آنکھ کا حکم حاصل نہیں ہوگا پھر آپ نے اپنے اس قول کی وضاحت کی ہے کہ "اس کا اوّل اس کا آخر ہو جاتا ہے اور اس کا آخر اس کا اوّل ہو جاتا ہے۔" کیونکہ اس کلام میں خفا تھی اور اس وضاحت کا حاصل یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالےٰ نے اپنے قول سے کہ "کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں" چیونٹیوں کو مخاطب کیا تو چونکہ ان میں انتہا درجہ کی صفائی تھی۔ لہٰذا انہوں نے بلا واسطہ اس آواز کو سنا پھر چیونٹیاں اصلاب میں منقلب ہوتی رہیں اور رحموں میں منتقل ہوتی رہیں یہاں تک کہ وہ اپنے جسموں کی طرف ظاہر ہوئیں تو وہ اس قدرت سے حکمت خداوندی کے مطابق محجوب ہو گئیں اور مختلف اطوار میں تقلب کی وجہ سے ان کے اندھیرے تر بتر ہو گئے۔ پھر جب اللہ تعالےٰ کسی بندے کے متعلق اپنے استماع کا ارادہ کرتے ہیں کہ اسے صوفی صافی بنا دیں تو اس کو جلا اور

تزکیہ کے مختلف مراتب میں ترقی دیتے رہتے ہیں۔ یہاں تک وہ قدرت کی فضا میں آزاد ہو جاتا ہے اور اس کی نافذ بصیرت سے شکوک کے حجاب دور کر دیئے جاتے ہیں تو پھر اس کا اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں) کا سماع کشفاً اور عیاناً ہوتا ہے اور اس کی توحید اور عرفان عیان اور برہان سے ہوتا ہے یہاں تک کہ اس کی اپنی اور غیر کی زبان اس کے حق میں موسیٰ علیہ السلام کے درخت کا حکم حاصل کر لیتی ہے وہ اس سے اللہ تعالیٰ کا کلام سنتا ہے جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اس درخت سے سنا تھا تو صحیح ہو جاتا ہے کہ اس کا آخر اس کا اول ہو جاتا ہے اور اس کا اول اس کا آخر ہو جاتا ہے کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کا کلام آخر میں بھی اسی طرح سن لیا جیسا کہ اس نے اول میں سنا تھا۔

اور اسی پر شیخ نے ان بعض کے قول کو محمول کیا ہے جس نے کہا کہ مجھے یاد ہے وہ خطاب جو اللہ تعالیٰ نے اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں) کے الفاظ سے کیا تھا یعنی وہ خطاب اول بھی اسی خطاب کی طرح تھا جو میں اب اللہ تعالیٰ سے زبانوں پر سن رہا ہوں۔ اس کو یاد رکھ۔

یہ تجھ پر مخفی نہ رہنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلا خطاب حقیقی تھا اور جو شیوں کا اللہ تعالیٰ سے سننا حقیقی طور پر تھا اور یہ خطاب جو زبانوں سے سن کر اخذ کیا گیا ہے یہ اللہ تعالیٰ کا خطاب تخیل اور توہم کے طور پر ہوتا ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا پس یہ کہاں اور وہ کہاں۔ اور انتہائی تعجب تو یہ ہے کہ شیخ قدس سرہ نے اپنی جلالت قدر کے باوجود ایک کو دوسرے کا عین کہا ہے اور حقیقی اور خیالی میں کوئی فرق نہیں کیا حالانکہ وہ عین شکر اور خاص توحید ہے اس کی مثال وہی ہے جو اَنَا الْحَقُّ اور سُبْحَانِیْ اور لَیْسَ فِیْ جُبَّتِیْ سِوَی اللہِ کے اقوال کی ہے۔

اور سب سے زیادہ عجیب بات وہ ہے جو انہوں نے اس کے بعد کہی ہے کہ "جب صوفی اس صفت سے متصف ہو جاتا ہے تو اس کا وقت سرمدی اور اس کا شہود ابدی اور اس کا سماع متواتر اور متجدد ہو جاتا ہے اور یہ تجھ پر مخفی نہ رہے کہ صوفی اس مقام میں صرف تجلی معنوی صفاتی سے متصف ہوتا ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا اور وہ مقام تلوین ہے نہ کوئی اور پھر اس کا وقت سرمدی اور اس کا شہود ابدی کہاں سے ہو گیا۔ سرمدی وقت اور دوام تو اس وقت ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ کی ذات تک وصول ہوتا ہے اور اس کی ذاتی تجلی ہوتی ہے اور اسی طرح شہود اور شاہد بھی ذات تک واصل کے لئے ہوتا ہے جیسا کہ صوفیاء نے کہا ہے اور جو مرتبہ صفات میں حاصل ہو اسے مکاشفہ کہا جاتا ہے پس شہود اور دوام تو ارباب تمکین کا حصہ ہے جو واصل الی الذات ہیں نہ کہ اہل تلوین کا جو کہ صفات ہی میں مقید ہیں کیونکہ ارباب قلوب اصحاب تقلب ہیں۔ تو پاک ہے ہمیں تیرے بتانے کے بغیر کوئی علم نہیں ہے یقیناً تو ہی جاننے والا حکمت والا ہے۔

مکتوب نمبر ۱۱۹

مولانا شیخ محمود محمدی کی طرف صادر فرمایا

شیخ شہاب الدین قدس سرہٗ نے اپنی کتاب العوارف کے نویں باب میں ان لوگوں کے تذکرے میں کہا ہے جو صوفیہ کی طرف منسوب ہیں اور ان لوگوں میں سے کچھ وہ لوگ ہیں جو حلول کے قائل ہیں اللہ انہیں ذلیل و رسوا کرے اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں حلول کیا ہے اور اللہ تعالیٰ برگزیدہ اجسام میں حلول کرتے ہیں اور ذہنوں میں لاہوت اور ناسوت کے متعلق یعنی عیسائی لوگوں کا قول سبقت کرتا ہے۔

اور بعض ان میں سے وہ ہیں جو اس وہم کی بنا پر خوبصورت عورتوں کی طرف دیکھنا جائز سمجھتے ہیں۔ اور ان کے خیال میں یہ بات ہے کہ جس نے اپنے بعض غلبات میں کچھ کلمات کہے ہیں تو ان میں کوئی چیز پوشیدہ تھی (یعنی ان کے خیال کے مطابق حلول تھا) جیسے کہ حلاج کا قول انا الحق (میں خدا ہوں) اور ابو یزید بسطامی کا قول سبحانی (میں پاک ہوں) اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہیں کہ ہم ابو یزید کے متعلق یہ عقیدہ رکھیں کہ انہوں نے یہ بات اپنی طرف سے کہی ہوگی بلکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے حکایت کرتے ہوئے یہ الفاظ کہے اور اسی طرح حلاج کے قول میں بھی لائق یہی ہے کہ یہی عقیدہ رکھا جائے اور اگر ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ اس نے حلول کے عقیدے کی بنا پر یہ الفاظ کہے ہیں تو ہم اس کی بھی تردید اسی طرح کریں گے جیسے ہم ان حلول والوں کی تردید کرتے ہیں۔ انتہیٰ۔

کاش مجھے سمجھ آجاتی کہ اللہ تعالیٰ سے حکایت کا کیا معنی ہے مگر یہ کہ کہا جائے کہ شیخ شہاب الدین قدس سرہٗ نے یہ چاہا ہے کہ ایسی بات کہنے والا اگر بندہ ہے جیسا کہ اکثر کے نزدیک ظاہر ہے تو لازمی ہے کہ وہ قول اللہ تعالیٰ سے حکایت کے طور پر ہو کیونکہ بندہ کبھی رب نہیں ہو سکتا لیکن حقیقت میں یہ بات کہنے والا اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہے اور زبان بندے کی ہے جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کا درخت تھا تو اس صورت میں حلاج پر کوئی اعتراض نہیں اور نہ ابو یزید بسطامی کے متعلق کوئی گفتگو ہے قدس اللہ تعالیٰ اسرارہما۔ اور شیخ کی ظاہر عبارت سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اگر ایسے الفاظ کو حکایت کے معنی پر محمول نہ کیا جائے تو اس سے حلول سمجھا جاتا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ یہ غلبات توحید اور نیز شہود چمکنے کے وقت ایک مشہود کے علاوہ ہر چیز کے پوشیدہ ہو جانے کی وجہ سے ہو اور اس میں حلول و اتحاد کا شائبہ نہ ہو۔ پس منصور کے قول انا الحق کا معنی یہ ہوگا کہ جب وہ اپنی نظر سے آپ مختفی ہو گیا

تو اس نے کہا میں کوئی چیز نہیں ہوں اور موجود صرف حق ہے یہ نہیں کہ میں حق کے ساتھ متحد ہوں یا اللہ تعالےٰ میں حلول کرنے والا ہوں کیونکہ وہ کفر ہے اور توحید شہودی کے منافی ہے کیونکہ اس میں مشہود صرف ایک احد ہے اور حلول اور اتحاد کی تقدیر پر مشہود متعدد ہیں اگرچہ وہ اتحاد و حلول کی صفت پر ہوں۔

اور شیخ کا یہ قول کہ "بعض ان میں سے حلول کے وہم کی بنا پر خوبصورت عورتوں کی طرف دیکھنا جائز قرار دیتے ہیں" شیخ اجل سے تعجب ہے کہ انہوں نے ایسی عبارتوں سے اتحاد اور حلول سمجھا ہے حالانکہ ایسے اقوال سے جو چیز ذہن میں سب سے پہلے آتی ہے وہ ظہور ہے اور وہ حلول کے علاوہ ہے، کیونکہ حلول یہ ہے کہ کوئی چیز بنفسہٖ کسی چیز میں داخل ہو جائے جیسے کہ نفسِ زید مکان میں داخل ہوا اور ظہور یہ ہے کہ کسی چیز میں کسی چیز کا عکس ہو جیسا کہ آئینہ میں زید کا عکس ہونا اور پہلی بات (یعنی حلول) اللہ تعالےٰ کے لئے ناممکن ہے اور اس مرتبۂ مقدسہ کے لئے نقص ہے اور دوسری بات (یعنی ظہور) کے ثبوت کے لئے کوئی ممانعت نہیں ہے اور نہ اس کے حصول میں کوئی نقص ہے کیونکہ پہلی بات تغیر کو مستلزم ہے جو کہ قدم کے منافی ہے اور دوسری بات اس کو مستلزم نہیں ہے جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔

اگر کمالات وجوبیہ (خداوندی) اعدام امکانیہ کے آئینہ میں ظاہر ہوں تو اس سے حلول لازم نہیں آتا کہ یہ کمالات ان آئینوں میں حلول کئے ہوئے ہیں اور نہ ان کا تغیر اور انتقال قدم کے منافی ہے وہ تو صرف ایک ظہور ہے اور آئینہ میں کمالات کو دکھانا ہے۔ پس اللہ تعالےٰ کے کمالات کے آئینہ میں جلوہ گر ہونے کو جائز قرار دینا ان کمالات کا آئینہ میں حلول کرنا نہیں ہے بلکہ وہ تو آئینہ میں کمال کے ظہور کو جائز قرار دینا ہے اور اس میں کوئی نقص نہیں ہے اگرچہ ایسے شہود کو جائز قرار دینے والا صاحب نقص اور راستہ پر چلنے میں غیر مستقیم ہی کیوں نہ ہو۔ مقصود صرف اس سے حلول کی تہمت کو دور کرنا ہے نہ کہ اس کے کمالات کا اثبات اور اس کا کسی چیز پر ہونا اور اللہ سبحانہٗ وتعالےٰ ہی تمام امور کے حقائق کو جاننے والا ہے۔

مکتوب نمبر ۱۲۰

میر منصور کی طرف صادر فرمایا

(گوشہ نشینی اختیار کرنے کے بیان میں)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى۔ میرے عزیز بھائی کے گرامی نامے یکے بعد دیگرے پہنچے انہوں نے خوشی پہنچائی اللہ تعالےٰ ہی کی تعریف ہے کہ بے مناسبتی کے اسباب کے باوجود فقراء

کے ساتھ محبت اور وابستگی جو آپ رکھتے تھے اس میں کوئی تغیر نہیں ہوا ہے اور وہ فتور کا باعث نہیں ہوا ہے بلکہ اس تعلق میں اور قوت پیدا ہو گئی ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اس طائفہ کی محبت میں استقامت نصیب فرمائے کہ وہ نیک بختی کا سرمایہ ہے۔

شفقت شعارا اس مدت میں عزلت کا شوق غالب آیا اور گوشہ نشینی اختیار کر لی ہے اور جمعہ کے بغیر مسجد میں نہیں جاتے ہیں اور پنجوقتہ جماعت اسی گوشہ میں ہوتی ہے اور آدمیوں کی ملاقات کا راستہ بند کر دیا ہے اوقات بڑی جمعیت سے بسر ہو رہے ہیں اور تمام عمر کی آرزو گویا اب میسر ہوئی ہے، اور اس پر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی تعریف ہے۔

باقی ظاہر احوال بھی خیر و عافیت سے ہیں اور فرزند اور تمام متعلقین پوری جمعیت سے وقت گزار رہے ہیں جناب خواجہ عبداللہ رمضان المبارک سے پہلے دہلی تشریف لے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی تعریف ہے کہ خواجہ نے اس آمد میں بہت سے فوائد حاصل کئے ہیں انہوں نے ورق الٹ دیا ہے اور غلبات توحید سے تنزیہ کے دریا میں غوطے لگاتے ہیں اور اس کی گہرائی کی طرف متوجہ ہیں اور ظاہر سے باطن بلکہ باطن کے باطن کی طرف جا رہے ہیں باقی حالات کی تفصیل چونکہ خواجہ بہاء الدین اس جگہ آتے ہیں شاید تفصیل سے بیان کر دیں۔

مکتوب نمبر ۱۲۱

مرزا حسام الدین احمد کی طرف صادر فرمایا

(ایک مکتوبات کی عبارات کے حل میں جو کہ اسرار کا متضمن ہے)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ آپ کا گرامی نامہ جو ازروئے شفقت اس فقیر کے نام لکھا گیا تھا اس کے مطالعہ سے مشرف ہوا لکھا تھا کہ ایک بزرگ نے اس مکتوب کی عبارت پر جو تم نے اخیر میں لکھا تھا کچھ اعتراض کئے ہیں ان کے حق میں کچھ لکھنا چاہیے اور بعض دوستوں نے چونکہ اشتباہ کے مواقع کی تعیین کر کے لکھا ہے تو ان کے اندازہ کے مطابق چند ایک مقدمات اس شبہ کے حل میں خداوند تعالیٰ کی مدد سے لکھے جاتے ہیں اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی بھلائی کے رستے کی رہنمائی کرنے والا ہے

میرے مخدوم و مکرم! سیر مرادی اور سیر مریدی ایک ایسا امر ہے جو اس سیر والے کے وجدان سے تعلق رکھتا ہے اور یہ کسی امر کا لازم کرنا نہیں ہے کہ بغیر تعلق کے رکھا جائے پس اس پر دلیل اور برہان طلب

کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ اس کے باوجود جس آدمی کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے قوت حدس عطا فرمائی ہے وہ اگر اس سیر والے کے احوال و اوضاع میں اچھی طرح غور کرے گا اور وہ فیوض و برکات اور علوم و معارف الٰہی جل شانہٗ کہ جن سے وہ ممتاز ہے مشاہدہ کرے گا تو ہو سکتا ہے کہ اس پر سیر مرادی کا حکم لگانے اور کسی دلیل کا محتاج نہ ہو اس آدمی کی طرح جو کہ اس قرب و بُعد اور مقابلہ و اجتماع کو ملاحظہ کرے جو چاند کو سورج سے ہے تو فیصلہ کرے گا کہ چاند کا نور سورج سے حاصل ہے اگرچہ یہ معنی ارباب حدس کے علاوہ کسی اور پر حجت نہیں ہوگا۔ اور یہ بھی ہے کہ ہمارے خواجہ (باقی باللہ) قدس سرہٗ نے اس فقیر کی سیر کے اوائل حال میں اس سیر کو سیر مرادی مقرر فرمایا تھا شاید دوستوں نے بھی یہ بات سن لی ہوگی اور مثنوی کے یہ اشعار اس فقیر کے حال کے موافق پڑھا کرتے تھے ؎

(۱) عشق معشوقاں نہاں است و ستیر	عشق عاشق با دو صد طبل و نفیر
(۲) یک عشق عاشقاں تن زہ کند	عشق معشوقاں خوش و فربہ کند

اور مرادوں میں سے جو بھی واصل ہوا ہے وہ راہ اجتباء سے گیا ہے اور مریدوں کی راہ کو انابت اور مرادوں کی راہ کو اجتباء کہا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

اَللّٰہُ یَجْتَبِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَیَھْدِیْٓ	اللہ تعالیٰ جسے چاہیں اسے برگزیدہ کریں
اِلَیْہِ مَنْ یُّنِیْبُ	اور جو اللہ کی طرف رجوع کرے اللہ اسے ہدایت دیتا ہے۔

ہاں اجتباء کی راہ اصل میں تو انبیاء سے مخصوص ہے علیہم الصلوات والتسلیمات اور امتوں کو دوسرے کمالات کی طرح ان کی تابعداری میں یہ چیز ملتی ہے یہ نہیں کہ اجتباء مطلقاً نبیوں سے مخصوص ہے علیہم الصلوات والتسلیمات اور امتیوں کو اس سے بالکل حصہ نہیں ہے کہ وہ غیر واقع ہے۔

میرے مخدوم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت اور حیلولت سے سالک کو فیض پہنچنا اس وقت تک ہے کہ جب تک اس سالک کی حقیقت محمدی المشرب ہے اور حقیقت محمدی سے متعلق نہیں ہوئی ہے اور اس کے ساتھ متحد نہیں ہے اور جب اپنی کمال متابعت کی وجہ سے بلکہ محض اللہ کے فضل سے عروج کے مقامات میں اس حقیقت کو اس حقیقت سے اتحاد حاصل ہوتا ہے تو وساطت ختم ہو جاتی ہے کیونکہ وساطت اور حیلولت تو مغایرت میں ہے اور اتحاد میں تو سط اور متوسط اور حاجب اور محجوب نہیں ہوتے جس جگہ اتحاد ہے اس جگہ شرکت کا معاملہ ہے لیکن چونکہ سالک تابع اور الحاقی اور

---

(۱) معشوق کا عشق پوشیدہ اور نہاں ہوتا ہے اور عاشق کا عشق دو سو طبل اور نفیریوں سے ہوتا ہے۔ ۱۲

(۲) لیکن عاشقوں کا عشق جسم کو لاغر کرتا ہے اور معشوق کا عشق خوش اور موٹا کرتا ہے۔ ۱۲

طفیلی ہے لہٰذا اس کی شرکت خادم کی مخدوم سے شرکت ہوتی ہے ۔

اور یہ جو ہم نے کہا ہے کہ اس کی حقیقت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت سے انطباق و اتحاد پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کا بیان یہ ہے ، کہ حقیقت محمدی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام تمام حقائق کی جامع ہے اور اس کو حقیقت الحقائق کہتے ہیں اور دوسروں کے حقائق اس کے اجزاء یا جزئیات کی طرح ہیں ۔ کیونکہ اگر وہ محمدی المشرب ہے تو سالک کی حقیقت اس کل کے لئے جزئی کے رنگ میں ہے اور اسی پر محمول ہے اور غیر محمدی المشرب کی حقیقت اس کل کے جزء کی طرح ہے لیکن اس پر محمول نہیں ہے اور اس حقیقت غیر محمدی المشرب کو اگر عروج میں اتحاد پیدا ہو تو کسی پیغمبر کی حقیقت سے ہوگا کہ یہ سالک جس کے قدم پر ہیں اور اس کی حقیقت پر محمول ہوگا اور اس کے مناسب کمالات میں شرکت پیدا کرے گا لیکن یہ شرکت خادم کی مخدوم سے شرکت ہوگی جیسا کہ پہلے گذر چکا اور جب اس جزئی کو کمال متابعت کی وجہ سے بلکہ محض فضل سے اپنی کل سے خاص محبت پیدا ہو جاتی ہے اور اس کے وصول کا شوق اس کو دامنگیر ہوتا ہے تو وہ قید جو کلی کو جزئی میں لائی ہے فضل خداوندی سے وہ قید زائل ہونے لگتی ہے اور آہستہ آہستہ زوال کے بعد اس جزئی کو اس کل سے انطباق اور الحاق حاصل ہوتا ہے اور وہ جو ہم نے کہا ہے کہ خاص محبت پیدا ہو جاتی ہے بالکل اسی طرح ہے جس طرح محض فضل سے اس فقیر کے لئے پیدا ہوئی تھی اور یہی محبت کے غلبہ میں کہا کرتا تھا کہ میری محبت اللہ تعالیٰ سے اس لئے ہے کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا رب ہے اور میاں شیخ تاج اور دوسرے دوست اس مقولہ سے تعجب کرتے تھے ۔ میں جانتا ہوں کہ آپ کو بھی یہ بات بھولی نہ ہوگی اور جب تک اس قسم کی محبت پیدا نہ ہو الحاق و اتحاد کس طرح پیدا ہو سکتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہے عطا کرے اور اللہ بڑے فضل والا ہے ۔

اور توسط اور عدم توسط کی حقیقت کو بیان کرتا ہوں اچھی طرح سنو ۔ جذبہ کے طریق میں چونکہ کشش مطلوب کی جانب سے ہے اور اللہ تعالیٰ کی عنایت طالب کے حال کی متکفل ہے تو لازماً وہ وساطت تحمل نہیں کرتا اور سلوک کے طریق میں چونکہ انابت طالب کی طرف سے ہوتی ہے تو وسائط کے وجود سے چارہ نہیں ہوتا اور نفس جذبہ میں اگرچہ واسطوں کی ضرورت نہیں ہے لیکن جذبہ کی تکمیل سلوک سے متعلق ہے کیونکہ اگر سلوک جو کہ شریعت کی تعمیل سے عبارت ہے اور توبہ و زہد وغیرہ اگر جذبہ کے ساتھ پیوستہ نہ ہوں تو جذبہ ناتمام و ابتر ہے بہت سے ہندو اور بے دین لوگوں میں بھی ہم نے دیکھا ہے کہ وہ جذبہ رکھتے ہیں لیکن چونکہ صاحب شریعت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی سے آراستہ نہیں ہیں لہٰذا خراب و ابتر ہیں اور جذب کی صورت کے علاوہ کوئی حصہ نہیں رکھتے ۔

سوال:۔ جذبہ کا حصول ایک طرح سے محبوبیت کا تقاضا کرتا ہے پس کفار کو جو کہ اللہ تعالےٰ کے دشمن ہیں جذب سے کس طرح حصہ ملنا جائز ہو سکتا ہے؟

جواب:۔ ہو سکتا ہے کہ بعض کفار کے حقائق ایک طرح کی محبوبیت رکھتے ہوں جو کہ ان کے حصول جذبہ کی باعث ہوئی ہو اور چونکہ وہ صاحب شریعت علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت سے آراستہ نہیں ہیں لہٰذا زیاں کار اور ذلیل رہ گئے اور اس جذبہ نے سوائے ان پر حجت قائم کرنے کے اور کچھ نہ کیا کہ ان کی استعداد تو معلوم ہو گئی لیکن ان کی جہالت اور عناد نے اس استعداد کو قوۃ سے فعل میں نہ آنے دیا" اور ان پر اللہ تعالےٰ نے ظلم نہیں کیا لیکن وہ اپنی جانوں پر خود ہی ظلم کیا کرتے تھے۔

اور اگر جذبہ کے طریق میں صاحب شریعت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کے ذریعے جو کہ سلوک سے عبارت ہے مطلوب تک وصول میسر ہو جائے تو وہ کسی امر کے واسطہ اور حیلولت کے علاوہ ہوگا۔ کہا ہے کہ "اگر تم کوئی ڈول نیچے لٹکاتے ہی جاؤ تو وہ اللہ تعالےٰ تک پہنچ جائے گا" یعنی اگر تم اللہ تعالےٰ کی طرف کھینچے جاؤ اور تم البطن بطون میں پہنچا دئے جاؤ تو لازماً تمہارے اور خدا کے درمیان کوئی امر حائل اور حجاب نہیں ہوگا اور شاید آپ کو بھی یاد ہوگا کہ ہمارے خواجہ (باقی باللہ) قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ اس معیت کی راہ سے جو اللہ تعالےٰ کو بندہ سے ہے اگر وصول میسر ہو جائے تو لازماً وہ کسی امر کے واسطہ کے بغیر ہوگا کیونکہ مناسبت معیت ہے اور اگر واسطہ ہے تو تربیت کے سلسلہ میں ہے جو کہ سلوک سے عبارت ہے اور معیت کی راہ جذبہ کی راہوں میں سے ایک ہے اور حدیث اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (آدمی اس کے ساتھ ہے جس سے اس کی محبت ہو) بھی اسی معنی کی تائید کرتی ہے۔

کیونکہ جب آدمی کو اپنے محبوب سے معیت ثابت ہو جاتی ہے تو واسطہ زائل ہو جاتا ہے۔ غور سے سنو کہ ہر ظل کو اپنے اصل کی طرف ایک شاہراہ ہے اور کوئی چیز ان کے درمیان حائل نہیں ہے اگر خدا تعالےٰ کے فضل وکرم سے ظل کو اپنے اصل سے رغبت پیدا ہو اور اس سے کشش ظاہر ہو اور صاحب شریعت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کی دولت سے اس ظل کو اس اصل سے وصول اور الحاق حاصل ہو تو لازماً وہ بغیر کسی امر کے حائل ہونے کے ہوگا اور چونکہ وہ اصل اللہ تعالےٰ کے اسماء میں سے کوئی اسم ہے تو لازماً اسم اور اس کے مسمیٰ کے درمیان کوئی حائل نہیں ہوگا اور اس راہ سے ظل کا اپنے اصل الاصل سے جو کہ اس اسم کا مسمیٰ ہے وصول بغیر کسی امر کے حائل ہونے کے ہوگا اور پھر یہ بھی ہے کہ جو اللہ تعالےٰ

نے بے چونی وصول سے وصل ہے تو کسی امر کا حائل ہونا اور واسطہ ہونا اس کے حق میں مفقود ہے پھر جس صورت میں ذات سے وصل میں اللہ تعالےٰ کی صفات کا حجاب اور حیلولۃ بھی نہیں رہتا تو غیر صفات کے حجاب اور حیلولت کو وہاں کیا گنجائش ہو سکتی ہے۔

سوال :- جب اللہ تعالیٰ کی صفات اس کی ذات سے الگ نہیں ہیں تو واصل اور موصول الیہ کے درمیان سے صفات کی حیلولت کا ارتفاع کس معنی سے ہوتا ہے؟

جواب :- سالک کو جب اپنے اصل سے جو کہ اسماء الٰہی میں سے کوئی اسم ہے اور وہ سالک اس کا ظل ہے وصول اور تحقق حاصل ہوتا ہے تو لازماً اس کے اور اللہ تعالےٰ کی ذات کے درمیان کوئی واسطہ اور کوئی وسیلہ نہیں رہتا جیسا کہ اسم اور اس کے مسمّٰی کے درمیان کسی امر کا حائل ہونا ثابت نہیں ہے پس نہ ارتفاع لازم آیا نہ انفکاک اور ایسی ہی تحقیق اوپر حقیقت سالک کے حقیقت محمدی علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام سے اتحاد کے بیان میں گذر چکی ہے اور اس کا کچھ حصہ ظل کے اپنے اصل سے وصول کے بیان میں بھی گذر چکا ہے۔

تنبیہ :- اس عدم توسط سے جو کہ جذبہ کے طریق میں کہا گیا ہے کوئی سادہ لوح یہ نہ سمجھے کہ خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کی ضرورت نہیں ہے۔ اگرچہ وہ بعض بزرگوں کی نسبت سے ہو اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی تبعیت اور متابعت کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ وہ کفر اور الحاد اور زندقہ ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شریعت حقّہ کا انکار ہے اور اوپر گذر چکا ہے کہ جذبہ سلوک کے بغیر جو کہ شریعت کی تعمیل کا نام ہے ابتر اور ناتمام ہے اور وہ نعمت کی صورت میں عذاب الٰہی ہے اور تمام جذبہ نے صاحب جذبہ پر حجت پوری کر دی ہے۔

مختصر یہ کہ کشف صحیح اور الہام صریح سے بھی یقین ہو جاتا ہے کہ اس راہ کے دقائق میں سے کوئی دقیقہ اور اس قوم کے معارف میں سے کوئی معرفت نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی متابعت اور ان کے واسطہ کے بغیر میسّر نہیں ہے اور مبتدی اور متوسط کی طرح منتہی کو بھی اس راہ کی برکات و فیوض ان کی تبعیت اور ان کی طفیل کے بغیر حاصل نہیں ہیں ؎

محال است سعدی کہ راہِ صفا توان رفت جز برپئے مصطفٰے

افلاطون نے اپنی بیوقوفی سے اس صفائی کی وجہ سے جو کہ اس نے اپنی ریاضتوں اور مجاہدوں کے ذریعہ سے حاصل کی تھی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے آپنے آپ کو بے نیاز سمجھا اور کہا کہ ہم ایک

لہ اے سعدی محال ہے کہ صفائی کی راہ پر مصطفٰے کی پیروی کے بغیر چل جاتے - ۱۲

مہذّب قوم ہیں ہمیں کسی ایسے آدمی کی ضرورت نہیں جو ہمیں تہذیب سکھاتے" اس نے یہ نہ سمجھا کہ جو صفائی ریاضتوں کی وجہ سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی وساطت کے بغیر حاصل ہوئی ہے اس کا حکم یہ ہے کہ تانبے پر سونے کا ملمع کر دیں یا زہر پر کھانڈ کا غلاف چڑھا دیں۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی متابعت ہی ہے جو تانبے کی حقیقت کو منقلب کر کے خالص سونا بنا دیتی ہے اور نفس کو اتارگی سے نکال کر اطمینان میں لے آتی ہے اور حکیم مطلق جل شانہٗ نے انبیاء کی بعثت اور ان کی شریعتوں کا تقرر اس لئے کیا ہے کہ نفس امارہ کو خراب اور عاجز کیا جائے اور اس کی خرابی کو بلکہ اس کی اصلاح کو ان بزرگواروں کی متابعت کے بغیر کسی اور چیز میں نہیں رکھا ہے اگر ہزاروں ریاضتیں اور مجاہدتیں بھی ان بزرگواروں علیہم الصلوٰت والتسلیمات کی متابعت کے بغیر کی جائیں تو پھر بھی اس کی اتارگی، ایک بال برابر بھی کم نہ ہوگی بلکہ اس کی سرکشی زیادہ بڑھے گی ؎

ہر چہ گیرد علتی علت شود

اس کی ذاتی بیماری کا ازالہ انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں سے متعلق ہے اور اس کے سواعتبت لا حاصل ہے جاننا چاہیئے کہ جذبہ کو اگرچہ سلوک سے چارہ نہیں ہے جذبہ سلوک سے پہلے ہو یا بعد لیکن فضیلت تقدیم جذبہ کو ہے کہ سلوک اس کا خادم ہے اور تاخیر جذبہ میں سلوک اس کا مخدوم ہے کہ سلوک کی دولت سے اُس کو جذبہ میسر ہوا ہے اور تقدیم جذبہ میں اس طرح نہیں ہے کیونکہ وہ بالذات مطلوب و مدعو ہے یہی وجہ ہے کہ صاحب جذبہ مُراد ہے اور صاحب سلوک مُرید اور مرادوں اور محبوبوں کے سردار محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں کہ اس دعوت سے مقصود ذاتی اور مدعو اولی وہی ہیں علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام اور دوسروں کو ان کی طفیل میں طلب کیا ہے خواہ وہ مُراد ہوں یا مُرید، جیسا کہ آیا ہے کہ "اگر وہ نہ ہوتے تو اللہ تعالےٰ مخلوق کو پیدا نہ کرتے اور اپنی ربوبیت کا اظہار نہ کرتے۔

جب دوسرے سب کے طفیلی ہیں اور وہ اس دعوت میں مقصود اصلی ہیں علیہ السلام تو لازماً سب اُس کے طفیلی ہوں گے اور ان کے ذریعہ سے فیوض و برکات حاصل کریں گے اور اس معنی سے اگر سب کو آپ کی آل کہا جائے تو اس کی گنجائش ہے کیونکہ وہ ان کے پیچھے چلنے والے ہیں اور ان کے ذریعہ کے بغیر کمال حاصل نہیں کرتے کیونکہ جب اُن کا وجود بھی ان کے وجود کے واسطہ کے بغیر کوئی صورت پیدا نہیں کر سکتا تو ان کے دوسرے کمالات جو کہ وجود کے تابع ہیں ان کے واسطہ کے بغیر کس طرح صورت پیدا کر لیں گے علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام۔ ہاں رب العالمین کا محبوب ایسا ہی ہونا چاہیئے۔

لے بیمار جو کچھ بھی لیتا ہے وہ بیماری بن جاتا ہے ۱۲

غور سے سُنیں کہ کشف سے معلوم ہوا ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت اللہ تعالےٰ کی اس محبت سے ثابت ہے جس نے کہ اللہ تعالےٰ کی ذات محض کے ساتھ بے ملاحظہ شیون و اعتبارات تعلق حاصل کیا ہے اور اللہ تعالےٰ کی ذات اس محبت سے محبوب ہوئی ہے برخلاف دوسروں کی محبوبیت کے کہ وہ اس محبت سے قائم ہے جس کا تعلق شیون و اعتبارات سے ہے اور یا پھر اسماء و صفات سے متعلق ہے یا اسماء و صفات کے ظلال سے علیٰ تفاوت الدرجات سے

فَاِنَّ فَضْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ لَيْسَ لَهٗ حَدٌّ فَيُعْرِبَ عَنْهُ نَاطِقٌ بِفَمٖ

علیہ وعلیٰ جمیع اخوانہ من الانبیاء والمرسلین والملائکۃ المقربین الصلوات والتسلیمات والتحیات والبرکات۔

اس مقام کی تحقیق یہ ہے کہ سرورِ کائنات علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کا واسطہ دو معنی رکھتا ہے۔ ایک یہ کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سالک اور اس کے مطلوب کے درمیان حائل و حاجب ہوں اور دوسرا معنی یہ ہے کہ سالک ان کی طفیل اور ان کی متابعت اور تبعیت کے واسطہ سے مطلوب سے واصل ہو اور سلوک کے طریق میں اور حقیقت محمدی تک پہنچنے سے پہلے دونوں طرح سے واسطہ ثابت ہے بلکہ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ اس راہ میں وہ شیوخ جو درمیان میں آتے ہیں وہ مشہود سالک میں حاجب اور متوسط ہیں۔ افسوس اگر آخر حال میں بھی جذبہ ان کا تدارک نہ کرے اور معاملہ پردہ سے بے پردگی تک نہ پہنچے کیونکہ جذبہ کے طریق میں، حقیقۃ الحقائق تک پہنچنے کے بعد توسط دوسرے معنی میں ہے کہ طفیل اور تبعیت ہے اور حیلولت اور حجاب ہے اور شہود و مشاہدہ اور ان جیسی چیزوں کے لئے وہ پردہ ہوتا ہے۔

یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس عدم توسط سے اگرچہ ایک معنی ہی سے ہو جناب حضرت خاتمیت علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام میں قصور لازم آتا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ عدم توسط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال کو مستلزم ہے نہ قصور کو بلکہ قصور وجود توسط میں ہے کیونکہ متبوع کا کمال یہ ہے کہ اس کا تابع اس کی تبعیت اور اس کی طفیل سے کمال کے تمام درجات تک پہنچے اور کوئی دقیقہ نہ چھوڑے اور یہ معنی عدم توسط میں ثابت ہے نہ کہ وجود توسط میں کیونکہ اس جگہ شہود بے پردہ ہے جو کہ کمال کا آخری درجہ ہے اور اس جگہ پردہ میں ہے پس کمال عدم توسط میں ہوگا اور قصور توسط میں اور یہ مخدوم کی عظمت و شوکت ہے کہ اس کا خادم کسی مقام پر بھی اس

لہ اللہ تعالےٰ کے رسول کی فضیلت کی کوئی حد نہیں ہے جس کے متعلق کوئی بولنے والا بول سکے ۱۲

سے پیچھے نہ رہے اور اسکی تبعیت میں ان کی دولت میں شریک ہو یہی وجہ ہے کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ (میری اُمّت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح ہیں) علیہ وعلیہم الصلوٰت والتسلیمات۔

اخروی رویت بے توسّط اور بے حیلولت ہوگی۔ یہ صحیح حدیث علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں آیا ہے کہ بندہ جب نماز میں داخل ہوتا ہے تو وہ حجاب جو بندے اور خدا تعالےٰ کے درمیان ہے اُٹھ جاتا ہے اسی لئے نماز مومن کا معراج ہے اور منتہی واصل کے لئے اس سے وافر حصہ ہے کیونکہ حجاب کا اُٹھ جانا واصل منتہی کے لئے مخصُوص ہے پس واسطہ اور حیلولت کا اُٹھ جانا ثابت ہُوا۔ یہ معرفت اس فقیر کے معارف لدنیہ کے خواص میں سے ہے کہ محض اپنے فضل وکرم سے یہ مجھے عطا فرمایا ہے اور اس کی حقیقت سے مشرف کیا ہے ؎

منم آں خاکم کہ ابر نو بہاری	کند از لطف بر من قطرہ باری

کسی نے کیا خُوب کہا ہے ؎

اگر بادشاہ بر در پیر زن	بیاید تو اے خواجہ سبلت مکن

مشائخ طریقت نے رسُول اللہ صلّے اللہ علیہ وسلم کے توسّط اور عدم توسّط میں اختلاف کیا ہے ایک جماعت توسّط کی قائل ہے اور ایک گروہ عدم توسّط کا اور ان میں سے کسی نے بھی توسّط اور عدم توسّط کی تحقیق نہیں کی ہے اور ان کے کمال اور قصور سے بات نہیں کی۔ ارباب ظواہر قریب ہے کہ عدم توسّط کو جو کہ ایمان کا کمال ہے کفر سمجھیں اور اس کے قائل کو نادانستہ طور پہ گمراہ کہیں اور توسّط کو کمال ایمان تصوّر کریں اور اس کے قائل کو کامل تابعین سے شمار کریں حالانکہ عدم توسّط کمال متابعت کی خبر دیتا ہے اور توسّط متابعت کی کمی کی اطلاع دیتا ہے جیسا کہ حقیقت حال کو معلوم نہ کرسکنے کے باعث ان میں سے ہر ایک کا قول پہلے گذر چکا ہے اللہ تبارک وتعالےٰ نے فرمایا بَلْ کَذَّبُوْا بِمَا لَمْ یُحِیْطُوْا بِعِلْمِہٖ وَلَمَّا یَاْتِہِمْ تَاْوِیْلُہٗ، کَذٰلِکَ کَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِہِمْ (بلکہ جو چیز اُنہیں معلوم نہ ہو سکی اور اس کا مطلب ان پر واضح نہ ہُوا اس کو انھوں نے جھٹلا دیا اسی طرح ان سے پہلے لوگوں نے جھٹلایا تھا)۔

اے میرے مخدوم! اُویسی کہنے کا مطلب ظاہری پیر سے انکار نہیں ہے کیونکہ اویسی وہ شخص ہے جس کی تربیت میں روحانیوں کو دخل ہو حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ باوجود ظاہری پیر کے چونکہ حضرت

لہ میں وہ خاک ہوں کہ نو بہار کا بادل مجھ پر مہربانی سے قطرے برساتا ہے ۱۲ ؎ اگر بادشاہ بوڑھی عورت کے دروازے پر آجائے تو اے خواجہ تو اپنی مونچھیں نہ اکھاڑ ۱۲۔

خواجہ نقشبند قدس سرہ کی روحانیت سے امداد پاتے تھے لہذا اپنے آپ کو اویسی کہتے تھے۔ اور اسی طرح خواجہ نقشبند بھی باوجود ظاہری پیر کے چونکہ حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی کی روحانیت سے مدد پائے ہوئے تھے لہذا اویسی تھے خصوصاً جبکہ کوئی شخص اویسیت کے باوجود اپنے ظاہری پیر کا اقرار بھی کرے تو زور کے ساتھ اس کے سر پر پیر کا انکار تھوپ دینا عجیب انصاف ہے۔

میرے مخدوم! لفظ عبدالباقی کی ترکیب سے مراد معنی اضافی ہے نہ کہ معنی علمی۔ اگرچہ وہ نہایت بلیغ وجہ سے معنی علمی کا اشعار بھی کرتا ہے یعنی میرا پیر اگرچہ باقی کا بندہ ہے لیکن میری تربیت کا کفیل اللہ باقی ہے اس جگہ کونسی تحریف ہے؟ اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کونسی سوء ادبی ہے اللہ تعالیٰ انصاف عطا کرے۔

میرے مخدوم! وہ قصور جو سبحانی کے معنی میں ہے جو کہ بسطامی قدس سرہ سے غلبات سُکر میں صادر ہوا ہے کہا جائے گا لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ قائل میں وہ قصور ہمیشہ ہمیشہ تک ہو کر دوسرے اس سے افضل ہو جائیں کیونکہ بہت سے معارف ایسے ہیں کہ کسی وقت میں اس وقت کے حال کے مقتضا کے مطابق صادر ہوتے ہیں اور دوسرے وقت میں خداوند تعالیٰ کی عنایت سے چونکہ اس معرفت کے قصور کو انہوں نے معلوم کر لیا ہے اس سے آگے گزر گئے ہیں اور بلند مقام پر پہنچ چکے ہیں۔ آپ کے مکتوب گرامی میں درج تھا کہ ارباب سُکر اگر اس قسم شطح آمیز باتیں لکھیں تو اس کی گنجائش ہے لیکن ارباب صحو سے ایسی باتوں کا اظہار بہت مستبعد ہے۔

میرے مخدوم! جس نے بھی اس قسم کی باتیں لکھی ہیں ان کا منشا سُکر ہے اور سُکر کی آمیزش کے بغیر اس باب میں انہوں نے قلم نہیں پکڑا ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ سُکر میں بہت مراتب ہیں جتنا بھی سُکر زیادہ ہوگا اتنا ہی شطح زیادہ ہوگا کوئی بسطامی ہی چاہیئے کہ اس سے بے تحاشا قول لِوَائِی اَرْفَعُ مِنْ لِوَاءِ مُحَمَّدٍ (کہ میرا جھنڈا محمد کے جھنڈے سے زیادہ بلند ہے) صادر ہو۔ پس جو بھی صحو رکھتا ہے، اس کے متعلق یہ خیال نہ کریں کہ اس کے ہمراہ سُکر نہیں ہے کہ وہ عین قصور ہے۔ صحو خالص عوام کا حصہ ہے جس نے صحو کو ترجیح دی ہے اس کی مراد غلبۂ صحو ہے نہ کہ صحو خالص، اور اسی طرح جس نے بھی سُکر کو ترجیح دی ہے اُس کی مُراد غلبۂ سُکر ہے نہ کہ سُکر خالص کہ وہ آفت ہے۔

جنید قدس سرہ جو ارباب صحو کے رئیس ہیں اور صحو کو سُکر پر ترجیح دیتے ہیں ان کی اتنی سُکر آمیز عبارتیں ہیں کہ وہ شمار سے باہر ہیں۔ انہوں نے کہا ہے کہ "وہی عارف ہے اور وہی معروف ہے"! اور یہ بھی فرمایا ہے کہ "پانی کا رنگ اس کے برتن کا رنگ ہے"! اور فرمایا ہے "مُحدث جب قدیم سے مل

جانے تو اس کا اپنا اثر نہیں رہتا" اور صاحب عوارف جو کہ کامل ترین اربابِ صحو میں سے ہیں انھوں نے اپنی کتاب میں اتنے سکریہ معارف بیان کئے ہیں کہ ان کی شرح کیا لکھی جائے اور اس فقیر نے ایک رقعہ میں ان کے بعض معارف سکریہ کو جمع کیا ہے یہ سکر ہی کا بقایا ہے کہ افشائے راز کو انھوں نے جائز رکھا ہے اور سکر ہی ہے کہ وہ فخر اور مباہات کرتے ہیں اور یہ سکر ہی ہے کہ دوسروں پر اپنی بزرگی بیان کرتے ہیں اگر خالص صحو ہوتا تو اُس وقت اسرار کو افشاء کرنا کفر ہوتا اور اپنے آپ کو دوسروں سے بہتر جاننا شرک ہوتا صحو میں بقیہ سکر اسی طرح ہے جیسے کھانے میں نمک جو کہ طعام کا مصلح ہے اگر نمک نہ ہو تو طعام معطل اور بے کار ہو جائے ؎

گر غمِ عشق نہ بودے و غمِ عشق نہ بودے
چندیں سخن نغز کہ گفتے کہ شنودے[1]

صاحب عوارف قدس سرہٗ نے حضرت شیخ عبد القادر جیلانی کے اس قول کو کہ "میرے یہ قدم ہر ولی کی گردن پر ہیں" بقیہ سکر ہی پر محمول کیا ہے تو ان کی مُراد اس قول کا قصور نہیں ہے جیسا کہ وہم ہوتا ہے کہ وہ ان کی عین تعریف ہے بلکہ بیان واقع کیا ہے یعنی اس قسم کی باتوں کا صدور جو کہ مباہات و افتخار کی خبر دیتی ہیں بغیر بقیہ سکر کے ثابت نہیں ہیں کہ صحو خالص میں ایسی باتیں کہنا مشکل ہے۔ اس فقیر نے جو یہ تمام دفاتر اس طائفہ علیہ کے علوم و اسرار میں لکھے ہیں ظاہراً آپ کے دل میں یہ خیال جاگزیں ہوگا کہ میں نے خالص صحو سے لکھے ہیں جن میں سکر کی آمیزش نہیں ہے حاشا وکلا کہ وہ حرام اور منکر ہے اور بیہودہ سخن تراشی ہے باتیں کہنے والے جو خالص صحو سے متصف ہیں بہت ہیں وہ اس قسم کی باتیں کیوں نہیں نکالتے اور لوگوں کو کیوں نہیں اپنی جگہ سے اکھاڑ ڈالتے ؎

فریاد حافظ ایں ہمہ آخر بہرزہ نیست
ہم قصۂ غریب و حدیثِ عجیب ہست[2]

میرے مخدوم! اس قسم کی باتیں جو کہ افشائے راز کی خبر دیں اور ان کے ظاہر معنی مُراد نہ ہوں ہر وقت میں مشائخ طریقت قدس اللہ تعالےٰ اسرارہم سے ایسی باتیں ظہور میں آئی ہیں اور ان بزرگواروں کی ہمیشہ کی عادت ہو چکی ہے۔ کوئی بھی ایسا امر نہیں ہے جس کو اس فقیر نے شروع کیا ہو اور اس کی اختراع کی ہو" یہ پہلا شیشہ ہی نہیں ہے جو اسلام میں توڑا گیا ہو" پس یہ تمام شور و غوغا کیسا ہے؟ اگر کوئی ایسا لفظ صادر ہوا ہے جس کا ظاہر علوم شریعت کے مطابق نہیں ہے تو اس کو تھوڑی سی توجہ سے ظاہر سے پھیر کر مطابق بنا دینا چاہیئے اور مسلمان کو متہم نہ کرنا چاہیئے اور بے حیائی کی اشاعت اور فاسق کو رسوا

---

[1] اگر عشق اور عشق کا غم نہ ہوتا تو اتنی اچھی باتیں کون کہتا اور کون سنتا۔ ۱۲ [2] حافظ کی یہ تمام فریاد آخر بیہودہ تو نہیں ہے۔ قصہ بھی نرالا سمجھیئے اور بات بڑی نادر ہے۔ ۱۲

کرنا بھی جب شریعت میں حرام ہے تو ایک مسلمان کو محض کسی اشتباہ کی بنا پر بدنام کرنا کیا مناسب ہے اور شہر شہر اس کی منادی کرنا کونسی دینداری ہے ؟

مسلمانی اور مہربانی کا طریقہ تو یہ ہے کہ وہ کلمہ جس کا ظاہر علوم شریعت کے مخالف ہو اگر کسی آدمی سے صادر ہو جائے تو دیکھنا چاہیئے کہ اس کا قائل کون ہے اگر ملحد اور زندیق ہو تو اس کا رد کرنا چاہیئے اور اس کی اصلاح کی کوشش کرنا چاہیئے اور اگر اس کلمہ کا قائل مسلمانوں میں سے ہو اور خدا و رسول پر ایمان رکھتا ہو تو اس کی بات کی اصلاح کی کوشش کرنی چاہیئے اور اس کے لئے صحیح محمل پیدا کرنا چاہیئے یا اس کہنے والے سے اس کو حل کرایا جائے اور اگر وہ اس کو حل کرنے میں عاجز ہو تو اس کو نصیحت کرنی چاہیئے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا نرمی سے بہتر ہے کہ وہ تسلیم کر لینے کے زیادہ قریب ہے۔

اور اگر مقصود تسلیم کرانا نہ ہو اور صرف رسوا کرنا مطلوب ہو تو دوسری بات ہے اللہ تعالیٰ توفیق دیں اور سب سے عجیب بات یہ ہے کہ آپ کے مکتوب شریف سے مفہوم ہوتا ہے کہ اس بزرگ سے اس فقیر کا خط سننے کے بعد آپ کے مریدوں میں بھی اشتباہ اور انحراف طاری ہوا شائد کہ وہ پرتو ہو۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ شبہ کے مقامات کو آپ خود حل کر دیتے اور اس فقیر پر نہ ڈالتے، اور فتنہ کو بجھا دیتے دوسرے دوستوں کی شکایت کیا کروں کہ بعض نے ان میں سے باوجود اشتباہ کو دور کرنے کی طاقت رکھتے ہوئے بھی اپنے آپ کو معاف رکھا اور خاموشی اختیار کر لی ؎

ما ز یاراں چشم یاری داشتیم[1]

اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما اور ہمارے کام میں بھلائی پیدا کر۔ والسلام اولاً و آخراً

مکتوب نمبر ۱۲۲

(مولانا حسن دہلوی کی طرف صادر فرمایا)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ حقیقت محمدی علیہ افضل الصلوات والتسلیمات جو کہ ظہور اول اور حقیقۃ الحقائق ہے اس معنی سے کہ دوسرے حقائق خواہ وہ انبیاء کے حقائق ہوں اور خواہ ملائکہ عظام کے علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام اس کے لئے ظلال کی طرح ہیں اور

---

[1] ہم دوستوں سے دوستی کی امید رکھتے تھے ۱۲

وہ حقائق کا اصل ہے ۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ (کہ سب سے پہلے اللہ تعالےٰ نے میرا نور پیدا کیا)، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خُلِقْتُ مِنْ نُوْرِ اللّٰہِ وَالْمُؤْمِنُوْنَ مِنْ نُوْرِیْ (میں اللہ کے نور سے پیدا ہوا ہوں اور مومن میرے نور سے پیدا ہوئے ہیں) تو لازماً آپ تمام حقائق اور خداوند تعالےٰ کے درمیان واسطہ ہوں گے اور ان کے وسیلہ کے بغیر کسی کو بھی مطلوب تک پہنچنا محال ہوگا پس آپ انبیاء اور مرسلین کے نبی ہیں اور آپ کا بھیجنا جہان والوں کے لئے رحمت ہے علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات ۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء اولوالعزم باوجود اصالت کے ان کی تبعیت چاہتے تھے اور آپ کی اُمت میں داخل ہونے کی آرزو رکھتے تھے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات۔

سوال :۔ وہ کونسا کمال ہے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی امت ہونے سے وابستہ ہے اور وہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو باوجود نبی ہونے کے حاصل نہ تھا؟

جواب :۔ وہ کمال حقیقۃ الحقائق سے وصول واتحاد ہے جو کہ تبعیت اور وراثت سے وابستہ ہے بلکہ اللہ تعالےٰ کے کمال فضل پر موقوف ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے اخص الخواص کا حصہ ہے اور جب تک امت میں سے نہ ہو اس دولت تک نہیں پہنچ سکتا اور توسط کا حجاب نہیں اٹھ سکتا جو کہ اتحاد کے وسیلہ سے میسر ہوتا ہے شانہ اللہ تعالےٰ نے اسی لئے فرمایا ہے کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ (کہ تم بہترین امت ہو) پس نبی صلے اللہ علیہ وسلم جس طرح تمام انبیاء کرام اور ملائکہ عظام کے تمام افراد سے افضل ہیں اسی طرح وہ ہر ایک سے کلی طور پر بھی افضل ہیں کیونکہ اصل کو اپنے ظل پر فضیلت ہے اگرچہ وہ ظل ہزاروں ظلال کا متضمن ہو کیونکہ اللہ تعالےٰ کی بارگاہ سے فیوض کا وصول ظل کے واسطہ اور طفیل سے ہے ۔ اس فقیر نے اپنے رسائل میں تحقیق کی ہے کہ اوپر کے نقطہ کو نچلے تمام نقطوں پر جو کہ اس کے ظلال کی طرح ہیں فضیلت حاصل ہے اور اس کے اوپر کے نقطہ کو قطع کرنا جو کہ اصل کی طرح ہے عارف کے لئے زیادہ ہے اس سے کہ تمام نچلے نقطوں کو جو کہ اس کے ظلال کی طرح ہیں قطع کرے۔

سوال :۔ اس بیان سے لازم آتا ہے کہ اس اُمت کے خواص انبیاء علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام سے افضل ہیں؟

جواب :۔ یہ بالکل لازم نہیں آتا صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ اس امت کے خواص اس دولت میں انبیاء کے ساتھ شرکت رکھتے ہیں اور اس کے باوجود دوسرے کمالات بہت ہیں کہ انبیاء کو ان کے ساتھ بزرگی اور خصوصیت ہے علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام اس امت کے اخص الخواص اگر بہت ترقی بھی کریں گے تو ان کا سر کسی ادنیٰ پیغمبر کے قدم تک نہیں پہنچ سکتا مساوات اور بزرگی کی کیا گنجائش ہے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ (کہ ہماری بات اپنے پیغمبر بندوں کے لئے پہلے گذر چکی ہے) علیہم الصلوات والتسلیمات۔ اور اگر امتوں میں سے کوئی فرد اپنے پیغمبر کی تبعیت اور طفیل سے بعض پیغمبروں سے اوپر بھی چلا جائے تو وہ خادمیت اور تبعیت کے عنوان سے ہوگا اور معلوم ہے کہ خادم کو اپنے مخدوم کے ہمسروں سے سوائے خادمیت اور تبعیت کے اور کیا نسبت ہو سکتی ہے کہ خادم وطفیلی ہر وقت طفیلی ہے۔

اور حقیقت محمدی علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام جو کہ حقیقۃ الحقائق ہے مراتب ظلال کے طے کرنے کے بعد اس فقیر پر آخر کار جو کچھ منکشف ہوا ہے وہ تعین وظہور حُبّی ہے جو کہ تمام ظہورات کا مبدأ اور تمام مخلوقات کی پیدائش کا منشا ہے۔ مشہور حدیث قدسی میں آیا ہے۔ كُنْتُ كَنْزًا مَخْفِيًّا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ لِاُعْرَفَ (میں ایک مخفی خزانہ تھا میں نے محبوب رکھا کہ میں پہچانا جاؤں پھر میں نے مخلوق کو پیدا کیا تاکہ میں پہچانا جاؤں) سب سے پہلی چیز جو اس مخفی خزانہ سے ظہور کے تخت پر جلوہ گر ہوئی وہ محبت تھی جو کہ مخلوقات کی پیدائش کا سبب ہوئی اگر یہ محبت نہ ہوتی تو ایجاد کا دروازہ نہ کھلتا اور عالم عدم میں مستقل طور پر اپنا ٹھکانا رکھتا۔ حدیث قدسی لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ (اگر تو نہ ہوتا تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا) جو کہ خاتم الرسل کی شان میں واقع ہے کا راز اس جگہ سے معلوم کرنا چاہئے اور لَوْلَاكَ لَمَا اَظْهَرْتُ الرُّبُوْبِيَّةَ (اگر تو نہ ہوتا تو میں ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا) کی حقیقت کو اس مقام میں تلاش کرنا چاہئے۔

سوال :۔ صاحب فتوحات مکیہ نے تعین اول جو کہ حقیقت محمدی ہے حضرت اجمال علم کہا ہے اور تم نے اپنے رسائل میں تعین اول تعین وجودی کہا ہے اور اس کے مرکز کو جو کہ اس کے اجزا میں سے اسبق واشرف ہے حقیقت محمدی قرار دیا ہے اور تعین حضرت اجمال کو اس تعین وجودی کا ظل لکھا ہے اور اس جگہ لکھتے ہو کہ پہلا تعین حُبّی ہے اور وہ حقیقت محمدی ہے ان اقوال میں تطبیق کی کیا صورت ہے؟

جواب :۔ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ کسی شے کا ظل اپنے آپ کو اصل شے دکھاتا ہے اور سالک کو اپنے آپ میں گرفتار کر لیتا ہے پس وہ دو تعین ظلال ہیں۔ تعین اول کے کہ عروج کے وقت عارف پر پر اصل تعین اول جو کہ تعین حُبّی ہے ظاہر ہوتا ہے۔

سوال :۔ تعین وجودی کو تعین حُبّی کا ظل کہنا کس طرح درست ہو سکتا ہے حالانکہ وجود کو حُبّ پر سبقت ہے کیونکہ حُبّ وجود کی فرع ہے۔

جواب :- اس فقیر نے اپنے رسائل میں تحقیق کیا ہے کہ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ بذات خود موجود ہے نہ کہ وجود سے، اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفات ثمانیہ بذات واجب سوجود ہیں نہ کہ وجود سے کہ وجود بلکہ وجوب کو بھی اس مرتبہ میں گنجائش نہیں ہے کہ وجود اور وجوب دونوں اعتبارات سے ہیں، پہلا اعتبار جو ایجاد عالم کے لئے پیدا ہُوا وہ حُبّ ہے اس کے بعد اعتبار وجود ہے جو کہ ایجاد کا مقدمہ ہے کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو بغیر اعتبار اس حُبّ کے اور بغیر اعتبار اس وجود کے عالم سے اور ایجاد عالم سے استغنا ہے۔ إِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِيْنَ (اللہ تعالیٰ جہانوں سے بے نیاز ہے) نص قطعی ہے اور تعیّن علمی جبلی کو ان دو تعیّن کا ظل کہنا اس اعتبار سے ہے کہ وہ دو تعیّن باعتبار حضرت ذات تعالیٰ کے ہیں بغیر ملاحظہ صفات کے اور اس تعیّن میں ملحوظ صفت ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے ظل کی طرح ہے۔

جاننا چاہیئے کہ تعیّن اوّل میں جو کہ تعیّن حُبّی ہے جب دقت سے نظر کی جائے تو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے فضل سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مرکز کا تعیّن حُبّ ہے جو کہ حقیقت محمدی ہے علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام اور اس دائرہ کا محیط صورت مثال میں دائرہ کی طرح ہے اور وہ محیط اس مرکز کے لئے ظل کی طرح ہے خُلّت ہے جو کہ حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی حقیقت ہے پس حُبّ اصل ہوئی اور خُلّت اس کے لئے ظل کی طرح ہوئی اور یہ مرکز محیط کا مجموعہ جو کہ ایک دائرہ ہے تعیّن اوّل ہے اور اس کا نام اس کے اسبق واشرف اجزاء کے نام پر ہے جو کہ مرکز ہے اور حُبّ سے عبارت ہے۔ اور نظر کشفی میں بھی باعتبار اصالت اور اس جز کے غلبہ کے تعیّن حُبّی ہی ظاہر کرتا ہے اور چونکہ محیط دائرہ اس مرکز کے لئے ظل کی طرح ہے اور اسی سے پیدا ہُوا ہے اور وہ مرکز اس کا اصل و منشا ہے اس محیط کو اگر تعیّن ثانی بھی کہیں تو گنجائش رکھتا ہے لیکن نظر کشفی میں دو تعیّن نہیں ہیں بلکہ ایک تعیّن ہے جو کہ حُبّ اور خُلّت پر مشتمل ہے جو کہ ایک ہی دائرہ کے محیط اور مرکز ہیں اور تعیّن ثانی در نظر کشفی تعیّن وجودی ہے جو کہ تعیّن اوّل کے لئے ظل کی طرح ہے جیسا کہ پہلے گذر چکا۔

اور چونکہ مرکز محیط کا اصل ہے تو لازماً محیط کو مطلوب کے وصول میں مرکز کے توسط سے چارہ نہیں ہے کیونکہ مطلوب تک وصول مرکز کی راہ سے ہے جو کہ دائرہ کا اصل و اجمال ہے اس بیان سے حضرت حبیب اللہ کی حضرت خلیل اللہ سے اتحاد و مناسبت معلوم کرنی چاہیئے۔ علیہما وعلیٰ جمیع الانبیاء والمرسلین الصلوات والتسلیمات۔ اور چونکہ اصل واسطہ ہے ظل کے مطلوب تک پہنچنے کا تو لازمی طور پر حضرت خلیل اللہ نے حضرت حبیب اللہ سے واسطہ چاہا ہے اور اس کی آرزو کی ہے کہ اس کی اُمّت میں داخل ہوں جیسا کہ

وارد ہُوا ہے علیہما وعلی جمیع الانبیاء ، الصّلوات والتسلیمات والتحیات اتبار اکملا۔

سوال :۔ جب معاملہ اس طرح ہو تو حضرت حبیب اللہ کو حضرت خلیل اللہ کی متابعت کا حکم کرنا کیا معنی رکھتا ہے علیہما الصلوات والتسلیمات اور آنحضرت نے نماز اور اپنے اوپر سلام کے بیان میں کَمَا صَلَّیْتَ اور کَمَا سَلَّمْتَ کیوں فرمایا ہے علیہما الصلوات والتسلیمات ۔

جواب :۔ حقیقت شے اگرچہ بلند تر ہو اور تنزیہ کے زیادہ قریب ہو تو پھر بھی عالم عناصر میں اس حقیقت کا مظہر پست تر ہوتا ہے اور بیشتر لباس بشری سے متلبس ہوتا ہے پس اس مظہر سے بطریق عروج اس حقیقت تک پہنچنا دشوار ہوتا ہے اور وہ دولت جو حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا ہوئی ہے وہ حقیقت ابراہیمی کے وصول تک شاہراہ ہے جو حقیقت محمدی کے ہمسایہ میں واقع ہے جیسا کہ گذر چکا اور حضرت ابراہیم اسی راہ سے اس جگہ پہنچے ہیں اس بنا پر حکم ہُوا کہ ان کی ملت کی متابعت کی جائے اور حقیقت الحقائق تک وصول فرمائیں اور آنحضرت نے کَمَا صَلَّیْتَ فرمایا ہے علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کہ صلوٰۃ و رحمت اُن پر وصول بحقیقت کی دولت کے حصول کے بعد ہے

اور اس کے ساتھ ہی ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ فاضل کو مفضول کی متابعت کا حکم کرتے ہیں اور اس متابعت کے حکم سے اس کی فاضلیت میں کوئی قصور لازم نہیں آتا اللہ تعالےٰ نے اپنے نبی علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کو فرمایا ہے وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ اور کام میں ان سے مشورہ کرو ، صحابہ سے مشورے کا حکم ان کی متابعت کے حکم سے خالی نہیں ہے ورنہ مشورے کا کیا فائدہ ہوگا ۔

جان لیں کہ حضرت صدیق کی حقیقت یعنی اسمائے الٰہی میں سے ان کا رب جو کہ اُن کا مبدا تعین ہے ۔ بغیر کسی امر کے توسط کے حقیقت محمدی کا ظل ہے ۔ اس طریقہ پر کہ جو کچھ اس حقیقت میں ثابت ہے بطریق تبعیت و وراثت اس ظل میں بھی ثابت ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ اس امت کے وارثوں میں سے اکمل و افضل ہوئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کچھ اللہ تعالےٰ نے میرے سینے میں ڈالا ہے وہ میں نے ابوبکر کے سینہ میں ڈال دیا ہے اور یہ بھی واضح ہوا ہے کہ اسرافیلی حقیقت بھی علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام وہی حقیقت محمدی ہے علیہ وعلی جمیع اخوانہ الصلوٰۃ والسلام بطریق اصالت و ظلیت حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی حقیقت کی طرح جو کہ اس حقیقت کا ظل ہے بلکہ اس جگہ دونوں اصالت رکھتے ہیں کوئی ظلیت درمیان میں حائل نہیں ہے ، اگر فرق ہے تو کُلیت اور جزئیت کا فرق ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل ہیں لہٰذا وہ حقیقت انہی کے نام سے موسوم ہے علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام اور ملائکہ کرام علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے

حقائق اسی سرانبیلی حقیقت سے پیدا ہوئے ہیں علی نبینا وعلیہ وعلی جمیع اخوانہ الکرام الصلوٰۃ والسلام۔

سوال :۔ عارف کو اپنی حقیقت سے جو کہ اسم الٰہی جل شانہٗ سے عبارت ہے جو اس کا رب ہے اس حقیقت کے وصول کے بعد ترقی جائز ہے یا نہیں؟

جواب :۔ سلوک کے مراتب طے کرنے کے بعد جس کو پوری سیر الی اللہ کہتے ہیں اس حقیقت تک وصول دو قسم کا ہے۔ ایک قسم یہ ہے کہ اس جگہ وصول اس اسم کے ظلال میں سے کسی ظل سے ہو کہ جس نے مظاہر وجوبیہ میں اپنے آپ کو اپنی حقیقت ظاہر کیا ہے اور اصل کے رنگ میں ظاہر آیا ہے اور یہ اشتباہ اس راہ میں بہت ہے اور سالک کے لئے ایک بہت بڑی گھاٹی ہے مگر یہ کہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس گھاٹی سے خلاصی میسر ہو جائے اور شک نہیں ہے کہ اس حقیقت نما ظل سے ترقی جائز ہے بلکہ واقع ہے۔

اور اگر وصول اپنے نفس حقیقت تک ہو چکا ہے تو اس سے آگے ترقی بغیر کسی دوسرے کی تبعیت اور طفیل کے جائز نہیں ہے کہ وہ حقیقت اس کی ذاتی استعداد کے مراتب کی انتہا ہے لیکن اگر اس کو کسی کی طفیل دوسرے کی حقیقت تک جو اس سے اوپر ہے پہنچا دیں تو جائز ہے بلکہ واقع ہے اور یہ سیر گویا سیر قسری ہے۔ جو سیر طبعی اور استعدادی کے علاوہ ہے جیسا کہ اس کا کچھ بیان حقیقت محمدی کے وصول بیان میں گذر چکا ہے علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام۔

سوال :۔ حقیقت محمدی سے جو کہ حقیقۃ الحقائق ہے اور ممکنات کے حقائق میں سے کوئی حقیقت اس سے اوپر نہیں ہے۔ ترقی جائز ہے یا نہیں اور تم نے اپنے رسائل میں لکھا ہے کہ حقیقت محمدی سے ترقی واقع ہوئی۔ اس معاملہ میں حقیقت کیا ہے؟

جواب :۔ جائز نہیں ہے کیونکہ اس مرتبہ کے اوپر لاتعین کا مرتبہ ہے کہ اس مرتبہ تک منتہیوں کا الحاق و وصول محال ہے اور بے کیف وصول اور الحاق کو محض تنزل کی بات ہے کہ معاملہ کی حقیقت تک پہنچنے سے پہلے اس سے تسلی حاصل کی جاتی ہے لیکن اصل معاملہ کی حقیقت تک پہنچنے کے بعد عدم وصول و الحاق کا حکم لازمی ہے کہ اس جگہ شک کا کوئی شائبہ نہیں ہے اور وہ جو میں نے لکھا ہے کہ حقیقت محمدی سے ترقی واقع ہوئی مراد اس حقیقت سے اس حقیقت کا ظل ہے کہ اجمال حضرت علم کہا ہے اور جسے وحدت سے تعبیر کیا ہے اس وقت اس فقیر پر ظل پر اصل کا اشتباہ تھا اور جب محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس ظل سے اور تمام ظلال سے نجات میسر ہوئی تو معلوم ہوا کہ اس حقیقۃ الحقائق سے ترقی واقع نہیں ہے بلکہ جائز نہیں ہے قدم اس جگہ سے اٹھانا اور آگے رکھنا وجوب میں قدم رکھنا ہے اور امکان سے باہر آنا ہے

جو کہ عقلی اور شرعی محال ہے۔

سوال:۔ اس تحقیق سے لازم آتا ہے کہ حضرت خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس حقیقت سے ترقی واقع نہ ہو۔

جواب:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس جاہ وجلال اور اس بلندیٔ شان کے باوجود ہمیشہ ممکن ہیں اور ہرگز امکان سے باہر نہیں آسکتے اور نہ واجب سے مل سکتے ہیں کیونکہ یہ الوہیت سے منسلخ ہونے کو مستلزم ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے بلند ہے کہ کوئی اس کا شریک اور برابری کرنے والا ہو ؎

دَعْ مَا ادَّعَتْهُ النَّصَارٰی فِیْ نَبِیِّهِمْ ۞ وَاحْکُمْ بِمَا شِئْتَ مَدْحًا فِیْهِ وَاحْتَکِمِ

سوال:۔ سابقہ تحقیق سے واضح ہوا کہ دوسروں کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت اور طفیل میں حقیقت الحقائق تک وصول اور ان سے الحاق واتحاد ثابت ہے اور ان کے خاص کمال میں شرکت موجود ہے پس اس صورت میں متبوع اور تابع کے درمیان اور اصل اور طفیل کے درمیان فرق جو کہ رفع حجاب اور ارتفاع واسطہ کا متضمن ہے اور تمام کمالات سے اوپر ہے کیا ہوگا؟ اور وہ کونسی بزرگی ہوگی جو متبوع اور اصیل میں ہو اور تابع اور طفیلی میں نہ ہو؟

جواب:۔ دوسروں کا اس حقیقت تک الحاق وصول خادم کے اپنے مخدوم سے الحاق کی طرح ہے یا طفیلی کے اصیل سے وصول کی طرح ہے اگر کوئی واصل اخص الخواص بھی ہے جو کہ بہت ہی تھوڑے ہیں تو وہ بھی خادم ہے اور اگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات ہیں تو وہ بھی طفیلی ہیں اور خادم جو کہ پس خوردہ کھانے والا ہے اس کو اپنے مخدوم سے کیا شرکت ہو سکتی ہے اور اس کے مقابل اس کی کیا عزت و آبرو ہے؛ اور طفیلی اگرچہ ہم جلیس اور ہم لقمہ ہے لیکن طفیلی پھر بھی طفیلی ہے۔ خادم جو اپنے مخدوم کے پیچھے بلند مقامات تک پہنچ جاتے ہیں اور ان کے مخصوص طعاموں میں سے بچا ہوا کھاتے ہیں اور عزت واحترام پاتے ہیں تو یہ سب مخدوم کی بزرگی ہے اور اس کی تابعداری کی بلندی ہے گویا کہ مخدوم کو اپنی ذاتی عزت کے علاوہ خادموں کے الحاق کی راہ سے بھی عزت ملتی ہے اور اس کی شان میں اور زیادہ بلندی پیدا ہو جاتی ہے۔

اچھی طرح سنو کہ حدیث نبوی (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں آیا ہے جس نے کوئی اچھا طریقہ نکالا تو اس کے لئے اس کا اجر بھی ہے اور جو اس پر عمل کریں گے ان کا اجر بھی۔ پس سنت حسنہ میں متبوع کے جتنے بھی تابع زیادہ ہوں گے تو اس کو ان کے اجروں کی مثل اور زیادہ ملے گا اور اس کی منزلت کی زیادتی کا باعث ہوگا۔ پس تابعین کو اپنے متبوع سے کیا شرکت ہوگی اور کونسی مساوات متوہم ہوتی ہے۔

۱؎ جو نصاریٰ نے اپنے نبی کے متعلق کہا ہے وہ چھوڑ دے اور اس کے علاوہ ان کی جو تعریف کرنا چاہے وہ کر اور اس پر مضبوط رہ ۱۲۔

سنو سنو! جائز ہے کہ کچھ لوگ ایک ہی مقام میں ہوں اور ایک ہی دولت میں شریک ہوں لیکن ان میں سے ہر ایک کے ساتھ معاملہ الگ الگ ہو اور ایک کو دوسرے کی کوئی اطلاع نہ ہو۔ ازواج مطہرات بہشت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک ہی مقام میں ہوں گی اور ایک ہی کھانے اور پانی سے تناول کریں گے لیکن وہ معاملہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوگا وہ ان سے نہ ہوگا اور وہ لذت و سرور جو آپ کو حاصل ہوگا وہ ان کو حاصل نہ ہوگا اور اگر ان کو اس جگہ تمام امور میں شرکت ہو تو ان کی فضیلت بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کی طرح سب پر لازم آئے گی اور اس جگہ افضلیت کا معنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک کثرتِ ثواب ہے۔

سوال:- یہ تعین حبّی جو کہ تعین اول ہے اور حقیقت محمدی ہے علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام ممکن ہے یا واجب؟ اور حادث ہے یا قدیم؟ صاحب فصوص تعین اول کو کہ جس کو حقیقت محمدی کہا ہے۔ اور اس کو وحدت سے تعبیر کیا ہے اور اسی طرح تعین ثانی کو اس کو واحدیت کہا ہے اور اعیان ثابتہ کہ جن کو حقائق ممکنات کہتا ہے اس مرتبہ میں ثابت کیا ہے اور وہ ہر دو تعین کو تعین وجوبی کہتا ہے اور قدیم جانتا ہے اور دوسرے تین تنزلات کو کہ روحی اور مثالی اور جسدی ہیں تعین امکانی تصور کرتا ہے آپ کا اس مسئلہ میں کیا عقیدہ ہے؟

جواب:- اس فقیر کے نزدیک کوئی تعین اور متعین نہیں ہے وہ کونسا تعین ہوگا جو لا تعین کو متعین کرے۔ یہ الفاظ حضرت شیخ محی الدین اور اس کے تابعین قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے مذاق کے موافق ہیں اور اگر اس فقیر کی عبارت میں کہیں اس قسم کے الفاظ ہوں تو ان کو صنعت مشاکلہ کے قبیل سے سمجھنا چاہیے بہر حال میں کہتا ہوں کہ وہ تعین تعینِ امکانی ہے اور مخلوق اور حادث ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ (کہ سب سے پہلے جو چیز اللہ تعالیٰ نے پیدا کی وہ میرا نور ہے) اور دوسری احادیث میں اس نور کی پیدائش کے وقت کا تعین بھی آیا ہے جیسا کہ فرمایا قَبْلَ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ بِاَلْفَیْ عَامٍ (آسمانوں کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے) اور اس کی مثل اور روایات بھی ہیں اور جبکہ وہ مخلوق ہے اور مسبوق بعدم ہے۔ ممکن اور حادث ہے اور جبکہ حقیقت الحقائق جو کہ اسبق حقائق ہے ممکن اور مخلوق ہو تو دوسروں کے حقائق بطریق اولیٰ مخلوق ہوں گے اور امکان وحدوث رکھتے ہوں گے۔

تعجب ہے کہ شیخ قدس سرہٗ نے حقیقت محمدی کو بلکہ تمام ممکنات کے حقائق کو اعیان ثابتہ کہا ہے وہ کہاں سے ان کے وجوب کا حکم کرتے ہیں اور کیسے ان کو قدیم جانتے ہیں اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قول کے کے برخلاف کیسے التزام کرتے ہیں ممکن اپنے اجزا کے ساتھ بھی ممکن ہے اور اپنی صورت اور حقیقت سے

بھی ممکن ہے تعین وجوبی ممکن کی حقیقت کس لئے ہوگا۔ ممکن کی حقیقت یقیناً ممکن ہونی چاہیئے کیونکہ ممکن کو واجب تعالےٰ کے ساتھ کوئی اشتراک اور نسبت نہیں ہے سوائے اس کے کہ ممکن اس کی مخلوق ہے اور اللہ تعالےٰ اس کے خالق ہیں۔ اور شیخ چونکہ واجب اور ممکن میں تمیز نہیں کرتے اور خود فرماتے ہیں کہ "ان دونوں میں تمیز نہیں ہے"۔ اگر وہ واجب کو ممکن کہے اور ممکن کو واجب کہے تو اسے کوئی خطرہ نہیں ہے اگر ان کو معذور سمجھیں تو کمال کرم اور عفو ہے۔ اے ہمارے رب اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کھا جائیں تو ہم پر مواخذہ نہ فرما۔

سوال۔ تو نے خود اپنے رسائل میں اللہ تعالےٰ اور ممکن کے درمیان اصل اور ظل کی نسبت ثابت کی ہے اور ممکن کو واجب کا ظل کہا ہے اور واجب کو باعتبار اصل ممکن کی حقیقت کہا ہے کہ وہ اس کے ظل کی طرح ہے اور اس پر نسبت سے معارف کو متفرع کیا ہے اگر اس اعتبار سے شیخ قدس سرہ نے بھی واجب تعالےٰ کو ممکن کی حقیقت کہہ دیا ہو تو اس میں کیا استحالہ لازم آتا ہے اور اسے کیوں ملامت کی جاتی ہے؟

جواب۔ اس قسم کے علوم جو واجب تعالےٰ اور ممکن میں نسبت کا اثبات کریں اور شریعت ان کے ثبوت کے لئے وارد نہیں ہوئی یہ تمام معارف سکر سے ہیں اور حقیقت معاملہ کی نارسائی کی وجہ سے۔

شعر

ممکن نچہ بود کہ ظل واجب باشد[1]

واجب تعالےٰ کا سایہ کیوں ہوگا کیونکہ مثل کی تولید کا موہم ہے اور عدم کمال لطافت کے شائبہ کی خبر دیتا ہے۔ جبکہ رسول اللہ کا لطافت کی وجہ سے سایہ نہ تھا تو خدائے محمد کا سایہ کیوں ہوگا۔ خارج میں موجود بالذات اور بالاستقلال صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور یا پھر اللہ تعالےٰ کی صفات ثمانیہ حقیقیہ اور ان کے سوا جو کچھ بھی ہے وہ اللہ تعالےٰ کی ایجاد سے موجود ہوا ہے اور ممکن اور مخلوق اور حادث ہے اور کوئی مخلوق اپنے خالق کا ظل نہیں ہے اور مخلوقیت کے سوا خالق سے کوئی نسبت سوائے اس نسبت کے جس کو شرع نے ثابت کیا ہو نہیں رکھتا۔ یہ عالم کی ظلیت کا علم سالک کو راہ میں بہت کام دیتا ہے اور اسے کشاں کشاں اصل تک لے جاتا ہے اور جب کمال عنایت سے منازل طے کرکے اصل تک پہنچتا ہے تو محض خدا تعالےٰ کے فضل سے وہ ایسا پاتا ہے کہ اصل بھی ظل کا حکم رکھتا ہے اور مطلوبیت کے لائق نہیں ہے کیونکہ امکان کے داغ سے داغدار ہے اور مطلوب ادراک کے احاطہ اور وصل و اتصال سے ماوراء ہے۔ اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما اور ہمارے معاملہ میں بھلائی پیدا کر۔

فصل۔ فضائل مآب کمالات دستگاہ مولانا حسن کشمیری دہلوی نے اللہ تعالےٰ ان کے احوال کو

---

[1] ممکن کی کیا حیثیت ہے کہ وہ واجب کا ظل ہو۔ ۱۲

اچھا گئے اور ان کی آرزوئیں بر آئیں ایک خط لکھ کر فقیر کو بھیجا تھا اور اس میں چند ایک سوالات درج کر کے ان کے حل کا مطالبہ کیا تھا اور چونکہ ان کا حل بعض اسرار کے اظہار کا متقاضی ہے اور کچھ اور بھی رکاوٹیں تھیں۔ فقیر ان کے جواب میں جرأت نہیں کرتا تھا اور حیلہ بہانہ سے وقت گذار رہا تھا۔ چونکہ شائد الیہ کا اس فقیر پر بہت بڑا حق ہے کہ انہی کی اچھی راہنمائی سے میں حضور ولایت پناہ ہادی راہ اندراج نہایت فی البدایہ کی دولت سے مشرف ہوا ہوں اور اس راہ کی الف، با کا سبق بھی انہی سے لیا ہے اور ان کی خدمت میں بے اندازہ برکات و فیوض کا استفادہ بھی کیا تو مجبوراً بعض سوالات کا حل جو کہ اس رسالہ کے علوم سے مناسبت رکھتے ہیں اس رسالہ کے ذیل میں ان کو درج کر دیا ہے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی بھلائی کی راہ کی ہدایت دینے والے ہیں۔

آپ نے پوچھا تھا کہ کمالات صوری و معنوی اور ظاہری اور باطنی اور علمی او عملی اور دنیوی اور اُخروی جو کچھ بھی نوع بشر میں ممکن ہے وہ حضرت خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام الیٰ یوم الحشر کو بالفعل حاصل اور متحقق ہیں جیسا کہ حدیث نفیس أَنَا سَيِّدُ وُلْدِ آدَمَ وَلَا فَخْرَ (میں آدم کی اولاد کا سردار ہوں اور میں فخر نہیں کرتا) اور آدَمُ وَمَنْ دُونَهُ تَحْتَ لِوَائِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ (آدم اور ان سے نیچے تمام نبی قیامت کے دن میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے) اور فَعَلِمْتُ عِلْمَ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ (پس میں نے پہلوں اور پچھلوں کا علم معلوم کر لیا) اور ان جیسی اور بھی احادیث سے مفہوم ہوتا ہے اور جو کسی چیز سے مشروط یا کسی وقت پر موقوف ہوگا وہ بھی اپنے وقت پر باحسن وجوہ جلوہ دکھائے گا پس اس صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حزن جو دوام اور کثرت سے موصوف و معروف ہے کیوں ہے؟ اور اس کا سبب کیا ہے؟ کیونکہ حزن واندوہ کا سبب کسی چیز کا فقدان ہوتا ہے جس کو وہ چاہتا ہے۔

میرے مخدوم! حزن کا استبعاد اور حضرت خاتمیت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کمال کا فقدان جب جاہ وجلال محمدی پر نظر کی جائے اور خداوندی عنایات کو دیکھا جائے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حزن پر ہیں تو مسلّم اور مستحسن ہے اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عبدیت اور عبودیت اور عجز اور بشریت کو دیکھا جائے اور اللہ تعالیٰ کے ذاتی استغناء اور کبریائی اور عظمت وجلال وعزت کو ملاحظہ کیا جائے تو حزن کا حصول اور اللہ تعالیٰ کے بے نہایت کمالات میں سے کسی کمال کا فقدان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بھی مستبعد نہیں ہے بلکہ بندگی کے حال کے لائق ہے آیت وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا (وہ اس کے علم میں سے کچھ بھی حاصل نہیں کر سکتے) اور آیت لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ (آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں) یہ دونوں اس معنی پر گواہ عدل ہیں اور ہر ایک کے متعلق فقدان کا اثبات کرتی ہیں۔ ہاں ممکن اگرچہ کتنے ہی بلند

مراتب تک پہنچ جائے واجب کی حقیقت کو کیا معلوم کر سکتا ہے اور حادث قدیم سے کیا لے سکتا ہے اور متناہی غیر متناہی کا احاطہ کیسے کر سکتا ہے اور وہ جو آپ نے لکھا ہے کہ ہر کمال جو نوع بشر میں ممکن ہے وہ حضرت خاتمیت میں بالفعل حاصل ہے علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام ہاں فضل کلی اور ہر ایک پر فضیلت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مخصوص ہے لیکن وہ کمال جو جزوی فضیلت رکھتا ہو وہ جائز ہے کہ بعض انبیائے کرام اور ملائکہ عظام علی نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات سے مخصوص ہو اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضل کلی میں کوئی قصور پیدا نہیں کرتا۔

صحیح احادیث میں آیا ہے کہ امتیوں کے بعض کمالات ایسے ہوتے ہیں جن پر انبیاء علیہم والصلوٰۃ والسلام بھی رشک کرتے ہیں حالانکہ امتوں کے تمام افراد پر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو کلی فضیلت حاصل ہے اور یہ بھی احادیث میں آیا ہے کہ اللہ کی راہ میں شہید ہونے والے چند چیزوں سے انبیاء پر بھی فضیلت رکھتے ہیں۔ شہداء کو غسل کی حاجت نہیں ہے اور انبیاء کو غسل دینا چاہیے اور شہداء پر نماز جنازہ نہیں ہے جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے اور انبیاء پر نماز جنازہ پڑھنا چاہیے اور قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ شہداء کو مردے نہ سمجھو کہ وہ زندہ ہیں اور انبیاء کو مردے فرمایا ہے یہ تمام فضائل جزئیہ ہیں انبیاء کی کلی فضیلت میں یہ کوئی قصور پیدا نہیں کرتے۔

پس ہو سکتا ہے کہ ان فضائل جزئیہ میں سے بعض کا فقدان رسول اللہ علیہ وسلم کے حزن واندوہ کا سبب ہو کہ وہ ان فضائل تک پہنچنے اور استعداد کے حاصل ہونے کا سبب بن جائے مثلاً نبوت کے ساتھ شہادت کا درجہ بھی جمع ہو جائے اور اگر ہم تسلیم کر لیں کہ تمام انسانی افراد کے تمام کمالات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں بالفعل موجود ہیں تو میں کہتا ہوں کہ چونکہ آنحضرت کی ہمت بلند واقع ہوئی ہے علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام لہٰذا ان کمالات پر اکتفا نہیں کرتے اور ھَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ (کیا کچھ اور بھی ہے) کہتے ہوئے بلندی کا شوق فرماتے ہیں اور چونکہ اوپر کے کمالات کا حصول امکان بشری سے خارج ہے تو لازماً آپ ہر وقت اندوہگین اور حزین رہتے۔

اس بحث کی تحقیق یہ ہے اور اللہ تعالیٰ ہی حقیقت حال کو خوب جانتا ہے کہ طریقت و حقیقت اور قرب اور معرفت میں تمام کام کا دار و مدار فنا اور صفات بشری اور احکام امکان کے زوال پر ہے ؎

ہیچ کس را تا نہ گرود او فنا نیست رہ در بارگاہ کبریا

جس قدر بھی بشریت کے وجوہات باقی ہیں اسی قدر اس راہ کے حجاب بھی موجود ہیں اور کلی طور پر

؎ کسی کو بھی جب تک کہ وہ فنا نہ ہو جائے خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں راہ نہیں ہے ۱۲

بشریت کی صفات کا ارتفاع تمام افراد انسانی میں ممکن نہیں ہے کیا خواص اور اخص خواص۔ شیخ عطار فرماتے ہیں ؎

نمی بینی[1] کہ شاہے چوں پیمبر — نیافت او فقر کلی تو رنج کم بر

اور فقر کلی سے کلی طور پر امکانی اور بشری صفات کا زوال مراد لیا ہے کہ اس کا حصول متصور نہیں ہے کیونکہ وہ حقائق کے منقلب ہونے کو مستلزم ہے کیونکہ ممکن اگر ترقی کرکے اپنے امکان سے علیحدہ ہوجائے تو یقیناً وہ واجب ہوجائے گا اور یہ عقلی اور شرعی محال ہے۔ اور وہ جو کسی بزرگ نے کہا ہے؟ ؎

چو[2] ممکن گرد امکان بر فشاند — بجز واجب درو چیزے نماند

یہ تشبیہ اور تمثیل پر محمول ہے تقریر اور تحقیق پر محمول نہیں ہے کہ وہ غیر واقع ہے کہ ایک بزرگ فرماتے ہیں ؎

سیاہ روئی[3] ز ممکن در دو عالم — جدا ہرگز نہ شد واللہ اعلم

سوال :- امکان کے آثار و احکام کا بقا مقام قاب قوسین میں ظاہر ہے کہ قوس امکان و قوس وجوب اس جگہ برپا ہے لیکن مقام اَوْ اَدْنٰی جو کہ اصل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے امکان کے احکام کا بقا کیا معنی رکھتا ہے؟

جواب :- وجوب اور امکان میں مابہ الامتیاز چیز عدم ہے جو کہ امکان کی ایک طرف ہے کیونکہ امکان کی دوسری طرف وجود ہے جو قدر مشترک ہے۔ درمیان وجوب اور امکان کے اور مقام اَوْ اَدْنٰی میں اس عدم کے احکام زوال پذیر ہوجاتے ہیں اور قوسین کا امتیاز رفع ہوجاتا ہے نہ کہ امکان بالکل مرتفع ہوجاتا ہے اور وجوب سے بدل جاتا ہے کہ وہ محال ہے جیسا کہ پہلے گذر چکا۔ البتہ اس قدر ضرور ہے کہ مقام قاب قوسین میں ظلمانی حجابات سے باہر نہیں آتا ہے کہ وہ عدم کے آثار ہیں اور مقام اَوْ اَدْنٰی میں اگر حجاب ہیں تو نورانی ہیں اور وہ وجود امکانی کی راہ سے آتے ہیں اور اسی توجیہ پر اس بزرگ کے بیت کے معنی کو محمول کیا جاسکتا ہے جو کہ اوپر گذرا اور امکان کی گرد جھاڑنے کا مطلب عدم کے احکام کا زوال ہے جو کہ سراسر کدورت ہے۔

سوال :- جب امکان کے عدم کی طرف زائل ہوئی اور وہ مابہ الامتیاز جو کہ امکان اور وجوب کے درمیان تھا اٹھ گیا اور وجود کے سوا جو کہ امکان کی دوسری طرف ہے اور وجوب اور امکان میں قدر مشترک ہے

---

[1] کیا تو نہیں دیکھتا کہ پیغمبر جیسے بادشاہ نے بھی کلی فقر نہ پایا لہٰذا تو رنج کم اٹھا ۱۲

[2] جب ممکن امکان کی گرد جھاڑ دیتا ہے تو واجب کے سوا کوئی چیز اس میں باقی نہیں رہتی۔ ۱۲

[3] ممکن سے دونوں جہانوں میں سیاہی ہرگز دور نہیں ہوسکتی اور اللہ ہی خوب جانے

اس جگہ نہ رہا تو درست ہوا کہ امکان اپنی حقیقت سے الگ ہو کر وجوب کے ساتھ ملحق ہو گیا ہو کہ وجود صرف ہے اور حقیقت میں تبدیل ہونا لازم آیا تو اس بزرگ کے بیت کا معنی جو کہ ذکر ہو چکا ہے کہ اس میں واجب کے سوا کوئی چیز نہیں رہتی، حقیقت پر محمول ہوا۔

جواب:۔ یہ وجود جو ممکن کی طرف میں ثابت ہے اس وجود کا ظل ہے جو کہ وجوب میں ثابت ہے نہ کہ اس وجود کا عین اور یہ وجوب جو طرف عدم کے زوال سے ممکن میں پیدا ہوا ہے وجوب بالغیر ہے جو کہ ممکن کی ایک قسم ہے نہ کہ وجوب بالذات تاکہ حقیقت کا منقلب ہونا لازم آئے کیونکہ اس عدم کا ارتفاع ذات ممکن کی طرف سے نہیں آیا ہے کہ واجب بالذات ہو جائے اور محال لازم آئے بلکہ ممکن میں اس عدم کا ارتفاع حضرت واجب الوجود کے غلبے کی وجہ سے ہے اور یہ ممکن کی ذات پر حضرت واجب الوجود کی حکومت ہے اور وجوب سے جو کہ مصدر سابق میں واقع ہوا ہے متبادر فی الذہن وجوب ذاتی ہے نہ کہ وجوب بالغیر اور وجود کو وجوب و امکان کے درمیان قدر مشترک کہنا اشتراک لفظی کے قبیل سے ہے نہ کہ معنوی اگرچہ اس کو کلی مشکک کہتے ہیں کیونکہ ممکن کے وجود کو واجب تعالیٰ کے وجود سے حقیقت میں کوئی شرکت نہیں ہے تاکہ کلیہ اور جزئیہ کا تصور کیا جا سکے۔

سوال:۔ فنا و بقا جو صوفیا علیہ نے کہا ہے اور ولایت کو اس سے عبارت سمجھا ہے اس کا کیا معنی ہے جب صفات بشریت کا ارتفاع متصور نہیں ہے تو فنا کی کیا گنجائش ہے؟

جواب:۔ وہ فنا جو ولایت میں معتبر ہے وہ شعور اور شہود کے اعتبار سے ہے جو کہ ماسوائے حق کے نسیان سے عبارت ہے نہ کہ ماسوی کا ارتفاع۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس فنا والا غلبات سکر میں اشیاء کے عدم شعور کو عدم اشیاء سمجھتا ہے اور اس کو ماسوی کا ارتفاع جانتا ہے اور اس سے تسلی پاتا ہے اور اگر محض فضل سے اس کو ترقی دے کر دولت صحو سے مشرف کریں اور صاحب تمیز بنا دیں تو جان لیتا ہے کہ وہ فنا اشیاء کا نسیان تھا نہ کہ اشیاء کا اعدام، اور اس نسیان سے اگر زائل ہوا ہے تو اشیاء کی گرفتاری ہے جو کہ ثابت اور مذموم ہے نہ نفس اشیاء کہ اشیاء اپنی صرافت پر قائم و ثابت ہیں اور اس کے اعدام اور نفی سے ان کی نفی نہیں ہو سکتی ہے ؎

سیاہی از حبشی کے رود کہ خود رنگ است

اور جب فضل و کرم سے یہ دید اور یہ تمیز عطا ہوئی تو وہ تسلی زائل ہوئی اور اس کی جگہ حزن و اندوہ و بے آرامی بیٹھ گئی اور اس کو معلوم ہو گیا کہ اس کا م بنا " ایک ایسا مرض ہے جو اس کی کوشش اور

لہ حبشی سے سیاہی کیسے دور ہو سکتی ہے کہ وہ اس کا اصلی رنگ ہے ۱۲

اہتمام سے نابود نہیں ہو سکتا اور یافت (پا لینا) جو کہ سور کے شوباؤں کی طرح ہمیشہ ان کے لئے جانکاہ ہیں امکان کا نقص اور حدوث کا قصور ہے جو ہمیشہ اس کے لئے جانکاہ ہوتا ہے عجیب معاملہ ہے کہ عارف جتنا بھی اوپر چلا جاتا ہے اور زیادہ ترقیات و عروج حاصل کرتا ہے اتنا ہی نقص کا دید اس میں زیادہ ہوتا جاتا ہے اور قصور زیادہ اس کی نظر میں آتا ہے اور بے آرام اور بے قرار کر دیتا ہے اور وہی رسّی بٹنے والے کے شاگرد کا قصہ ہے جو اس نے تعجب سے اپنے استاد سے کہا تھا کہ "میں جتنا بھی کام زیادہ کرتا ہوں اتنا ہی دُور ہوتا جاتا ہوں" شاید یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے کاش ربِ محمدؐ محمدؐ کو پیدا نہ کرتا" اور آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا "جتنی مجھے ایذا دی گئی ہے اتنی کسی نبی کو ایذا نہیں دی گئی"۔

شاید اس ایذا سے مراد یہی نقص اور قصور کا دیکھنا ہو جو کہ کمال حزن و اندوہ کا سبب ہے کیونکہ دُوسری ایذائیں دُوسرے انبیاء میں بھی پائی جا سکتی ہیں کہ زیادہ تھیں علی نبینا علیہم الصلوات والتسلیمات۔ حضرت نوح علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نو سو پچاس سال اپنی قوم میں رہے اور اُن کو دعوت دیتے رہے اور طرح طرح کی ایذائیں برداشت کرتے رہے کہ ان کی قوم دعوت کے وقت ان پر اس قدر پتھر برساتی کہ وہ پتھروں کی بہتات کی وجہ سے بے ہوش ہو کر لوٹنے لگتے اور گر پڑتے اور پتھروں کے نیچے دب جاتے اور پھر جب اپنی حالت میں آتے تو ان کو دعوت شروع کر دیتے اور قوم پھر ان کے ساتھ وہی معاملہ کرتی یہاں تک کہ خدا کی تحریر اپنے وقت کو پہنچی۔

جاننا چاہیئے کہ یہ نقص و قصور کا دیکھنا دُوری کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ قرب اور حضوری کی وجہ سے ہے کیونکہ روشن اور صاف مقام میں تھوڑی سی کدورت بھی زیادہ نظر آتی ہے اور تاریک اور مکدّر جگہ میں بہت سی کدورت بھی تھوڑی معلوم ہوتی ہے اور وہ جو پہلے کہا جا چکا ہے کہ معرفت اور قربت کے کام کا دار و مدار فنا پر ہے کیونکہ جب تک سالک اپنے آپ سے فانی نہ ہو اور پوری طرح اپنی صفات بشریت و امکان سے باہر نہ جائے اپنے مطلوب تک نہیں پہنچ سکتا کیونکہ ان کا مطلوب کے ساتھ جمع ہونا دو نقیض کے جمع ہونے کی جنس سے ہے کیونکہ امکان میں ثبوت عدم ضروری ہے اور وجوب میں سلب عدم ضروری ہے اور جب تک مطلوب تک نہ پہنچے مطلوب کے کمالات کو کیا پائے اور اس کے کمال کو اپنے کمال کے مماثل کے سوا کیا ادراک کرے کیونکہ "کسی چیز کا ادراک اس کی ضد اور اس کے غیر سے نہیں کیا جا سکتا" یہ ارباب معقول کا مقررہ قضیہ ہے۔

وہ بچہ جو جماع کی لذت کو نہیں پہنچا ہے اگر اس جماع کا کمال بیان کرے گا تو اسے میٹھا کہے گا نہ کہ تلخ۔ اور پھر اس کی مٹھاس کو کھانڈ کی مٹھاس کی طرح جانے گا کہ اس کے وجدان میں اس کے علاوہ اور کچھ

نہیں ہے اور یہ کمال اس جماعت کا کمال نہیں ہے بلکہ ایسا کمال ہے جو نیچے کی اختراع ہے جو کہ حقیقت میں اسی کی طرف راجع ہے نہ اس جماعت کی طرف۔ پس جو کچھ مطلوب ہے بغیر اعلام کے اپنی طرف سے کہے گا وہ اس کا اپنا کہنا ہوگا اور جو کچھ اُس کی تعریف کرے گا وہ اس کی اپنی تعریف ہوگی اسی لئے ایک عارف نے فرمایا ہے کہ آیت کریمہ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ (اور کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی تعریف بیان کرتی ہو) میں بِحَمْدِہٖ کی ضمیر شے کی طرف راجع ہے یعنی کوئی چیز تسبیح و تقدیس و تعریف نہیں کرتی مگر اپنی یہی وجہ ہے کہ بسطامی نے کہا سُبْحَانِیْ (میں پاک ہوں) تسبیح کو اپنی طرف لوٹانے کے لئے کیا خوب کہا ہے ؎

(۱) اے شدہ ہم در جمالِ خویشتنی — مے پرستی ہم خیالِ خویشتن

(۲) قسمِ خلقاں زاں جمال وزاں کمال — ہست گر ہم نی مشتِ خیال

(۳) گر ز معشوق خیالے در سرت — نیست معشوق آں خیالِ دیگر است

صاحبِ فصوص فرماتے ہیں کہ تجلی ذات صرف متجلی لہٗ کی صورت میں ہوتی ہے پس متجلی لہٗ حق کے آئینہ میں اپنی صورت کے سوا اور کچھ نہیں دیکھتا اور اس نے خدا تعالیٰ کو نہیں دیکھا اور نہ ہی ممکن ہے کہ اس کو دیکھ سکے۔ عدم امکان رویت تو مبالغہ کے طور پر کہا ہے نہ کہ حقیقی طور پر کیونکہ رویت دُنیا میں جائز ہے اور آخرت میں واقع ہے جب سالک کی پوری فنا متحقق ہوئی اور مطلوب سے اتصال و وصول اس کے بغیر ممنوع ہوا اور بغیر وصول کے معرفت کی کوئی صورت نہیں تو لازماً معرفت سے عجز لازم آیا اور معرفت سے عجز عین معرفت ہوئی یہ نہ کہا جائے کہ معرفت سے عجز معرفت کیونکر ہوا جو کہ اس کا نقیض ہے کیونکہ معرفت سے عجز اس معرفت سے عبارت ہے کہ "وہ پہچانا نہیں جا سکتا۔"

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا "ادراک کر پا لینے سے عاجز آنا ادراک ہے" پس پاک ہے وہ اللہ جس نے خلقت کے لئے اپنی طرف کوئی راہ نہیں بنائی سوائے اس کے کہ اس کی معرفت سے عاجز آ جائے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں ؎

سُبحان خالقے کہ صفاتش ز کبریا — بر خاک عجز مے فگند عقلِ انبیاء

جبکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام صفات کبریا کی معرفت میں عاجز آ جائیں اور ملائکہ کرام علی نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام کہیں کہ ہم نے تجھے جیسے پہچاننے کا حق تھا نہیں پہچانا۔ اور صدیق اکبر جو کہ اس خیر الامم کے

لہ (۱) اے وہ کہ اپنے جمال میں کھویا ہے تو اپنے خیال ہی کی پرستش کرتا ہے (۲) اس جمال و کمال سے مخلوق کی قسمت اگر تو غور کرے تو خیالات کی ایک مشت ہے (۳) اگر معشوق کا خیال تیرے سر میں ہے تو وہ معشوق نہیں ہے بلکہ کوئی اور خیال ہے ۱۲۔

لہ پاک ہے وہ خالق کہ جس کی صفات اپنی کبریائی سے انبیاء کی عقل کو خاک پر ڈال دیتی ہیں ۱۲۔

کے رئیس اور سردار ہیں وہ اپنی عاجزی کا اقرار کرتے ہیں تو دوسرا کون ہے جو معرفت سے دم مارے شاید کہ اپنے جہل مرکب کو معرفت سمجھے اور غیر حق کو حق جانے اور یہ معرفت سے عجز عروج کے مراتب کی نہایت کی نہایت ہے اور قرب کے مدارج کی غایت کی انتہا ہے اور جب تک وہ آخری نقطہ تک نہ پہنچے اور تجلیات اور ظہورات کے مراتب طے نہ کرے اور وصل اور اتصال کو کہ کتنی ہی مدت اس کے ساتھ خوش رہا اس کو عین فصل و انفصال نہ پائے اس عجز کی دولت سے مشرف نہیں ہو سکے گا اور خدا ناشناسی سے آزاد نہیں ہو سکے گا۔ اور غیر حق کو حق جانے گا۔

سوال:۔ پس خدا تعالیٰ کی معرفت کے واجب ہونے کا کیا معنی ہے؟

جواب:۔ وجوب معرفت اس معنی سے ہے کہ شریعت میں خدا تعالیٰ کی ذات اور صفات کے متعلق جو کچھ وارد ہوا ہے اس کا پہچاننا واجب ہے۔ اور ہر وہ معرفت جو شریعت کے علاوہ مستفاد ہو اس کو اس فقیر کے نزدیک خدا کی معرفت کہنا جرأت ہے اور ظن و تخمین سے خدا تعالیٰ پر حکم لگانا ہے۔ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (کیا تم اللہ پر وہ بات کہتے ہو جو تم نہیں جانتے) شاید اسی لئے کہ سراج الامت اور امام الائمہ امام اعظم کوفی رضی اللہ عنہ نے یہ قول کہا ہو "وہ پاک ہے تو ہم نے تیری عبادت جس طرح تیرا حق تھا نہیں کی ہے لیکن جس طرح تیرے پہچاننے کا حق تھا ہم نے تجھے پہچان لیا ہے" اگرچہ یہ قول اکثر لوگوں پر گراں ہے لیکن معقول توجیہ کے قابل ہے کیونکہ حق معرفت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ان تمام چیزوں سے جن کو شریعت نے بیان کیا ہے یعنی کمالات و تنزیہات و تقدیسات وغیرہ سے پہچانا جائے۔ کہ ان سے باہر معرفت کی کوئی چیز باقی نہیں رہ جاتی۔ جو کہ حق معرفت کو مانع ہو۔

سوال:۔ اس معرفت میں تو عوام و خواص شرکت رکھتے ہیں بلکہ مساوات رکھتے ہیں اور لازم آتا ہے کہ عام مومنوں کی معرفت خواص انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی معرفت کی طرح ہو کہ سب کو حق معرفت حاصل ہے اور یہ مسئلہ اسی طرح کا ہے کہ حضرت امام اعظم نے فرمایا ہے اَلْاِیْمَانُ لَا یَزِیْدُ وَلَا یَنْقُصُ (کہ ایمان میں کمی بیشی نہیں ہوتی) اور اس جگہ کہا ہے کہ اس عبارت سے لازم آتا ہے کہ عام مومنوں کا ایمان انبیاء علیہم الصلوات و التسلیمات کے ایمان کی طرح ہو۔

جواب:۔ اس قوی شبہ کا حل ایک دقیقہ پر مبنی ہے کہ اس فقیر کو محض اپنے فضل سے اس کی راہنمائی کی گئی ہے اور وہ باریک نکتہ یہ ہے کہ حق معرفت یہ ہے کہ ان معارف شرعیہ سے عارف کو معرفت سے عجز حاصل ہو مثلاً شریعت میں اللہ تعالیٰ کے لئے صفت علم کا اثبات کیا گیا ہے اور وہ علم اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرح بے چون و بے چگون ہے اور ہمارے ادراک کے احاطہ سے باہر ہے۔ اگر اس علم کو اپنے علم پر

قیاس کر کے پہچانا جائے تو نہیں پہچانا جائے گا بلکہ اس جگہ شناخت اپنی اختراع کی ہوگی نہ کہ اللہ تعالےٰ کے علم کی معرفت جو کہ اللہ تعالےٰ کے کمال کی صفت ہے۔

پس اس صورت میں سرے سے معرفت ہی نہیں ہے حق معرفت کیا ہوگا اور اگر اس کا معاملہ قیاس اور تخمین سے نکل کر عجز میں آجائے اور وجدان اور حال سے پائے کہ اس کو نہیں پہچانا جا سکتا اور جان لے کہ اس سے حصہ سوائے ایمان لانے کے اور کچھ نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ کے کمال کی صفت ہے اس وقت معرفت بھی حاصل ہوگی اور حق معرفت بھی پس حقیقت میں اصل معرفت یہی حق معرفت ہوا اور جو حق معرفت نہیں ہے وہ اصل معرفت بھی نہیں ہے پس عوام کو حق معرفت میں خواص سے شرکت نہ ہوئی۔ مساوات کی کیا گنجائش ہے؟

سوال:۔ جب حق معرفت نفس معرفت ہوا تو چاہیئے کہ عوام کو نفس معرفت بھی نہ ہو کیوں کہ ان کو حق معرفت بھی نہیں ہے؟

جواب:۔ معرفت کی ایک صورت ہے اور ایک حقیقت۔ وہ معرفت جو عین حق معرفت ہے وہ حقیقت معرفت ہے جو کہ معرفت سے عجز کے ساتھ مربوط ہے اور اس کی صورت وہ ہے جو کہ اس عجز کی حد تک نہ پہنچے اور امکان کی صفات کے قیاس کرنے کے شائبہ سے آزاد نہ ہو جیسا کہ گزرا۔ یہ کمال درجہ کی مہربانی ہے کہ صورت معرفت کو بھی نفس ایمان کی طرح معتبر سمجھا ہے اور نجات کو اس کے ساتھ مربوط کیا ہے جیسا کہ صورت ایمان کو بھی معتبر سمجھا ہے اور جنت کا داخلہ اس پر مترتب کیا ہے۔ صورت ایمان میں صورت معرفت کافی ہے اور حقیقت ایمان میں حقیقت معرفت سے چارہ نہیں ہے۔

پس اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ ایمان کے بھی دو فرد ہیں صورتؔ اور حقیقتؔ اور وہ جو عوام کا حصہ ہے وہ صورت ہے اور وہ جو خواص کو عطا ہوا ہے وہ حقیقت ہے پس عوام کا ایمان انبیاء کے ایمان کی طرح نہ ہوا جو کہ اخص خواص ہیں علیہم الصلوات والتسلیمات۔ کیونکہ وہ ایمان اور ہے اور یہ ایمان اور ہے اور یہ آپس میں کوئی مماثلت نہیں رکھتے۔

اور ایمان کی حقیقت میں چونکہ عجز معرفت سے ماخوذ ہے اور معرفت یہ کہ "وہ پہچانا نہیں جاتا" موجود ہے تو لازماً اس جگہ زیادتی اور نقصان مفقود ہوگا کیونکہ سلب معرفت میں درجات کا تفاوت نہیں ہے اور ثبوت ہے کہ اس جگہ درجات میں تفاوت ہے پس ایمان کی حقیقت میں زیادتی اور نقصان کا احتمال نہ ہوگا اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی حقیقت حال کو خوب جانتے ہیں۔

سوال:۔ اس تقریر سے لازم آیا کہ صوفیہ علیہ کے کشفی علوم ومعارف اعتبار کے مقام سے ساقط

ہیں اور اللہ تعالیٰ کی معرفت ان کے ساتھ کچھ بھی وابستہ نہیں ہے کہ حق معرفت شرعی علوم و معارف سے حاصل ہُوا اور وہ معرفت نہ رہی جس کو صوفیہ کسب سے تلاش کرتے ہیں پس صوفیہ کو علماء سے اللہ تعالیٰ کی معرفت میں کچھ بھی بزرگی ثابت نہ ہوئی۔

جواب:۔ صوفیہ کے کشفی علوم و معارف اس عجز کے لئے اسباب ہیں جو کہ ان کے منتہی لوگوں کو آخر میں میسر ہوتا ہے اور یہ بزرگوار اس کشفی معارف کے زینہ سے اس عجز کی دولت سے مشرف ہو جاتے ہیں پس ان بزرگواروں کے معارف معتبر ہوں گے کہ حق معرفت کے حصول کا وسیلہ ہیں اور ایمان حقیقی کے وصول کا ذریعہ ہیں۔

سوال:۔ جب معرفت سے عجز ثابت ہُوا اور کمال عجز میں منحصر ہوا پس صوفیہ علیہ نے جو تین مراتب اعتبار کئے ہیں ان کا کیا معنی ہے اور علم الیقین اور عین الیقین اور حق الیقین سے کیا مراد ہے؟

جواب:۔ اس فقیر کو اس مسئلہ میں قوم سے اختلاف ہے ان بزرگواروں نے ان مراتب سہ گانہ کو خدا تعالیٰ کی ذات کی نسبت سے اعتبار کیا ہے اور علم الیقین اور عین الیقین اور حق الیقین اللہ تعالیٰ کی ذات میں ثابت کئے ہیں اور مثال جو لاتے ہیں کہ آتش کے علم کو جو دھوئیں کے استدلال سے حاصل ہو آتش کے متعلق علم الیقین کہتے ہیں اور آتش کو دیکھنا عین الیقین تصور کرتے ہیں اور آتش سے متصف ہونا حق الیقین۔ اور یہ فقیر ان مراتب سہ گانہ کو ان نشانیوں میں جو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر دلالت کرنے والی ہیں منحصر سمجھتا ہے اور علم اور عین اور حق ان تینوں دلالت کرنے والوں کے مراتب قرار دیتا ہے نہ کہ مدلول کے وہ علم اور عین اور حق سب سے بلند ہے اور علم اور یقین اور حق تمثیل میں دھوئیں کے متعلق جانتا ہے نہ کہ آتش کی نسبت کیونکہ اگر دھوئیں کا علم استدلال سے حاصل ہُوا ہے تو دھوئیں کی نسبت علم الیقین ہے جو کہ آتش کو مستلزم ہے اور اگر دھوئیں کو دیکھا ہے اور اس جگہ سے آتش کے وجود کا استدلال کیا ہے تو دھوئیں کی نسبت سے عین الیقین ہے اور اگر دھوئیں سے متصف ہُوا ہے اور اس جگہ سے آتش کے وجود کا استدلال کیا ہے تو دھوئیں کی نسبت سے حق الیقین ہے اور یہ استدلال پہلے استدلال کی نسبت زیادہ پُورا ہے کہ وہ استدلال آفاقی سے ہے اور یہ استدلال انفسی ہے کہ دھوئیں سے متصف ہُوا ہے۔

اور پھر یہ بھی ہے کہ عین الیقین میں دھواں ایک واسطہ ہے اور حق الیقین میں واسطہ نہیں ہے بلکہ وہی نسبت جو دھوئیں کو آتش سے ثابت ہے اس کو بھی وہی نسبت حاصل ہوتی ہے اور قرب کے اعلیٰ مدارج پر پہنچ جاتا ہے جو علم اور یقین اور حق سے ماوراء ہے۔ یہ نہیں کہا جائے گا کہ جب واسطہ اُٹھ گیا تو

رویت ثابت ہو گئی کہ عین الیقین، کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ واسطہ کا اٹھ جانا رویت کے ثبوت میں کفایت نہیں کرتا کچھ اور چیزیں چاہئیں کہ جن کا وجود مفقود ہے اور جب یقین کے تمام مراتب نشانات کی طرف راجع ہونے اور کوئی معرفت نہ رہی جو مدلول کی طرف راجع ہو تو لازماً مدلول کی معرفت میں عجز لازم آیا اور سلب معرفت کے علاوہ کوئی معرفت اس جگہ ثابت نہ ہوئی اور اگر یقین کے ان مراتب سہ گانہ کو آیات کی طرف راجع نہ کیا جائے بلکہ مدلول کی طرف راجع ہوں تو معرفت سے عجز کی کیا صورت ہوگی اور سلب معرفت کے کیا معنی ہوں گے۔

مکتوب نمبر ۱۲۳

(نور محمد تہاری کی طرف صادر فرمایا)

(اس بیان میں کہ جو راہ اللہ تعالے کی طرف پہنچانے والے ہیں وہ دو ہیں)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ وہ راہ جو اللہ تعالے کی طرف پہنچانے والے ہیں دو ہیں ایک وہ راہ ہے جو قرب نبوت سے تعلق رکھتی ہے علی اربابہا الصّلوٰۃ والسلام اور اصل الاصل تک پہنچانے والی ہے اس راہ سے واصل ہونے والے اصل میں تو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات ہیں اور ان کے صحابہ اور باقی امتوں میں سے جس کو بھی اس دولت سے نوازیں اگرچہ وہ تھوڑے ہوتے ہیں بلکہ بہت ہی تھوڑے ہوتے ہیں

اور اس راہ میں توسط و حیلولت نہیں ہے جو بھی ان واصلین میں سے فیض حاصل کرتا ہے وہ بغیر کسی کے وسیلے کے اصل سے حاصل کرتا ہے اور کوئی بھی دوسرے کی راہ میں حائل نہیں ہوتا۔

اور ایک وہ راہ ہے جو قرب ولایت سے تعلق رکھتی ہے۔ اقطاب و اوتاد اور بدلا اور نجباء اور عام اولیاء اللہ اسی راہ سے واصل ہیں اور راہ سلوک اسی راہ سے عبارت ہے بلکہ متعارف جذبہ بھی اسی میں داخل ہے اور اس راہ میں توسط اور حیلولت ثابت ہے اور اس راہ کے واصلین کے پیشوا اور ان کے سردار اور ان کے بزرگواروں کے منبع فیض حضرت علی المرتضیٰ ہیں کرم اللہ تعالے وجہہ الکریم ہیں اور یہ عظیم الشان منصب ان سے تعلق رکھتا ہے۔ اس راہ میں گویا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں قدم مبارک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مبارک سر پر ہیں اور حضرت فاطمہ اور حضرت حسنین رضی اللہ تعالے عنہم اس مقام میں ان کے ساتھ شریک ہیں۔

میں یہ سمجھتا ہوں کہ حضرت امیر اپنی جسدی پیدائش سے پہلے بھی اس مقام کے ملجا و ماویٰ تھے جیسا کہ آپ جسدی پیدائش کے بعد ہیں اور جس کو بھی فیض و ہدایت اس راہ سے پہنچی کہ ان کے وسیلے سے پہنچی کیونکہ وہ اس راہ کے آخری نقطہ کے نزدیک ہیں اور اس مقام کا مرکز ان سے تعلق رکھتا ہے اور جب حضرت امیر کا دور ختم ہوا تو یہ عظیم القدر منصب ترتیب وار حضرات حسنین کو سپرد ہوا اور ان کے بعد یہی منصب ائمہ اثنا عشر میں سے ہر ایک کو ترتیب وار اور تفصیل سے مقرر ہوا اور ان بزرگواروں کے زمانہ میں اور اسی طرح ان کے انتقال کے بعد جس کو بھی فیض اور ہدایت پہنچتا ہے ان بزرگواروں کے ذریعہ اور حیلولہ سے پہنچا ہے اگرچہ اقطاب و نجبائے وقت ہی کیوں نہ ہوں اور سب کے ملجا و ماویٰ یہی بزرگ ہیں کیونکہ اطراف کو اپنے مرکز کے ساتھ الحاق کرنے سے چارہ نہیں ہے۔

یہاں تک کہ نوبت حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ تک پہنچی اور جب اس بزرگوار تک نوبت پہنچی تو منصب مذکور آپ کے سپرد ہوا اور ائمہ مذکورین اور حضرت شیخ کے درمیان کوئی بھی اس مرکز پر مشہود نہیں ہوتا اور اس راہ میں فیوض و برکات کا وصول جس کو بھی ہو خواہ وہ اقطاب و نجبا ہوں آپ کے واسطہ ہی سے مفہوم ہوتا ہے کیونکہ یہ مرکز ان کے علاوہ اور کسی کو میسر نہیں ہوا ہے یہی وجہ ہے کہ آپ نے فرمایا ہے ؎

أَفَلَتْ شُمُوسُ الْأَوَّلِيْنَ وَشَمْسُنَا ۔۔۔ أَبَدًا عَلَىٰ أُفُقِ الْعُلیٰ لَا تَغْرُبُ

شمس سے مراد فیضانِ ہدایت و ارشاد کا آفتاب ہے اور اس کے غروب ہونے کا مطلب فیضان مذکور کا عدم ہے اور جب حضرت شیخ کے وجود سے وہ معاملہ جو پہلے لوگوں سے تعلق رکھتا تھا مقرر ہوا اور وہ رشد و ہدایت کے وصول کا واسطہ ہوئے جیسا کہ ان سے پہلے پہلے لوگ تھے اور پھر جو بھی ہے کہ جب تک فیض کے توسط کا معاملہ قائم ہے انہی کے وسیلہ سے ہے تو لازماً درست ہوا کہ أَفَلَتْ شُمُوسُ الْأَوَّلِيْنَ وَشَمْسُنَا الخ

سوال :۔ یہ حکم مجدد الف ثانی سے ٹوٹ جاتا ہے کیونکہ مجدد الف ثانی کے معنی کے بیان میں جلد ثانی کے ایک مکتوب میں درج ہوا ہے کہ جو کچھ بھی فیض کی قسم سے اس مدت میں امتوں کو پہنچتا ہے وہ اسی کے ذریعے سے ہوتا ہے اگرچہ وہ اقطاب و اوتاد ہوں یا نجباء و بدلاء وقت ہوں۔

جواب :۔ میں کہتا ہوں کہ مجدد الف ثانی اس مقام میں حضرت شیخ کے نائب ہیں اور حضرت شیخ کی نیابت ہی سے یہ معاملہ اس سے وابستہ ہے جیسا کہ کہا ہے نُوْرُ الْقَمَرِ مُسْتَفَادٌ مِّنْ نُّوْرِ الشَّمْسِ ۔ (چاند

۱؎ پہلے لوگوں کے سورج غروب ہو گئے اور ہمارا سورج ہمیشہ بلندی کے کناروں پر رہے گا وہ غروب نہ ہو گا ۱۲

کا نُور سورج کے نور سے مستفاد ہے ، تو اب کوئی استحالہ نہ رہا۔

سوال :- کاشی جو اُوپر مذکور ہوا مشکل ہے کیونکہ اس مدت مذکورہ میں حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی نزول فرمائیں گے اور حضرت مہدی علیہ الرضوان بھی ظاہر ہوں گے اور ان بزرگوار کا معاملہ اس سے بہت بلند ہے کہ وہ کسی کے ذریعے سے فیض حاصل کریں۔

جواب :- میں کہتا ہُوں کہ دو راہوں میں سے دُوسرے راہ میں توسّط کا معاملہ پیش آتا ہے جو کہ قرب ولایت سے عبارت ہے اور پہلی راہ میں جو کہ قرب نبوت سے عبارت ہے توسّط کا معاملہ مفقود ہے جو بھی اس راہ سے واصل ہُوا ہے کوئی بھی اس میں حائل اور وسیلہ نہیں ہے وہ کسی کے وسیلہ کے بغیر فیوض و برکات حاصل کرتا ہے۔ توسّط اور حیلولت صرف آخری راہ میں ہے اور اس مقام کا معاملہ علیٰحدہ ہے جیسا کہ گذر چکا اور حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت مہدی علیہ الرضوان پہلی راہ سے واصل ہیں جیسا کہ حضرات شیخین رضی اللہ تعالےٰ عنہما پہلی راہ سے واصل ہیں اور رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ضمن میں ہیں اور وہ اپنے مختلف درجات میں اس جگہ ایک خاص شان رکھتے ہیں۔

تنبیہ :- جاننا چاہیئے کہ جائز ہے کہ کوئی شخص قرب ولایت کی راہ سے قرب نبوت تک پہنچے اور دونوں معاملات میں شریک ہو اور انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی طفیل اس کو اس جگہ بھی جگہ دے دیں اور کارخانہ کو اس سے وابستہ کر دیں اور اس جگہ بھی معاملہ اس سے متعلق ہو سے

خاص کند بندۂ مصلحت عام را[1]

یہ اللہ تعالےٰ کا احسان ہے جس پر چاہے کرے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ سُبحان ربک رب العزۃ عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العالمین

مکتوب نمبر ۱۲۴

شیخ محمد طاہر بدخشی کی طرف صادر فرمایا

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ شیخ محمد طاہر بدخشی نے استفسار کیا ہے کہ رسالہ مبدأ و معاد میں لکھا ہے کہ " جیسے صورت کعبہ صورت محمدی کی مسجود ہے اسی طرح حقیقت کعبہ بھی حقیقت محمدی کی مسجود ہے علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات " اس عبارت سے حقیقت محمدی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ

---

[1] وہ عام لوگوں کی مصلحت کے لئے کسی بندہ کو خاص کر دیتا ہے ۱۲

والسلام سے حقیقت کعبہ کی افضلیت لازم آتی ہے حالانکہ مقرر یہ ہے کہ عالم کی پیدائش سے مقصود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور حضرت آدم اور تمام آدمی ان کے طفیل ہیں علیہ الصلوٰۃ والسلام جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ اگر وہ نہ ہوتے تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا اور نہ ربوبیت کو ظاہر کرتا۔

جاننا چاہیئے کہ صورت کعبہ اینٹ اور پتھر سے عبارت نہیں ہے کیونکہ اگر بالفرض یہ اینٹ اور پتھر درمیان میں نہ ہوں تو بھی کعبہ کعبہ ہے اور خلائق کا مسجود ہے بلکہ صورت کعبہ باوجود اس کے کہ عالم خلق سے ہے لیکن دوسری اشیاء کی پیدائش کی طرح نہیں ہے بلکہ وہ ایک مستور امر ہے جو حس و خیال کے احاطہ سے باہر ہے وہ عالم محسوسات سے ہے اور کچھ بھی محسوس نہیں ہے اور تمام اشیاء کا متوجہ الیہ ہے اور کسی کی بھی توجہ نہیں ہے۔ وہ ہستی ہے جس نے نیستی کا لباس پہنا ہے اور نیستی ہے جس نے ہستی کے لباس میں اپنے آپ کو ظاہر کیا ہے وہ جہت میں بے جہت ہے اور سمت میں بے سمت ہے۔

مختصر یہ کہ یہ صورت حقیقت منش ایک عجیب چیز ہے کہ عقل اس کی تشخیص میں عاجز ہے اور عقلاء اس کے تعین میں حیران ہیں گویا کہ وہ عالم بے چونی و بے چگونی کا نمونہ ہے اور بے شبہی اور بے نمونی کا نشان اپنے میں پوشیدہ ہے۔ ہاں اگر ایسا نہ ہوتا تو مسجودیت کے لائق نہ ہوتا اور بہترین موجودات علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام شوق و آرزو سے اس کو اپنا قبلہ اختیار نہ فرماتے۔ فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ (اس میں کھلے کھلے نشان ہیں) اس کی شان میں نص قاطع ہے وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا (اور جو اس میں داخل ہو گیا وہ امن میں ہو گیا) اس کے حق میں قرآن مجید مدح کرنے والا ہے۔

وہ بیت اللہ ہی ہے کہ جس میں صاحب خانہ جل شانہ کی بے کیف بود و باش ہے اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ بیچون مجہول الکیفیت نسبت و اتصال ہے وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْأَعْلٰى (اور اللہ کے لئے بلند مثل ہے) عالم مجاز میں جو کہ حقیقت کا پل ہے بیت (گھر) شب باشی کی خبر دیتا ہے جو کہ صاحب خانہ کے آرام اور قرار کی جگہ ہے اہل دولت کے لئے اگرچہ بیشمار نشست گاہیں ہیں اور بیٹھنے اٹھنے کے لئے بہت سے مقام ہیں لیکن گھر پھر بھی گھر ہے جو کہ اغیار کی مزاحمت سے بیگانہ اور دوست کے آرام کے لئے مکان اور جگہ ہے۔ اگرچہ بحکم حدیث قدسی وَلٰكِنْ يَسَعُنِيْ قَلْبُ عَبْدِيَ الْمُؤْمِنِ (لیکن میں اپنے مومن بندے کے دل میں سما سکتا ہوں) مومن بندے کا دل بے چونی ظہور کی گنجائش پیدا کرتا ہے لیکن گھر ہونے کی نسبت جو کہ بود و باش کی خبر دیتا ہے وہ کہاں سے پیدا کرے۔ اور اغیار کی مزاحمت جو کہ گھر کے لوازمات سے ہے کہاں سے لائے اور جب غیر اور غیریت کو اس مقام میں دخل نہ ہوگا تو لازماً وہ مخلوق کا سجدہ گاہ ہوگا کہ غیر کو سجدہ نہ ہوا اور غیریت مسجودیت کی منافی ہوتی ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سجدہ

تجویز نہ فرمایا اور بیت اللہ شریف کی جانب شوق اور رغبت سے سجدہ کرتے رہے فرق کا راز اس جگہ سے معلوم کرو کہ ساجد اور مسجود میں کتنا بڑا فرق ہے۔

اے بھائی جب آپ نے کچھ صورت کعبہ کے متعلق معلوم کر لیا تو اب کچھ حقیقت کعبہ کے متعلق بھی سنو حقیقت کعبہ ذات بے چون واجب الوجود سے عبارت ہے کہ ظہور اور ظلب کی گرد بھی وہاں تک راہ نہیں پا سکتی اور وہ مسجودیت و معبودیت کے لائق ہے اس حقیقت کو اگر حقیقت محمدی کا مسجود کہیں تو اس میں کیا استحالہ لازم آتا ہے اور آپ کی افضلیت میں کیا قصور واقع ہوتا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ حقیقت محمدی عالم کے تمام افراد کے حقائق سے افضل ہے لیکن کعبہ معظمہ کی حقیقت عالم کی جنس سے نہیں ہے تاکہ اس کے ساتھ نسبت ظاہر کی جائے اور اس کی افضلیت میں توقف کیا جائے۔

تعجب ہے کہ ان دو صاحب دولت کی ساجدیت اور مسجودیت کی صورتوں کے فرق نے بھی ذو فنون عقلمندوں کو ان کی حقیقت کے فرق کا سراغ نہ دیا کہ انہوں نے منہ پھیرنے کا مقام اختیار کیا اور طعن و تشنیع کی زبان کھول حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ ان کو انصاف عطا کریں کہ نہ سمجھتے ہوئے ملامت نہ کریں۔ اے ہمارے رب ہمارے گناہ اور ہمارے اپنے کام میں ہماری زیادتیاں معاف فرما اور ہمارے قدم ثابت رکھ اور ہمیں کافروں کی قوم پر مدد عطا فرما۔ والسلام علی من اتبع الہدیٰ۔

تیسرا دفتر ختم ہوا اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہاں کتاب ختم ہو گئی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

اختتامیہ

عرض مترجم غفرلہٗ

بلاشبہ اسلام کامل دین ہے جو انسان کی تمام دنیوی واخروی سعادتوں کا کفیل ہے۔ لیکن ان سعادتوں سے انسان اسی وقت بہرہ ور ہو سکتا ہے جبکہ اس دین کو اپنا دستور حیات بنائے اور اس کے ظاہری وباطنی محاسن سے آراستہ ہو۔ کما حقہ یہ مقام، تزکیۂ نفس کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ تزکیۂ نفس کیلئے تصوف وسلوک کی منازل طے کرنا شرط ہے۔ حدیث میں عبادت کے جس درجے کو احسان سے تعبیر کیا گیا ہے اس تک پہنچنے کا ذریعہ ہی تصوف وسلوک ہے۔

نیک کام کی قبولیت، اس کے نتائج وثمرات سے متمتع ومستفید ہونے کا مدار صدق نیت خلوص اور للہیت پر ہے۔ اور اخلاص اور للہیت کے تقاضوں کی تکمیل بدون تزکیۂ نفس ناممکن ہے۔ کوئی شخص کتنا ہی بڑا عالم وفاضل، متکلم وعلامہ کیوں نہ ہو تزکیہ کے بغیر بشری ونفسانی رذائل وحجابات سے نجات نہیں پا سکتا۔

محققین صوفیائے کرام اور بزرگان دین نے اپنی تصانیف میں سلوک کے منازل ومقامات کی نہایت شرح وبسط سے نشاندہی کی ہے اور مروجہ غلط فقر وسلوک اور صحیح فقر وسلوک کو پوری طرح ممتاز کر دیا ہے انہی مبارک وعمدہ تصانیف میں سے امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی سرہندی قدس سرہ کے مکتوبات ہیں۔ جن میں خالص اسلامی تصوف کی حقیقت ماہیت اس کے معارف ورموز اور اس کے فوائد وثمرات پر نہایت

جامع انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور سلوک سے متعلق ہر طرح کے شکوک و شبہات کا ازالہ کیا گیا ہے۔ آپ کے مکتوبات قلبی و روحانی امراض کیلئے نسخہ شفا ہیں۔

اس دورِ الحاد میں خام صوفیوں اور جاہل پیروں نے فقر و سلوک کا حلیہ جس بری طرح بگاڑا ہے۔ اور فقر کے نام پہ گمراہی و ضلالت کا جو بازار گرم کر رکھا ہے۔ وہ اربابِ فہم و دانش سے پوشیدہ نہیں۔ اس صورت حال نے فقیر کو اس امر پہ آمادہ کیا کہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے مکتوبات قدسی آیات جو فارسی میں تھے، اردو زبان میں منتقل کئے جائیں۔ حسن اتفاق سے تائید ایزدی نے بہت جلد یاوری کی کہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی کے مالک جناب محترم الحاج حکیم محمد تقی صاحب دہلوی اشرفی دام فیضہٗ و عمّ احسانہٗ و زید مجدہٗ لاہور تشریف لائے اور ترجمے کی فرمائش کی۔ فقیر نے حکیم صاحب موصوف کے ارشاد کے مطابق ترجمے کا کام شروع کر دیا۔ جنوری ۱۹۷۰ء میں یہ مبارک کام شروع کیا اور جون ۱۹۷۲ء کے اواخر میں کم و بیش ساڑھے سولہ سو صفحات پہ پھیلا ہوا یہ ترجمہ مکمل ہوا۔ خدا تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر جس نے اس ناکارہ اور ہیچ مداں سے عظیم کام پایۂ تکمیل کو پہنچایا۔

حکیم صاحب موصوف کی خواہش تھی کہ ترجمہ سال ڈیڑھ سال کے اندر اندر مکمل ہو جائے مگر افسوس کہ مرض شوگر کے باعث مسلسل نقاہت، دربار شریف میں افتا کا کام، ملاقاتیوں کا ہجوم، جامعہ حنفیہ غوثیہ حضرت شاہ محمد غوث رحمۃ اللہ علیہ کے انتظام و اہتمام کی ذمہ داریاں، سُنّی تبلیغی جماعت پاکستان کی تبلیغی مصروفیات، گھریلو مشاغل وغیرہ کی بنا پر قبلہ حکیم صاحب موصوف کی خواہش پوری نہ کر سکا جس کے لئے فقیر قبلہ حکیم صاحب مدظلہ العالی اور مدینہ پبلشنگ کمپنی کے اراکین سے تہِ دل سے معذرت خواہ ہے کہ انہیں انتظار کی شدید زحمت اٹھانا پڑی۔ تاہم فقیر اپنی جگہ مجبور تھا اور وہ اپنے مقام پہ سچے تھے، بلکہ میں یہ عرض کروں گا کہ صحت کی ناسازی اور بے پناہ مصروفیات کے باوجود قریباً ساڑھے سولہ سو صفحات کا ترجمہ اڑھائی برس میں مکمل ہو جانا

تائید و توفیق ایزدی کا کرشمہ اور بزرگانِ دین کی نظرِ کرم کا نتیجہ ہے۔

آخر میں تمام اصحابِ علم و عرفان کی خدمت میں عرض ہے کہ ترجمے میں اگر خطا اور غلطی پائیں تو عفو و درگزر سے کام لیں اور بندہ کو آگاہ کریں کہ آئندہ اس کی صحت ہو سکے۔ تمام پڑھنے اور فائدہ اٹھانے والوں سے استدعا ہے کہ اپنی دعاؤں میں اس عاصی کو یاد رکھیں۔ رب تعالےٰ کے حضور میں التجا اور دعا ہے کہ اس حقیر کوشش کو قبول کرے اور میرے لئے اسے ذریعۂ نجات اور ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین ثم آمین۔

بحمد اللہ کہ بر رغمِ زمانہ — بپایاں آمد ایں دلکش فسانہ

ز دیوارِ فراغت یافت پشتی — براو نرمی افتاد از درشتی

سرم برداشت از زانو گرانی

سبک شد خاطر از بارِ نہانی

وصلی اللہ تعالےٰ علےٰ خیر خلقہ و نور عرشہ سیدنا و مولانا محمد و علےٰ آلہ واصحابہ واھل بیتہ وجمیع امتہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین

محمد سعید احمد نقشبندی غفر اللہ لہٗ

خطیب امام مسجد حضور داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ، لاہور۔ پاکستان

۲۔ جولائی ۱۹۷۲ء